الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۱۹
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہ
ڈیزائننگ کمپوزنگ:
7895786325
pasbanehaq

الرفیق الفصیح
لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۹

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تفصیلات

نام کتاب...... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۱۹
افادات .... حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
مرتب .... محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ
کمپوزنگ .... نجم الحسن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا
سن اشاعت .... ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء
صفحات ۶۰۲
قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح
لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: نہم دہم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد نہم و دہم

نمبر شمار	مضامین	رقم الحدیث	نمبر صفحہ
۱	کتاب الحدود	۳۴۰۰/تا۳۴۳۲/	۳۱/تا۱۵۱
۲	باب قطع السرقة	۳۴۳۳/تا۳۴۴۸/	۱۵۲/تا۲۰۷
۳	باب شفاعة فی الحدود	۳۴۴۹/تا۳۴۵۱/	۲۰۸/تا۲۲۱
۴	باب الحد الخمر	۳۴۵۲/تا۳۴۵۹/	۲۲۲/تا۲۶۴
۵	باب مالا یدعی علی المحدود	۳۴۶۰/تا۳۴۶۴/	۲۶۵/تا۲۷۴
۶	باب التعزیر	۳۴۶۵/تا۳۴۶۸/	۲۷۵/تا۲۹۲
۷	باب بیان الخمر و وعید شاربها	۳۴۶۹/تا۳۴۹۲/	۲۹۳/تا۳۳۰
۸	کتاب الامارة والقضاء	۳۴۹۳/تا۳۵۵۱	۳۳۱/تا۳۶۲
۹	باب ما علی الولاة من التیسر	۳۵۵۲/تا۳۵۶۰	۳۶۳/تا۴۸۴
۱۰	باب العمل فی القضاء والخوف منه	۳۵۶۱/تا۳۵۷۳	۴۸۵/تا۵۱۹
۱۱	باب رزق الولاة وهدایاهم	۳۵۷۴/تا۳۵۸۴	۵۲۰/تا۵۴۳
۱۲	باب الاقضیة والشهادات	۳۵۸۵/تا۳۶۱۲	۵۴۴/۶۰۲

Jild-19

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۴	﴿۱۴﴾...... حدود، قصاص اور تعزیرات	۳۹
۱۵	﴿۱۵﴾......قانون حدود کے فوائد	۴۰
	﴿الفصل الاول﴾	
۱۶	حدیث نمبر﴿۳۴۰۰﴾ بیٹے پر حد کا نفاذ کروانا	۴۲
۱۷	مضمون حدیث	۴۶
۱۸	ایک مرتبہ اعتراف کافی ہونے پر شافعیہ کا استدلال	۴۸
۱۹	احصان کن صفات کے مجموعہ کا نام ہے	//
۲۰	مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ	۵۰
۲۱	رجم کے ثبوت میں بعض فرق کا اختلاف	//
۲۲	زنا	۵۱
۲۳	فقہی تعریف	۵۲
۲۴	بعض صورتوں کی بابت فقہاء کا اختلاف	۵۴
۲۵	ثبوت زنا کے ذرائع	//
۲۶	رجم سنگسار کرنا	۵۵
۲۷	کس قسم کے زانی کو رجم کیا جائے گا؟	۵۶
۲۸	رجم کرنے کا طریقہ	//
۲۹	حدیث نمبر﴿۳۴۰۱﴾ غیر محصن زانی کی سزا	۵۸
۳۰	حدیث نمبر﴿۳۴۰۲﴾ محصن زانی کی سزا	۵۹
۳۱	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اندیشہ موجودہ دور کے آئینے میں	۶۰
۳۲	کیا آیت رجم قرآن کریم کا حصہ تھی؟	//
۳۳	یہ آیت رجم تورات کا حصہ تھی	۶۱

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۴	تورات کا حصہ ہونے کی دلیل --	۶۲
۳۵	آیت ''جلد مائۃ'' پر اشکال اور جواب --------------------------------	۶۳
۳۶	دوسزاؤں کو مدغم کیا جا سکتا ہے ------------------------------------	۶۴
۳۷	کیا ''حمل'' زانیہ ہونے کی دلیل کافی ہے؟ ----------------------------	//
۳۸	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا آیت رجم کو مصحف میں لکھنے کی خواہش ظاہر کرنا --------	۶۵
۳۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ --------------------------------	۶۶
۴۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۳﴾ عورتوں کے لئے راہ بنا دیا ----------------------------	۶۷
۴۱	غیر محصن کی دوسزائیں، سو کوڑے اور جلاوطنی ------------------------	۶۸
۴۲	جمع بین الجلد والرجم کی بحث --------------------------------	۶۹
۴۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۴﴾ تورات میں رجم کی سزا کا ذکر ------------------------	//
۴۴	مسئلہ بالحدیث میں اختلاف ائمہ ----------------------------------	۷۲
۴۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۵﴾ ماعز کا اعتراف جرم اور حد کے نفاذ پر اصرار --------------	۷۴
۴۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۶﴾ زنا کی خوب تحقیق کے بعد سزا دینا ----------------	۷۹
۴۷	اقرار بالزنا کیلئے صریح الفاظ ضروری ہیں ----------------------------	۸۱
۴۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۷﴾ ماعز اسلمی کا واقعہ حد --------------------------	//
۴۹	حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟ ------------------------	۸۹
۵۰	اختلاف ائمہ رحمۃ اللہ علیہم --	۹۰
۵۱	امرأۃ غامدیہ کی تحقیق --	۹۱
۵۲	رجم حبلیٰ سے متعلق چند اختلافی مسائل ----------------------------	۹۲
۵۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۸﴾ باندی کی حد زنا --------------------------------	۹۴
۵۴	''عبد'' اور ''امۃ'' کا رجم -------------------------------------	۹۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۵	”عبد“ اور ”امۃ“ کی حدزنا کیا ہے--	۹۵
۵۶	اقامۃ الحد للسید کی بحث ---	۹۶
۵۷	حنفیہ کا استدلال --	″
۵۸	زیر بحث حدیث کا جواب --	۹۷
۵۹	تثریب کے معنیٰ ---	″
۶۰	زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم کیوں دیا؟ ----------------------------	″
۶۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۰۹﴾ مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ ----------------	۹۸
۶۲	حیلہ مذکورہ فی الحدیث پر کس امام کا عمل ہے؟ ------------------------	۱۰۰
	﴿الفصل الثانی﴾	
۶۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۰﴾ زنا کے اقرار کے بعد رجوع ------------------------	۱۰۱
۶۴	ثبوت زنا بالاقرار میں تعداد اقرار اور اس میں ائمہ کا اختلاف -------------	۱۰۴
۶۵	رجوع عن اقرار الزنا کا حکم --------------------------------------	۱۰۵
۶۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۱﴾ زانی کا اعتراف زنا ------------------------------	۱۰۶
۶۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۲﴾ موجد حد جرم میں پردہ پوشی کرنا ------------------	۱۰۷
۶۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۳﴾ حد معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ---------------	۱۱۰
۶۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۴﴾ صاحب حیثیت کو معاف کرنے کی تاکید --------------	۱۱۱
۷۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۵﴾ شبہ سے حد کا ساقط ہونا --------------------------	۱۱۲
۷۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۶﴾ زنا بالجبر میں زانی کو سزا ملے گی ------------------	۱۱۴
۷۲	مہر نہ ملنے کی وجہ ---	۱۱۵
۷۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۷﴾ زنا بالجبر کا واقعہ ------------------------------	″
۷۴	تحقیق نفیس واجب التنبیہ ---------------------------------------	۱۱۷

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۱۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۸﴾ ایک زنا اور دو سزائیں	۷۵
۱۱۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۱۹﴾ مریض پر حد جاری کرنا	۷۶
۱۲۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۰﴾ لواطت کی سزا	۷۷
۱۲۱	لواطت فعل خلاف فطرت	۷۸
۱۲۲	لواطت کی سزا	۷۹
۱۲۳	صدیقی دور کا واقعہ	۸۰
۱۲۴	بیوی کے ساتھ	۸۱
//	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۱﴾ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا	۸۲
۱۲۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۲﴾ لواطت کی شناعت	۸۳
۱۲۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۳﴾ حد قذف وحد زنا دونوں جاری ہونے کا ذکر	۸۴
۱۲۸	مذاہب ائمہ	۸۵
۱۲۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۴﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کو سزا	۸۶
۱۳۰	عبداللہ بن ابی پر حد قذف جاری کی گئی یا نہیں؟	۸۷
//	قذف سے متعلق بعض ضروری مباحث	۸۸
۱۳۱	انسانی عزت وآبرو کی اہمیت	۸۹
۱۳۲	دو صورتیں	۹۰
//	جس پر حد شرعی جاری ہوتی ہے	۹۱
۱۳۳	احصان سے مراد	۹۲
//	تہمت لگانے والے سے متعلق شرطیں	۹۳
//	زنا کی صریح تہمت	۹۴
۱۳۴	حد قذف کس ملک میں جاری ہوگی؟	۹۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۹۶	دعویٰ قذف کا حکم	//
۹۷	حد قذف کی مقدار	//
۹۸	حد قذف کا تداخل	۱۳۵
۹۹	قذف ثابت کرنے کا طریقہ	//
۱۰۰	جب حد قذف ساقط ہو جاتی ہے!	۱۳۶
	﴿الفصل الثالث﴾	
۱۰۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۵﴾ غلام پر حد زنا کا نفاذ	//
۱۰۲	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۶﴾ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے زنا کا تفصیلی واقعہ	۱۳۸
۱۰۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۷﴾ کثرت زنا کی وجہ سے آنے والی مصیبت	۱۴۳
۱۰۴	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۸﴾ لوطی ملعون ہے	۱۴۴
۱۰۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۲۹﴾ لوطی نظر کرم سے محروم ہے	۱۴۶
۱۰۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۰﴾ جانور سے صحبت کرنے والے کا حکم	۱۴۷
۱۰۷	وطی بالبھیمۃ کا حکم	۱۴۸
۱۰۸	مسئلہ اولیٰ	//
۱۰۹	دلائل	//
۱۱۰	مسئلہ ثانیہ	۱۴۹
۱۱۱	توجیہ حدیث	//
۱۱۲	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۱﴾ حدود کے اجرا میں امتیاز پسندی نہیں	۱۵۰
۱۱۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۲﴾ حدود جاری کرنے کے فوائد	۱۵۱
	﴿باب قطع السرقة﴾	
۱۱۴	(چوروں کا ہاتھ کاٹنے کا بیان)	۱۵۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۱۵	﴿۱﴾......خلاصۃ الباب	۱۵۲
۱۱۶	﴿۲﴾......چوری کا سبب اور قطع ید کی حکمت	۱۵۳
۱۱۷	﴿۳﴾......چوری اور غصب میں فرق	//
۱۱۸	﴿۴﴾......دوسرے کا مال لینے کی صورتیں	//
۱۱۹	﴿۵﴾......شریعت کا مقصد مال کا تحفظ ہے	۱۵۴
۱۲۰	﴿۶﴾......لغوی تعریف	//
۱۲۱	﴿۷﴾......شرعی تعریف	۱۵۵
۱۲۲	﴿۸﴾......سرقہ کی سزا	۱۵۶
۱۲۳	﴿۹﴾......سزا کی تنفیذ کا طریقہ	۱۵۷
۱۲۴	﴿۱۰﴾......سزا کے لئے شرطیں	۱۵۸
۱۲۵	﴿۱۱﴾......سارق سے متعلق شرطیں	//
۱۲۶	﴿۱۲﴾......مسروقہ مال سے متعلق شرطیں	۱۵۹
۱۲۷	﴿۱۳﴾......سرقہ کا نصاب	۱۶۱
۱۲۸	﴿۱۴﴾......مالک مال سے متعلق شرطیں	۱۶۲
۱۲۹	﴿۱۵﴾......مکان سرقہ سے متعلق شرط	//
۱۳۰	ثبوت سرقہ کے ذرائع	۱۶۳
۱۳۱	﴿۱۶﴾......شہادت	//
۱۳۲	﴿۱۷﴾......اقرار	//
۱۳۳	﴿۱۸﴾......جن اسباب کی وجہ سے حد سرقہ ساقط ہو جاتی ہے	۱۶۴
۱۳۴	﴿۱۹﴾......مال مسروق کا حکم	۱۶۵
۱۳۵	﴿۲۰﴾......حد کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جانا بہتر ہے	۱۶۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
١٣٦	﴿٢١﴾......جن صورتوں کے ارتکاب پر حد نہیں	١٦٧
١٣٧	﴿٢٢﴾......حد سرقہ نافذ نہ ہونے کی صورت تعزیر	١٦٨
	﴿الفصل الاول﴾	
١٣٨	حدیث نمبر﴿٣٤٣٣﴾قطع سرقہ کا نصاب	١٦٨
١٣٩	قطع ید کا نصاب	١٦٩
١٤٠	اختلاف فقہاء	١٧٠
١٤١	مسئلہ اولیٰ	//
١٤٢	دلائل	//
١٤٣	مسئلہ ثانیہ	//
١٤٤	دلائل	١٧٢
١٤٥	حدیث باب کا جواب	١٧٣
١٤٦	حدیث نمبر﴿٣٤٣٤﴾نصاب سرقہ ڈھال کی قیمت ہے	١٧٤
١٤٧	حدیث نمبر﴿٣٤٣٥﴾کیا انڈا چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا	١٧٥
١٤٨	ایک دینار اور دس درہم میں تفاوت ہو جائے تو اعتبار کس کا ہوگا	١٧٦
١٤٩	قطع ید کی سزا پر اعتراض اور اس کا جواب	١٧٧
١٥٠	کیا قطع ید کے بعد چور کو دوبارہ ہاتھ جڑوانے کی اجازت ہوگی؟	١٧٨
١٥١	قصاصاً کاٹے گئے عضو کو دوبارہ جڑوانا جائز ہے	//
١٥٢	جنایت کا ایک مسئلہ	١٧٩
١٥٣	ہاتھ پاؤں کو دوبارہ جوڑنا تقریباً ناممکن ہے	//
١٥٤	ہاتھ جوڑنے کے مسئلے میں دو نقطہ ہائے نظر	١٨٠
	﴿الفصل الثانی﴾	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۵۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۶﴾ درخت پر لگے پھل چوری کرنے پر حد شرعی نہیں ہے -----	۱۸۰
۱۵۶	سرقہ کے ثبوت کے لئے مال کا ''محرز'' ہونا ضروری ہے----------------------	۱۸۲
۱۵۷	تحقیق مذاهب فی هٰذه المسئلة---------------------------------	//
۱۵۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۷﴾ محفوظ پھل چرانے پر قطع ید کی سزادی جائے گی ----------	۱۸۳
۱۵۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۸﴾ غیر مملوکہ جانور کی چوری پر قطع ید نہیں-----------------	۱۸۴
۱۶۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۳۹﴾ لٹیرے کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے---------------------	۱۸۶
۱۶۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۰﴾ خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ------------	۱۸۷
۱۶۲	حدیث الباب میں ایک مسئلہ ---	۱۹۰
۱۶۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۱﴾ سفر جہاد میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی ممانعت -------------	۱۹۱
۱۶۴	الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ ------------------------------------	۱۹۲
۱۶۵	دار الحرب میں حد جاری کیجائے یا نہیں؟---------------------------	//
۱۶۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۲﴾ دوبارہ چوری کرنے کی سزا --------------------------	۱۹۳
۱۶۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۳﴾ تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے کی سزا ------------	۱۹۴
۱۶۸	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ ------------------------------------	۱۹۵
۱۶۹	حدیث ائمہ اربعہ کے خلاف ہے اس کے جوابات --------------------------	۱۹۶
۱۷۰	مسئلۃ الباب میں حنفیہ کی دلیل ----------------------------------	۱۹۷
۱۷۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۴﴾ چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانے کا تذکرہ -----------	۱۹۸
۱۷۲	مذاہب ائمہ --	۱۹۹
۱۷۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۵﴾ چور غلام کو بیچنے کی تاکید --------------------------	//
۱۷۴	احکام ومسالک--	۲۰۰
	﴿الفصل الثالث﴾	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۷۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۶﴾ اجراء حد میں امتیاز نہیں ----------------------------	۲۰۱
۱۷۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۷﴾ چور غلام کا ہاتھ نہ کٹنا ----------------------------	۲۰۲
۱۷۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۸﴾ کفن چور کے ہاتھ کاٹنے کا معاملہ ----------------------------	۲۰۴
۱۷۸	کفن چور کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف ائمہ ----------------------------	۲۰۶
	﴿باب الشفاعة في الحدود﴾	
۱۷۹	(حدود کے مقدمہ میں سفارش کا بیان)	۲۰۸
۱۸۰	(۱)......مناسب ----------------------------	//
۱۸۱	(۲)......خلاصة الباب ----------------------------	//
۱۸۲	(۳)......کچھ باب سے متعلق ----------------------------	//
۱۸۳	﴿الفصل الاول﴾	
۱۸۴	حدیث نمبر ﴿۳۴۴۹﴾ حدود میں سفارش کی گنجائش نہیں ----------------------------	۲۰۹
	﴿الفصل الثاني﴾	
۱۸۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۰﴾ حدود اللہ میں سفارش کرنے والا اللہ کا نافرمان ہے ----------	۲۱۵
۱۸۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۱﴾ چوری کے اعتراف میں ہاتھ کاٹے جانے کا تذکرہ ----------	۲۱۷
۱۸۷	ایک مرتبہ اقرار پر حد سرقہ لازم ہے یا نہیں ----------------------------	۲۱۹
۱۸۸	حدود زواجر ہیں یا مطہر؟ اختلاف ائمہ ----------------------------	//
۱۸۹	یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے ----------------------------	۲۲۱
	﴿باب حد الخمر﴾	
۱۹۰	(شراب کی حد کا بیان)	۲۲۲
۱۹۱	﴿۱﴾......خمر کی لغوی معنی ----------------------------	۲۲۳
۱۹۲	﴿۲﴾......وجہ تسمیہ ----------------------------	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۹۳	﴿۳﴾......عقل کا تحفظ مقاصد شریعت میں سے ہے	۲۲۳
۱۹۴	﴿۴﴾......خمر کی حقیقت	۲۲۴
۱۹۵	﴿۵﴾......شراب کی سزا	۲۲۵
۱۹۶	﴿۶﴾......شراب ساز کے ہاتھ رس فروخت کرنا	۲۲۶
۱۹۷	﴿۷﴾......مختلف احکام	۲۲۷
۱۹۸	﴿۸﴾......اشربہ کی تفصیل	۲۲۸
۱۹۹	﴿۹﴾......خمر	//
۲۰۰	﴿۱۰﴾......خمر کا احکام	//
۲۰۱	﴿۱۱﴾......منصف وباذق	۲۲۹
۲۰۲	﴿۱۲﴾......سکر	۲۳۰
۲۰۳	﴿۱۳﴾......نقیع زبیت	//
۲۰۴	﴿۱۴﴾......حکم	//
۲۰۵	﴿۱۴﴾......حلال مشروبات	۲۳۱
۲۰۶	﴿۱۵﴾......کچھ نبیذ سے متعلق	۲۳۲
۲۰۷	﴿۱۶﴾......نبیذ کی حلت اور حرمت	//
۲۰۸	﴿۱۷﴾......بعض برتن کے استعمال کی ممانعت پھر اجازت	۲۳۳
۲۰۹	﴿۱۸﴾......نبیذ تمر سے وضوء	۲۳۴
۲۱۰	﴿۱۹﴾......حقیقت خلیط	۲۳۵
۲۱۱	﴿۲۰﴾......احکام سکران	۲۳۶
۲۱۲	﴿۲۱﴾......تداوی بالمحرمات	//
۲۱۳	﴿۲۲﴾......شراب کی حرمت بتدریج نازل ہوئی	۲۴۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۱۴	﴿۲۳﴾......شراب کی حرمت کب نازل ہوئی	۲۴۲
۲۱۵	شرب خمر کی حد ہے یا تعزیر	۲۴۳
۲۱۶	ایک اشکال کا حل	۲۴۵
	﴿الفصل الاول﴾	
۲۱۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۲﴾ شراب نوشی کی سزا	۲۴۶
۲۱۸	شراب کی حد مع اختلاف مذاہب	۲۴۷
۲۱۹	مسلک حنفی کی وضاحت	۲۴۸
۲۲۰	حضور اکرم ﷺ کے عمل میں دونوں احتمال تھے؟	۲۴۹
۲۲۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۳﴾ شراب نوشی پر اسی کوڑے کی سزا کا تعلق	//
	﴿الفصل الثانی﴾	
۲۲۲	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۴﴾ چوتھی مرتبہ پر شرابی کا قتل	۲۵۲
۲۲۳	قتل شارب فی الرابعة کے نسخ کی بحث	۲۵۳
۲۲۴	خوارج پر رد	۲۵۵
۲۲۵	کسی درجہ میں اس حدیث پر بھی احناف کا عمل ہے	//
۲۲۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۵﴾ شرابی کی پٹائی	//
۲۲۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۶﴾ شرابی پر لعن طعن کرنا	۲۵۷
۲۲۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۷﴾ حد کے نفاذ کیلئے ثبوت لازم ہے	۲۵۹
	﴿الفصل الثالث﴾	
۲۲۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۸﴾ اجراء حد میں شرابی کا مر جانا	۲۶۲
۲۳۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۵۹﴾ حد خمر اسی کوڑے ہیں	۲۶۳

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
	﴿باب مالا یدعی علی المحدود﴾	۲۳۱
۲۶۵	(جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بددعا نہ کرنے کا بیان)	۲۳۲
//	مناسبت	۲۳۳
//	خلاصۃ الباب	۲۳۴
//	محدود کو لعن طعن سے منع کرنے کی وجہ	
	﴿الفصل الاول﴾	۲۳۵
۲۶۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۰﴾ کسی پر لعنت مت کرو	۲۳۶
۲۶۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۱﴾ شرابی پر لعنت کرنے سے روکنا	۲۳۷
//	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۲﴾ سزا پا چکے مجرم پر ملامت کی ممانعت	۲۳۸
۲۷۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۳﴾ حد کا جاری ہونا گناہ کیلئے کفارہ ہے	۲۳۹
۲۷۲	حدود صرف زواجر ہیں یا کفارات بھی	۲۴۰
۲۷۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۴﴾ حد جاری ہونے امید مغفرت	۲۴۱
۲۷۴	الفائدۃ بابواب السابق	۲۴۲
	﴿باب التعزیر﴾	
۲۷۵	(تعزیر کا بیان)	۲۴۳
//	﴿۱﴾......تعزیر کے لغوی معنی	۲۴۴
//	﴿۲﴾......تعزیر کے شرعی معنی	۲۴۵
۲۷۶	﴿۳﴾......اقسام معصیت	۲۴۶
//	﴿۴﴾......حدود اور تعزیرات میں فرق	۲۴۷
//	﴿۵﴾......تعزیر کا ثبوت	۲۴۸
۲۷۷	﴿۶﴾......تعزیر کن جرائم پر ہوگی؟	۲۴۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۵۰	﴿۸﴾......تعزیر کی حد	۲۷۷
۲۵۱	﴿۷﴾......تعزیراً قتل کی سزا	۲۷۸
۲۵۲	﴿۹﴾......تعزیر مالی	۲۷۹
۲۵۳	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے	//
۲۵۴	﴿۱۰﴾......خلاصۃ الباب	۲۸۰
	﴿الفصل الاول﴾	
۲۵۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۵﴾ تعزیری سزا کی انتہاء کا ذکر	۲۸۰
۲۵۶	تعزیر کی حد میں فقہاء کا اختلاف	۲۸۱
۲۵۷	حنفیہ کا مشہور قول	//
۲۵۸	میرے نزدیک راجح قول	//
۲۵۹	قول راجح کے دلائل	۲۸۲
۲۶۰	اہل ظاہر کا استدلال اور اس کا جواب	//
۲۶۱	جرم کی دو قسمیں	۲۸۳
۲۶۲	من بلغ حداً فی غیر حد کا جواب	//
۲۶۳	تعزیراً قتل کرنے کا حکم	۲۸۴
۲۶۴	تعزیر کا باب بہت وسیع ہے	//
۲۶۵	تعزیر کے بارے میں مذاہب ائمہ کا خلاصہ یہ ہے	۲۸۵
	﴿الفصل الثانی﴾	
۲۶۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۶﴾ مجرم کے منہ پر مارنے کی ممانعت	//
۲۶۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۷﴾ یا یہودی یا مخنث کہنے کی سزا	۲۸۶
۲۶۸	مذاہب ائمہ	۲۸۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۶۹	مضمون حدیث	۲۸۸
۲۷۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۸﴾ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا	۲۹۰
	﴿باب بیان الخمر ووعید شاربها﴾	
۲۷۱	شراب کی حقیقت اور شراب پینے والوں کے بارے میں وعید کا بیان	۲۹۳
۲۷۲	خلاصۃ الباب	//
۲۷۳	خمر کے معنی	//
۲۷۴	جس کا کثیر نشہ کرے تو اس کا قلیل بھی حرام ہے	۲۹۴
	﴿الفصل الاول﴾	
۲۷۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۶۹﴾ انگور و کھجور کی شراب کا ذکر	۲۹۵
۲۷۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۰﴾ شراب عقل کو ڈھانپتی ہے	۲۹۶
۲۷۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۱﴾ کھجور کی شراب کا ذکر	۲۹۷
۲۷۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۲﴾ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے	۲۹۸
۲۷۹	کل شراب اسکر فهو حرام	۲۹۹
۲۸۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۳﴾ شراب پینے پر وعید	۳۰۰
۲۸۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۴﴾ شرابی کے لئے سخت سزا کا ذکر	۳۰۲
۲۸۲	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۵﴾ نبیذ کی ممانعت کا تذکرہ	۳۰۳
۲۸۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۶﴾ شراب کا سرکہ بنانا	۳۰۴
۲۸۴	شراب کا سرکہ اور اختلاف ائمہ	۳۰۵
۲۸۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۷﴾ شراب کا دوا کے طور پر استعمال کرنا	۳۰۶
۲۸۶	حرام چیزوں سے دوا کرنا	۳۰۷

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
	﴿الفصل الثانی﴾	
۳۰۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۸﴾ شرابی کی نماز قبول نہ ہونے کا تذکرہ ----------------	۲۸۷
۳۱۲	حدیث نمبر ﴿۳۴۷۹﴾ قلیل شراب بھی حرام ہے ----------------------	۲۸۸
۳۱۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۰﴾ ایضاً ----------------------------------	۲۸۹
۳۱۴	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۱﴾ گیہوں کی شراب کا ذکر ------------------------	۲۹۰
۳۱۶	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۲﴾ شراب بیچنے کی ممانعت ------------------------	۲۹۱
۳۱۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۳﴾ شراب کے بارے میں شدت -----------------------	۲۹۲
	﴿الفصل الثالث﴾	
۳۱۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۴﴾ تمام نشہ آور مشروبات کی حرمت ------------------	۲۹۳
۳۲۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۵﴾ شراب ہر حال میں حرام ہے ----------------------	۲۹۴
۳۲۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۶﴾ شراب اور جوئے کی ممانعت ----------------------	۲۹۵
۳۲۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۷﴾ شراب کے عادی پر وعید ------------------------	۲۹۶
۳۲۵	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۸﴾ شراب چھوڑنے پر بشارت -----------------------	۲۹۷
۳۲۶	حقیقت صلیب --	۲۹۸
۳۲۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۸۹﴾ تین لوگوں پر جنت حرام ہے ----------------------	۲۹۹
//	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۰﴾ اشخاص ثلثہ جنت سے محروم ہیں -------------------	۳۰۰
۳۲۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۱﴾ شرابی کے عادی کا خطرناک انجام ------------------	۳۰۱
۳۳۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۲﴾ شراب نوشی شرک کی طرح ہے --------------------	۳۰۲
	﴿کتاب الامارۃ والقضاء﴾	
۳۳۱	(امارت وقضاء کا بیان)	۳۰۳
//	یہاں چند امور قابل ذکر ہیں ------------------------------------	۳۰۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۰۵	﴿۱﴾......ماقبل سے مناسبت	؍؍
۳۰۶	﴿۲﴾......یکجا ذکر کرنے کی وجہ	۳۳۲
۳۰۷	﴿۳﴾......امارۃ وقضا کے معنی	۳۳۲
۳۰۸	﴿۴﴾......قضا اور احکام میں فرق	۳۳۴
۳۰۹	﴿۵﴾......قاضی اور امیر میں فرق	۳۳۵
۳۱۰	﴿۶﴾......قاضی اور مفتی میں فرق	؍؍
۳۱۱	﴿۷﴾......کون عہدہ کا طالب ہے؟	؍؍
۳۱۲	﴿۸﴾......کس کو قاضی بنایا جائے	۳۳۶
۳۱۳	﴿۹﴾......امیر وحاکم بنانے کی شورائی سنت کس نے جاری کی؟	؍؍
۳۱۴	﴿۱۰﴾......امراء کے ساتھ معاملات کے بارے میں آنحضور ﷺ کی ہدایت مہمہ	۳۳۷
۳۱۵	﴿۱۱﴾......اس کتاب کے متعلق چند ہدایات	؍؍
۳۱۶	﴿۱۲﴾......اس کتاب (کتاب الامارۃ والقضاء) کے متعلق چند آیتیں	۳۳۹
	﴿الفصل الاول﴾	
۳۱۷	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۳﴾ امیر کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے	۳۴۱
۳۱۸	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۴﴾ ناک کٹے امیر کی اطاعت	۳۴۵
۳۱۹	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۵﴾ حبشی غلام امیر کی اطاعت	۳۴۷
۳۲۰	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۶﴾ گناہ کے سوا حاکم کی اطاعت لازم ہے	۳۴۹
۳۲۱	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۷﴾ فقط نیکی میں اطاعت ضروری ہے	۳۵۰
۳۲۲	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۸﴾ حکام سے ان کے معاملے میں جھگڑا نہ کریں	۳۵۲
۳۲۳	حدیث نمبر ﴿۳۴۹۹﴾ اطاعت بقدر استطاعت ہے	۳۵۵
۳۲۴	حدیث نمبر ﴿۳۵۰۰﴾ جماعت سے علیحدگی پر مذمت	۳۵۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
٣٢٥	حدیث نمبر ﴿٣٥٠١﴾ امیر کی بغاوت اور عصبیت جاہلیت	٣٥٧
٣٢٦	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٢﴾ اچھے اور برے حاکم کی علامات	٣٥٩
٣٢٧	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٣﴾ حاکم کی بدعملی پر اس سے لڑائی کرنا	٣٦٢
٣٢٨	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٤﴾ حق نہ ملنے پر بھی اتباع اور صبر لازم ہے	٣٦٤
٣٢٩	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٥﴾ عوام اپنی ذمہ داری ادا کریں	٣٦٧
٣٣٠	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٦﴾ امام کی بغاوت پر وعید	٣٦٩
٣٣١	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٧﴾ امیر کو خدا تعالیٰ کے آگے جواب دینا ہے	٣٧٠
٣٣٢	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٨﴾ خلیفہ کی موجودگی میں خلافت کے دعویدار کی سزا	٣٧٣
٣٣٣	حدیث نمبر ﴿٣٥٠٩﴾ امت میں تفرقہ پیدا کرنیوالے کی سزا	٣٧٤
٣٣٤	حدیث نمبر ﴿٣٥١٠﴾ ایضاً	٣٧٥
٣٣٥	حدیث نمبر ﴿٣٥١١﴾ پہلے خلیفہ کی بیعت کو پختہ رکھو	٣٧٦
٣٣٦	حدیث نمبر ﴿٣٥١٢﴾ عہدہ طلب کرنے کی ممانعت	٣٧٨
٣٣٧	حدیث نمبر ﴿٣٥١٣﴾ عہدے کے حریص کیلئے وعید	٣٨٠
٣٣٨	حدیث نمبر ﴿٣٥١٤﴾ منصب امانت الٰہی ہے	٣٨٢
٣٣٩	حدیث نمبر ﴿٣٥١٥﴾ طالب کو ہم عہدہ نہیں دیتے	٣٨٥
٣٤٠	حدیث نمبر ﴿٣٥١٦﴾ عہدے سے نفرت	٣٨٧
٣٤١	حدیث نمبر ﴿٣٥١٧﴾ ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے سلسلہ میں سوال ہوگا	٣٨٨
٣٤٢	حدیث نمبر ﴿٣٥١٨﴾ ماتحت پر ظلم کرنے والے کیلئے وعید	٣٩٠
٣٤٣	حدیث نمبر ﴿٣٥١٩﴾ ظالم حاکم کو جنت کی خوشبو سے محرومی ہوگی	٣٩٢
٣٤٤	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٠﴾ ظالم حکمراں بدترین حکمراں ہیں	٣٩٣
٣٤٥	حدیث نمبر ﴿٣٥٢١﴾ مہربان حاکم کیلئے آپ ﷺ کی دعا	٣٩٤

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
٣٤٦	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٢﴾ انصاف والے نور کے منبروں پر ہوں گے ----------	٣٩٦
٣٤٧	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٣﴾ امیر کے رفقاء ----------	٣٩٨
٣٤٨	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٤﴾ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کوتوال نبوت ----------	٤٠٠
٣٤٩	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٥﴾ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ----------	٤٠١
	﴿الفصل الثانی﴾	
٣٥٠	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٦﴾ اجتماعیت قائم رکھنے کی تلقین ----------	٤٠٤
٣٥١	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٧﴾ امیر کی توہین کی ممانعت ----------	٤٠٧
٣٥٢	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٨﴾ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ----------	٤٠٨
٣٥٣	حدیث نمبر ﴿٣٥٢٩﴾ امیر ظالم کی طوق پہنا کر پیشی ہوگی ----------	٤٠٩
٣٥٤	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٠﴾ امراء و حکام کی حسرت ----------	٤١١
٣٥٥	وجہ حسرت ----------	٤١٣
٣٥٦	عورت کی حکمرانی ----------	٤١٤
٣٥٧	حدیث باب پر اعتراضات ----------	٤١٥
٣٥٨	حدیث نمبر ﴿٣٥٣١﴾ چودھراہٹ دوزخ کا باعث ہے ----------	٤٢١
٣٥٩	رجوع فی الھبۃ کے جواز کی دلیل ----------	٤٢٣
٣٦٠	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٢﴾ بیوقوف حاکم سے پناہ طلب کرنا ----------	٤٢٤
٣٦١	اس حدیث میں تین مضمون ہیں ----------	٤٢٦
٣٦٢	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٣﴾ بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے ----------	٤٢٧
٣٦٣	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٤﴾ عہدہ نہ ملنے میں نجات ----------	٤٣٠
٣٦٤	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٥﴾ ناجائز ٹیکس وصول کرنیوالے حاکم کیلئے وعید ----------	٤٣٢
٣٦٥	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٦﴾ عادل حاکم کا قیامت کے دن مرتبہ ----------	٤٣٣

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
٣٦٦	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٧﴾ ظالم حاکم کے سامنے اظہار حق کی فضیلت -------------	٤٣٥
٣٦٧	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٨﴾ بادشاہ کا نیک وزیر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت -------------	٤٣٦
٣٦٨	حدیث نمبر ﴿٣٥٣٩﴾ امیر کا شکی ہونا فساد کا باعث ہے-------------------	٤٣٧
٣٦٩	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٠﴾ عیوب کی تلاش بگاڑ پیدا کرتی ہے -------------------	٤٤٠
٣٧٠	حدیث نمبر ﴿٣٥٤١﴾ امیر کے حق تلفی کرنے پر صبر کی تاکید------------------	٤٤١
٣٧١	حکم فیٔ --	٤٤٢
	﴿الفصل الثالث﴾	
٣٧٢	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٢﴾ انصاف کرنے والے حاکم پر اللہ کی مہربانی -------------	٤٤٢
٣٧٣	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٣﴾ تین خطرناک چیزیں------------------------------	٤٤٤
٣٧٤	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٤﴾ چھ دن کی تاکید کے بعد زرین نصیحت ---------------	٤٤٦
٣٧٥	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٥﴾ سرداری، ندامت، ملامت اور رسوائی ---------------	٤٤٩
٣٧٦	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٦﴾ امیر کو ناانصافی سے بچنے کی تلقین ------------------	٤٥١
٣٧٧	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٧﴾ بچوں کی حکومت سے پناہ مانگنے کی تلقین -------------	٤٥٢
٣٧٨	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٨﴾ جیسے اعمال ویسے حکمراں---------------------------	٤٥٣
٣٧٩	حدیث نمبر ﴿٣٥٤٩﴾ بادشاہ رعایا کا محافظ ہوتا ہے------------------------	٤٥٥
٣٨٠	حدیث نمبر ﴿٣٥٥٠﴾ ترقی کرنے والے حاکم کا رتبہ ---------------------	٤٥٦
٣٨١	علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ملخصاً -------------------------------------	٤٥٨
٣٨٢	حدیث نمبر ﴿٣٥٥١﴾ مسلمان کو ڈرانا باعث زجر ہے-------------------------	//
٣٨٣	نکتہ ---	٤٦٠
٣٨٤	حدیث نمبر ﴿٣٥٥٢﴾ حاکموں کے حاکم اللہ تعالیٰ ہیں ----------------------	//
٣٨٥	علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول -----------------------------------	٤٦٢

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿باب ماعلی الولاۃ من التیسیر﴾	
۳۸۶	(یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ خلفاء پر آسانی کرنا واجب ہے)	۴۶۳
	﴿الفصل الاول﴾	
۳۸۷	حدیث نمبر﴿۳۵۵۳﴾حاکموں کو آنحضرت ﷺ کی ہدایات --------------	۴۶۳
۳۸۸	حدیث نمبر﴿۳۵۵۴﴾امیر کیلئے زریں ہدایات --------------------------	۴۶۶
۳۸۹	حدیث نمبر﴿۳۵۵۵﴾اختلاف کی ممانعت -----------------------------	۴۶۸
۳۹۰	حدیث نمبر﴿۳۵۵۶﴾دھوکہ باز کیلئے دھوکے کا نشان قائم کیا جائیگا------------	۴۶۹
۳۹۱	اس تعارض کے دو جوابات ہیں ---	۴۷۱
۳۹۲	حدیث نمبر﴿۳۵۵۷﴾عہد شکنی کی رسوائی ------------------------------	۴۷۲
۳۹۳	"لکل غادر لواء" کے مختلف معانی ومطالب ----------------------------	۴۷۳
۳۹۴	حدیث سے مستنبط بعض فوائد --	۴۷۴
۳۹۵	حدیث نمبر﴿۳۵۵۸﴾امیر کی عہد شکنی کا بیان ---------------------------	۴۷۶
	﴿الفصل الثانی﴾	
۳۹۶	حدیث نمبر﴿۳۵۵۹﴾عوام کی ضروریات پوری نہ کرنیوالے امیر کیلئے وعید-------	۴۷۸
۳۹۷	حاجت، خلت اور فقر کے درمیان فرق----------------------------------	۴۸۰
	﴿الفصل الثالث﴾	
۳۹۸	حدیث نمبر﴿۳۵۶۰﴾رعایا کیلئے دروازے بند کرنے والا امیر --------------	۴۸۱
۳۹۹	حدیث نمبر﴿۳۵۶۱﴾امیروں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چار ہدایات --------------	۴۸۲
	﴿باب العمل فی القضاء والخوف منه﴾	
۴۰۰	(منصب قضا کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان)	۴۸۵
	﴿الفصل الاول﴾	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۰۱	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۲﴾ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت	۴۸۶
۴۰۲	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۳﴾ درست اجتہاد پر دوہرے اجر کا استحقاق	۴۸۸
۴۰۳	مذاہب	۴۹۱
۴۰۴	قول القاری رحمۃ اللہ علیہ	۴۹۲
	﴿الفصل الثانی﴾	
۴۰۵	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۴﴾ منصب قضا امتحان ہے	۴۹۴
۴۰۶	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۵﴾ طالب قضا اور مطلوب قضا کا فرق	۴۹۶
۴۰۷	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۶﴾ جنتی اور جہنمی قاضی کا ذکر	۴۹۸
۴۰۸	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۷﴾ انصاف سے جنت ملے گی	۴۹۹
۴۰۹	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۸﴾ اجتہاد کرنا لازمی ضرورت ہے	۵۰۱
۴۱۰	حدیث الباب کی سند پر کلام اور محدثین کی طرف سے اسکا جواب	۵۰۳
۴۱۱	تقلید شخصی کا ثبوت	۵۰۵
۴۱۲	غیر مقلدین حضرات توجہ فرمائیں!	۵۰۶
۴۱۳	فوائد	۵۰۷
۴۱۴	حدیث نمبر ﴿۳۵۶۹﴾ فیصلہ کرنے کا اصول	//
۴۱۵	قضاء علی الغائب کے جواز میں اختلاف علماء	۵۰۹
	﴿الفصل الثالث﴾	
۴۱۶	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۰﴾ ظالم حاکم کو جہنم میں ڈالے جانے کا ذکر	۵۱۱
۴۱۷	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۱﴾ قیامت کے دن قاضی کی آرزو	۵۱۲
۴۱۸	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۲﴾ عادل حاکم کا اللہ حامی ہے	۵۱۳
۴۱۹	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۳﴾ ایک یہودی کے حق میں فیصلہ	۵۱۴

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۵۱٦	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۴﴾ عہدہ قضاء کی قبولیت سے انکار	۴۲۰
	﴿باب رزق الولاۃ وھدایاھم﴾	
۵۲۰	(حکام کو تنخواہ اور ہدایا وتحائف دینے کا بیان)	۴۲۱
	﴿الفصل الاول﴾	
۵۲۳	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۵﴾ آنحضرت ﷺ کا مال تقسیم فرمانا	۴۲۲
۵۲۴	حدیث نمبر ﴿۳۵۷٦﴾ بیت المال میں ناحق تصرف کرنے پر وعید	۴۲۳
۵۲۸	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۷﴾ امیر کی بیت المال سے تنخواہ	۴۲۴
۵۳۰	تجارت خلفائے راشدین	۴۲۵
//	افضل ترین تجارت	۴۲٦
//	اپنے عمل سے روزی کمانے کی فضلیت	۴۲۷
	﴿الفصل الثانی﴾	
۵۳۱	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۸﴾ اجرت سے زائد لینا خیانت ہے	۴۲۸
۵۳۲	حدیث نمبر ﴿۳۵۷۹﴾ عامل کی تنخواہ	۴۲۹
۵۳۳	حدیث نمبر ﴿۳۵۸۰﴾ بیت المال میں خیانت پر وعید	۴۳۰
۵۳۵	حدیث نمبر ﴿۳۵۸۱﴾ بیت المال سے عاملین کو ملنے والی مراعات	۴۳۱
۵۳٦	حدیث نمبر ﴿۳۵۸۲﴾ خیانت پر وعید	۴۳۲
۵۳۸	حدیث نمبر ﴿۳۵۸۳﴾ رشوت لینے اور دینے پر لعنت	۴۳۳
۵۴۰	رشوت کی تعریف	۴۳۴
//	حدیث نمبر ﴿۳۵۸۴﴾ حلال مال نعمت ہے	۴۳۵
	﴿الفصل الثالث﴾	
۵۴۲	حدیث نمبر ﴿۳۵۸۵﴾ سفارش کا تحفہ رشوت ہے	۴۳٦

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۳۷	﴿باب الاقضیۃ و الشھادات﴾ (فیصلوں اور شہادتوں سے متعلق احادیث مبارکہ)	۵۴۴
	﴿الفصل الاول﴾	
۴۳۸	حدیث نمبر﴿۳۵۸۶﴾ گواہوں کے بغیر دعویٰ کا اعتبار نہیں --------------------	۵۴۵
۴۳۹	حدیث نمبر﴿۳۵۸۷﴾ جھوٹی قسم کھانے کی سزا --------------------	۵۴۶
۴۴۰	حدیث نمبر﴿۳۵۸۸﴾ جھوٹی قسم کھانے والا جہنمی ہے --------------------	۵۴۹
۴۴۱	حدیث نمبر﴿۳۵۸۹﴾ چرب زبانی سے حاصل کیا ہوا ناحق مال حلال نہیں ہوتا -----	۵۵۱
۴۴۲	حدیث نمبر﴿۳۵۹۰﴾ اللہ تعالیٰ کا مبغوض بندہ --------------------	۵۵۷
۴۴۳	حدیث نمبر﴿۳۵۹۱﴾ آنحضرت ﷺ نے ایک گواہ پر فیصلہ فرمایا --------------------	۵۵۸
۴۴۴	حدیث نمبر﴿۳۵۹۲﴾ گواہ نہ ہوں تو قسم پر فیصلہ ہوگا --------------------	۵۶۱
۴۴۵	حدیث نمبر﴿۳۵۹۳﴾ جھوٹا دعوی کرنیوالے کا ٹھکانہ --------------------	۵۶۳
۴۴۶	حدیث نمبر﴿۳۵۹۴﴾ بہترین گواہ کا ذکر --------------------	۵۶۴
۴۴۷	دو تاویلیں --------------------	۵۶۶
۴۴۸	حدیث نمبر﴿۳۵۹۵﴾ جھوٹی قسموں اور جھوٹی شہادتوں کا عروج --------------------	۵۶۷
۴۴۹	اختلاف ائمہ --------------------	۵۶۹
۴۵۰	صحابہ اور تابعین کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی --------------------	//
۴۵۱	حدیث نمبر﴿۳۵۹۶﴾ قسم کیلئے قرعہ ڈالنے کا ذکر --------------------	۵۷۰
۴۵۲	صورت مسئلہ --------------------	۵۷۱
۴۵۳	ایھم یحلف کی کیا صورت ہے؟ --------------------	۵۷۲
	﴿الفصل الثانی﴾	
۴۵۴	حدیث نمبر﴿۳۵۹۷﴾ مدعی اور مدعی علیہ کی ذمہ داری --------------------	۵۷۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۵۵	حدیث نمبر ﴿۳۵۹۸﴾ ایک شیٔ اور چند دعویدار ----------------------------	۵۷۴
۴۵۶	آنحضرت ﷺ کے لئے اجتہاد کا جائز ہونا --------------------------------	۵۷۶
۴۵۷	حدیث نمبر ﴿۳۵۹۹﴾ جس کا قبضہ اس کی ملکیت کا فیصلہ ----------------------	۵۷۶
۴۵۸	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۰﴾ دو دعویداروں میں تقسیم کا ذکر ------------------------	۵۷۸
۴۵۹	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۱﴾ قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کا ثبوت -------------------------	۵۸۰
۴۶۰	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۲﴾ مدعی علیہ کو قسم کھانے کی تاکید کی جائے ------------------	۵۸۱
۴۶۱	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۳﴾ مدعیٰ علیہ کو قسم دلانے کا ذکر ------------------------	۵۸۲
۴۶۲	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۴﴾ جھوٹی قسم کھا کر مال ہڑپ کرنیوالے کا انجام ----------------	۵۸۵
۴۶۳	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۵﴾ جھوٹی قسم کبیرہ گناہ ہے------------------------------	۵۸۶
۴۶۴	تین بڑے گناہ کیا ہیں؟ --	۵۸۸
۴۶۵	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۶﴾ جھوٹی قسم کھانے والا جہنم میں ٹھکانا بنالے ----------------	۵۸۹
۴۶۶	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۷﴾ جھوٹی گواہی شرک کے مانند جرم ہے --------------------	۵۹۱
۴۶۷	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۸﴾ کن لوگوں کی گواہی نامقبول ہے ----------------------	۵۹۳
۴۶۸	مسالک ائمہ --	۵۹۵
۴۶۹	حدیث نمبر ﴿۳۶۰۹﴾ زانی اور زانیہ کی گواہی معتبر نہیں --------------------	//
۴۷۰	حدیث نمبر ﴿۳۶۱۰﴾ جنگل میں رہنے والے کی گواہی -----------------------	۵۹۶
۴۷۱	شهادة البدوی علی صاحب القرية -------------------------------	۵۹۷
۴۷۲	زیر بحث حدیث کا مطلب --	//
۴۷۳	حدیث نمبر ﴿۳۶۱۱﴾ مقدمہ میں ہوشیاری اختیار کرنے کی تلقین-----------------	۵۹۸
۴۷۴	حدیث کا پس منظر کیا ہے؟ --	۵۹۹
۴۷۵	حدیث نمبر ﴿۳۶۱۲﴾ تہمت کی بنا پر قید کرنا --------------------------	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿فصل الثالث﴾	
٤٧٦	حدیث نمبر﴿٣٦١٣﴾مدعی اور مدعی علیہ میں برابری ------------------------	٦٠١
	تمت وبالفضل عمت	

{کتاب الحدود}

حدود کا بیان

اس باب کے تحت بھی ہم گذشتہ ابواب کی طرح کچھ مباحث ضروریہ بیان کریں گے اور وہ مباحث آئندہ آنے والی روایات کو سمجھنے کیلئے نہایت مفید ہیں۔

مقدمۃ الباب میں حدود سے متعلق وہ باتیں بیان کریں گے جو تمام حدود کو شامل ہوں گی اور مستقل بیان ہر حد کا مع اختلاف ائمہ، حدیث کے ذیل میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) ما قبل سے مناسبت۔ (۲) خلاصۃ الباب۔ (۳) لغوی تعریف۔ (۴) حد کی شرعی تعریف۔ (۵) حدود کے شرعی احکام۔ (۶) حقوق اللہ اور حقوق الناس میں فرق حدود میں تداخل۔ (۸) مجرم کی توبہ؟ (۹) حدود کون نافذ کرے؟ (۱۰) محدود کا حکم۔ (۱۱) کیا حدود کفارہ ہیں؟ (۱۲) حدود میں شریعت کی ایک خاص رعایت۔ (۱۳) حدود، قصاص اور تعزیرات۔ (۱۴) قانون حدود کے فوائد۔

{۱}......ما قبل سے مناسبت

ما قبل میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصاص دیات وردت وغیرہ سے متعلق احادیث وروایات کو درج کیا ہے اب حدود کو بیان فرمارہے ہیں اور چونکہ قصاص دیات، قسامت، قطاع الطریق کا تعلق بندوں سے ہے اور حدود کا تعلق باری تعالیٰ سے ہے تو اولا حقوق العباد کو بیان فرمایا اور اب حقوق اللہ کو بیان فرمارہے ہیں کیونکہ حقوق العباد میں حقوق اللہ کے بالمقابل تشدید ہے تو تقدیم تشدید علی التخفیف کی رعایت سے قصاص وغیرہ کو حدود پر مقدم کیا گیا ہے۔

{۲}......خلاصۃ الباب

اس باب کے تحت تیس روایتیں درج کی گئی ہیں جو محصن کے حد رجم، غیر محصنکو کوڑے کی سزا مسجد میں حدود، تعزیر کی ممانعت، مقر، کے سزاء دینے میں احتیاط، بدکار غلام و باندی کی سزا، لوگوں کے عیوب کی ستر پوشی، باعزت کی لغزشوں سے صرف نظر، نفاذ حد میں احتیاط، زنا بالجبر، کی سزا، صرف مرد پر اغلام بازی اور جانور سے بدفعلی کی سزاء حد قذف اور حدود جاری کرنے کے فوائد وغیرہ مسائل پر مشتمل ہیں۔

{۳}......لغوی تعریف

حدود، حد کی جمع ہے اور لغت میں ''حد'' کے معنی روکنے کے ہیں۔ دربان (بَوَّاب) جو گھر کی حفاظت کرتا ہے اور لوگوں کو اندر جانے سے روکتا ہے ''حداد'' کہلاتا ہے۔

نیز اس کے معنی القاموس الجدید میں یہ لکھے ہیں: سرحد کسی چیز کے، حدود، چہار دیواری، انتہا، آخری حصہ وغیرہ اور راغب نے کہا حدود چیزوں کے درمیان کی اس آڑ اور روکاوٹ کو کہتے ہیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے سے روکتی ہے اور زنا و شراب نوشی کی سزا کو حد کا نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ زنا و شراب میں منہمک ہونے والوں کو اس سے روکتی ہے کہ وہ دوبارہ اس کا ارتکاب کریں اور یہ سزا دوسروں کو بھی سزا پانے والے کی اتباع اور اس کی راہ پر چلنے سے روکتی ہے، ابن ہمام نے فرمایا: کہ حدود کے محاسن محتاج بیان نہیں اور نہ ضبط تحریر میں لانے کے محتاج ہیں اس لئے کہ کوئی فقیہ ہو یا غیر فقیہ اس بات کی معرفت میں سب برابر ہیں کہ یہ حدود ایسے افعال سے روکنے کے لئے ہیں جن کے ذریعہ فساد برپا ہوتا ہے، مثلاً زنا میں اولاد کا ضیاع اور دیگر حدود میں عقل کا زوال اور اعراض کا فساد لوگوں کے اموال کا لے لینا وغیرہ چنانچہ ان افعال کی قباحت سے کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا اور یہی وجہ ہے کہ زنا، اموال و اعراض کا بیجا اخذ اور نشہ کسی بھی دین و مذہب میں حلال نہیں۔

عورتوں کو اپنے آپ کو زینت و آرائش سے روک رکھنے کو ''احداد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے قرآن پاک نے تمام حرام چیزوں کو ''حدود اللہ'' قرار دیا ہے، ''**تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا**''

(البقرہ:۱۸۷)[یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا] کہ محرمات ممنوع ہیں۔

ایک جگہ احکام خداوندی کو بھی "حدود اللہ" کہا گیا: "**تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا**"، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ (البقرہ ۲۲۹)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام مقررہ سزاؤں کو "حد" سے موسوم کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ گناہوں سے رکاوٹ کا ذریعہ ہیں۔

{۴}......حد کی تعریف شرعی

حد کی شرعی اور فقہی تعریف میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں "حد" وہ تمام مقررہ سزائیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر دی جاتی ہیں، کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں "**عبارة عن عقوبة مقدرة واجبة حقا لله تعالیٰ**"۔ جن جرائم پر سزائیں مقرر نہیں کی گئی ہیں، بلکہ امیر وقاضی وغیرہ کی صواب دید پر رکھی گئی ہیں، وہ فقہ کی اصطلاح میں "حد" نہیں بلکہ "تعزیر" ہیں، شریعت کی طرف سے سزا مقرر ہے، مگر اس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، انسان چاہے تو معاف کردے یا کسی معاوضہ پر صلح کرلے، مثلاً قصاص، یہ بھی فقہاء احناف کی توضیح کے مطابق "حد" نہیں ہے۔ اس طرح احناف کے یہاں حدود پانچ ہیں، حد زنا، حد سرقہ (چوری) حد قذف) بہتان، حد شرب (انگوری شراب)، حد سکر (دوسری نشہ آور اشیاء) (بدائع الصنائع: ۳۳/۷)

دوسرے فقہاء کے نزدیک شریعت کی طرف سے تمام مقررہ سزائیں "حد" کہلاتی ہیں چاہے ان کا تعلق اللہ کے حق سے ہو، یا انسان کے حق سے، اس لئے ان کے یہاں حدود آٹھ تک پہنچ جاتی ہیں، زنا، سرقہ، قذف، نشہ کے علاوہ ڈکیتی (حرابہ)، بغاوت، ارتداد، اور عمداً قتل، جس سے قصاص واجب ہوتا ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱۲/ ۶)

احناف کے یہاں انگوری شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کا حکم جداگانہ ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدود، "حد شراب" اور "حد سکر" شمار کی ہیں دوسرے فقہاء کے یہاں ہر نشہ آور شئ شراب ہے، اس لئے ان کے یہاں ایک ہی اصطلاح "حد سکر" کی ہے جو دونوں کو جامع ہے۔ (بدائع الصنائع: ۴۶/۷)

{۵}......حدود کے مشترک احکام

کچھ احکام وہ ہیں جو تمام یا مختلف حدود میں مشترک ہیں، یہاں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔
ان میں سے یہ ایک ہے کہ ایسے جرائم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ گواہ مرد ہوں، عورتوں کی گواہی معتبر نہیں، اور گواہی اصالتہ دی جائے، بالواسطہ سنی ہوئی بات پر گواہی نہ دے۔ (حنفیہ کے یہاں حرابہ اور بغاوت اپنی تفصیلات اور کیفیات کے مطابق کبھی حد سرقہ کبھی تعزیر اور کبھی قصاص کے تحت آجاتی ہیں مرتد کی سزاء قتل کو تعزیر کے زمرہ میں رکھا گیا ہے اور قصاص ایک مستقل قانون ہے۔) زنا، چوری اور شراب نوشی کے مقدمہ میں یہ بھی شرط ہے کہ "**تقادم**" نہ ہو، قذف (بہتان) میں یہ شرط نہیں، تقادم سے مراد یہ ہے کہ معاملہ پرانا اور قدیم نہ ہو گیا ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے، بلکہ قاضی کی صوابدید پر چھوڑا ہے، قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت میں "**تقادم**" ہو جاتا ہے، اس طرح اگر کسی کے زنا پر ایک ماہ گذر جائے اور اس کے بعد گواہان زنا کی بابت گواہی دیں تاکہ حد جاری کی جائے تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۷/۴۷)

{۷}......حقوق اللہ اور حقوق الناس میں فرق

زنا، شراب نوشی، نشہ نوشی اور سرقہ کے جرائم جب عند القضاء ثابت ہو جائیں تو پھر معافی، صلح، یا مدعی کی طرف سے مجرم کو بری کر دینے کا کوئی اعتبار نہیں، بہر طور سزا نافذ کی جائے گی، اس لئے کہ یہ خالصۃ حقوق اللہ ہیں، انسان ان کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، ان جرائم میں سے کسی کو ایک شخص نے بار بار کیا، پھر معاملہ قاضی کے پاس گیا تو ان پر ایک ہی "حد" جاری ہوگی، مثلاً کسی نے تین بار چوری کی تب بھی ایک ہی ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی جرم کا اعادہ کرتا ہے تو اب دوبارہ اس کی سزا کا نفاذ عمل میں آئے گا قذف و بہتان کی سزا بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے احکام بھی یہی ہیں، شوافع اس کو انسانی حقوق کے زمرہ میں رکھتے ہیں، اسی لئے ان کے نزدیک جس شخص پر تہمت لگائی ہے، اگر اس نے قاضی کے وہاں مرافعہ سے پہلے معاف کر دیا تھا، یا تہمت لگانے والے کے خلاف کچھ معاوضہ لے کر اپنے دعوی

سے دست بردار ہو جائے تو ایسا کرنا صحیح ہوگا، نیز اگر ایک ہی شخص متعدد افراد پر زنا کی تہمت لگائے تو ہر ایک کی حد قذف علاحدہ جاری ہوگی۔

پھر حدود میں "**حقوق اللہ**" اور "**حقوق الناس**" کا معیار یہ ہے کہ وہ تمام جرائم جن کا فساد عام لوگوں کو متاثر کرتا ہو اور جن کی سزاؤں کا نفع عام لوگوں کو پہنچتا ہو وہ حقوق اللہ ہیں، بندوں کو اختیار نہیں کہ ان کو معاف کریں۔ (بدائع الصنائع: ۷/۴۷)

{۸}......حدود میں تداخل

"**حدود**" میں ایک اہم مسئلہ مختلف نوعیت کے جرائم کی حدود میں "**تداخل**" کا ہے، یعنی اگر ایک شخص دو ایسے جرائم کا مرتکب ہوا، جن کی سزائیں جداگانہ ہیں، تو کیا ہر ایک کی الگ الگ سزا دی جائے گی یا ایک کی سزاء پر اکتفا کیا جائے گا؟ اس کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ تمام جرائم حقوق اللہ سے متعلق ہوں، یا سب کا تعلق حقوق الناس سے ہو، یا بعض کا حقوق اللہ اور بعض کا حقوق الناس سے، پھر حقوق اللہ سے متعلق ایک سے زیادہ جرائم کے اجتماع کی بھی دو شکل ہو سکتی ہیں، یا تو ان میں کوئی سزا موت کے درجہ کی ہو، مثلاً ایک شخص چوری بھی کرے، شراب بھی پیے اور شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا بھی کرے، کہ تینوں حقوق اللہ پر دست درازی ہے، اور تیسرا جرم ایسا ہے کہ اس کی سزا رجم (سنگساری) کے ذریعہ موت ہے، شوافع کے یہاں ایسی صورت میں تینوں سزاؤں کا نفاذ ہوگا۔ کوڑے بھی لگائے جائیں گے، ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا، جب کہ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر صرف سزائے موت کا نفاذ ہوگا، دوسری سزائیں جاری نہ ہوں گی۔

اور اگر ان میں کوئی جرم مستوجب موت نہ ہو مثلاً چوری کی، شراب پی اور غیر شادی شدہ شخص تھا، زنا بھی کیا تو بالاتفاق تینوں سزائیں جاری کی جائیں گی، شوافع اور حنابلہ کے یہاں پہلے ہلکی، پھر سخت کی ترتیب سے سزاؤں کا نفاذ ہوگا اور مالکیہ کے یہاں اس کے برعکس، احناف کے یہاں کوئی ترتیب مقرر نہیں، قاضی کی صوابدید پر ہے، البتہ ایک سزا کے اجراء کے بعد دوسری سزا اسی وقت جاری کی جائے گی، جب وہ پہلی سے صحت یاب ہو چکا ہو۔

وہ جرائم جو خالص حقوق الناس سے متعلق ہیں ایک تو قصاص ہے، دوسرے احناف کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک قذف ہے، اگر کوئی شخص قذف کا بھی مجرم ہو اور قتل کا بھی تو احناف کے نزدیک صرف از راہ قصاص قتل کیا جائے گا حد قذف اس پر جاری نہ ہوگی، کیونکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب دو ایسی سزائیں جمع ہو جائیں جن میں ایک قتل ہے تو یہ قتل ہی کافی ہو جائے گا، "**اذا اجتمع حدان احدهما القتل احاط القتل بذالك**" جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں سزائیں جاری کی جائیں گی۔

تیسری صورت یہ ہیکہ دونوں طرح (حقوق اللہ، حقوق الناس) کے جرائم کا ایک شخص مرتکب ہو تو:

الف: اگر اس میں کوئی جرم مستوجب قتل نہ ہو تو اتفاق ہے کہ تمام سزائیں نافذ کی جائیں گی، ہاں مالکیہ کے یہاں اگر قذف اور شرب خمر دونوں کی حد کا مستحق ہو تو ایک ہی سزا جاری ہوگی۔

ب: ان میں کوئی جرم ایسا بھی ہو جو شرعاً مستوجب قتل ہو، ایسی صورت میں حقوق الناس سے متعلق سزائیں، "قتل" کے ساتھ نافذ نہ ہونگیں۔

ج: ایک ہی سزا حق اللہ اور حق الناس دونوں کی بناء پر عائد ہوتی ہے، مثلاً از راہ قصاص قتل کیا جانا ہو اور زنا کی وجہ سے رجم کا مستحق ہو، اس صورت میں حق الناس مقدم ہوگا اور بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ (ملخصاً: بدائع الصنائع: ۶۳، ۲۶/ ۷، وایضاً والفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱۶۸/ ۶)

{۹}...... مجرم کی توبہ؟

مجرم اگر اپنے جرم سے تائب ہو جائے تو اس کا فائدہ اس کو صرف آخرت میں حاصل ہوگا یا دنیا میں بھی اس کو سزا معاف ہو جائے گی؟ اس میں تفصیل ہے، اس بات پر اتفاق ہے کہ راہزن اگر اس سے پہلے کہ اس پر قابو پا لیا جائے، تائب ہو جائے اور ہتھیار ڈال دے تو راہزن کی سزا اس پر جاری نہ ہوگی، اس میں بھی اختلاف نہیں کہ کسی پر تہمت لگانے کے بعد تائب ہو گیا تو حد قذف معاف نہ ہوگی اسلئے کہ یہ بندہ کا حق ہے، البتہ احناف اور اکثر فقہاء کے نزدیک زنا، چوری اور شراب نوشی کی سزائیں بھی توبہ کی وجہ سے معاف نہ ہوں گی، معاملہ عدالت میں پہنچا ہو، یا ابھی نہ پہنچا ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ

سے حد معاف نہیں فرمائی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق ان جرائم کی سزا توبہ کی وجہ سے معاف ہو جائے گی۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶/۱۷۰)

{۱۰}......حدود کون نافذ کرے؟

حدود قائم کئے جانے کے لئے ضروری ہے کہ خود امیر حدود کو نافذ کرائے، یا وہ شخص جس کو امیر نے سزاؤں کے اجراء کے لئے نائب بنایا ہو: "للامام ان یستخلف علی اقامۃ الحدود"

(بدائع الصنائع: ۷/۵۸)

(یہ بھی ضروری ہے کہ جرم دارالاسلام میں کیا گیا ہو چنانچہ اگر دارالحرب میں زنا کیا اور دارالاسلام میں آگیا تو سزا نہ ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۷/۳۴)

مسجد کی تعظیم اور مسجد کو آلودگی سے بچانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حد قائم کرنے سے منع فرمایا: حد کے ایک مقدمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا حکم فرمایا ہے۔ البتہ لوگوں کے درمیان علی الاعلان سزا کا نفاذ عمل میں آئے گا۔ (بدائع الصنائع: ۷/۶۰)

قرآن کریم نے زانی مرد وزن کے بارے میں فرمایا: **"ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین"**۔ اور یہ بھی چاہئے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع ان کو کھلی آنکھوں سے دیکھے۔ (النور: ۲)

{۱۱}......محدود کا حکم

جس شخص پر حد جاری کی گئی ہو، (محدود) اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کوڑوں کی سزا پائی ہو تو تمام احکام میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو دوسروں کا ہے، اور اگر سنگسار (رجم) کیا گیا ہو تو اس کی لاش اس کے اولیاء کے حوالے کردی جائے، تاکہ عام مردوں کی طرح اسے بھی غسل دیا جائے، کفن پہنایا جائے، نماز پڑھی جائے، اور تدفین عمل میں آئے، ہاں اگر کسی نے تہمت لگانے کی سزا پائی ہو **(محدود فی القذف)** تو اسکا ایک خصوصی حکم احناف کے ہاں یہ ہے کہ اب کبھی بھی اس کی گواہی قبول نہ کی جاسکے گی، گو وہ توبہ کرلے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توبہ کے بعد گواہی قبول کی جاسکے گی۔ (بدائع الصنائع: ۷/۶۳)

{۱۲}......کیا حدود کفارہ ہیں؟

مجرم پر حدود شرعیہ کا نفاذ کیا اس کے گناہ کے لئے کفارہ بن جائیگا، اور آخرت میں عذاب خداوندی سے وہ محفوظ رہے گا؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کا خیال تھا کہ حدود محض عبرت خیزی کے لئے ہیں، گناہوں کے لئے کفارہ نہیں ہیں، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مجھے نہیں معلوم ہے کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ اکثر اہل علم کے نزدیک حدود کفارہ ہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی صاف وصریح روایت ہے کہ جس نے کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کیا اور اس کی سزا پائی، وہ اسکے لئے کفارہ ہیں، "**من اصاب من ذالك شيئا فعوقب عليه فهو كفارة له**" جو شخص ان چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے پھر اسکو اس پر سزا دیدی جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ (ترمذی شریف: ۲۶۶/۱)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک حد تک حدود کے کفارہ ہونے کے قائل ہیں، زیادہ صحیح رائے یہی معلوم ہوتی ہے، ایک روایت میں لاعلمی کا اظہار ہے، دوسری روایت میں یقین کے ساتھ کفارہ ہونے کا ذکر ہے، تو ضرور ہے کہ پہلے آپ کو علم نہ رہا ہوگا، بعد کو بذریعہ وحی اطلاع کی گئی ہوگی، اس لئے یہ دوسری روایت پہلی روایت کے لئے ناسخ ہوگی۔ (تفصیل کے لئے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی "**المحلی**" جلد گیارہ صفحہ ۱۲۴ اور ۱۲۶ ر دیکھی جاسکتی ہے، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محاربین اور باغی کے لئے حد کفارہ نہیں ہے، دوسرے مجرموں کے لئے ہے، نیز اس کتاب میں دیکھئے

{۱۳}...... حدود شریعت کی ایک خاص رعایت

حدود کے مقدمات کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصولی ہدایت یہ دی ہے کہ جس قدر ممکن ہو حدود سے بچا جائے اور مجرم کے لئے معاف کرنے میں غلطی کر جانا، اس سے بہتر ہے کہ کسی بے قصور کو سزا دینے میں غلطی کر جائے۔ (ترمذی شریف: ۲۶۳/۱، **باب ما جاء في الحدود**)

اس اصول پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے اور اسی لئے فقہاء نے یہ اصل قائم کی کہ شبہات کی وجہ سے

حدود معاف ہو جائیں گی، **"الحدود تندرء بالشبہات"** (الاشباہ والنظائر لابن نجیم، القاعدۃ السادسۃ: ۷/۱۲۷، قواعد الفقہ: ۷۶)

{۱۴}...... حدود، قصاص اور تعزیرات

اسلام کا قانون جرم وسزا بنیادی طور پر تین ابواب میں منقسم ہے، حدود، تعزیرات اور قصاص، تعزیرات سے مراد وہ سزائیں ہیں، جو شریعت میں متعین نہیں ہیں، قاضی حالات کو دیکھ کر اور اپنی صوابدید سے ان کی تعیین کرتا ہے، تعزیری مقدمات میں ایسی شہادتیں کافی ہیں جو مالی معاملات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتی ہیں، تعزیر محض شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی، لیکن قانون قصاص "حدود" سے قریب ہے، کیونکہ یہاں بھی جرم کی سزا اسی طرح شارع کی طرف سے متعین ہے، جیسا کہ "حدود" میں اسی لئے فقہاء نے حدود اور "قصاص" کے احکام میں وجود فرق پر روشنی ڈالنے کی خاص ضرورت محسوس کی ہے، ابن نجیم نے لکھا ہے کہ سات مسائل ہیں جن میں ان دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

(۱)......قاضی اپنے ذاتی علم کی اساس پر حدود کا فیصلہ نہیں کرسکتا، "قصاص" کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

(۲)......حدود کے مقدمات میں اصل مدعی کی موت واقع ہو جائے تو اسکے ورثہ مقدمہ کے فریق نہیں بن سکتے ہیں، قصاص کے مقدمات میں ورثہ کو فریق مقدمہ کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے۔

(۳)......حدود کے مقدمات میں مدعی یا قاضی معاف نہیں کرسکتا چاہے کسی پر تہمت ہی کا مقدمہ کیوں نہ ہو، قصاص کے مقدمہ میں فریق مقدمہ مجرم کو معاف کرسکتا ہے۔

(۴)......**تقادم** (جس کی تشریح اُوپر آچکی ہے) قتل کے مقدمہ کے لئے مانع نہیں ہے، لیکن سوائے حد قذف کے اور حدود کے لئے مانع ہے۔

(۵)......گونگا آدمی اشارہ کے ذریعہ یا تحریری طور پر قصاص کا مدعی ہے، تو دعوی قبول کیا جاسکتا ہے، حدود میں ضروری ہے کہ دعویٰ صریح ہو اور کلام کے ذریعہ ہو۔

(۶)......حدود میں سفارش روا نہیں، قصاص میں جائز ہے۔

(۷)......قصاص کے مقدمہ میں مقتول کے ورثہ کی طرف سے دعویٰ ضروری ہے، حدود میں سوائے، "حد قذف" کے دعویٰ ضروری نہیں۔ (الاشباہ والنظائر: ۳/۱۲۹)

(مختلف جرائم ’’زنا اور زنا سے قریب تر جرائم، چوری، (سرقہ)، راہ زنی، (قطع طریق) شراب نوشی (خمر) تہمت اندازی (قذف)، ارتداد، بغاوت اور قصاص کے احکام‘‘ خود ان الفاظ کے ذیل میں دیکھے جائیں، ان کے علاوہ تعزیر، تقادم، شبہہ کے الفاظ کے مطالعہ سے بھی اسلام کے قانون حدود کو سمجھنے میں سہولت ہوگی، اس لئے یہاں اسی اجمالی نوٹ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔)

{١۵}......قانون حدود کے فوائد

افسوس کہ مغربی دنیا جس کو اسلام کے حسن میں بھی قبح اور خوبی میں بھی خامی نظر آتی ہے، اور علاوہ دوسری باتوں کے اسلام کی روحانی، معنوی اور قانونی برتری ان کی چشم دل کے لئے خار صلیب بنی ہوئی ہے، ان کو اسلام کے قانون حدود میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی، ان کو ان سزاؤں سے وحشت کی بو آتی ہے اور یہ بات ان کو حد درجہ مضطرب کئے ہوئے ہے کہ ان سخت سزاؤں کی وجہ سے جو اسلام نے مقرر کی ہیں، انسانی خون ارزاں ہو جائے گا اور ایک ایسا سماج وجود میں آئے گا جس میں بڑی تعداد میں لوگوں کے ہاتھ کٹے ہوں گے، اور ان کی پشت کوڑوں سے داغ دار ہوگی، ہر چند کہ یہ موضوع ایک مستقل تحریر کا متقاضی ہے، اور یہاں اس کا موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ چند سطریں اس بارے میں بھی قارئین کی نذر کی جاتی ہیں۔

(١)......یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ جرائم کا باب اس درجہ وسیع ہے کہ نام بہ نام ان کا احاطہ ممکن نہیں، مگر اسلام نے ان تمام جرائم میں صرف چند ہی کی سزائیں مقرر کی ہیں، باقی کو وقت اور حالات اور خود قاضی کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے، یہ وہ جرائم ہیں جو سماج کو اجتماعی نقصان پہنچاتے ہیں اور جن کی وجہ سے سماج کی جان و مال یا عزت و آبرو خطرہ میں رہتی ہے اور ظاہر ہے فرد کے مقابلے سماج کا اجتماعی وجود زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

(٢)......شریعت نے ان سخت سزاؤں کے نفاذ کا حکم اس ماحول میں نہیں دیا ہے، جس قسم کے ماحول میں ہمارے مغربی دوست اپنی زندگی گذارتے ہیں، بلکہ ’’دارالاسلام‘‘ کی شرط رکھی ہے، جہاں مکمل اسلامی نظام قائم ہو، جہاں عورتیں پردہ کی پابند ہوں، جہاں فحاشی کے اڈے نہ ہوں،

جہاں ہیجان انگیز فلمیں نہ دکھائی جاسکتی ہوں، جہاں شراب اور نشہ آور اشیاء کی خرید وفروخت پر قدغن ہو، غرض جو ظاہری اسباب ومحرکات انسان کو جرم پر اکساتے ہیں وہ موجود نہ ہوں۔

(۳)......ان سزاؤں کے ثبوت کے لئے کڑی شرطیں رکھی گئی ہیں اور قانون شہادت کو حد درجہ محتاط بنایا گیا ہے، بعض جرائم تو ایسے ہیں کہ اگر مجرم کو اقرار نہ ہو تو شہادت کے ذریعہ ان کو ثابت کرنا حد درجہ مشکل ہے۔

(۴)......ان مقدمات میں شبہ کا فائدہ "مجرم" کو دیا جاتا ہے اور "شبہہ" کا دائرہ بہ نسبت اور معاملات کے کافی وسیع رکھا گیا ہے تا کہ اگر مجرم سے یہ فعل "مجرمانہ ذہنیت" کے بغیر کسی اور طور پر صادر ہوا ہو تو اسے بچایا جاسکے۔

(۵)......شریعت میں سزاؤں کا ایک اہم مقصد عبرت خیزی ہے، یہ مقصد ایسی شدید سزاؤں ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، جن کے پیش آنے کے نام ہی سے مجرم کا کلیجہ دہلتا ہو، تا کہ مجرم میں اضافہ کے رجحان پر قابو پایا جاسکے، یہ عام طور پر اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ سزائیں جسمانی ہوں محض مالی تاوان یا قید کی سزا جرائم کے سد باب میں بہت کم مفید ہوتی ہے، بلکہ اعداد شمار بتاتے ہیں کہ "قید" کی سزا جرم کے رجحان کو بڑھاتی اور جرائم میں مجرم کے لئے مددگار ہوتی ہے، اس سلسلے میں مصر میں ۶۰ ہجری میں ہونے والے چوری کے واقعات کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۳)......مصر میں اس سال "۹۱۴۷" کیس ایسے ہیں جہاں مجرم کی گرفتاری چوری عمل میں آنے کے بعد ہوئی، ان میں ۲۵ کیس ایسے ہیں جن میں اس سے پہلے ایک بار سزا مل چکی تھی، ۱۹۰ کیس ایسے ہیں جن میں مجرم تین بار یا اس سے زیادہ پہلے سزا پا چکا تھا، ۲۵۶۴ کیس ایسے ہیں جن میں چوری کرتے ہوئے مجرم کو پکڑ لیا گیا، ان میں ۱۲ ایسے تھے جن کو اس سے پہلے کوئی سزا نہ ملی تھی، ۵۴ ایک دفعہ کے سزا یافتہ، ۶۵ دفعہ کے سزا یافتہ اور ۱۴۷ تین دفعہ یا اس سے زیادہ کے سزا یافتہ ہیں۔

ان اعداد و شمار سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ مجرمین نے جیل میں جتنی سزا پائی ہے اسی تناسب

سے اس کے جرم میں اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ مختلف قسم کے جرائم پیشہ افراد کے ایک جگہ اجتماع کی وجہ سے ان کی مجرمانہ ذہنیت اور عمل کی مزید تربیت ہو جاتی ہے۔

(۶)...... یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اسلام کی مقررہ سزائیں جرائم کے سدباب میں اس درجہ مفید ہیں کہ کوئی دوسرا قانون ان کی ہمسری نہیں کرسکتا، مثلاً سعودی عرب میں ۴۷ ءتک چوری کے صرف ۱۱۲/۱۲ ایسے واقعات ہوئے جن میں چور کے ہاتھ کاٹے گئے، لیبیا میں شرعی قوانین کے نفاذ کے بعد تین سال میں صرف تین آدمیوں میں شرعی قوانین کے نفاذ کے بعد تین سال میں صرف تین آدمیوں کے ہاتھ کاٹے جانے کی نوبت آئی، جب کہ پڑوسی مملکت مصر میں صرف ۶۵ ء کے اعداد وشمار کے مطابق ۱۴۱۷۷ رواقعات چوری کے ہوئے جس میں ۲۳ر ہزار سے زیادہ چوری صرف لوگوں کے محفوظ مکانات سے کی گئیں، (بین الجرائم) گذشتہ سالوں میں جب پاکستان میں حدود شرعیہ کا نفاذ ہوا تو چند ہی دنوں میں چوری کا اوسط سو سے گھٹ کر ''سات'' ہو گیا۔

اب انسان کے لئے دونوں راہیں کھلی ہیں، یا تو وہ اپنے سماج کو ایسا مہذب اور شائستہ بنائے جو اسلام کا مقصود ہے، جہاں ایک عورت مع اپنی دولت وثروت کے صنعاء یمن سے شام تک کا سفر کرے، نہ کوئی نگاہ اسکے مال کی طرف اٹھے اور نہ کوئی ہاتھ اسکی عزت وناموس کی طرف بڑھے، یا وہ اس مغربی تمدن کا انتخاب کرے، جہاں انسانی جان ومال سے زیادہ کوئی اور چیز ارزاں نہ ہو اور جہاں انسانی عصمت وعفت برسر بازار مکان کے ٹوٹے ہوئے دروازوں کی طرح نیلام ہوتی ہو، پہلے قسم کے تمدن کے لئے مجرم کے ساتھ سخت گیری اسی قدر ضروری ہے جتنی کہ دوسری قسم کے حیاباختہ سماج کے لئے مجرمین کے ساتھ لطف ومہربانی۔ (قاموس الفقہ: ۲۱۹/۳)

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: چند جرائم ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر فرمائیں ہیں، چنانچہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا حق نہیں، یہ وہ جرائم ہیں جن میں مختلف جہتوں سے مفاسد جمع ہیں، ان سے زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے مسلمانوں کا چین وسکون غارت ہوتا ہے، ان جرائم کے جذبات لوگوں کے دلوں میں برابر پھرتے رہتے ہیں، وہ انسان پر حملہ کرتے ہیں جب وہ

دل میں رچ بس جاتے ہیں تو لوگ ان سے بچ نہیں سکتے ہیں، ان میں ایسا ضرور ہے کہ مجرم اس کو اپنی ذات سے ہٹا نہیں سکتا اور وہ جرائم کثیر الوقوع ہیں۔

اس قسم کے جرائم میں عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں، ان پر سخت ملامت اور دردناک سزا ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ان کو ارتکاب سے باز رکھے۔

ایسے سنگین جرائم پانچ ہیں (۱) زنا، (۲) چوری (۳) راہ زنی (۴) شراب نوشی (۵) زنا کی تہمت لگانا۔

پہلا جرم زنا، یہ گناہ شہوت کی زیادتی اور عورتوں کی خوبصورتی میں دلچسپی سے صادر ہوتا ہے، بدکاروں کے لئے اس معصیت میں حرص وشوق ہے اور عورت کے خاندان کے لئے اس میں سخت عار ہے اور بیوی میں دوسرے کی مزاحمت انسانی فطرت کے خلاف ہے، اسلئے قتل وقتال اور جنگ وجدال کا دروازہ کھلتا ہے، اور زنا عام طور پر باہمی رضامندی اور تنہائی میں ہوتا ہے، جس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہوسکتے کہ وہ روک ٹوک کریں، پس اگر اس کے لئے دردناک سزا مقرر نہیں کی جائے گی تو لوگ اس سے باز نہیں آئیں گے۔ (مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵/۲۸۸)

{الفصل الاول}

بیٹے پر حد کا نفاذ کروانا

{۳۴۰۰} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُهُمَا اَقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِیْ اَنْ اَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ اِنَّ اِبْنِیْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰی هٰذَا فَزَنٰی بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلٰی اِبْنِیْ الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِیْ ثُمَّ

إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُوْنِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَا قْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ وَ أَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۹۸۱، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر: ۶۸۳۱، مسلم شریف: ۲/ ۶۹، باب من اعترف علی نفسہ بالزنا، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۹۷۔

حل لغات: **غرب فلان**، دور کرنا گھر سے نکالنا، جلاوطن کرنا، **العسیف**، کے معنی القاموس الوحید میں یہ لکھے ہیں، بیگاری، جس سے حقارت کے ساتھ بہت کام لیا جائے، لیکن یہاں مراد، اور زیادہ مزدوری پر کام کرنے والا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھگڑا لے کر آئے، تو ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ فرمادیجئے، اور دوسرے نے کہا کہ ہاں اے اللہ کے رسول! ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ فرمادیجئے، اور مجھے اس بات کی اجازت عطا کیجئے کہ میں بات کروں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بات کرو، اس نے عرض کیا کہ میرا بیٹا اس کے پاس مزدوری کرتا تھا، پس اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا، چنانچہ مجھے لوگوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائیگا، تو میں نے اس کے فدیہ میں سو بکریاں اور اپنی ایک باندی دی، پھر میں نے اہل علم سے معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس کی بیوی کے لئے رجم ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تم دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کتاب کے ذریعہ فیصلہ کروں گا، بہرحال تمہاری بکریاں اور تمہاری باندی تمہیں واپس کی جاتی ہے، اور جہاں تک تمہارے بیٹے کا معاملہ ہے تو اس کو سو کوڑے مارے

جائیں گے، اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا اور بہر حال اے انیس! تم صبح اس کی بیوی کے پاس جا کر پوچھنا، اگر وہ اعتراف کرلے تو اس کو سنگسار کردینا، عورت نے اعتراف کرلیا، چنانچہ اس کو سنگسار کردیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: فاقض بیننا بکتاب الله: اس پر اشکال ہے کہ اگر کتاب اللہ سے قرآن کریم مراد ہے تو اس کے اندر آیت رجم کہاں ہے؟

جواب: (۱) یہ ہے کہ اگر چہ موجود نہیں لیکن "**منسوخ التلاوۃ دون الحکم**" ہے اور وہ یہ تھی کہ "**الشیخ والشیخۃ اذا زنیا الخ**"

(۲)......اس کا مطلب ہے کہ قرآن نے معاصی پر جو احکام جاری کئے ہیں وہ مجھے بتلا دیجئے یا کتاب اللہ سے مراد قرآن نہیں مطلق حکم اللہ مراد ہے، دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان لوگوں کو تو معلوم تھا کہ حضور ﷺ ہمیشہ کتاب اللہ کے ذریعہ فیصلہ فرماتے ہیں لہٰذا سوال کے اندر یہ الفاظ استعمال کرنے کی کیا ضرورت؟

اسکا جواب: (۱) یہ ہے کہ حضور ﷺ دوسرے کام میں مشغول تھے تو تنبیہ کرنے کے لئے ایسا کہدیا،

(۲)......عبد ضعیف کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ لوگ سیدھے اور بلا تکلف لوگ ہوتے تھے اسلئے ایسے ہی تعبیر کردیا۔ "**ثم انی سالت اھل العلم**" حافظ فتح القدیر کے اندر فرماتے ہیں کہ میں ان کے نام پر واقف نہیں اور مقدمہ فتح کے اندر بہت سے نام گنوائے مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، رضی اللہ عنہم ان میں سے کوئی ہوگا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر محصن کے لئے سو کوڑے اور تغریب عام سزا ہے ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ سیاستہ پر محمول ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب تغریب عام کا مسئلہ پیش ہوا تو فرمایا کہ: "**کفی بالنفی فتنة**" پھر ان لوگوں کے یہاں تغریب عام کے سلسلہ میں بہت تفاصیل ہیں کہ کون کون اس حکم کے اندر داخل ہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حر اور عبد دونوں برابر ہیں اور ایک روایت ہے کہ صرف حر کے لئے تغریب کا حکم ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حر ہونے کے ساتھ ساتھ مذکر ہونا شرط ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ

سے دونوں روایت ہیں اور پھر اس مسافت کے اندر اختلاف ہے کتنی دور تک شہر بدر کرنا ضروری ہے اس کے اندر مختلف اقوال ہیں،

(۱)......ایک دن ایک رات کی مسافت۔

(۲)......دو دن دو رات کی مسافت۔

(۳)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک گورنر کے علاقہ سے دوسرے گورنر کے علاقہ تک۔

(۴)......ایک قریہ سے دوسرے قریہ تک۔

(۵)......قصر کی مسافت کا اعتبار ہے۔

اخیر کے اندر ہے کہ "**فان اعترفت فارجمها**"۔ اس پر اشکال وارد ہوا کہ حدود کے اندر تو حضور ﷺ کی عادت ستر کی تھی یہاں تفتیش کیوں کرائی جواب یہ ہے کہ ستر اس لئے نہیں فرمایا کہ ان کا امر بالکل فاش ہو چکا تھا اور مسئلہ وغیرہ بھی انہوں نے علماء سے پوچھ لیا تھا، آگے وارد ہوا، "**فاعترفت فارجمها**"۔ اس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے کہ زنا کے اندر زانی زانیہ کا ایک مرتبہ اعتراف کر لینا وجوب حد کے لئے کافی ہے امام احمد امام صاحب کے یہاں چار مرتبہ اعتراف کرنا ضروری ہے اور بینہ کے اندر تمام کا اتفاق ہے وہ چار مرتبہ گواہی دے ہمارا مستدل ۳۱۰ ر پر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث ہیں، حنابلہ، حنفیہ کے اندر اس بات کے اندر اختلاف ہے کہ چار مرتبہ اعتراف چار مجلسوں کے اندر شرط ہے یا ایک کے اندر کافی ہے، حنابلہ کے یہاں ایک ہی مجلس کے اندر چار مرتبہ اعتراف کرے حنفیہ کے نزدیک مجالس مختلفہ ہونی چاہئے۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

مضمون حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم یہ دونوں حضرات حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آنحضرت ﷺ کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آگئے، ان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ: یارسول اللہ ﷺ میں آپ کو قسم دیتا

ہوں، کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کریں، اس شخص کا حریف اس سے زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے بھی یہی کہا کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے، یہ جو کہا کہ وہ دوسرے آدمی سے زیادہ سمجھ دار تھے یا تو اس لئے کہا کہ وہ ظاہر قرائن اور علامات سے زیادہ سمجھ دار نظر آرہے تھے یا اس وجہ سے کہ ان کا انداز خطاب پہلے شخص کے مقابلے میں زیادہ باادب تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ کو قسم دے کر یہ کہنا کہ آپ ہمارے درمیان اس طرح فیصلہ کیجئے، یہ انداز ادب اور تعظیم کیخلاف ہے، جب کہ انہوں نے قسم دیئے بغیر ویسے ہی فیصلہ کرنے کے کہہ دیا، اس وجہ سے ان کو زیادہ افقہ قرار دیا، اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بات کروں، میرا بیٹا اسکے پاس مزدوری کرتا تھا، اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کرلیا، پھر لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم لازم ہوگیا ہے، تو میں نے سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دیا، یعنی جب مجھے معلوم ہوا کہ زنا کے نتیجے میں میرے بیٹے پر رجم کی سزا عائد ہوگئی ہے، خیال تھا کہ یہ سزا آقا کے حق کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوئی ہے، اس لئے اگر اس آقا کو کچھ دیدیا جائے گا تو وہ اپنا حق چھوڑ دے گا، اور اس کے نتیجہ میں رجم کی سزا ساقط ہو جائے گی، چنانچہ میں نے اس کو سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دے دیا، بعد میں میری ملاقات بعض اہل علم سے ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا نہیں تھی بلکہ سو کوڑے تھے، اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا تھی اس لئے کہ وہ محصن نہیں ہے، اور رجم تو اسکی بیوی پر آئے گا اس لئے کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود اس نے زنا کیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، اور تم نے اس شخص کو جو سو بکریاں اور ایک خادم بطور فدیہ کے دیا تھا وہ تمہارے پاس لوٹایا جائے گا اس لئے کہ زنا کا تعلق حقوق العباد سے نہیں بلکہ حقوق اللہ سے ہے، اس لئے فدیہ دے کر سزا کو معاف نہیں کرایا جاسکتا، اور تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہوگی، اس وقت مجلس میں ایک صحابی بیٹھے تھے جن کا نام انیس تھا، ان سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ اے انیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو، چنانچہ حضرت انیس رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے اس عورت نے زنا کا اعتراف کرلیا تو آپ نے اس کو رجم کردیا۔

ایک مرتبہ اعتراف کافی ہونے پر شافعیہ کا استدلال

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زنا کے ثبوت کے لئے ایک مرتبہ اعتراف کرلینا بھی کافی ہے، چار مرتبہ اعتراف کرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب وہ عورت اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو، یہ نہیں فرمایا کہ جب چار مرتبہ اعتراف کرلے تو پھر رجم کرنا، حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اعتراف سے مراد اعتراف معروف تھا، اور اعتراف معروف چار مرتبہ کا اعتراف ہے۔

(درس ترمذی: ۵/۸۵)

احصان کن صفات کے مجموعہ کا نام ہے

رجم کے لئے صفت احصان کا ہونا بالاجماع ضروری ہے، اب یہ کہ شرائط احصان کیا کیا ہیں اس کو دیکھنا ہے، بخاری شریف کا ترجمہ "**باب رجم المحصن قال العینی: والمحصن بفتح الصاد من الاحصان وهو المنع فی اللغة وجاء فیه کسر الصاد فمعنی الفتح احصن نفسه بالتزوج عن عمل الفاحشة ومعنی الکسر علی القیاس وهو ظاهر، والفتح علی غیر القیاس، قال اصحابنا شروط الاحصان فی الرجم سبعة، الحریة، والعقل، والبلوغ، والاسلام، والوطی، والسادس الوطی بنکاح صحیح، والسابع کونهما محصنین حالة الدخول بنکاح صحیح، وقال ابویوسف والشافعی واحمد الاسلام لیس بشرط لانه صلی الله علیه وسلم رجم یهودیین قلنا کان ذلك بحکم التوراة قبل نزول آیت الجلد فی اول ما دخل صلی الله علیه وسلم المدینة، فکان منسوخا بها، قال ابن المنذر، فقال الاکثرون نعم، وعن عطاء والحسن والثوری والکوفیین واحمد واسحاق لا**"

معلوم ہوا کہ شرائط احصان سات ہیں ان میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، چنانچہ مغنی میں ہے: "**الرابع الحریة وهی شرط فی قول اهل العلم کلهم الا ابا ثور، قال العبد والامة هما**

محصنان یرجمان اذا زنیا. وقال الاوزاعی فی العبد تحته حرة محصن یرجم اذا زنی، وان کان تحته امة لم یرجم" اسی طرح صفت اسلام میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرائط احصان میں سے ہے، حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک نہیں ہے، کما سیاتی فی باب رجم الیہودیین اور در مختار میں ہے:

"شرائط احصان الرجم سبعة الحریة، والتکلیف، ای العقل، والبلوغ، والاسلام، الوطی، وکونه بنکاح صحیح حال الدخول، وکونهما بصفة الاحصان المذکور وقت الوطی، فاحصان کل واحد منهما شرط لصیرورة الآخر محصنا فلو نکح امة او الحرة عبدا فلا احصان الا ان یطاها بعد العتق فیحصل الاحصان به لا بما قبله الی آخره. قال ابن عابدین قوله "شرائط احصان الرجم. قیده به لان احصان القذف غیر هذا، وقوله بنکاح صحیح، خرج الفاسد کنکاح بغیر شهود. فلا یکون به محصنا، وقوله حال الدخول احترازعما لووطی فی نکاح موقوف علی الاجازة ثم اجازت المرأة العقد اوولی الصغیرة. فلا یکون بهذا الوطی محصنا وان کان العقد صحیحا لانه وطی فی عقد لم یصح الا بعده لا حال الوطی، وفی الکنز والدخول بالنکاح الصحیح وکونهما محصنین حالة الدخول، قال الزیلعی اما الدخول فلقوله علیه الصلاة والسلام الثیب بالثیب الحدیث، والثیابة لاتکون بغیر دخول، ولانه باصابة الحلال تنکسر شهوته ویشبع فیستغنی به عن الزنا، واما احصانهما حالة الدخول فلان هذه النعمة به تتکامل، اذا الطبع ینفر عن صحبة المجنونة وقلما یرغب فی الصغیرة لقلة رغبتها فیه، وفی المملوکة حذرا عن رق الولد" علامہ زیلعی نے ان شرائط احصان میں سے ہر ہر شرط کی لم اور علت بھی ذکر کی ہے لہذا اسکو دیکھا جائے کہ مفید اور موجب بصیرت ہے۔" والله تعالیٰ الموفق وفی الاوجز عن الموفق السابع، ان یوجد الکمال فیهما جمیعا حال الوطی فیطأ الرجل العاقل الحر أمراة عاقلة حرة. وهذا قول ابی حنیفه واصحابه الخ" موفق چونکہ حنبلی ہیں لہذا یہی مسلک حنابلہ کا ہوا، اسکے بعد انہوں نے اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نقل کیا ہے جو اوجز میں مذکور ہے۔ فارجع الیه لو شئت۔

مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ

اس سب کا ماحصل یہ ہے کہ زنا فاحشہ عظمیٰ ہے اسی لئے اس کی سزا عقوبت شدیدہ یعنی رجم رکھی گئی ہے، لیکن زنا کی یہ سزا یعنی رجم مطلقاً نہیں بلکہ اس وقت میں ہے جب کہ زانی میں صفت احصان بھی پائی جارہی ہو، اس لئے کہ صفت احصان سے زنا کی وقاحت اور شناعت اور بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ صفت احصان ان اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے جو زنا کے ارتکاب سے مانع ہے لیکن وہ شخص اس کے باوجود زنا کا ارتکاب کر رہا ہے، جس کی وجہ سے اس کا یہ جرم بہت شدید ہو جاتا ہے، اور وہ صفات عند الجمہور سات ہیں، حریۃ، عقل، بلوغ، اسلام، نکاح صحیح، وطی بنکاح صحیح، دخول، کے وقت واطی اور موطؤہ دونوں میں ان مذکورہ بالا صفات کا پایا جانا (جن کو احصان سے تعبیر کیا جاتا ہے) لہٰذا اگر کسی حر نے باندی سے نکاح کیا اور اسی حالت میں وطی کی اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی سے زنا کا صدور ہو گیا، اور اس کے بعد پھر وہ باندی آزاد بھی کر دی گئی تو چونکہ یہاں پر صفت احصان وقت الدخول نہیں پائی گئی وطی کے وقت موطوءہ کے باندی ہونے کی وجہ سے اس لئے اس صورت میں اس زنا کا حکم رجم نہ ہوگا، الاّ یہ کہ اس باندی کے آزاد ہونے کے بعد دوبارہ اس سے وطی کی گئی ہو اور اسکے بعد زنا پایا گیا ہو تو اس صورت میں اس کا حکم رجم ہوگا ایا ایسے ہی کسی حرہ نے غلام سے نکاح کیا اور پھر وہ اوپر والی صورت پائی گئی اس کا بھی یہی حکم ہے، الحاصل جس مرد اور عورت میں مذکورہ بالا صفت احصان پائی جائے گی اور پھر اس کے بعد وہ مرد یا عورت زنا کرے گا تب اس کا رجم ہوگا ورنہ نہیں۔

رجم کے ثبوت میں بعض فرق کا اختلاف

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ رجم کے مسئلہ میں بعض فرق کا اختلاف ہے۔ **قال الحافظ قال ابن بطال، اجمع الصحابة وائمة على ان المحصن اذا زنى عامداً عالماً مختارا فعليه الرجم، ودفع ذلك الخوارج وبعض المعتزلة واعتلوا بأن الرجم لم يذكر في القرآن، وحكاه ابن العربي عن طائفة من اهل الغرب لقيهم وهم من بقايا الخوارج واحتج الجمهور بأن النبي صلى الله**

علیه وسلم رجم وکذلك الائمه بعده وثبت فی صحیح مسلم عن عبادة رضی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم قال خذوا عنی قد جعل الله لهن سبیلا الثیب بالثیب الرجم. کله من الابواب والتراجم، واوجز المسالك بزیادة من الزیلعی"۔ (الدر المنضود:۳۳۹/۶)

زنا

دنیا کے ہر مذہب اور سلیم الفکر انسانوں نے انسانی عصمت وعفت اور پاکبازی کو خصوصی اہمیت دی ہے اور اسی نسبت سے بے عفتی وبدکاری اور عصمت وحیا سے محرومی کی مذمت بھی کی ہے اسلام نے اس کا خاص پاس ولحاظ کیا ہے اور ان دروازوں کو بھی بند کرنے کی سعی کی ہے، جو انسان کو گناہ تک لے جاتے ہیں، غض بصر کا حکم، پردہ وحجاب کی تفصیلات، غیر محرموں سے خلوت اور اختلاط کی ممانعت، بالغ ہونے کے بعد جلد سے جلد نکاح کی حوصلہ افزائی اور نکاح کے لئے سادہ اور اخراجات کی گرانباری سے فارغ طریقہ کی مشروعیت، محرم کے بغیر عورتوں کے لئے سفر کی ممانعت اور اجتماعی وعمومی کاموں سے ان کو دور رکھنا، نیز خواتین کو اپنی کفالت اور کسب معاش کے بوجھ سے آزاد رکھنا، ان سب کا اصل منشاء ومقصود یہی ہے کہ کوئی شریف انسان زنا کے قریب بھی نہ جاسکے، اس لئے قرآن کریم نے "زنا" ہی نہیں زنا کی **"قربت"** سے منع فرمایا ہے: "**ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة وساء سبیلا**"۔ (الاسراء:۳۲) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بلاشبہ وہ بڑی ہی بے حیائی کی بات اور بری راہ ہے۔

شریعت اسلامی کی نگاہ میں یہ گناہ اتنا بڑا اور شدید ہے کہ اس کو شرک اور قتل کے زمرہ میں شمار کیا گیا اور ارشاد ہوا: "**والذین لا یدعون مع الله الها آخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلك یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا**"۔ (الفرقان:۶۹،۶۸) جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو (حاجت روائی کے لئے) نہیں پکارتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام فرمایا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر، اور جو بدکاری نہیں کرتے اور جو ایسے کام کرے گا، تو سخت سزا پائے گا کہ قیامت کے دن اس کو دردناک عذاب ہوگا اور اس عذاب میں وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا۔

اس مضمون کو ایک حدیث شریف نے یوں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا: سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے سے ساتھ شریک ٹھہراؤ حالانکہ کہ اس نے تم کو پیدا کیا، پوچھا گیا، پھر اس کے بعد؟ بچہ کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے کھانے میں شریک ہو جائے گا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا: کہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی جائے۔ (بخاری شریف: ۸۸۷/ ۲)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ: جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس پر اللہ کی طرف سے قحط نازل کیا جاتا ہے۔ (مسند احمد عن عمرو العاص)

اسی لئے شریعت نے تمام جرائم میں شدید تر سزا زنا کی مقرر کی ہے، جو غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لئے سنگساری (رجم) ہے۔

یہاں اس سلسلہ میں دو امور قابل ذکر ہیں: اول ''زنا'' کی حقیقت دوسرے ''زنا'' کو ثابت کرنے کا طریقہ، اس مسئلہ سے متعلق دوسرے مباحث مختلف دوسرے الفاظ کے ذیل میں آچکے ہیں جن کی تفصیل آگے مذکور ہو گی۔

فقہی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حد تک جامعیت کے ساتھ ان الفاظ میں ''زنا'' کی تعریف کی ہے: "**اما الزنا فهو اسم للوطء الحرام في قبل المرأة الحية في حالة الاختيار في دار العدل ممن التزم احكام الاسلامي العاري عن حقيقة الملك وعن شبهته عن حق الملك وعن حقيقة النكاح وشبهته وعن شبهة الاشتباه في موضع الاشتباه في الملك والنكاح جميعاً**"۔ (بدائع الصنائع: ۳۳/ ۷)

زنا زندہ عورت کی شرمگاہ میں، باختیار، دار العدل (دار الاسلام) میں ایسے شخص کے وطی کرنے کا نام ہے جس نے اپنے آپ پر احکام اسلامی کا التزام کیا ہو یعنی مسلمان ہو، وہ عورت نہ اس کی ملکیت ہو، نہ ملکیت کا شبہ ہو، نہ اس پر کسی درجہ میں حق ملکیت ہو نکاح اور شبہ نکاح سے بھی عاری ہو، نیز نکاح اور ملکیت کا

شبہ اشتباہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

”زنا“ کی یہ فقہی حیثیت جس پر زنا کی مقررہ سزا جاری ہوتی ہے، بتاتی ہے کہ ان صورتوں پر اس اصطلاحی زنا کا اطلاق نہ ہوگا، جو موجب حد ہے۔

☆......وطی حلال ہو۔

☆......اجنبی عورت سے غیر فطری راستہ سے صحبت کی جائے تو حد واجب نہ ہوگی مگر اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی حد واجب ہوگی۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۴۵)
البتہ خود اپنی بیوی یا باندی کے ساتھ ایسا فعل کرے تو گناہ گار ہوگا مگر زانی نہیں۔
(خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۴۵)

☆......عورت کے بجائے مرد یا جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو گناہ شدید ہے مگر یہ زنا نہیں۔
(خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۴۵)

☆......مردہ عورت کے ساتھ بدکاری کی وجہ سے حد زنا جاری نہ ہوگی۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۴۵)

☆......اکراہ کے تحت زنا کی وجہ سے حد واجب نہ ہوگی، اختیاری فعل ہی اصل میں اصطلاحی زنا ہے۔

☆......حد زنا دارالاسلام ہی میں جاری ہوگی نہ کہ دارالکفر میں۔

☆......یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عورت نہ اس کی مملوکہ ہو نہ اس کے مملوکہ ہونے کا شبہ ہو اور نہ اس پر فاعل کو حقوق ملکیت میں سے کوئی حق حاصل ہو، جس سے شبہ ملکیت پیدا ہوسکتا ہو۔

☆......یہ بھی ضروری ہے کہ نہ وہ منکوحہ ہو، نہ نکاح کا شبہ ہو۔

☆......زنا اسی وقت متحقق ہوگا جب فعل وطی پایا جائے دواعی وطی کے ارتکاب پر زنا کی سزا جاری نہ ہوگی۔ (المغنی: ۹/۵۸)

تاہم اوپر جن صورتوں میں حد زنا جاری نہ ہونے کا ذکر ہے ان کی بابت یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان غیر شرعی افعال کے مرتکبین کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا، بلکہ ایسی صورتوں میں تعزیر کا حکم ہے، جس کی تعیین کا اختیار قاضی کو، وہ مجرم، جرم کی نوعیت، اس جرم کے عموم وشیوع وغیرہ کے لحاظ سے اپنی صوابدید سے سزا متعین کریگا۔

بعض صورتوں کی بابت فقہاء کا اختلاف

☆......مالکیہ کے نزدیک مردہ عورت سے وطی، یا مرد کے ساتھ غیر فطری فعل بھی زنا اور اس پر حد جاری ہوگی۔ (الشرح الصغیر: ۴/۴۴۸)

☆......جس نکاح کے باطل ہونے پر امت کا اجماع ہو، جیسے پانچواں نکاح یا منکوحہ سے نکاح، یا محرم سے نکاح، ان صورتوں میں بھی شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک حد زنا واجب ہوتی ہے، محارم کے مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح باطل کی تمام صورتوں میں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محارم کے سوا دوسری صورتوں میں شبہ نکاح پیدا ہو جانے کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی۔ (بدائع الصنائع: ۷/۵۷)

ثبوت زنا کے ذرائع

زنا کے ثبوت کی صورتیں ہیں، اقرار، اور بینہ۔ زنا کے اقرار کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

(۱)......اقرار کرنے والا عاقل بالغ ہو۔

(۲)......اقرار زبان کے ذریعہ کیا گیا ہو، اشارہ اور تحریر کے ذریعہ اقرار معتبر نہیں، یہاں تک کہ اگر گونگا بھی ہو اور اقرار زنا کی تحریر بھی لکھ دے یا واضح اشارہ کر دے تب بھی حد زنا جاری نہ ہوگی۔

(۳)......چار دفعہ زنا کا اقرار کرے، یہی رائے حنابلہ کی بھی ہے، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ایک دفعہ کا اقرار بھی کافی ہے۔ (المغنی: ۹/۶۰)

زنا کی شہادت کے سلسلہ میں درج ذیل شرطیں ہیں:

(۱)......گواہان مرد ہوں، عورتوں کی شہادت اس مسئلہ میں مقبول نہیں۔

(۲)......خود وہ لوگ گواہی دیں جنہوں نے زنا کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھا ہے سنی ہوئی گواہی معتبر نہیں۔

(۳)......کم سے کم چار گواہان زنا کے شواہد ہوں۔

(۴)......جس کے بارے میں زنا کی گواہی دی جارہی ہو، اس کا وطی کرنا قابل تصور ہو۔

(۵)......جس پر زنا کا دعویٰ کیا جارہا ہو، وہ شبہ کا دعویٰ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، جیسے وہ شخص گونگا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ اگر وہ گویا ہوتا تو وہ اس واقعہ کے سلسلے میں دعویٰ کرتا کہ اس نے شبہ میں زنا کیا ہے۔

(۶)......گواہان کی گواہی میں اختلاف نہ ہو، اگر کچھ گواہان ایک جگہ اور کچھ گواہان دوسری جگہ زنا کا دعویٰ کریں کہ بظاہر ان دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو اور ان کو ایک واقعہ قرار دینا دشوار ہو، تو یہ شہادت معتبر نہیں ہوگی۔

(۷)......زنا، چوری اور شراب نوشی، ان جرائم پر شہادت اسی وقت قبول کی جائے گی جب کہ (تقادم) نہ ہوا ہو، تقادم سے مراد یہ ہے کہ وہ معاملہ پرانا نہ پڑ گیا ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ قاضی کی صوابدید پر رکھا ہے، اگر قاضی محسوس کرے کہ مناسب وقت ملنے کے باوجود دعویٰ دائر کرنے میں تاخیر کی گئی تو وہ شہادت رد کردے گا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کوشش کی کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں کسی مدت کی تعیین کردیں، لیکن آپ اسی رائے پر قائم رہے، قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تقادم کی مدت ایک ماہ ہے اس سے زیادہ تاخیر کی صورت میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۴۶ر۷ر۴/۷)

(۸)......یہ بھی ضروری ہے کہ تمام گواہان ایک ہی مجلس میں حاضر ہوں اس مسئلہ میں یکے بعد دیگر شہادت قبول نہیں کی جائے گی یہی رائے حنابلہ اور مالکیہ کی بھی ہے، شوافع کے نزدیک مجلس کی وحدت شرط نہیں۔ (المغنی: ۶۶/۹، بدائع الصنائع: ۴۸/۷) قاموس الفقہ: ۱۰۳/۴)

رجم سنگسار کرنا

شریعت اسلامی کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد نسل کا تحفظ اور اس کو اختلاط سے بچانا ہے، اسی لئے اسلام نے زنا کو نہ صرف حرام کیا بلکہ اس کے بارے میں نہایت شدت برتی اور اس کو کبائر ذنوب کے درجہ میں رکھا اور جن جرائم کی سزائیں متعین کردیں ان میں نہ صرف یہ کہ زنا کو رکھا بلکہ زنا کے لئے شدید تر سزائیں مقرر کیں، انہیں سزاؤں میں ایک ''رجم'' یعنی سنگسار کرنے کی سزا ہے۔

شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا ایک اجماعی مسئلہ ہے جس کی بابت کثرت سے پیغمبر اسلام ﷺ کی قولی اور فعلی احادیث منقول ہیں جو تواتر کے درجہ کو پہنچی ہیں، اسی لئے سوائے خوارج کے اس مسئلہ میں کہیں کوئی اور اختلاف نظر نہیں آتا۔ (المغنی: ۹/۳۹)

موجودہ دور میں منکرین حدیث نے عموماً اور ایک آدھ دوسرے اہل علم نے بھی رجم کی سزا کا انکار کیا ہے، جو امت کے اجماع کے مقابلہ میں شذوذ کا درجہ رکھتا ہے اور قطعاً ناقابل اعتبار ہے، رجم سے متعلق حدیثوں کے لئے علامہ زیلعی کی "نصب الرایہ: جلد ۳" اور ابن اثیر کی "جامع الاصول جلد ۴" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، اُردو زبان میں اس موضوع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل قابل ذکر ہیں۔

کس قسم کے زانی کو رجم کیا جائے گا؟

رجم کے سلسلے میں دو باتیں قابل ذکر ہیں، اول یہ کہ رجم کس زانی کو کیا جائیگا؟ دوسرے یہ کہ رجم کی کیفیت کیا ہوگی؟ جہاں تک پہلا مسئلہ ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ رجم کے لئے زانی میں احصان کا پایا جانا شرط ہے، احصان سے مراد یہ ہے کہ زنا کرنے والا شخص، عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہو اور اس کا نکاح صحیح ہو چکا ہو، اور اس نکاح صحیح کے ذریعہ زوجین میں صحبت بھی ہوئی ہو، محض خلوت کافی نہیں، نیز صحبت کے وقت زوجین میں سے ہر ایک عاقل و بالغ، آزاد و مسلمان رہے ہوں، اب وہ شخص "محصن" ہوگا اور اگر وہ زنا کا مرتکب ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا۔ (مزید وضاحت قریب گذر چکی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۷/۳۷)

رجم کرنے کا طریقہ

رجم کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کے لئے سینے تک گڑھا کھود دیا جائے اور اس میں بٹھا کر رجم کیا جائے، یہ بہتر طریقہ ہے ویسے یونہی بٹھا کر رجم کیا جا سکتا ہے، مرد پر کھڑے کھڑے سزا جاری ہوگی، مرد کے لئے یہ حکم بشمول رجم تمام ہی سزاؤں میں ہے۔ (عالم گیری: ۲/۱۴۶)

رجم کے لئے اوسط درجہ کا پتھر استعمال کرنا چاہئے، بہت بڑا پتھر بھی استعمال نہ کرے کہ جس سے

چہرہ وغیرہ کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو اور بہت چھوٹے پتھر بھی استعمال نہ کرے کہ اس میں رجم زیادہ دیر تک کرنا پڑے گا اور تکلیف زیادہ ہوگی۔(الشرح الصغیر حاشیہ صاوی:۴۵۵/۴)

رجم میں پیٹ اور پشت کے حصہ پر سنگباری کی جائے گی یعنی ناف سے گردن تک، چہرہ اور شرمگاہ کے حصہ پر پتھر نہیں مارے جائیں گے۔(حوالہ سابق)

مسنون طریقہ یہ ہے کہ رجم کے وقت لوگ جمع ہوں اگر گواہی کے ذریعہ زنا ثابت ہوا ہو تو گواہ رجم کی ابتداء کریں اور اگر خود زانی کے اقرار سے رجم کا جرم ثابت ہو تو بادشاہ یا قاضی پہلے رجم کرے پھر عام لوگ رجم کریں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فعل رجم کی ابتداء کے سلسلہ میں یہی تفصیل منقول ہے۔
(المغنی:۴۰/۹)

رجم کے وقت مجرم کو کھلی فضا میں لے جانا چاہئے تا کہ یہ عام لوگوں کے لئے عبرت وموعظت کا باعث بنے، رجم کے لئے مناسب ہے کہ نماز کی طرح لوگ صف بستہ کھڑے ہوں، ایک ایک صف رجم کرے اور پیچھے آجائے۔(ہدایہ مع الفتح:۱۴/۵)

رجم کی سزا بنیادی طور پر دارالاسلام میں نافذ ہوتی ہے جب کہ دارالاسلام کا شہری ہونے کے باوجود ایک شخص زنا کا ارتکاب کرے۔(شرح مہذب تکملہ:۲۰/۷،قاموس الفقہ:۴۷۵/۳)

اس حدیث سے متعلق جو باتیں تھی حتی الامکان بیان کر چکے ہیں اور کچھ باتیں آئندہ آنے والی روایات کے لئے بھی بطور وضاحت کے بیان کر دی گئی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث شریف کے اندر باپ نے بیٹے پر حد جاری کرائی ہے اور پورا واقعہ بیان فرما کر حکم شرعی معلوم کیا، ہم کو یہاں پر ایک واقعہ کی تحقیق کرنی ہے، خلافت فاروقی میں آپ کے ایک صاحب زادے ابوشحمہ عبدالرحمن نے ایک عورت سے زنا کیا شراب کے نشہ کی حالت میں اس کے نتیجہ میں: ایک بچہ پیدا ہوا عورت اس بچہ کو لیکر دربار خلافت میں حاضر ہوئی اور دعویٰ کیا کہ یہ بچہ آپ کا ہے اور پورا واقعہ بیان فرمایا تو آپ نے واقعہ کی تحقیق کے بعد ابوشحمہ پر حد جاری کی اور اس حالت میں ان کا انتقال ہوگیا، یہ واقعہ تقریر میں بکثرت عدل فاروقی میں بیان کیا جاتا ہے اور تقریر کی کتابوں میں شائع ہو رہا ہے۔

تحقیق: یہ واقعہ موضوع ہے، ابن الجوزی نے اس کو موضوع کہا ہے، علامہ سیوطی نے

اللآ لی:۱۹۸/ ۲،اور ابن عراقی نے تنزیہہ الشریعہ: ۲۲۰/ ۲، میں ان کی موافقت کی ہے۔

(نوادر الفقہ: ۳۳۲)

غیر محصن زانی کی سزا

{۳۴۰۱} **وَعَنْ** زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصِنْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۱۰۱۰، باب البکران یجلدان، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۳۱۔

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو اس شخص کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا جس نے زنا کیا اور وہ غیر شادی شدہ ہو، سو کوڑے مارے جائیں گے، اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا۔ (بخاری)

تشریح: قال سمعت النبی: مشکوۃ شریف کے ایک نسخہ میں رسول اللہ ﷺ ہے، "**یامر فیمن زنی ولم یحصن**" صاد کا کسرہ ہے جب کہ ایک نسخہ میں فتحہ بھی ہے، نہایہ میں ہے کہ احصان کے معنی اوصاف کے ہیں اور عورت کو محصنہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ وہ مسلمان پاکدامن آزاد اور شادی شدہ ہو اور مرد بھی انہیں اوصاف کے ساتھ محصن کہلاتا ہے اور شرح السنہ میں ہے محصن وہ ہے جس میں چار شرائط جمع ہوں اور وہ یہ ہیں، عقل، بلوغ، حریت، اور نکاح صحیح کے ساتھ جماع۔

جلد مائة: یہ ئی اَمر کا مفعول ہے یعنی سو کوڑوں کے مارنے کا حکم دیتے ہوئے میں نے سنا، "**وتغریب عام**" اس کا عطف "**جلد مائة**" پر ہے، یعنی اور ایک سال کی شہر بدری کا حکم فرماتے ہوئے سنا۔

مرقاۃ المفاتیح: میں متعدد طرق سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جن میں کوڑوں کے مارنے کی کیفیت بیان کی گئی ہی مثلاً کوڑا بہت سخت نہ ہو اس میں گانٹھ نہ ہو اس کو سر اور شرمگاہ اور چہرے

پر نہ مارا جائے وغیرہ یہ سب احادیث سے ثابت ہے بوقت ضرورت ان سب کو مرقاۃ میں ایک جگہ جمع دیکھا جاسکتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶۰/۴)

تنبیہ: اس حدیث شریف کی مزید وضاحت آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

محصن زانی کی سزا

{۳۴۰۲} **وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى آيَةَ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى إِذَا أَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَإِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَمْلُ أَوِ الْإِعْتِرَافُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)**

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰۸/۲، باب الاعتراف بالزنا، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۲۹، مسلم شریف: ۶۵/۲، باب رجم الثیب فی الزنا، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۹۱۔

حل لغات: بعثہ اللہ و لہ، بھیجنا، **الحق:** ثابت صحیح، غیر مشکوک، ٹھیک، سچا، **احصن الرجل**، شادی شدہ، ہونا، **قام الامر:** وجود میں آنا، **البینۃ:** شہادت، حجۃ، **اعتراف بالشئی**، اقرار کرنا، ماننا، تسلیم کرنا۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور ان پر کتاب نازل فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے میں رجم کی آیت بھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار فرمایا اور ان کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا، سنگسار کرنا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس شخص کے لئے ثابت ہے جو محصن ہونے کے باوجود زنا کرے خواہ مردوں میں سے ہو یا عورتوں میں سے ہو، اور یہ سزا اس وقت نافذ ہوگی جب کہ گواہ سے زنا کا ثبوت ہو جائے، یا عورت حاملہ ہو جائے یا اعتراف کرلے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا، اور وہ پورا خطبہ بخاری شریف میں موجود ہے یہ اس خطبے کا ایک حصہ ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب یعنی قرآن کریم نازل فرمائی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل کی گئی اس میں ایک آیت رجم کی بھی تھی۔ چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز ہو جائے گا تو کوئی کہنے والا یہ گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے اور پھر وہ اس فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، خوب سمجھ لو کہ اس شخص پر رجم حق ہے جس نے زنا کیا ہو جبکہ وہ محصن ہو اور اس کے خلاف بینہ قائم ہو گیا ہو یا عورت کو حمل ہو گیا ہو یا وہ خود زنا کا اعتراف کر لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اندیشہ موجودہ دور کے آئینے میں

اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بڑی دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب زمانہ طویل گذر جائے گا تو اس کے بعد لوگ کہیں گے کہ کتاب اللہ کے اندر آیت رجم موجود نہیں ہے اور اس کی بنیاد پر وہ رجم کا انکار کریں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمارے آج کے زمانے کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی تھی، چنانچہ آج لوگ یہی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں تو صرف کوڑوں کا ذکر ہے: "**الزانیة والزانی فاجلدو کل واحد منهما مائة جلدة**" زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ (النور: ۲) رجم کا ذکر نہیں، اس وجہ سے انہوں نے رجم کی مشروعیت ہی سے انکار کر دیا۔

کیا آیت رجم قرآن کریم کا حصہ تھی؟

اس حدیث میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل فرمائی اس میں آیت رجم بھی موجود تھی، اس قول کا مطلب عام طور پر یہی بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ مشہور آیت ہے کہ: "**الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة**"

نکالا من الله والله عزیز حکیم" بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو البتہ ان کو رجم کرو، یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت پہلے قرآن کریم میں موجود تھی، بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی لیکن حکم منسوخ نہیں ہوا۔ اور اگلی حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے بارے میں لوگ کہیں گے کہ اس نے کتاب اللہ میں زیادتی کردی تو میں یہ آیت قرآن کریم میں لکھ دیتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت قرآن کریم کا حصہ تھی۔

یہ آیت رجم تورات کا حصہ تھی

تحقیق کے بعد جو بات مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے" **والله سبحانه اعلم ان کان صوابا فمن الله وان کان خطاء فمنی ومن الشیطان**" وہ یہ کہ یہ آیت قرآن کریم کا حصہ کبھی نہیں رہی، بلکہ حقیقت ہے کہ یہ تورات کی آیت تھی، لیکن جب حضور ﷺ کے پاس رجم کا حکم آیا تو تورات کی اس آیت کے حکم کو امت محمدیہ کے لئے بھی باقی رکھا گیا بذریعہ وحی آپ کو بتایا گیا کہ یہ تورات کا حکم ہے اور اس کا حکم آپ کی امت کے لئے بھی کافی ہے، اسی وجہ سے یہ آیت کبھی بھی قرآن کے طور پر نہیں لکھی گئی، بلکہ ایک روایت میں آتا ہے، کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت "**الشیخ والشیخة**" یہ جب آیت ہی ہے تو کیا میں اس کو قرآن کریم کی دوسری آیات کے ساتھ لکھ لوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر "**شیخ**" محصن نہ ہو تو رجم نہیں ہوتا اور اگر "**محصن**" شیخ نہ ہو تو رجم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا مدار شیخ ہونے پر نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت مت لکھو، اگر یہ آیت قرآن کریم کا حصہ ہوتی تو حضور ﷺ اس کو لکھنے سے انکار نہ فرماتے؟ اور یہ بات کیسے فرماتے کہ اس آیت میں لفظ "**شیخ**" ہے اور شیخ پر رجم کا مدار نہیں ہوتا؟ اس لئے کہ یہ قرآن کا لفظ ہے اور قرآن کریم میں تبدیلی کا امکان نہیں ہوتا اور حضور ﷺ اپنی مرضی سے تو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے اس لئے اس کو قرآن نہ سمجھو اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت شروع ہی سے قرآن کریم کا حصہ نہیں تھی بلکہ توراۃ کا حصہ تھی۔

تورات کا حصہ ہونے کی دلیل

اور تورات کا حصہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تفسیر روح المعانی میں ایک روایت ہے کہ جب یہودیوں میں زنا کا ایک واقعہ پیش آیا تو حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور بتایا کہ ہم میں ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کرلیا ہے، حضور اقدس ﷺ نے ان سے پوچھا کہ رجم کے بارے میں تورات کے اندر تم کیا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تورات کے حکم کے مطابق ان کو رسوا کرتے ہیں اور کوڑے لگاتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اس میں آیت رجم موجود ہے، چنانچہ وہ لوگ تورات لائے اور اس کو حضور ﷺ کے سامنے پڑھنا شروع کیا تو عبداللہ بن صوریا نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کی آیت پڑھ لی، تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو آیت رجم وہاں موجود تھی۔ البتہ اس آیت کا حکم امت محمدیہ پر باقی رکھا گیا تھا اور بذریعہ وحی آپ کو یہ بتایا گیا تھا کہ اس کا حکم آپ کی امت پر باقی ہے، اس لئے اس کو اس بات سے تعبیر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، لہٰذا اب وہ اشکال کہ اگر اس آیت کا حکم باقی تھا تو پھر اس آیت کی تلاوت کیوں منسوخ کی گئی یہ اشکال اب ختم ہوگیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں فرمایا کہ جب زمانہ طویل ہو جائے گا تو لوگ رجم کا انکار کریں گے، جیسے آج انکار کر رہے ہیں، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: "**الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة**" زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ (النور: ۲)

اور رجم کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو وہ اخبار آحاد ہیں اور اخبار احادیث سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رجم کے احکام اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہوں، اور یہ آیت ان کے لئے ناسخ ہوگئی ہے۔

منکرین رجم کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ رجم کی احادیث اخبار آحاد نہیں ہیں بلکہ متواتر المعنی ہیں، میں نے تکملہ فتح الملہم میں ایک نقشہ دے کر بتایا ہے کہ رجم کی احادیث ۵۲ صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہیں، اس لئے ان کے متواتر المعنی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور متواتر المعنی احادیث سے کتاب اللہ پر زیادتی بھی ہوسکتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ رجم کے احکام اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت سورہ نور کی آیت ہے، اور سورہ نور قصہ افک کے موقع پر نازل ہوئی ہے، اور قصہ افک سن چھ ہجری میں پیش آیا تھا، اور رجم کے تمام واقعات سن چھ ہجری کے بعد کے ہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا رجم یہودیوں کا تھا، جس کا واقعہ اوپر گذرا، اس رجم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان رجم کرنے والوں میں شامل تھا، اور یہ صحابی سن ۷ ہجری کے بعد اسلام لائے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور یہودیہ کے رجم کا واقعہ سن ۷ ہجری کے بعد پیش آیا اور وہ اسلام میں پہلا رجم تھا اور دوسرے رجم اس کے بعد کے ہیں اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ واقعات رجم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔

آیت "جلد مائۃ" پر اشکال اور جواب

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ کتاب اللہ میں آیت مطلق ہے اس میں محصن اور غیر محصن کا کوئی فرق نہیں کیا، پھر احادیث میں محصن کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا اس کی وجہ سے حدیث سے آیت کو ایک طرح سے نسخ کیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں یہ نسخ نہیں ہے بلکہ میرا رجحان اس طرف ہے "**واللہ سبحانہ اعلم**" کہ قرآن کی آیت "**الزانیۃ والزانی**" میں جو حکم دیا گیا ہے وہ عام ہے اور محصن اور غیر محصن دونوں کو شامل ہے، صرف غیر محصن کے ساتھ خاص نہیں ہے اور قرآن کریم نے سو کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کے لئے سو کوڑوں کے ساتھ دوسری سزا یعنی رجم کا اضافہ فرمایا، گویا کہ محصن دو سزاؤں کا مستوجب ہوتا ہے، ایک سو کوڑے اور دوسرے رجم یہی وجہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا اعلان فرمایا تو اس اعلان میں فرمایا کہ اس پر "**جلد مائۃ والرجم**" یعنی اس پر سو کوڑے ہیں اور رجم ہے، لہٰذا جو محصن زنا کرے اس پر کتاب اللہ کی رو سے سو کوڑے واجب ہیں، اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے رجم واجب ہے۔

دو سزاؤں کو مدغم کیا جا سکتا ہے

لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص پر دو سزائیں جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک سزا ایسی ہو جو انسان کی موت واقع کرنے والی ہو، تو اس صورت میں چھوٹی سزا بڑی سزا میں مدغم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو سو کوڑے کی سزا کو موت کی سزا میں مدغم کر کے صرف رجم کر دے، اور اگر چاہے تو دونوں سزائیں جاری کر دے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب امرأۃ غامدیہ کو رجم کیا، جس کا واقعہ آپ صحیح بخاری میں پڑھیں گے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جمعرات کے روز سو کوڑے لگائے اور جمعہ کے روز رجم کیا، پھر آپ نے فرمایا: "**جلدتها بكتاب الله ورجمعها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم**" کتاب اللہ کے مطابق میں نے اس کو کوڑے لگائے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق میں نے اسکو رجم کیا۔ اور دوسرے حضرات خلفاء نے ان دونوں سزاؤں کو مدغم کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ محصن پر دونوں سزائیں اپنی اپنی جگہ پر ثابت ہیں، اور رجم کی حدیث نے سورہ نور کی آیت کو منسوخ نہیں کیا اور نہ اس میں تقیید کی اور نہ اس میں تخصیص کی، بلکہ اس کو اپنی جگہ پر برقرار رکھا اور ایک سزا کا اور اضافہ کر دیا، یہ میری تحقیق ہے جو میں نے "**تکملہ فتح الملہم**" میں ذکر کی ہے، اور اسکی بناء پر تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

کیا "حمل" زانیہ ہونے کی دلیل کافی ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**او کان حمل**" اس سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کنواری لڑکی کو حمل ہو جائے تو یہ اس کے زانیہ ہونے کی دلیل قاطع ہے، اس کی بنیاد پر اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی، اسی طرح اگر وہ عورت مطلقہ تھی یا بیوہ تھی اور شوہر سے اس کی جدائی اتنے عرصہ پہلے ہو چکی ہے جو اکثر مدت حمل سے زائد ہے مثلاً ایک عورت کے شوہر کے انتقال کو پانچ سال ہو گئے ہیں اور اب اس عورت کا حمل ظاہر ہو گیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حمل اس کے زانیہ ہونے کی دلیل قاطع ہے، لہٰذا اس بناء پر اس کو رجم کیا

جاسکتا ہے، چاہے زنا پر گواہ نہ ہوں اور نہ وہ اعتراف کرے، لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ مجرد ظہور حمل سے زنا موجب رجم کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس کے ساتھ کسی نے زبردستی کی ہو، کیونکہ زبردستی کی صورت میں اس پر رجم کی سزا جاری نہیں ہوسکتی، اس شبہ کی وجہ سے محض حمل کی بیناد پر رجم نہیں کیا جائے گا، اور جمہور فقہاء حدیث باب کا جواب یہ دیتے ہیں کہ "**او کان حمل**" کو اگلے جملے "**اولا عتراف**" کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے، اور درمیان میں لفظ اوٗ یہ منع الخلو کے لئے ہے، یعنی یہاں منفصلہ حقیقیہ نہیں ہے بلکہ "**مانعة الخلو**" ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ "**حمل**" اور "**اعتراف**" دونوں چیز جمع ہوسکتی ہیں، لہٰذا جب کسی عورت کو حمل ہوگا تو اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور بالآخر وہ عورت اعتراف کرلے گی، اب اس عورت پر جو حد جاری کی جائے گی وہ اعتراف کی وجہ سے کی جائے گی، حمل کی وجہ سے نہیں کی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا آیت رجم کو مصحف میں لکھنے کی خواہش ظاہر کرنا

عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه قال: رجم رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجم ابوبکر ورجمت ولولا انی اکرہ ان ازید فی کتاب الله لکتبته فی المصحف، فانی قد خشیت ان یجئی اقوام فلا یجدونه فی کتاب الله فیکفرون به۔" (مسند احمد: ۳۶/۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے فرمایا: حضور اقدس ﷺ نے رجم کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا، اگر میں اس بات کو ناپسند نہ سمجھتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ کتاب اللہ میں زیادتی کردی تو میں اس آیت رجم کو مصحف میں لکھ دیتا اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ بعد میں کچھ لوگ ایسے نہ آجائیں جو رجم کو قرآن کریم میں نہ پا کر اس کا انکار کردیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ

اس حدیث سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت رجم یا تو قرآن کریم کی آیت تھی پھر تو اس کو قرآن کریم میں لکھنا چاہئے تھا چاہے لوگ کچھ بھی کہیں، اور اگر یہ قرآن کریم کی آیت نہیں تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قرآن کریم میں لکھنے کا ارادہ ہی کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسند احمد میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اس کو مصحف کے حاشیے میں لکھ دوں، تا کہ یہ قرآن کریم کا جز تو نہ سمجھا جائے لیکن یہ سمجھا جائے کہ یہ رجم کا حکم حق ہے، چنانچہ متعدد روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کچھ تفسیری جملے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اپنے مصاحف کے حاشیے میں لکھے ہوئے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی حاشیے میں ہی لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن خطرہ یہ تھا کہ بعد میں لوگ اسکو کتاب اللہ کی طرف منسوب کر دیں اور کتاب اللہ کے اندر اضافہ کر دیں، اس ڈر سے میں نہیں لکھ رہا ہوں۔(درس ترمذی: ۹۷ تا ۸۵ / ۵)

او الاعتراف: زنا کا ثبوت چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کرنے سے بھی ہو جاتا ہے، البتہ اگر زنا کا قرینہ موجود ہو تو ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی حد جاری کرنے کے لئے کافی ہے، مثلاً زانی یا زانیہ میں سے کسی پر ثبوت زنا کے بعد حد زنا جاری ہوگئی ہو تو اب دوسرے کا ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہوگا، یا مثلاً کوئی کنواری لڑکی حاملہ ہو تو یہ زنا کا واضح ثبوت ہے، پس جب وہ ایک مرتبہ اقرار کرلے تو حد جاری کی جائے گی اب بار بار اقرار کی ضرورت نہیں، البتہ اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک کنواری کا حاملہ ہونا سزا کو قطعی کر دیتا ہے، تفصیل گذشتہ سطور میں نقل ہو چکی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثبوت زنا کے لئے ایک بار اعتراف کافی ہے خواہ قرینہ ہو یا نہ ہو، تفصیل کیلئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔(تحفۃ الالمعی: ۳۶۵ / ۴)

عورتوں کے لئے راہ بنادیا

{۳۴۰۳} **وَعَنْ** عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوْا عَنِّيْ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ سَبِيْلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۶۵، باب حد الزنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۹۰۔

حل لغات: **جعل اللہ**، پیدا کرنا، وجود میں لانا، **جعل لہ علی کذا**، مقرر کرنا، **البکر:** کنوارا مرد، کنواری عورت، **الثیب:** جسکا پردہ بکارت زائل ہو چکا ہو، غیرا کرہ، **التغریب:** شہر بدر کرنا، جلاوطن کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مجھ سے لو، مجھ سے لو، بے شک اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ مقرر فرمادیا ہے، کنوارا لڑکا کنواری لڑکی سے زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔ (مسلم)

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے یہ حکم لے لو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ نکال دیا ہے اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "**وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا**"۔ تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ بناؤ، چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو یہاں تک کہ انکو موت اٹھا کر لے جائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے۔ (سورہ نساء: ۱۵)

اس آیت کی رو سے ابتداء اسلام میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی عورت زنا کرے تو اس کو گھر میں محبوس

کر دیا جائے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی دوسرا راستہ نکال دے، تو اس آیت میں اس طرف اشارہ تھا کہ کوئی دوسرا حکم زانی عورتوں کے لئے آنے والا ہے، اور پھر اس حدیث میں وہ دوسرا حکم بتادیا کہ وہ دوسرا حکم آگیا ہے، وہ حکم یہ ہے کہ جب ثیب ثیبہ کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگائیں جائیں گے اور پھر رجم کیا جائے گا، اس حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جو میں نے پیچھے عرض کی تھی کہ محصن کے لئے اصل میں تو دونوں سزائیں بیک وقت واجب ہیں، سو کوڑے بھی اور رجم بھی، یہ اور بات ہے کہ امام کو اس بات کا اختیار ہے کہ چھوٹی سزا کو بڑی سزا میں مدغم کردے، اور جب بکر بکر کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بکر کی حد صرف سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی حد کا حصہ نہیں ہے بلکہ تعزیر کے لئے ہے، لہٰذا اگر امام یہ محسوس کرے کہ اس کے یہاں رہنے سے فساد پھیلے گا تو اس کو ایک سال کے لئے جلاوطن کردے۔ (درس ترمذی: ۸۸/ ۵، اعلاء السنن: ۵٦۲/ ۱۱)

غیر محصن کی دو سزائیں، سو کوڑے اور جلاوطنی

دلیل اس کی یہ ہے کہ کئی روایات میں یہ موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں تغریب پر عمل ہوا لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک واقعہ پیش آنے کے بعد یہ فرمایا کہ میں آئندہ کسی کی تغریب نہیں کروں گا، وہ واقعہ یہ ہوا کہ ایک شخص کو جب جلاوطن کیا گیا تو وہ دارالحرب چلا گیا، اگر جلاوطن کرنا حد کا حصہ ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں آئندہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا، اس لئے کہ حد کو ساقط کرنے کا امام کو اختیار نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعزیر تھی اور تعزیر میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ جاری کرے یا نہ کرے۔

حنفیہ کی اصل دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے صرف سو کوڑوں کا ذکر کیا ہے، اور جلاوطنی کا ذکر نہیں کیا، اور اب اخبار آحاد کے ذریعہ کتاب اللہ میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جلاوطنی کو تعزیر قرار دیا جائے گا۔

(المبسوط: ۴۴/ ۹، بدائع الصنائع: ۳۹/ ۷، مغنی المحتاج: ۱۴۷/ ۴، المہذب للشیرازی: ۲٦۷/ ۲، حاشیۃ الدسوقی: ۳۲۲/ ۴، تکملہ فتح الملہم: ۴۰۷/ ۲، نصب الرایہ: ۳۳۰/ ۳)

جمع بین الجلد والرجم کی بحث

اس حدیث میں محصن کی حد میں جلد اور رجم دونوں کا ذکر ہے محصن کو رجم سے کوڑے بھی لگائے جائیں گے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس حدیث کے ظاہر کے مطابق کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا یعنی "**جمع بین الجلد والرجم**" کیا جائے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وہاں محصن کو صرف رجم کیا جائے گا، کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت جمہور کے ساتھ بھی ہے۔ (المغنی: ۱۶۰/ ۸)

یہ حدیث بظاہر جمہور کے خلاف ہے، اس میں ثیب کے لئے کوڑے اور رجم دونوں کا ذکر ہے، جمہور کے یہاں یہ حدیث معمول بہ اس لئے نہیں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل مبارک یہی رہا ہے کہ محصن کو صرف رجم فرمایا ہے، کوڑے نہیں لگائے جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث اور آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جمہور کی طرف سے اس حدیث کے جوابات یہ ہیں۔

(۱)...... یہ حدیث منسوخ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کے ساتھ جلد کو جمع نہ فرمانا دلیل نسخ ہے۔

(۲)...... اگر عملاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کے ساتھ جلد فرمانا ثابت ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوڑے لگانا حداً نہیں تھا بلکہ سیاسۃً تھا۔

(۳)...... بعض موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم اور جلد کو جمع فرمایا ہے، مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے احصان کا علم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگائے، بعد میں احصان کا علم ہو گیا تو رجم فرمایا، چنانچہ ابو داؤد اور نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔ (اشرف التوضیح: ۵۴۱/ ۲)

تورات میں رجم کی سزا کا ذکر

{۳۴۰۴} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَنَّ الْيَهُوْدَ جَاءُوْا إِلَى

رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهُ اَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِيْ شَأْنِ الرَّجْمِ قَالُوْا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنِ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ اِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوْهَا فَوَضَعَ اَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلٰى اٰيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنِ سَلَامٍ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوْا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ تَلُوْحُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فِيْهَا اٰيَةَ الرَّجْمِ وَلٰكِنَّا نَتَكَاتَمُهُ بَيْنَنَا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۱، باب احکام اھل الذمۃ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۴۱، مسلم شریف: ۲/۶۹، باب رجم الیھود، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۹۹۔

حل لغات: **الیھود:** یہ الیھودی کی جمع ہے، سامی الاصل قوم یہود، **ذکر الشیء له:** کسی کو کوئی بات بتانا، **الشان لشان کذا:** اس سلسلہ میں، **فضحه:** رسوا کرنا، بدنام کرنا، **نشر الکتاب:** کھولنا، **لاح الشیء:** دکھانا، دنیا، ظاہر ہونا، نمایاں ہونا، **تکاتم:** ایک دوسرے سے چھپانا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بتایا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم لوگ تورات میں رجم کے بارے میں کیا پاتے ہو؟ وہ لوگ بولے ہم ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بولے کہ تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو، بلاشبہ تورات میں رجم کی سزا کا ذکر ہے، تم لوگ تورات لے کر آؤ، چنانچہ انہوں نے اس کو کھولا تو ان میں سے ایک نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور اس سے پہلے اور اس کے بعد کا حصہ پڑھا، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تم اپنا ہاتھ اٹھاؤ، چنانچہ اس نے اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم تھی تو ان لوگوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے سچ کہا، اس میں واقعی

آیت رجم موجود ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے متعلق حکم فرمایا، تو وہ دونوں کو رجم کردیا گیا، اور ایک روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن سلام ؓ نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ، تو اس نے اٹھایا، تو اچانک اس میں رجم کی آیت دکھ رہی تھی، تو ان لوگوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ بے شک اس میں رجم کی آیت ہے، لیکن ہم اپنے درمیان ایک دوسرے سے اس کو چھپاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تورات میں رجم کی سزا کا ذکر تھا، لیکن یہودیوں نے اس کو چھپا رکھا تھا وہ لوگ اس سزا کے بجائے شادی شدہ زانی کو بطور تعزیر کوڑے مارتے تھے اور رسوا کرکے چھوڑ دیتے تھے، حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہودیوں کا مقدمہ آیا، تو آنحضرت ﷺ سے بھی انہوں نے جھوٹ بول کر کہا کہ ہماری کتاب میں رجم کا ذکر نہیں ہے، عبد اللہ بن سلام ؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے بہت بڑے یہودی عالم تھے، انہوں نے اس جھوٹ سے نقاب اٹھایا اور یہودیوں کے فریب کو ناکام کرتے ہوئے توراۃ میں آیت رجم کو دکھایا، جب تورات میں اس سزا کا ذکر ثابت ہوگیا اور دوسری طرف زانیوں کا زنا بھی ثابت ہوگیا تو آنحضرت ﷺ نے زانی یہودی اور زانیہ یہودیہ کو رجم کرادیا۔

ان الیھود جاؤ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکروا لہ ان رجلا منھم وامرأۃ زنیا: بے شک یہود حضرت رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنی کتاب تورات کے بیشتر احکامات کو پس پشت ڈال رکھا تھا سزاؤں کے سلسلہ میں ان کے یہاں دہرا معیار قائم تھا، شرفاء کی سزا الگ تھی اور کمتر لوگوں کی سزا الگ، اگرچہ دونوں کا جرم ایک ہی کیوں نہ ہو، خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا تو ان کے بارے میں یہی نہیں طے پایا کہ یہ شریف لوگ ہیں یا حقیر ہیں؟ نتیجتاً ان کی سزا کے بارے میں بھی اختلاف ہوا، باہمی مشورہ میں طے پایا کہ محمد ﷺ سے فیصلہ کرائیں وہ جو فیصلہ کردیں اس پر عمل کریں۔ **"ما تجدون فی التوارۃ"**، آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ تورات میں: کیا حکم پاتے ہو؟ آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ان کا فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق کریں، **"نفضحھم ویجلدون"** شادی شدہ کی جو سزا تورات میں تھی اس کو چھپالیا اور معمولی خود

ساختہ سزا کاذ کر کیا، "کذبتم" عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے تورات کے ماہر تھے، جو بعد میں اسلام لے آئے تھے۔ انہوں نے ان کے جھوٹ کو فوراً پکڑلیا اور کہا کہ تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو، جاؤ تورات لے کر آؤ، "فنشروھا" تورات لائی گئی، یہود میں سے ایک شخص عبد اللہ بن صوریا نے کھول کر پڑھنا شروع کیا، آیت رجم سے آگے پیچھے کا تو حصہ پڑھا لیکن آیت رجم کو چھپالیا اور اس کو نہیں پڑھا، عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس کی خیانت کو پکڑلیا، چنانچہ ان کو اقرار کرنا پڑا، کہ عبد اللہ بن سلام سچ کہہ رہے ہیں، آیت رجم تورات میں موجود ہے، پھر اپنے جرم کا بھی اعتراف کیا کہ ہم لوگ اس حکم کو چھپاتے رہتے تھے، نہ اس کو ظاہر کرتے تھے اور نہ اس پر عمل کرتے تھے، "فرجما" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔

اشکال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض یہودیوں کے کہنے پر کیسے رجم کا حکم فرمادیا، جب کہ یہودیوں کی گواہی غیر معتبر ہے۔؟

جواب: (۱) ان دونوں نے زنا کا اقرار کرلیا تھا، اس لئے رجم کا حکم فرمایا: محض یہودیوں کے کہنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں فرمایا تھا۔

(۲) چار مسلمانوں نے گواہی دی تھی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے رجم کی سزا تجویز کی تھی۔

اعتراض: رجم کے لئے تو احصان شرط ہے اور یہودی مسلمان نہیں، اس لئے محصن نہیں پھر انہیں کیوں رجم کیا گیا؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم تورات رجم کا حکم دیا تھا اور دین یہودی میں رجم کے لئے احصان شرط نہیں ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۸/۴۳۸/۶)

مسئلہ بالحدیث میں اختلاف ائمہ

یہی وہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام شرائط احصان سے نہیں بخلاف حنفیہ ومالکیہ کے کہ ان کے نزدیک اسلام شرائط احصان میں

داخل ہے، اور حدیث الباب یعنی رجم الیہودیین کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فیصلہ بحکم التوارۃ تھا یعنی حکم توراۃ کے پیش نظر، یعنی اس وقت تک اسلام میں رجم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور توراۃ میں رجم کا حکم عام تھا محصن اور غیر محصن پر، اور آنحضرت ﷺ جس چیز کے بارے میں آنحضرت ﷺ پر کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو "اتباع بمافی التوراۃ" کے مامور تھے، **کذا فی البذل نقلا عن الحافظ۔**

چنانچہ آگے روایت میں تصریح آرہی ہے کہ "**فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانی احکم بمافی التوراۃ فامر بھما فرجما. قال الزھری فبلغنا ان ھٰذہ الآیۃ نزلت فیھم انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھم**" اور کوکب میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ "**قولہ رجم یھودیا و یھودیۃ، وکان تعزیر الشیوع الفحشاء فیما بینھم والا فالاحصان منتف ھھنا فلم یبق الا الجلد، وقد ورد فی الروایۃ، من اشرک باللہ فلیس بمحصن**" اس صورت میں یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی کہ یہ واقعہ ابتداء کا ہے اسلام میں حکم رجم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ (الدرالمنضود: ۶/۳۵۳)

تنبیہ: اس مسئلہ کی کچھ وضاحت ماقبل میں گذرگئی ہے، جہاں پر ہم نے احصان کی تعریف اور احصان کس مجموعہ کا نام ہے بیان کی ہے۔

رجم کا بدل جو یہود نے اپنی طرف سے تجویز کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس کو ایک یہودی گذرا جس کا منہ سیاہ کیا گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں زانی کی حد یہی ہے انہوں نے کہا ہاں یہی ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلایا، یعنی عبداللہ بن صوریا کو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھ سے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علی نبینا وعلیہ وسلام پر توراۃ نازل کی کہ کیا تورات میں زانی کی حد یہی ہے؟ اس نے جواب دیا بخدا نہیں، اور کہا اگر آنحضرت ﷺ اتنی بڑی قسم نہ دیتے تو میں آپ کو نہ بتلاتا، بات یہ ہے کہ ہماری کتاب میں زنا کی حد تو رجم ہی ہے، لیکن ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہوگئی تو ہوتا یہ تھا کہ اگر کوئی شریف (معزز) آدمی زنا میں پکڑا جاتا تو اس کو ہم چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور اور کم حیثیت آدمی پکڑا جاتا تو اس پر حد قائم

کردیتے۔ "فقلنا تعالوا ان نجتمع علی شئ نقیمه علی الشریف والوضیع فاجتمعنا علی التحمیم والجلد وترکنا الرجم" ہمارا مشورہ بعد میں یہ ہوا کہ آپس میں اتفاق رائے سے کوئی ایسی سزا تجویز کی جائے جو شریف اور غیر شریف سب پر قائم کی جاسکے تو ہمارا اتفاق "تحمیم" اور "جلد" پر ہوگیا یعنی زانی اور زانیہ دونوں کے منہ سیاہ کردینا اور سو کوڑے لگانا۔ اور ایک روایت مفصلہ میں "تجبیه" کا بھی ذکر ہے، اور اس کی تفسیر بھی وہ یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کو ایک گدھے پر سوار کیا جائے اور اس پر اس طرح بٹھایا جائے کہ دونوں کی پشت سے پشت مل جائے ایک کا چہرہ سواری کے رخ پر ہو اور دوسرے کا دوسری جانب، اور اس طرح ان کو گدھے پر سوار کرکے پورے شہر میں ان کو گھمایا جائے اور جلد کے بارے میں ایک اور روایت میں اس طرح ہے "یضرب مائة بحبل مطلی بقار" یعنی کوڑے کو تارکول میں تر کرکے مارا جائے، آپ نے اس کی یہ بات سن کر فرمایا: "اللهم انی اول من احیا امرك اذا ماتوه" کہ یا اللہ بیشک میں نے سب سے پہلے تیرے اس امر کو زندہ اور جاری کیا جس کو ان یہود نے ختم کردیا تھا، اور پھر آنحضرت ﷺ نے رجم کا حکم فرمایا: اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "یا ایها الرسول لایحزنك الذین یسارعون فی الکفر الآیة" اے پیغمبر جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں۔ (سورۃ المائدہ، الدر المنثور: ۶/۳۵۴)

ماعز رضی اللہ عنہ کا اعتراف جرم اور حد کے نفاذ پر اصرار

{۳۴۰۵} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَحّٰی لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِیْ اَعْرَضَ قِبَلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا شَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبِكَ جُنُوْنٌ قَالَ لَا فَقَالَ اَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ یَقُوْلُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمَدِیْنَةِ فَلَمَّا

أَزْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ حَتّٰى أَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتّٰى مَاتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)
وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ قَوْلِهٖ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا أَزْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا وَصَلّٰى عَلَيْهِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۸، باب سؤال الامام المقر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۲۵، مسلم شریف: ۲/۶۶، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۹۲۔

حل لغات: تنحی عن مکان: اپنی جگہ سے ہٹ جانا، **الشق:** کنارہ، حصہ، پہلو کسی چیز کا جز، آدھا حصہ، حصہ، **الجنون:** دیوانگی، دماغی خلل، **حصن:** شادی شدہ ہونا، **ازلق فی الرمی:** تیر اندازی میں تیزی دکھانا، **ادرک الشیٔ:** پکڑ لینا، پانا، حاصل کرنا، **الحرہ:** مدینہ منورہ کے باہر ایک جگہ کا کا نام ہے، کالے پتھر والی زمین جو جلائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا۔ جب کہ آپ مسجد میں تھے، اس نے آپ کو پکارا اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، جب وہ چار مرتبہ اقرار کر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم دیوانے ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم شادی شدہ ہو، اس نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کو لے جاؤ، اور اس کو رجم کردو، ابن شہاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے اس شخص نے بتایا جس نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے اس کو مدینہ منورہ میں سنگسار کردیا، جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگا، یہاں تک کہ حرہ کے مقام پر ہم نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو سنگسار کردیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ (بخاری و مسلم)

بخاری کی ایک دوسری روایت جو کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ اس شخص نے ہاں کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا: چنانچہ اس کو عید گاہ میں رجم کیا گیا، جب اس کو پتھر

لگنے لگے تو وہ بھاگا پس اس کو پکڑ لیا گیا، پھر اس کو سنگسار کر دیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے اچھے کلمات فرمائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

تشریح: قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل: حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے، "**وھو فی المسجد**" یہ مفعول سے حال واقع ہے یعنی وہ صاحب آئے اس حال میں کہ حضرت نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، "**فتنحی**" علامہ قاری نے فرمایا کہ یہ "**النحو**" بمعنی جہت سے تفعل ہے، "**شق وجھہ**" شین کو کسرہ ہے، اور "**وجھہ**" کی ضمیر حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے، شرح السنہ میں معنی لکھے ہیں: "**ای قصد جھتہ التی الیھا وجھہ**" یعنی انہوں نے اس جہت کا ارادہ کیا جس کی طرف آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک تھا، "**الذی**" یہ "**وجھہ**" کی صفت ہے، "**اعرض، ای عنہ**" یعنی جس سے اعراض فرمایا تھا، منہ موڑا تھا، "**قبلہ**" قاف کو کسرہ ہے، یعنی آپ کے چہرہ مبارک کی جہت کے مقابل "**فلما شھد**" یعنی اس نے خود اپنے آپ کے خلاف شہادت دی یعنی اپنے اقرار کے ذریعہ اپنے آپ پر اس کی شہادت دی کہ جس سے حد واجب ہوتی ہے، "**اربع شھادات**" یعنی چار مرتبہ چار مجلسوں میں اور یہ مطلب اس وقت ہے کہ جب ایک مرتبہ اقرار کے بعد وہ اس مجلس سے غائب ہوئے ہوں اور یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے اور اس طرح چار مرتبہ کی شہادت یعنی اقرار یہ چار گواہوں کے قائم مقام ہیں، شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث سے استدلال وہ حضرات کرتے ہیں جو زنا کے اقرار میں حد جاری کرنے کیلئے تکرار اقرار کی شرط لگاتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چار جانب سے اس کے آنے سے استدلال کرتے ہیں اس بات پر کہ زنا کے ثبوت اور اس پر حد جاری کرنے کیلئے چار مرتبہ کا چار مجالس میں اقرار کرنا ضروری ہے، اور جو حضرات چار مرتبہ کے تکرار کو واجب نہیں کہتے وہ کہتے ہیں کہ یہاں چار مجلسوں کا اقرار نہیں ہے بلکہ اسی مجلس میں آنحضرت ﷺ کے بار بار لوٹانے اور اس کے بار بار پلٹ پلٹ آنے اور اقرار کرنے کا واقعہ ہوا ہے اور اسی لئے "**دعاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم**" یعنی آنحضرت ﷺ نے اس کو بلا کر ارشاد فرمایا: **ابک جنون**" کیا تجھ کو جنون ہے کیا تو پاگل ہے؟ "**قال لا**" اس نے کہا نہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: کہ کیا تو نے شراب پی رکھی ہے؟ تو وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور

آنحضرت ﷺ نے اس میں شراب کی بو محسوس نہیں کی، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ تو نے زنا کیا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں پس آنحضرت ﷺ نے اس کو رجم کا حکم فرمایا اور اس کو سنگسار کیا گیا اور سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ طریقہ جو آنحضرت ﷺ نے اختیار کیا یہ تحقیق حال کے لئے تھا نہ کہ اس لئے کہ تکرار شرط ہے، **"احصنت"** یہ اصل میں **"أأحصنت"** ہے ایک ہمزہ تخفیفاً حذف ہوا ہے، **"قال نعم یا رسول الله"** علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ امام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سنگسار کرنے کے لئے جو شرائط ہیں ان کے بارے میں اس سے سوالات کرے خواہ زنا شہادتوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو خواہ اقرار کے ذریعہ، اور اس کا بھی اشارہ ہے کہ زنا کا اقرار کرنے والا اگر بعد میں انکار کر دے تو اس کو معاف کر دیا جائے اور حد جاری نہ کی جائے۔ **"قال اذهبوا به فارجموه"** آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اس کو لیجاؤ اور سنگسار کر دو، اس حدیث کی صاف دلالت ہے کہ سنگسار کے ساتھ سو کوڑے لگانے کا حکم نہیں ہے، **"قال ابن شهاب"** یعنی ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **"فاخبرني من سمع جابر ابن عبد الله"** مجھے اس آدمی نے بتایا جس نے جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا کہ **"یقول"** فرمایا: **"فرجمناه بالمدینه"** اس سے پہلے حرہ میں رجم کرنے کو بتایا گیا۔ یہاں فرما رہے ہیں کہ پس ہم نے ان کو مدینہ میں سنگسار کر دیا، اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حرہ مدینہ منورہ کے باہر زمین کا ایک حصہ ہے اس لئے اس کو مدینہ منورہ سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔ **"فلما اذلقته الحجارة"** علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یعنی پتھر لگے اور زخمی ہوئے، یہ مفہوم واقعہ کے مطابق ہے، **"هرب"** اور دوسری روایت میں **"فر"** ہے معنی ایک ہی ہیں صرف تعبیر کا فرق ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح السنہ میں ہے کہ اس میں اس کی دلیل موجود ہے کہ سنگسار کیئے جانے کوئی نہ باندھا جائے والے نہ اس کے لئے گڑھا کھودا جائے اس لے کہ اگر اس موقعہ پر ایسی کوشکل ہوتی تو بھاگنا ممکن نہ تھا، قاری نے اس استدلال کو تسلیم نہ کر کے یہ فرمایا: **"فیه عبث لا یخفی"**۔ ابن ہمام نے فرمایا: کہ تمام حدود اور تعزیرات میں مرد کو کھڑا کر کے مارا جائے گا، اور عورت کو بٹھا کر جیسا کہ عبد الرازق کی روایت میں ہے **"یضرب الرجل قائما والمراءة قاعدة في الحد"** کھڑا کر کے مارنے میں مصلحت بھی ہے کہ اس سے سزا کی تشہیر زیادہ ہوتی ہے اور اس طرح دوسروں کو اس سے عبرت حاصل کرنے کا

زیادہ موقعہ ہے اور عورت میں چونکہ پردہ مطلوب ہے اس لئے اس کو بٹھا کر سزا دینا ہی زیادہ مناسب ہے نیز اگر اس کے لئے گڑھا کھود کر اس میں بٹھا کر رجم کیا جائے تو بھی اسی پردہ کی مصلحت کے پیش نظر جائز ہوگا، چنانچہ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے غامدیہ کو سنگسار کرنے کے لئے گڑھا کھودوایا تھا، دلائل واقوال ائمہ کے لئے مزید تفصیل مرقاۃ میں دیکھیں۔ "**حتی ادرکناہ بالحرۃ**" انکے ہی بار بار اقرار کی وجہ سے اور گویا اقرار سے رجوع کا موقع ملنے کے بعد بھی اپنے اقرار پر اصرار رہا اور اس کی وجہ سے سنگسار کا فیصلہ عدالت شرعیہ سے صادر ہونے کے بعد اب سنگسار تو کرنا ہی تھا اس لئے جب یہ بھاگے تو ان کا تعاقب کر کے ان کو مدینہ منورہ کے باہر کی پتھریلی حرہ نامی زمین پر ان کو پکڑ لیا گیا۔ "**فرجمناہ حتی مات**" اور فیصلہ شرعیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہم نے اس کو سنگسار کیا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ابن ہمام نے فرمایا: اگر کوئی آدمی سنگسار کے دوران بھاگے تو اگر سنگسار اس کے اقرار جرم پر کیا جارہا ہے تو اس کا تعاقب نہ کیا جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور اس کو اس کے اپنے اقرار سے رجوع قرار دیا جائے، جس کی طرف حدیث میں واضح اشارہ موجود ہے، اور اگر رجم گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر کیا جارہا ہے تو بھاگنے پر اس کو پکڑا جائے گا اور رجم کیا جائے گا، "**بالمصلی**" "**مصلی**" سے مراد جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ اور عیدگاہ جب تک اس کو مسجد قرار نہ دیا جائے وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس کا حکم مسجد کا حکم ہوتا تو رجم کی وہاں اجازت نہ ہوتی، اور خون وغیرہ سے آلودگی کے پیش نظر اس سے بچا جاتا۔ (شرح الطیبی: ۱۵۱/۷)

مسائل: ابن ہمام نے فرمایا کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ حد اور تعزیر مسجد میں قائم نہ کی جائے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ہے کہ تادیب کے لئے مسجد میں پانچ کوڑے مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن ابی الیلیٰ نے مسجد میں حد جاری کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خطاء قرار دیا، حدیث پاک میں فرمایا گیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''تم مسجدوں کو اپنے بچوں سے، اپنے پاگلوں سے اور اس میں شور مچانے سے اور اپنی بیع وشراء سے اور حدود کے قائم کرنے سے بچاؤ الخ۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: شادی شدہ جب زنا کا اقرار کرلے اور اس کی وجہ سے اس پر سنگسار شرعی ہو جائے تو وہ بھاگے تو کیا چھوڑ دیا جائے یا پکڑ کر رجم کیا جائے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنگسار نہ کیا جائے اور اگر پھر اقرار کرے تو سنگسار کیا جائے، انہوں نے ابو داؤد کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جو یہ ہے، "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال هلا ترکتموہ ولعله یتوب فیتوب الله علیه**" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا شاید وہ توبہ کرلیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا۔ اس پر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ حدیث تو مطلقاً چھوڑ دینے پر دلالت کرتی ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا کہ اس کا پیچھا کیا جائے گا، اور اس کو سنگسار کیا جائے گا اس لئے کہ ان صحابی کے بھاگنے کے باوجود ان کو سنگسار کر دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان لوگوں پر فدیہ واجب نہیں کیا اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ حدیث میں اس کے رجوع کی صراحت موجود نہیں جب کہ اس پر حد ثابت ہو چکی تھی اس پر علامہ قاری نے فرمایا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کو یہ حکم اس سے پہلے معلوم نہ ہوا ہوگا اور اس میں ناواقفیت عذر ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶۶/۴)

فائدہ: اگر کسی سے زنا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا زیادہ بہتر ہے یا قاضی کے پاس جا کر اعتراف کرنا بہتر ہے؟

جواب: مستحب یہ ہے کہ سچی توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے قاضی کے پاس جا کر اعتراف نہ کرے۔

ایک شخص سے گناہ کا ارتکاب ہوا پھر پشیمان ہوا، اور اپنے گناہ کا اعتراف کرنا چاہا تو حضرات شیخین سے مشورہ کیا تو دونوں نے جرم کے اعتراف سے روک دیا۔ (فیض المشکوۃ: ۴۴۱/۶)

زنا کی خوب تحقیق کے بعد سزا دینا

{۳۴۰۶} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتَى مَاعِزُبْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ

قَالَ لاَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِنِكْتَهَا لَايَكْنِيْ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَمَرَ بِرَجْمِهٖ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰۸/۲، باب هل يقول الامام للمقر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۲۴۔

حل لغات: غمز الكبش: دنبہ وغیرہ کو ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھنا کہ موٹا ہے یا دبلہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو، یا اسکو آنکھ کا اشارہ کیا ہو یا تم نے اس کو دیکھا ہو؟ حضرت ماعز نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اسکے ساتھ جماع کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنایہ نہیں فرمایا، انہوں نے عرض کیا جی ہاں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ (بخاری)

تشریح: صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے جب زنا ہوا تو انہوں نے مسجد میں آکر اعتراف کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاطر کہ یہ اپنے اقرار سے رجوع کرلیں، چندان اسباب کا ذکر کیا جو زنا کا سبب بنتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ممکن ہے کہ تم نے ان میں سے کوئی عمل اختیار کیا ہو، جس کو زنا سے تعبیر کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں مجھ سے زنا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تحقیق کے لئے صراحت کے ساتھ پوچھا کہ کیا تم نے صحبت کی ہے، انہوں نے اس کا اقرار کیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا، معلوم ہوا کہ سزا کے فیصلے سے پہلے زنا کے بارے میں خوب تحقیق کرلینا چاہئے، اور اقرار کرنے والے کو رجوع کی اشارۃ تلقین کرنا چاہئے۔

بذل میں بعض شروح سے نقل کیا "**الغمز الكبس باليد وبالعين والحاجب**" یعنی غمز کے معنی ہاتھ سے دبانے کے بھی ہو سکتے ہیں اور آنکھ سے اشارہ اور ابرو کے ذریعہ سے بھی کہ اس کو اوپر نیچے حرکت دے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے" **ويحتمل الحديث هذه المعانی کلها، قلت يحتمل ان يكون معنى الغمز الكبس بالذكر بأن لا يدخل حتى يتحقق الزنا**" اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ ذکر کے ذریعہ چھونا مراد ہو، اور مطلب یہ کہ تو نے صرف اپنا ذکر اس

کو لگا یا ہو جس سے زنا کا تحقق نہیں ہوتا۔

اونظرت ای الی فرجھا، قال لا: قال افنکتھا" **نکت بروزن بعت ناك ینیك نیکا**"۔ یہ لفظ مقصود میں بالکل صریح ہے جس کو اردو میں چودنا کہتے ہیں۔ "**قال نعم قال فعند ذالك امر برجمه**"

اقرار بالزنا کیلئے صریح الفاظ ضروری ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود کے ثبوت میں صریح الفاظ درکار ہوتے ہیں اشارات وکنایات وہاں نہیں چلتے، اس کتاب کے مقدمہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی عادت شریفہ تھی کہ کتاب الحدود کی کسی حدیث میں جب کوئی فحش اور گالی کا لفظ آتا تو اس لفظ کا ترجمہ اُردو میں صاف صاف فرمایا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عربی کی گالی ہے، جب ضرورۃً اور مصلحۃً سرورکونین ﷺ اس کو اپنی زبان مبارک سے ادا فرماسکتے ہیں تو ہماری کیا حیثیت ہے، چنانچہ کتاب الحدود میں یہ لفظ "**افنکتھا**"، اور بخاری شریف: ۳۷۸/۱، پر صلح حدیبیہ والی حدیث میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام میں یہ لفظ آتا "**امصص بظر اللات**"، تو ان لفظوں کا اردو میں ترجمہ صریح کراتے۔ (الدرالمنضود: ۳۴۵/۶)

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ حد

{۳۴۰۷} وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلىٰ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللهَ وَتُبْ إِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ طَهِّرْنِيْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَ اُطَهِّرُكَ قَالَ مِنَ الزِّنَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِهٖ جُنُوْنٌ فَاُخْبِرَ اَنَّهٗ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ فَقَالَ اَشَرِبَ خَمْراً فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهٗ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيْحَ خَمْرٍ فَقَالَ اَزَنَيْتَ قَالَ

نَعَمْ فَأَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَلَبِثُوْا يَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَ سِعَتْهُمْ ثُمَّ جَائَتْهُ اِمْرَأَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْاَزْدِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكِ اِرْجِعِيْ فَاسْتَغْفِرِيْ اللهَ وَتُوْبِيْ اِلَيْهِ فَقَالَتْ تُرِيْدُ اَنْ تُرَدِّدَنِيْ كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ اِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى فَقَالَ آنْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتّٰى تَضَعِيْ مَا فِيْ بَطْنِكِ قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ اِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيْرًا لَيْسَ لَهٗ مَنْ يُرْضِعُهٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِلَيَّ رَضَاعُهٗ يَا نَبِيَّ اللهِ قَالَ فَرَجَمَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّهٗ قَالَ لَهَا اِذْهَبِيْ حَتّٰى تَلِدِيْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اِذْهَبِيْ فَأَرْضِعِيْهِ حَتّٰى تَفْطِمِيْهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ اَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ وَفِيْ يَدِهٖ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا يَا نَبِيَّ اللهِ قَدْ فَطَمْتُهٗ وَقَدْ اَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ اِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا اِلٰى صَدْرِهَا وَاَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ فَرَمٰى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۶۸/۲/۶۷، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۹۵۔

حل لغات: تاب الی اللہ: گناہوں سے پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، **جنون:** دماغی خلل، دیوانگی، **نکہ فلانا، استنکہ،** منہ کی بو سونگھنا، **وسع الشیء الشیء:** کسی چیز کا کسی چیز کو اپنے احاطہ میں لینا، سارے میں پھیل جانا، **ویح لہ:** اس بیچارے کا کتنا برا حال ہے یا وہ کتنا بد بخت ہے اس کا ناس ہو، اس کا بیڑا غرق ہو، **کفل فلان الرجل:** کسی کا ضامن ہونا، ذمہ دار ہونا، **اذاً:** تب تو، ایسا ہے تو، کلام

سابق کا جواب و جزا، **افطم المرضع المرضع:** دودھ پلانے والی کا بچہ کا دودھ چھڑانا، **الکسر:** ٹکڑا، جز، حصہ، تھوڑی چیز، **قبل قبلا:** آنا، **تنضحت العین:** آنکھ سے پانی جاری ہونا، آنسو بہنا، **سبه:** برا کہنا، گالی دینا، اہانت کرنا، **رمی برصاص:** گولی مارنا، **رمی الصید:** تیر وغیرہ مارنا، **مهلا یا فلان:** ٹھہرو جلدی نہ کرو، صبر سے کام لو، **المکس:** چنگی محصول، ٹیکس جو شہر میں داخلہ کے وقت لیا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم پر افسوس ہو لوٹ جاؤ، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، اور اس سے توبہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ وہ لوٹ آئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک کر دیجئے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا: یہاں تک کہ یہ بات جب چار مرتبہ ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس چیز سے پاک کر دوں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زنا سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا یہ دیوانہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ پاگل نہیں ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ تو ایک آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کے منہ کی بو سونگھی، تو ان کو اسکے منہ سے شراب کی بو محسوس نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم کیا، چنانچہ وہ رجم کر دیئے گئے، دو یا تین دن تک لوگ ٹھہرے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے لئے تم لوگ استغفار کرو، البتہ تحقیق کہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو پوری امت پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ ازد کی شاخ غامد کی ایک عورت آئی اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تجھ پر افسوس تو لوٹ جا، اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر اور توبہ کر، اس نے عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایسے ہی واپس بھیجنا چاہتے ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو واپس بھیجا تھا، میں تو زنا سے حاملہ ہو چکی ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں تک کہ تو بچہ جن لے روای کا بیان ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے اس عورت کی کفالت

کی، یہاں تک کہ اس نے بچہ جن دیا، وہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ غامدیہ عورت نے بچہ جن دیا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے، اور اس کے چھوٹے بچہ کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گی کہ اس کو کوئی دودھ پلانے والا ہی نہ ہو، انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور وہ بولے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس کو دودھ پلانے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، راوی کا بیان ہے کہ پھر اس عورت کو سنگسار کر دیا گیا، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: کہ جاؤ یہاں تک کہ بچہ جن لو، جب وہ بچہ جن چکی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جاؤ اس کو دودھ پلاؤ، یہاں تک کہ دودھ چھڑادو، جب اس نے بچہ کو دودھ چھڑا دیا تو اس بچہ کو لے کر آئی اس حال میں کہ بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، تو اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے، اور وہ کھانا کھانے لگا ہے، چنانچہ اس کے لئے اس کے سینے تک گڑھا کھودوایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا، چنانچہ لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے، اور اس عورت کے سر پر مارا تو خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پڑے، اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو برا کہا، حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے خالد ٹھہر جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کر لے تو اسکی بھی بخشش ہو جائے، پھر آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق حکم فرمایا: اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کو دفن کیا گیا۔ (مسلم)

تشریح: قال یارسول اللہ طہرنی: مطلب یہ کہ مجھ پر حد شرعی جاری کر کے آپ میرے پاک ہو جانے کا سبب بن جائیے۔ "**فقال ویحك**" یہ مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ "**ارجع**" یعنی یہ بات کہنے سے رجوع کر۔ "**فاستغفر اللہ**" اس کے بعد زبان سے اللہ سے معافی مانگو، "**وتب الیہ**" اور دل سے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ علامہ قاری نے فرمایا: "**استغفار**" سے مراد توبہ ہے اور توبہ سے مراد توبہ پر قائم رہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ سے توبہ کرو اور پھر توبہ پر قائم رہو دوبارہ اس گناہ کا کبھی ارتکاب نہ کرو۔ "**فرجع غیر بعید**" اس جملہ کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ تھوڑی دیر کیلئے انہوں نے

رجوع کیا یعنی اپنے آپ پر وہ کیفیت طاری کی جس کو تشریح میں لکھا گیا لیکن دوسرے زیادہ ظاہر معنی یہ کئے گئے کہ تھوڑی دور واپس ہوئے لیکن یہ معنی جبھی درست ہوں گے جب کہ پہلے جملے کے یہ معنی کئے جائیں تم واپس جاؤ، اور اللہ سے توبہ واستغفار کرو، واللہ اعلم۔ **"ثم جاء فقال یارسول الله طهرنی"**۔ زیادہ ظاہر معنی کے اعتبار سے یہ مطلب کہ تھوڑی دور واپس جا کر پھر واپس آ کر عرض کیا یعنی غالباً ان کو یہ گمان ہوا کہ میں توبہ واستغفار کے ذریعہ مکمل پاک نہ ہوسکوں گا یا یہ کہ ایسی توبہ کر کے میں اپنے آپ کو پاک کرنے پر قادر نہیں ہوں، **"فقال النبی صلی الله علیه وسلم مثل ذالك"**۔ آنحضرت ﷺ نے پہلی جیسی بات پھر فرمادی، **"حتی اذا کانت الرابعة"**۔ یعنی جب چوتھی مرتبہ یہی کہا، **"طهرنی الخ"** مجھے پاک فرمادیجئے **"فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فیم اطهرك"**۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصابیح میں **"مما اطهرك"**۔ ہے یعنی میں تجھ کو کس چیز سے پاک کروں؟ **"قال من الزنا"**۔ اس نے کہا کہ حد جاری کر کے زنا کے گناہ سے مجھے پاک کر دیجئے **"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم"**۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: **"ابه جنون"**۔ یعنی سنگسار جیسی سزا کو جانتے ہوئے بھی اپنے قول واقرار پر برقرار ہے جبکہ بارگاہ رسالت سے توبہ واستغفار کے ذریعہ نجات کی امید دلائی گئی کیا یہ پاگل ہے اس کو دماغی خلل ہے، **"فاخبر انه لیس بمجنون"**۔ آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ نہیں حضرت یہ پاگل نہیں ہے **"فقال اشرب خمراً"**۔ کیا اس نے شراب پی ہے جس کے ذریعہ اس کی عقل جاتی رہی ہو، **"فقام رجل فاستنکهه"**۔ یہ جاننے کے لئے کہ اس نے شراب پی ہے یا نہیں ایک آدمی کھڑے ہوئے اور اس نے اس کے منہ کی بو سونگھی، **"فلم یجد منه ریح خمر"**۔ تو اس نے اس کے منھ سے شراب کی بو محسوس نہیں کی، **"ازنیت"** کیا تو نے زنا کیا؟ **"قال نعم"**۔ اس آخری رہائی کے موقعہ پر بھی اس نے صاف جواب دیا ہاں میں نے زنا کیا ہے، **"فامر به"**۔ پس آنحضرت ﷺ نے اس کے سنگسار کئے جانے کا حکم فرمایا، **"فرجم"**۔ چنانچہ اس کو سنگسار کیا گیا، **"فلبثو یومین"**۔ یعنی اس کے سنگسار کئے جانے کے دو دن **"او ثلاثة"** یا تین دن وہ رکے رہے یعنی رجم کے بعد دو تین دن کا وقت گذرا۔ **"ثم جاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال استغفروا الماعز بن مالك"**۔ یہاں استغفار سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے مزید مغفرت اور ترقی درجات کی دعا کرو، اور یہ مراد اس لئے کہ آگے آنحضرت ﷺ

نے فرمایا، "**لقد تاب توبة**" اس نے اپنے اس گناہ سے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر "**لو قسمت**" اگر اس کے ثواب کو تقسیم کر دیا جائے، "**بین امة**" لوگوں کی پوری ایک جماعت پر "**لو سعتهم**" تو وہ ان سب کا احاطہ کر کے سب کو پہنچ جائے، یعنی اپنی وسعت وگنجائش کے اعتبار سے سب کو کافی ہو جائے اور سب کی مغفرت ہو جائے۔

یہاں پر ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ جب ان کو اتنی عظیم رحمت ومغفرت حاصل ہوئی تو پھر اب ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کو آنحضرت ﷺ نے کیوں فرمایا اور اس کا کیا فائدہ ہے، اس کا حل یہ پیش کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اللہ کی مزید رحمتیں اور غفران اور ترقی درجات ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۶۸/ ۴، شرح الطیبی: ۱۵۳/ ۷)

ثم جاء ته امرأة من غامد: غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے، یہ اس کے بڑے قبیلے کا نام ہے، "**فقالت یا رسول الله طهرنی**" ان خاتون نے بھی آکر وہی کہا جو ماعز رضی اللہ عنہ کہہ چکے تھے، کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے "**فقال ویحك ارجعی فاستغفری الله وتوبی الیه**" یعنی ان سے بھی آنحضرت ﷺ نے بعینہ وہی فرمایا جو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو فرما چکے تھے، "**فقالت ترید ان تردنی کما رجعت ماعز بن مالك انها حبلی من زنا**" ان غامدیہ خاتون نے کہا کیا آپ مجھے بھی ویسے ہی واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے آپ نے ماعز کو واپس کر دیا تھا تو میں واپس جا کر کرونگی ہی کیا میں تو اگر انکار کرنا اور اپنے قول سے رجوع کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتی اس لئے کہ بے شک میں زنا کے ذریعہ حمل سے ہوں۔

قالت نعم: یعنی آنحضرت ﷺ نے پھر صراحت کے ساتھ پوچھا کیا یہ معاملہ تیرا ہی ہے کہ تو زنا کے ذریعہ حمل سے ہے تو انہوں نے جواب دیا ہاں "ایسا ہی ہے"۔ "**قال لها**" یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابھی رکو، صبر سے کام لو، "**حتی تضعی ما فی بطنك**" یہاں تک کہ تمہارے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی ولادت ہو جائے، مفہوم: ابن مالک نے فرمایا: کہ اس سے ثابت ہوا حاملہ پر حد اس وقت تک جاری نہیں کی جائے گی جب تک اس کی ولادت نہ ہو جائے تا کہ کسی گنہگار کی وجہ سے کوئی بے قصور ہلاک نہ ہو۔ "**قال**" راوی نے کہا "**فکفلها**" یہ فاء کے تخفیف کے ساتھ ہے یعنی غیر مشدد ہے،

"**رجل من الانصار**" حضرات انصار میں سے ایک صاحب تیار ہو گئے اور انہوں نے کفالت کی "**حتی وضعت**" یہاں تک کہ ان کا بچہ پیدا ہو گیا، علامہ نووی نے فرمایا کہ اس کفالت سے مراد وہ کفالت نہیں ہے جو ضمان کے معنی میں ہے اس لئے کہ حدود اللہ پر ضمانت جائز نہیں "**فاتی**" یعنی وہ صاحب آئے، "**النبی صلی اللہ علیہ وسلم**" کافی دنوں کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس "**فقال قد وضعت الغامدیۃ**" اور عرض کیا غامدیہ عورت جو میری کفالت میں تھی اس نے بچہ پیدا کر دیا یعنی وضع حمل ہو چکا تو اب یارسول اللہ ﷺ کیا حکم ہے، "**فقال اذا لا نرجمھا**" آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم ابھی سنگسار نہیں کریں گے، "**وتدع ولدھا**" طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**اذا**" جواب اور جزاء ہے اور عبارت کی تقدیر یہ ہے "**اذا وضعت الغامدیۃ فلا ترجمھا تترك ولدھا صغیرا**" اب جب کہ غامدیہ نے وضع حمل کر دیا تو ہم اس کو سنگسار نہ کریں گے چھوڑ دیں اس کے لڑکے کو کمسنی کی حالت میں، "**لیس له من یرضعه**" جب کہ اس کے لئے اس کی ماں کے بعد کوئی ایسا نہیں جو اس کو دودھ پلائے، "**یرضعه**" یاء کے ضمہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ باب افعال سے ہے "**فقام رجل من الانصار فقال الی رضاعه**" اس بات کو سن کر انصاریوں میں کے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا اس کی رضاعت میرے ذمہ ہے، "**رضاعه**" کے راء کے کسرہ وفتحہ دونوں جائز ہیں، "**یانبی اللہ**" اے اللہ کے نبی ﷺ "**قال**" راوی نے کہا "**فرجمھا**" یعنی پس آنحضرت ﷺ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم فرمایا پس اس کو سنگسار کیا گیا۔ "**وفی روایۃ انه قال لھا اذھبی حتی تلدی فلما ولدت قال اذھبی فارضعیه حتی تفطمیه تفطمیه**" طاء کو کسرہ میم کو کسرہ یا ساکن ہے، شروع کی تاء مفتوح ہے، یعنی تو اسکا دودھ چڑھادے، "**فلما فطمته اتته بالصبی**" یعنی جب لڑکے کو دودھ پلانا چھوڑا دیا تو اسکو لیکر حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئیں "**فی یدہ کسرۃ خبز**" یہ حالیہ جملہ ہے یعنی وہ آئیں اس حال میں کہ بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، "**فقالت ھذا**" یعنی یہ میرا لڑکا ہے، "**یانبی اللہ قد فطمته**" بے شک میں نے اس کا دودھ چڑھا دیا ہے، "**وقد اکل الطعام**" اور اس نے کھانا کھانا بھی شروع کر دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حاملہ کا سنگسار اس وقت تک مؤخر کیا جائے گا، جب تک وہ ماں سے بے نیاز نہ ہو جائے، لیکن یہ حکم اسی وقت ہے جب کہ ماں کے علاوہ کوئی اسکی تربیت کرنے والا موجود

نہ ہو، ایک روایت کے اعتبار سے ہمارے امام صاحب کا مسلک یہی ہے، **"فدفع الصبی الی رجل من المسلمین"**۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ آخری روایت پہلی روایت کی مخالف ہے اس لئے کہ دوسری میں اس کی صراحت ہے کہ غامدیہ عورت کو سنگسار بچے کو دودھ چھڑانے اور کھانا کھانے لگنے کو کہا گیا اور پہلی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سنگسار ولادت کے بعد ہی کر دیا گیا تو چونکہ دوسری روایت میں صراحت ہے اس لئے پہلی روایت کی تاویل کی جائیگی اس لئے کہ دونوں روایتیں ایک ہی قضیہ سے متعلق ہیں اور دونوں روایات صحیح بھی ہیں تو تاویل میں یہ کہا جائے گا، پہلی روایت مین جو یہ ہے کہ انصار میں کے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس کے رضاعت کی ذمہ داری میری ہے یہ بچہ کو دودھ چھڑانے کے بعد کا جملہ اور واقعہ ہے، اور کفالت سے مراد لڑکے کی تربیت اور کفالت ہے۔

(مظاہر حق جدید: ۴۴۵/ ۴، مع مرقاۃ)

ثم امر بها: پھر آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم فرمایا، **"فصلی"** یہ مجہول کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ معروف کا بھی ہے اس حالت میں فاعل نبی کریم ﷺ ہوں گے یعنی آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔

علامہ قاری نے فرمایا: معروف کے صیغہ کے ساتھ صحیح مسلم کے جمہور رواۃ نے روایت کی ہے۔ (شرح الطیبی: ۱۵۴/ ۷)

مزید تحقیق گفتگو کے بعد انہوں نے کہا اسلئے مناسب یہی ہے کہ اسکو قطعی معروف کے صیغہ کے ساتھ پڑھا جائے، اور جو آپ نے یہ فرمایا، **"ثم امر بها"**۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ پھر آپ نے ان کی تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا نیز غسل دینے اور پھر تیار کر کے انکو لانے کا حکم دیا چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں یہ الفظ بھی ہیں، **"ثم صلی علیها فقال له عمر تصلی علیها یانبی الله! وقد زنت"**۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ آپ نے خود بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶۹/ ۴، انوار المصابیح: ۵۳۸)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟

ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ تو نہیں پڑھی لیکن غامدیہ خاتون ان کی نماز جنازہ ادا کی، اس میں کیا حکمت ہے؟ اس میں مجھے جو حکمت نظر آئی وہ یہ ہے کہ غامدیہ کے واقعہ کے میں یہ بات تھی کہ وہ عورت جانتی تھی کہ اقرار زنا کے بعد میرا یہ انجام ہونے والا ہے، اس کے باوجود اس نے زنا کا اقرار کیا، بلکہ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ ابھی تمہارے پیٹ میں بچہ ہے جب یہ بچہ پیدا ہو جائے اور کھانے پینے کے قابل ہو جائے پھر میرے پاس آنا، چنانچہ وہ عورت چلی گئی، جب بچے کی ولادت ہوئی پھر اس بچے کو دودھ پلایا اور جب وہ بچہ دودھ سے مستغنی ہو گیا تو پھر وہ خاتون اپنے اوپر حد جاری کرانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ مجھے پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائیگا، اس کے باوجود وہ حاضر ہو گئیں، اس طرح اس نے توبہ کا بہت مؤثر طریقہ اختیار کیا، بخلاف حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے کہ ان کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا تو انہوں کہا کہ لوگوں نے مجھے مروا دیا، اس لئے کہ جن لوگوں سے میں نے ذکر کیا تھا انہوں نے ہی مجھے یہ مشورہ دیا تھا، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر جرم کا اعتراف کرلو اور معافی مانگ لو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو معاف کر دیں گے، اور میں اسی خیال سے آ بھی گیا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ مجھے رجم کیا جا رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ان کو پتہ چل جاتا کہ مجھے اس طرح رجم کیا جائے گا تو شاید وہ آ کر اس طرح اعتراف نہ کرتے اور پھر رجم کے دوران بھاگ کھڑے ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ جو ثبات قدم غامدیہ کے واقعہ میں ہے اور جتنی وضاحت ان کے واقعہ میں ہے کہ اپنے انجام کو جاننے کے باوجود اپنے آپ کو پیش کیا اور آ کر اعتراف کیا، یہ بات حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نہیں ہے، شاید یہی وجہ ہو کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور امرأۃ غامدیہ کی نماز پڑھی بلکہ آپ نے ان کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ غامدیہ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کا دسواں حصہ بھی سارے اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا جائے تو سارے اہل مدینہ کی مغفرت ہو جائے۔ (درس ترمذی: ۵/ ۷۷)

اور ایک دوسری روایت میں ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی نے اس کو رجم کیا اور پھر آپ اس پر نماز بھی پڑھ رہے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ میں سے ستر اشخاص پر تقسیم کی جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے، کیا تم اس سے زیادہ افضل توبہ کا تصور کر سکتے ہو کہ انہوں نے اپنی جان اللہ کے لئے دے دی، یعنی انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بڑا ہی صبر آزما اور بہت اعلیٰ مقام تھا، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وقتی طور پر ندامت اور صدمہ بہت ہوتا ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا ہے وہ ندامت اور صدمہ کمزور ہو جاتا ہے، لیکن اس خاتون نے ایسی استقامت کا ثبوت دیا کہ کافی وقت گذرا بچہ پیدا ہوا، بچہ بڑا ہوا، اس کا دودھ چھڑایا اور یہاں تک کہ جب وہ بچہ روٹی کھانے کے لائق ہو گیا، اس وقت دوبارہ سزا جاری کرانے کیلئے حاضر ہوئیں، حالانکہ جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو بچے کے ساتھ تعلق، بچے کے ساتھ محبت اور اس کو چھوڑنے کا خیال اور اسکے اکیلے اور بغیر ماں کے رہ جانے کا خیال، یہ سب باتیں انسان کو پھسلا دیتی ہیں، لیکن ان ساری رکاوٹوں کو عبور کر کے اس خاتون نے اپنے اوپر اتنی سنگین سزا جاری کروائی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توبہ کی قدر کی اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی۔

فصلی: تمام رواۃ کے ہاں صیغہ معروف سے ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، جبکہ ابن ابی شیبہ، طبری اور ابو داؤد کی روایت میں یہ لفظ صلی صیغہ مجہول مذکور ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ دوسرے لوگوں نے پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی، چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں تو صراحۃً منقول ہے کہ **لم یصل علیھا**۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ دوسرے لوگوں کو اس کی نماز جنازہ کا حکم دیا، اسی وجہ سے سنگسار کئے جانے والے کے متعلق نماز جنازہ کے سلسلہ میں میں مختلف اقوال ہیں۔

اختلاف ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

(۱)......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی نماز جنازہ مکروہ ہے۔

(۲)...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل حضرات نہ پڑھیں دوسرے لوگ پڑھ سکتے ہیں۔

(۳)...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کلمہ گو اور اہل قبلہ میں سے ہو خواہ وہ فاسق، وفاجر اور محدود فی الحدود ہو اور ایک روایت امام احمد کی بھی اسی طرح وارد ہے۔

امرأۃ غامدیہ کی تحقیق

کتب حدیث میں زنا سے متعلق دو قصے زیادہ مشہور ہیں ایک ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ امرأۃ جہینہ کا، احادیث میں اس عورت کی صفت غامدیہ بھی آتی ہے، اور بارقیہ بھی چنانچہ "**قال الغسانی جهینه وغامد بارق واحد**"۔ اور حاشیہ بذل میں ابن الجوزی کی تلقیح: ۳۶۲، سے نقل کیا ہے "**اسمها سبیعه قیل اُبیّه بنت فرج**"۔ (الدر المنضود: ۳۴۹/۶)

ابو داؤد شریف کی ایک روایت میں ہے، اور جبکہ دوسرے بعض لوگ فرق کے قائل ہیں۔

(درس ترمذی: ۹۰/۵)

صاحب مکس سے ٹیکس وصول کرنے والا مراد ہے، جو ناجائز طریقہ سے اور ظلماً عشر وصول کریں اسی سے معلوم ہوا کہ چوکیوں میں محصول وصول کرنا بڑا گناہ ہے کیوں کہ وہ لوگوں کا مال ظلم و زیادتی سے حاصل کرتے ہیں، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے "**لا یدخل الجنة**"، صاحب مکس ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مستفاد از در المنضود: ۳۵۰/۶، مظاہر حق: ۴۴۵/۴)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول: ہے کہ صحیح مسلم کے تمام روایات نے صلی معروف پڑھا اور طبری اور ابن ابی شیبہ ابو داؤد اور نووی نے بھی مجہول کے صیغہ کو نقل کیا ہے۔

پس اس سلسلہ میں یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ لفظ اصل میں تو صیغہ معروف کے ساتھ ہے اور ماقبل کے الفاظ "**ثم امر بها**"، کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجہیز و تکفین یعنی نہلانے کفنانے اور اس کے جنازہ حاضر کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی تائید مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے،

"امر بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجمت ثم صلی علیھا فقال لہ عمر تصلی علیہ یانبی اللہ وقد زنت، الحدیث" حضرت نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا اور اس کو رجم کیا گیا پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے۔ یہ روایت صراحت سے یہ ثابت کرتی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی اور روایت ابوداؤد میں یہ ہے کہ "ثم امرھم ان یصلوا علیھا" یعنی آنحضرت ﷺ نے اس پر نماز جنازہ کا حکم فرمایا تو یہ روایت پہلی روایت کے منافی نہیں ہے پہلی روایت کو دونوں چیزوں کے جمع پر محمول کیا جائے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اگرچہ مسلم نے اپنی اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا ماعز پر نماز جنازہ پڑھنا نقل نہیں کیا مگر بخاری نے صراحت سے اس کو ذکر کیا ہے، انتہی قولہ۔

فیصلہ کن بات: اس میں کچھ شبہ نہیں کہ نفی پر اثبات مقدم ہے، لیکن اس کے باوجود مشکوۃ کے قابل اعتماد نسخوں میں اس کو مجہول کے صیغہ سے نقل کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ تاکہ دونوں احتمالوں کو شامل ہو، لیکن پھر بھی یہ موہم ہے پس جمہور کے قول کی اتباع اور موافقت اولیٰ ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۵۴۴/۴)

رجم حبلیٰ سے متعلق چند اختلافی مسائل

ان احادیث میں چند مسائل ہیں اول یہ کہ حاملہ کا رجم وضع حمل کے بعد ہی کیا جائے، یہ تو متفق علیہ ہے اب یہ کہ وضع حمل کے بعد رجم کب کیا جائے؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جب تک رضاعت کا انتظام نہ ہو تو رجم نہ کیا جائے اور اگر کوئی دودھ پلانے والی نہ ہو، تو پھر وہ عورت خود اس کو دودھ پلاتی رہے، رضاعت اور پھر فطام کے بعد اس کا رجم کیا جائے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ومالک فی روایۃ یہ فرماتے ہیں کہ وضع حمل کے بعد رجم کیا جائے گا، اور کسی مرضعہ کے حصول کا انتظار نہیں کیا جائے گا" الی آخر ماذکر، **وفی روایۃ واذا زنت الحامل لم تحد حتی تضع کیلا یودی الی ھلاک الولد ونفس محترمۃ وان کان حدھا الجلد لم یجلد حتی تتعالی من نفاسھا، وعن ابی حنیفۃ انہ یؤخر الی ان**

یستغنی ولدھا عنھا اذالم یکن احد یقوم بتربیتہ لان فی التاخیر صیانۃ الولد عن الضیاع وقد روی انہ علیہ الصلام قال للغامدیۃ بعد ما وضعت ارجعی حتی یستغنی ولدك وفی الدر المختار ویقام علی الحامل بعد وضعھا لاقبلہ اصلاً فان کان حدھا الرجم رجمت حین وضعت الا اذالم یکن للمولود من یربیہ. قال ابن عابدین قولہ الا اذالم یکن الخ ھذہ روایۃ عن الامام اقتصر علیھا صاحب المختار ففی البحر ظاھرہ انھا ھی المذھب وفی النھر لعمری انھا من الحسن بمکان" معلوم ہوا کہ حنفیہ کے اس میں دو قول ہیں متن ہدایہ میں تو اسی کو اختیار کیا ہے جو حنفیہ کا مذہب امام نووی نے نقل کیا ہے، دوسری روایت اس میں جمہور کے موافق ہے علامہ شامی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح قول یہی ہے یہ تو ہیں مذاہب ائمہ اور یہاں کتاب میں غامدیہ کے بارے میں دو مختلف روایتیں ہیں عمران بن حصین کی ظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رجم بعد الوضع فوراً کیا گیا اور بریدہ کی روایت میں فطام کی تصریح ہے، امام نووی اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "فوجب تاویل الاولی الی الثانیۃ لتتفقا. کذا فی البذل" اور اس کے برخلاف ابن الہمام کی رائے ترجیح کی ہے کہ انہوں نے پہلی روایت کو اصح کہا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہاں پر حفر کا ہے جو مرجوم کے لئے ہے، حافظ لکھتے ہیں: "عند الشافعیۃ لا یحفر للرجل، یتخیر الامام وھو ارجح لثبوت قصۃ ماعز، والمثبت مقدم علی النافی، وفی المرأۃ اوجہ. ثالثھا الاصح ان ثبت زناھا بالبینۃ. استحب لا بالاقرار وعن الائمۃ الثلاثۃ فی المشھور عنھم لا یحفر، وقال ابویوسف وابوثور یحفر للرجل وللمرأۃ" اور ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مرد کیلئے حفر نہیں کیا جائے گا، اور عورت کے بارے میں امام احمد کا ظاہر کلام یہ ہے کہ اس کے لئے بھی حفر نہ کیا جائے، اور پھر دوسرا قول وہی لکھا ہے جو شافعیہ کے یہاں اصح ہے "وفی الھدایۃ الرجل والمرأۃ فی ذلك سواء لان النصوص تشملھما، وان حفر لھا فی الرجم جاز لانہ علیہ السلام حفر للغامدیۃ الی ثندوتھا. قال الباجی قال مالك لا یحفر للمرجوم ولا سمعت احداً ممن مضی یحب ذلك وقال الشافعی یحفر للمرأۃ الی آخر ما فی الاوجز: ۶/۸" نقول سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک "حفر مطلقاً

نہیں لا للرجل ولا للمرأۃ۔ اور شافعیہ کے نزدیک مرد کے حق میں دوقول ہیں اثبات ونفی والارجح الاول اور عورت کے بارے میں تین روایتیں ہیں اثبات اور نفی تیسری روایت جو اصح ہے وہ وہی ہے جو اوپر گذری "**الفرق بین ثبوت الزنا بالاقرار وبالبینۃ**"۔ (الدر المنضود:۳۵۰/۶)

اعتراض: جب صحابہ کرام سے بھی گناہ سرزد ہوئے، حتی کہ زنا جیسا کبیرہ گناہ ہوا تو پھر سارے صحابہ معیارحق کہاں رہے؟

جواب: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ کر رکھا تھا، اس لئے ان سے گناہ سرزد نہ ہوتے تھے اور اگر کبھی کسی صحابی سے بشری تقاضے کی بنا پر گناہ ہو بھی گیا تو اس کی انہوں نے مثالی توبہ کر لی، لہٰذا گناہ باقی ہی نہ رہا، اس لئے گناہ معاف ہونے کے بعد گناہ کی نسبت بھی درست نہ رہی، اور گناہ کے معاملہ میں صحابہ کا گناہ معیار نہیں ہے، بلکہ گناہ کے بعد انہوں نے کس طرح استغفار کر کے اللہ کو راضی کیا وہ معیار اور قابل تقلید عمل ہے۔ (فیض المشکوٰۃ:۴۴۶/۶)

باندی کی حد زنا

{۳۴۰۸} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۲۹۷، باب بیع المدبر، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۲۲۳۴، مسلم شریف: ۲/۷۰، باب رجم الیهود اهل الذمة فی الزنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۷۰۳۔

حل لغات: ثرب فلانا وعلیہ، ملامت کرنا، گناہ پر شرم دلانا، **جلدہ بلدا:** کھال پر مارنا، **الحد:** مجرم پر واجب ہونے والی شرعی سزائے، **الحبل:** رسی، تنی، رسا، ڈوری۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی کی باندی زنا کرلے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے، تو اس کو چاہئے کہ باندی کو حد کے کوڑے مارے، اور باندی کو عار نہ دلائے، پھر اگر باندی زنا کا ارتکاب کرے تو پھر اس کو حد کے کوڑے مارے اور اس کو عار نہ دلائے، اور اگر تیسری مرتبہ زنا کاری کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسکو چاہئے کہ باندی کو بیچ دے، اگر چہ بالوں کی ایک رسی کے عوض بکے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: فتبین زناھا: یعنی اس کا زنا ظاہر ہوئے، "**فیجلدھا الحد**" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**الحد**" مفعول مطلق ہے، معنی یہ ہیں "**فلجلدھا حد المشروع**" یعنی اس پر شرعی سزا یعنی پچاس کوڑے لگائے جائیں۔ (شرح الطیبی: ۱۵۷/۷)

واضح ہو کہ باندی کی شرعی سزا خواہ وہ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ آزاد عورت سے آدھی ہے اور چونکہ سنگسار کا نصف متصور نہیں اس لئے باندی کو سنگسار کسی بھی حالت میں نہ کیا جائے گا، قرآن کریم میں فرمایا گیا: "**اتین بفاحشة فعلیهن نصف ما علی المحصنات من العذاب**" پھر وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورت کے لئے مقرر ہے۔ (سورہ نسائ) عذاب سے مراد یہاں کوڑے ہی مارنا ہے نہ سنگسار اس لئے کہ وہ آدھا کیا ہی نہیں جاسکتا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۷۲)

اس حدیث میں کئی مباحث ہیں:

"عبد" اور "امۃ" کا رجم

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رجم کے لئے احصان ضروری ہے اور احصان کی ایک شرط حریت بھی ہے، لہٰذا عبد اور امۃ محصن نہیں ہو سکتے، اس لئے ان کو حداً رجم نہیں کیا جائے گا، ائمہ اربعہ اور جمہور سلف کا یہی مذہب ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۸/۱۶۲)

"عبد" اور "امۃ" کی حد زنا کیا ہے

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عبد اور امۃ کا رجم تو ہو نہیں سکتا، تجلید ہی ہو سکتی ہے تجلید کی حد کیا ہے؟ ائمہ

اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ان کی حد حر سے نصف یعنی پچاس کوڑے ہوں گے، خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ جمہور بکر اور ثیب میں فرق کے قائل نہیں بعض سلف سے بکر اور ثیب میں فـــرق منقول ہے، ایک رائے یہ ہے کہ بکر ہو تو اس پر حد نہیں ہوگی، ثیب کی حد پچاس کوڑے ہیں اور بعض نے اس طرح فرق فرمایا ہے کہ ثیب کی حد سو کوڑے ہیں اور بکر کی پچاس کوڑے ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ: ۸/۱۷۴)

احادیث کا عموم جمہور کی دلیل ہے: زیر بحث حدیث میں اور دوسری احادیث میں بکر اور ثیب کا فرق نہیں کیا گیا ہے، اس حدیث کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں "**اقیموا علی ارقائکم الحد من احصن منهم ومن لم یحصن**" اپنے غلاموں پر حد جاری کرو، شادی شدہ پر بھی اور غیر شادی شدہ پر بھی۔ یہاں احصان سے مـــراد تزوج ہے کیونکہ اصطلاحی احصان یہاں ممکن ہی نہیں یعنی وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں اس میں بکر و ثیب کا ایک ہی حکم بیان کیا گیا ہے فرق نہیں کیا گیا۔

اقامۃ الحد للسید کی بحث

مولیٰ اپنے عبد یا امۃ پر خود حد جاری کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مولیٰ اپنے رقیق پر کسی قسم کی حد خود جاری نہیں کرسکتا، اس کے لئے حاکم یا قاضی کی طرف مرافعہ ضروری ہے۔ (ہدایہ: ۲/۴۸۵)

ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی تفصیلات میں قدرے فرق ہے، مگر اجمالا اتنی بات پر متفق ہیں کہ مولیٰ اپنے رقیق پر حد زنا خود جاری کرسکتا ہے، یعنی تجلید کرسکتا ہے، دوسری حدود قتل وقطع وغیرہ کے بارے میں ان کی رائے بھی یہی ہے کہ مولیٰ خود نافذ نہیں کرسکتا۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۸/۱۷۶)

حنفیہ کا استدلال

بہت سے صحابہ وتابعین سے یہ اصول مروی ہے کہ اقامۃ حدود کا حق صرف سلطان کو ہے، غیـــر سلطان کو اقامۃ حدود کی ولایت حاصل نہیں۔ (نصب الرایہ: ۳/۳۲۶)

اس اصول کے پیش نظر احناف نے مولیٰ کو بذات خود حد نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اقامۃ حدود میں شریعت نے بہت احتیاط کا معاملہ فرمایا ہے ان کے نفاذ کے لئے اہم قسم کی شرائط ہیں، ان شرائط کی تکمیل قاضی وامام ہی کرسکتا ہے، ہر ایک کو حد نافذ کرنے کا اختیار دینا خلاف احتیاط ہے۔

زیر بحث حدیث کا جواب

زیر بحث حدیث اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رقیق پر حد جاری کرنے کا امر ہے، اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مولیٰ اپنے رقیق پر حد جاری کرسکتا ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہیکہ یہاں براہ راست اقامۃ یا اجلاد کا امر ہے، بلکہ قاضی کی طرف مرافعہ کے ذریعہ سے اقامۃ یا اجلاد کا امر ہے، اس طرح سے مولیٰ چونکہ سبب بن جاتا ہے اس لئے مجازاً اقامۃ یا اجلاد کی نسبت مولیٰ کی طرف کردی گئی ہے۔

تثریب کے معنیٰ

"تثریب" کے معنی عار دلانا اور توبیخ ہے، یہاں اجلاد کا امر ہے اور تثریب سے نہی ہے اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔

(۱)......حد زنا کی مشروعیت سے پہلے زانی کو تادیب کے لئے صرف توبیخ وتعییر کی جاتی ہے، ارشاد فرمایا کہ اب صرف توبیخ پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ حد کے اجراء کا اہتمام کیا جائے۔

(۲)......مطلب یہ ہے کہ اجلاد ہی توبیخ کیلئے کافی ہے، اجلاد کے بعد مزید توبیخ کی ضرورت نہیں ہے۔

(اشرف التوضیح:۳/۵۴۲)

زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم کیوں دیا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باندی کو زنا کی عادت پڑی ہوئی ہے تو وہ بہت خراب باندی

ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے پاس نہ رکھو بلکہ فروخت کردو، سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی بلا دوسرے کے سر کیوں ڈالی جائے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ: "**لا یؤمن احدکم حتی یرضی لاخیه مایرضی لنفسه**" جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اسکو اپنے بھائی کے لئے بھی ناپسند کرو، لہٰذا جب خراب باندی کو تم اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے تو دوسرے کو بیچ کر اس کے سر یہ خراب باندی کیوں ڈالتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کو بیچنے سے حالات بدل جاتے ہیں، مثلاً ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہ باندی جس جگہ رہتی ہے وہاں اس نے کسی سے دوستی کر رکھی ہے اور بیچنے کے نتیجہ میں جب وہ باندی یہاں سے چلی جائے گی تو ہوسکتا ہے کہ اس کی دوستی ختم ہو جائے اور اس کی اصلاح ہو جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آقا تو اس باندی پر کنٹرول نہیں کرسکا، لیکن جب دوسرے آقا کے پاس جائے گی تو وہ اس کی صحیح تربیت کرسکے گا اور اس پر قابو کرسکے گا اسی وجہ سے آپ نے بیچنے کے لئے فرمایا۔ (درس ترمذی: ۵/۸۷)

دوسرا جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ وہ دوسرا اس کو اپنے لئے پسند نہ کرے، اور جب مشتری خود اسکو پسند کر رہا ہے، باوجود اس عیب کے اس لئے کہ بیع میں بیع کے عیب کا اظہار ضروری ہے "**کما یشیر الیه قوله ولو بحبل**"، تو پھر اس میں اس حدیث شریف کی مخالفت نہیں ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۶۳)

فائدہ: اگر کوئی باندی بار بار زنا کرے تو اس کو فروخت کرنے کا حکم جو حدیث شریف کے اندر دیا گیا ہے یہ حضرات جمہور کے نزدیک استحباب کے لئے ہے، لیکن ابن الزمعہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم وجوب کے لئے تھا مگر بعد میں منسوخ ہوگیا، "**کذا فی البذل وفی حاشیة**"۔ اور بذل کے حاشیہ میں ہے کہ داؤد ظاہری نے بھی اس کو وجوب پر محمول کیا ہے جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔
(فی حاشیۃ در المنضود: ۶/۳۶۳، بذل المجہود: ۱۲/۵۵۷)

مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ

{۳۴۰۹} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَقِيمُوا عَلَى

اَرِقَّائِکُمُ الْحَدَّ مَنْ اَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَّمْ يُحْصِنْ فَاِنَّ اَمَةً لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَجْلِدَهَا فَاِذَا هِيَ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِيْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُهَا اَنْ اَقْتُلَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ۔ (رواہ مسلم) وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ دَعْهَا حَتّٰى يَنْقَطِعَ دَمُهَا ثُمَّ اَقِمْ عَلَيْهَا الْحَدَّ وَاَقِيْمُوا الْحُدُوْدَ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۷۱، باب تاخیر الحد علی النفساء، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۷۰۵، ابو داؤد شریف: ۲/، باب اقامۃ الحد علی المریض، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۷۳۔

حل لغات: امام الشیء: کسی چیز کو اس کے جملہ حقوق کے ساتھ بروئے کار لانا، **احصن:** شادی شدہ ہونا، **حدیث العھد:** حال نیا نیا، **ھو حدیث العھد بالایمان:** وہ نیا نیا ایمان لایا ہے، **انقطع:** کٹنا، منقطع ہونا، **انقطع الکلام:** بات کا سلسلہ ختم ہونا، **الحد:** شرعی سزا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ اے لوگو! اپنے غلاموں پر حد قائم کرو، چاہے ان میں سے کوئی شادہ شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، اس لئے کہ بلاشبہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کرلیا، تو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اسکو کوڑے لگاؤں، مجھے پتا چلا کہ اس کو ابھی تازہ تازہ نفاس آیا ہے، چنانچہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی حالت میں اسکو کوڑے لگاؤں تو کہیں مر نہ جائے، چنانچہ میں نے اسکا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم نے بہتر کیا، اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اسکو چھوڑ دو، یہاں تک کہ اس کا خون بند ہو جائے، پھر اس پر حد قائم کرنا، اور لونڈیوں وغلاموں پر حد قائم کیا کرو۔ (مسلم)

تشریح: فذکرت ذالك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال احسنت: تو میں نے اس صورت حال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بتایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا یعنی اس موقع پر سزا نہ دینا ہی مناسب ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ نفاس والی عورت کو کوڑے مارنے کی سزا کو اس وقت تک مؤخر کیا جائے گا، جب تک نفاس کا خون جاری ہے، اس لئے کہ دم نفاس مثل مرض کے ہے لہٰذا

مرض سے شفایاب ہونے تک سزا کو مؤخر کیا جائیگا، ابن ہمام نے یہ فرمایا کہ اگر مریض نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ ہے تو اس پر سنگسار کی حد بحالت مرض ہی جاری کر دی جائے گی، اس لئے کہ وہ مستحق قتل ہے ہی اب اس کو شفاء کے انتظار کا کوئی فائدہ نہیں البتہ اگر اس کی سزا کوڑے مارنے کی ہے اس طور پر کہ وہ شادی شدہ نہیں تو اس کی شفاء کا انتظار کیا جائے گا اور بحالت مرض حد جاری نہیں کی جائے گی اس لئے کہ اس حالت میں یہ سزا اس کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔

واضح رہے کہ اس میں کوئی صریح دلالت اس پر موجود نہیں ہے کہ مولیٰ کو اپنے غلام پر بطور خود حد جاری کرنے کا حق ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۷، ۴۷/ ۴)

ابو داؤد میں ایک روایت ہے جس سے خوب وضاحت ہوتی ہے۔

ابو امامہ جن کا نام سعد بن سہل بن حنیف ہے وہ بعض انصاری صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان میں ایک شخص بیمار ہوگیا اور بیماری سے اتنا لاغر اور کمزور ہوگیا کہ ہڈی اور کھال کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا، لیکن اس کے باوجود کوئی جاریہ اس کے پاس چلی گئی تو اس کو دیکھ کر اس میں نشاط پیدا ہوگیا، اور اس کے ساتھ وطی کر لی، اس کے بعد جب کچھ لوگ ان کے پاس عیادت کے لئے آئے تو اس مریض صحابی نے ان سے کہا کہ میرے بارے میں جو کچھ مجھ سے ہوا حضور اکرم ﷺ سے استفتاء کرو، ان لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے ان صحابی کے ضعف اور لاغری کی حالت بیان کر کے ان کے بارے میں آپ سے استفتاء کیا اور یہ بھی کہ اگر ہم اس کو آپ کے پاس لے کر آئیں گے تو ان کی وہ ہڈیاں بھی صحیح و سالم نہیں رہیں گی، آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے یہ فیصلہ فرمایا: **"ان یاخذوا له مائة شمراخ یضربونه بها ضربة واحدة"** کھجور کے خوشہ کی سو شاخیں لے کر ان کو ایک ہی مرتبہ ان کے بدن پر مار دیں، یعنی اس طور پر کہ ان سب شاخوں کا اس کے بدن پر لگنا معلوم ہو جائے۔

حیلہ مذکورہ فی الحدیث پر کس امام کا عمل ہے؟

ائمہ میں سے اس حدیث کے صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں امام مالک (اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں، ان کے نزدیک حد میں صحیح اور مریض یکساں ہیں جمہور کی جانب سے

خطابی فرماتے ہیں کہ اگر مریض میں یہ صورت جائز ہوتی تو حاملہ میں بھی یہی صورت جائز ہوسکتی تھی، لیکن حاملہ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں یہ صورت کافی نہیں۔ "**کذا فی البذل عن الخطابی**۔"

لیکن صورت مذکورہ میں یعنی جب مریض کے اندر "**جلد**" کے تحمل کی طاقت نہ ہو اور وہ صحت کی بھی توقع نہ ہو اس صورت میں حنفیہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ "**کما قال ابن الھمام**"

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل ان حیلوں میں سے ہے جو شرعاً جائز ہیں اور اس جیسے حیلہ کی اجازت اللہ تعالیٰ نے بھی دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے "**وخذ بیدك ضغثا**" (الآیۃ) یہ آیت حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں سورہ ص میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کی ایک بات پر ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا یہ حیلہ بیان فرمایا: "**وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث**" کہ اے ایوب تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو، یعنی جس میں سو سینکیں ہوں اور اپنی بیوی کو اس سے مارو، اور اپنی قسم نہ توڑو، چنانچہ اس آیت کی روشنی میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کے بجائے تمام قمچیوں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ میں مارے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، لیکن اس کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے دوسرے یہ کہ اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو اور اگر اتنے ہلکے سے بدن کو لگائیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی۔ (الدر المنضود: ۳۶۵، فیض المشکوۃ: ۲/۴۴۷)

{الفصل الثانی}

زنا کے اقرار کے بعد رجوع

{۳۴۱۰} **عَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ اَسْلَمِيُّ اِلٰى

رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ قَدْ زَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْہُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّہِ الْاٰخَرِ فَقَالَ اِنَّہٗ قَدْ زَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْہُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّہِ الْاٰخَرِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنَّہٗ قَدْ زَنٰی فَاَمَرَ بِہٖ الرَّابِعَۃَ فَاُخْرِجَ اِلَی الْحَرَّۃِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَۃِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَۃِ فَرَّ یَشْتَدُّ حَتّٰی مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَہٗ لَحْیُ جَمَلٍ فَضَرَبَہٗ بِہٖ وَضَرَبَہُ النَّاسُ حَتّٰی مَاتَ فَذَکَرُوْا ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ فَرَّ حِیْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَۃِ وَمَسَّ الْمَوْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَکْتُمُوْهُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ هَلَّا تَرَکْتُمُوْهُ لَعَلَّہٗ اَنْ یَّتُوْبَ فَیَتُوْبَ اللہُ عَلَیْہِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۴، باب ما جاء فی درء الحد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۲۸، ابن ماجہ شریف: ۱۸۴/، باب الرجم، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۵۴، ابو داؤد شریف: ۲/، باب رجم ماعز، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۱۹۔

حل لغات: الشق: کنارہ، پہلو، انسان کی ایک جانب جدھر اس کی نظر ہو، **الحرة:** کالی پتھر والی زمین جو جلی ہوئی دکھائی دے مدینہ منورہ کے باہر ایک زمین کا نام ہے جہاں پر یزید بن معاویہ کے زمانہ میں لڑائی ہوئی تھی، **مستهم البأسا والضراء:** تنگی ومصیبت ظاہر ہونا، **اشتد فی عدوه:** تیز دوڑنا، **لحی:** داڑھی والے جانور یا انسان کا جبڑا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ بے شک ان سے زنا ہو گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چہرہ پھیر لیا، پھر وہ آپ کی دوسری جانب آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ان سے زنا ہو گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے چہرہ پھیر لیا، وہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جانب آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ انہوں نے زنا کیا ہے، چوتھی مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں حکم فرما دیا کہ ان کو حرہ کی جانب لے جایا گیا اور ان کو پتھر مارے جانے لگے، جب

ان کو پتھر لگے تو وہ تیزی سے بھاگے یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس سے گذرے جس کے پاس اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی، اس نے ان کو اسی سے مارا اور لوگوں نے بھی مارا یہاں تک کہ وہ مر گئے، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی کہ جس وقت ان کو پتھر لگنے لگے اور موت کا احساس ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم لوگوں نے ان کو چھوڑ کیوں نہیں دیا تھا؟ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم لوگوں نے اس کو کیوں نہیں چھوڑا؟ ممکن تھا کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا۔

تشریح: فقال انه قد زنا: یہ تعبیر راوی کی ہے ان کے الفاظ تو "**انی قد زنیت**" تھے اسی معنی کو راوی نے اپنے اعتبار سے تعبیر کیا ہے، "**فاعرض عنه**" آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے منھ پھیر لیا، "**ثم جاء من شقة الارض**" ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**ای بعد غیبته عن المجلس**" یعنی آنحضرت ﷺ کے منہ پھیر لینے کے بعد اس مجلس سے وہ غائب ہوئے اور اس کے بعد پھر اس جانب آئے جدھر آپ کا چہرہ مبارک تھا، چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے اسلئے علامہ قاری نے، "**بعد غیبة عن المجلس**" کا مفہوم مراد لیا ہے، ویسے یہ مفہوم خلاف ظاہر ہے، الفاظ کا ظاہر یہی ہے کہ یہ واقعہ پورا کا پورا اسی مجلس کا ہے واللہ اعلم۔ "**فاخرج**" یعنی ان کو وہاں سے لے جانے کا حکم فرمایا گیا۔ "**فلما وجد مس الحجارة**" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی "پتھر لگنے کی تکلیف" صاحب مظاہر نے یہ ترجمہ کیا "پس جب پائی اس نے ایذاء پتھروں کے لگنے کی" یہاں ترجمہ کے خانہ میں جو ترجمہ کیا گیا وہ لغوی و لفظی ترجمہ سے زیادہ قریب ہے اور مفہوم سب کا ایک ہے البتہ اسکے بعد "**فر یشتد**" کا ترجمہ صاحب مظاہر نے جو یہ کیا "بھاگا دوڑتا ہوا" الفاظ حدیث اس ترجمہ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں، "**یشتد**" حال واقع ہے "**فذکروا ذالك لرسول الله صلی الله علیه وسلم انه فر حین وجد مس الحجارة**" یعنی آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ حضرت ماعز اسلمی جب پتھروں کی چوٹ لگی تو وہ بھاگے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**فذکروا ذالك**" میں "**ذالك**" سے اشارہ پتھروں کی چوٹ کیوجہ سے ان کے بھاگنے کی طرف ہے اور دوبارہ "**انه فر الخ**" یہ مکرر ہے جس کا مقصود بیان ہے اس حالت میں یہ کہا جائے گا کہ "**ذالك**" میں ابہام تھا اور تکرار اسی بیان کے لئے ہے،

"**فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هلا ترکتموه**" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر جب وہ بھاگ رہے تھے تو تم نے ان کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، "**وفی روایة**" یعنی ابن ماجہ کی ایک روایت میں اور ترمذی اور ابن ماجہ دونوں کی ایک روایت میں یہ ہے "**هلا ترکتموه لعله ان یتوب**" یعنی ممکن ہے وہ اپنے قول سے رجوع کرتے اور توبہ کرتے، "**فیتوب الله علیه**" یعنی اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول کر کے ان کی طرف رجوع فرماتا۔

احکام: ابن مالک نے فرمایا اس سے یہ ثابت ہوا کہ زنا کا اقرار کرنے والے نے اگر بعد میں یہ کہا کہ میں نے زنا نہیں کیا یا یہ کہا میں نے جھوٹ بولا تھا یا یہ کہ میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی، لہٰذا اگر وہ سنگسار کیئے جانے کے دوران میں رجوع کرے تو باقی سنگسار روک دیا جائے گا، بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ سنگسار ہوتے ہوئے اگر وہ رجوع کرتا ہے تو اب حد ساقط نہ ہوگی، اور دلیل یہ ہے کہ اگر سقوط حد واجب ہوتا تو حضرت ماعز اسلمی کا سنگسار کے ذریعہ مرجانا قتل خطاء ہوتا اور قاتلین کے اہل خانہ پر دیت واجب ہوتی جب کہ ایسا نہیں ہوا، لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ماعز اسلمی کا رجوع صریحاً ثابت نہیں ہے، وہ بھاگے ہی تو تھے اور بھاگنے سے حد ساقط نہیں ہوتی اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ "**هلا ترکتموه**" کی تاویل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا اس لئے تھا کہ بعد میں یہ دیکھا جاتا کہ آیا وہ صرف پتھروں کی چوٹ کی وجہ سے بھاگے ہیں یا انہوں نے اپنے اقرار زنا سے رجوع کر لیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۷۴)

ثبوت زنا بالاقرار میں تعدد اقرار اور اس میں ائمہ کا اختلاف

اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ ثبوت زنا بالاقرار کیلئے چار بار اقرار ضروری ہے مختلف مجالس میں اختلاف مجالس سے مقر کی مجلسیں مراد ہیں نہ کی قاضی کی اور وہ یہاں پائی گئیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنا رخ بدلتے تھے تو وہ اسی طرف جا کر پھر اقرار کرتے تھے، اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اگرچہ چار بار اقرار ضروری ہے لیکن اختلاف مجلس ان کے یہاں ضروری نہیں اور باقی دو امام یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے یہاں اقرار مرۃ واحدۃ کافی ہے، آگے روایت میں

یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: **"قد قلتها اربع مرات فیمن؟ قال بفلا نة قال له ضاجعتها؟"** یعنی آنحضرت ﷺ نے خوب ٹھوک بجا کر ان سے سوالات کئے جس کا وہ صاف صاف جواب دیتے رہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان پر رجم کرنے کا حکم فرمادیا۔

قال فامر به ان یر جم: یہاں پر ایک اختلافی مسئلہ ہے جس کو حضرت شیخ نے بذل کے حاشیہ میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ مجلس رجم میں امام اور شہود کا حاضر ہونا ضروری ہے، یا نہیں، امام شافعی اور احمد کے نزدیک واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہ اور مالک کے نزدیک واجب ہے، امام نووی نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے **"واستدل صاحب الهداية بانه منصوص عن علی رضی الله تعالىٰ عنه فيما لا يدرك بالقياس"** اس کے بعد حضرت شیخ نے اپنی رائے احتمالاً یہ لکھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی رجم کی ابتداء آپ ہی نے کی ہو جیسا کہ غامدیہ کے قصہ میں آتا ہے جس کے لفظ یہ ہیں **"ثم رماها بحصاة مثل الحمصة ثم قال ارموا"** یعنی اس واقعہ میں رجم کی ابتداء آنحضرت ﷺ نے فرمائی ایک چھوٹی سی کنکری کے ذریعہ اور پھر آپ نے دوسروں سے فرمایا کہ اب تم اس کو رجم کردو، روایت میں ہے کہ جب ان کو رجم کیا جارہا تھا تو یہ جزع فزع کرنے لگے اور بھاگنے دوڑنے لگے جس کی وجہ سے رجم کرنا مشکل ہو رہا تھا اتنے میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ آگئے تو انہوں نے اونٹ کا کھرا اٹھا کر مارا جس سے ان کا کام تمام ہوگیا، پھر جب آنحضرت ﷺ سے ان کے فرار وغیرہ کا ذکر کیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا **"هلا تركتموه لعله ان يتوب فيتوب الله عليه"**

رجوع عن اقرار الزنا کا حکم

آنحضرت ﷺ کے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ جس صورت میں زنا کا ثبوت اقرار سے ہوا ہو، اور پھر وہ اپنے اقرار سے رجوع کرلے تو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، جمہور علماء کا مسلک یہی ہے حنفیہ شافعیہ حنابلہ اور ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور کے نزدیک رجوع عن الاقرار معتبر نہیں، اس سے حد ساقط نہیں ہوگی، اور یہی ایک روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، حاشیہ بذل میں ہے، **"وحكى صاحب الهداية فيه خلاف الشافعي، لكن قال ابن الهمام ان المسطور في كتبهم انه لو**

رجع قبل الحد او بعد ما اقیم علیہ بعضہ سقط۔" (وبسط الحافظ فی الفتح: ۱۲/۱۰۴) الاختلاف فیہ۔ (الدر المنضود: ۶/۳۴۱)

زانی کا اعتراف زنا

{۳۴۱۱} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِبْنِ مَالِكٍ اَحَقٌّ مَابَلَغَنِیْ عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغَكَ عَنِّیْ قَالَ بَلَغَنِیْ اِنَّكَ قَدْ وَقَعْتَ عَلٰی جَارِیَۃِ اٰلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَھِدَ اَرْبَعَ شَھَادَاتٍ فَاَمَرَ بِہٖ فَرُجِمَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۶۷، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، کتاب الحدود: ۱۶۹۳۔

حل لغات: **الحق:** ثابت، غیر مشکوک، **شھد باللہ:** اللہ کی قسم کھانا، کسی بات کا حلف لینا، اپنے علم میں آئی ہوئی بات کا اقرار کرنا، **آل الرجل:** کنبہ، افراد خانہ، متبعین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بلا شبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا تمہارے بارے میں جو بات مجھ کو معلوم ہوئی ہے وہ صحیح ہے؟ ماعز نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں کیا اطلاع ملی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم نے فلاں فلاں خاندان کی باندی سے زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، پھر انہوں نے چار مرتبہ اس بات کا اقرار کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگساری کا حکم کیا، چنانچہ ان کو سنگسار کر دیا گیا۔ (مسلم)

تشریح: دفع دخل مقدر: کہا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماعز کے زنا کرنے کا علم تھا اور اس سے پہلے کی حضرت بریدہ کی روایت اور اسی سے معاً متصلاً پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کے بعد کی حدیث یزید ابن نعیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے زنا کرنے کی پہلے سے کوئی خبر نہ تھی بلکہ ماعز نے خود آ کر اقرار کیا جس کی تفصیل گذری تو پھر اس تضاد کو کیسے رفع کیا جائے گا، علامہ

قاری نے فرمایا اس کے جواب میں، میں یہ کہتا ہوں بلغاء کے لئے مختلف مواقع ہوتے ہیں بعض مواقع ومقامات اختصار کے مقتضی ہوتے ہیں اور بعض تفصیل کے مقتضی ہوتے ہیں وہاں وہ تفصیل کے ساتھی یہاں بیان کرتے ہیں اختصار کے مقام پر وہ چند کلمات پر اقتصار کرتے ہیں، اور بعض مواقع اطناب وتفصیل کے مقتضی ہوتے ہیں وہاں وہ اطناب وتفصیل سے کلام کرتے ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اختصار کا طریقہ اختیار کیا اور قصہ کا اول اور آخر کا حصہ بیان کر دیا اس لئے کہ ان کے پیش نظر یہ بیان کرنا تھا کہ شادی شدہ جب زنا کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اور حضرت بریدہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے امت کے اہم مسائل کو بیان کرنے کی غرض سے پورے قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماعز کا یہ معاملہ معلوم ہوا ہو اور آپ نے ان کو اپنے سامنے بلا کر اسی موضوع پر بات کرنے کو کہا ہو تا کہ وہ اس سے انکار کر دیں تا کہ ان پر سے حد ساقط ہو جائے لیکن بات کرنے پر انہوں نے اقرار ہی کیا تو آپ نے اسی غرض سے ان سے منہ موڑ لیا کہ اب وہ اس اقرار سے باز آجائیں لیکن وہ اس اقرار سے باز نہیں آئے اور داہنے بائیں اور دوسری طرف سے آکر انہوں نے مسلسل اقرار کیا تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی رجم کا حکم نہ فرمایا بلکہ پوچھا کہ کیا یہ پاگل ہو گئے ہیں؟ کیا انہوں نے شراب پی رکھی ہے؟ لیکن کسی طرح سقوط حد کی کوئی شکل نہ نکلی تب آپ نے سنگسار کرنے کا حکم فرمایا، تو گویا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اختصار ہے اور دوسرے حضرات کی روایت میں تفصیل ہے تعارض وتضاد نہیں ہے واللہ اعلم۔ (انوار المصابیح: ۵۴۵/ ۶، مرقاۃ المفاتیح: ۷/۷۴،۷۵/ ۴، شرح الطیبی: ۱۶۰، ۱۶۱/ ۷)

موجب حد جرم میں پردہ پوشی کرنا

{۳۴۱۲} وَعَنْ یَزِیْدِ بْنِ نُعَیْمٍ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ مَاعِزُ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ عِنْدَهٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِهٖ وَقَالَ لِهَزَّالٍ لَوْ سَتَرْتَهٗ بِثَوْبِكَ کَانَ خَیْرًا لَكَ قَالَ ابْنُ الْمُنْکَدِرِ اِنَّ هَزَّالًا اَمَرَ مَاعِزَ اَنْ یَاْتِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیُخْبِرَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/ ۶۰۱، باب الستر علی الحدود، کتاب الحدود،

حدیث نمبر: ۳۴۷۸۔

ترجمہ: حضرت یزید بن نعیم اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بے شک ماعز رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار مرتبہ اقرار کریا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم اس کو اپنے کپڑے کے ذریعہ ڈھانک لیتے تو تمہارے حق میں بہتر ہوتا، ابن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہزال رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کردو۔ (ابوداؤد)

تشریح: اگر کسی شخص سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوجائے جو حد کو واجب کرنے والا ہو تو اس کو خود بھی چاہئے کہ اس کا اخفا کرے اور اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرلے اور دوسرا شخص جو اس جرم پر مطلع ہوگیا ہو وہ بھی پردہ پوشی سے کام لے مجرم کو ابھار کر حاکم کے پاس اقرار کے لئے نہ بھیجے، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو حضرت ہزال ہی نے اعتراف کرنے کے لئے بھیجا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال سے فرمایا کہ اگر تم پردہ پوشی کرتے تو بہتر ہوتا۔

فاقر عنده اربع مرات: ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ ایک یتیم لڑکے تھے انہوں نے ہزال کی گود میں پرورش پائی تھی، یہ ہزال کی باندی فاطمہ یا ہزال کے قبیلہ کی باندی کے ساتھ زنا کر بیٹھے، بعض لوگوں نے ان کا نام **"منیرہ"** نقل کیا ہے، اس واقعہ کے بعد ہزال نے ماعز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اقرار کرنے کے لئے کہا اور یہ بھی کہا کہ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے دعا کردیں جس سے تمہارے گناہ کی مغفرت ہوجائے، چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور چار مرتبہ اقرار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا لیکن جب اقرار شرعی ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا فیصلہ کیا، چونکہ رجم کا یہ فیصلہ ماعز کے لئے خلاف توقع تھا، اسی لئے بعض حدیث میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میرے گھر والوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ رجم کئے جانے کے وقت انہوں نے فرار کی کوشش تھی، (تفصیلات ماقبل میں گذر چکی ہیں)

"وقال لهزال لو سترته بثوبك لكان خيرا لك" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال سے فرمایا کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا اگر تم ماعز کے معاملہ میں پردہ پوشی کرتے تو بہتر تھا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۰)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نفس عن مسلم کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب الآخرۃ، ومن ستر علی مسلم سترۃ اللہ فی الدنیا والآخرۃ، واللہ فی عونہ العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی دنیا کی ایک مصیبت دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی مصیبت دور کردیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسکی پردہ پوشی فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

عن سالم عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ، ومن ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ۔ حضرت سالم اپنے والد" حضرت عبد بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یارومددگار چھوڑتا ہے۔

اور جو شخص کسی مسلمان سے ایک مصیبت دور کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبت کو اس سے دور کردیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔ (درس ترمذی: ۲/۷۲/۵)

معلوم ہوا کہ حدود وغیرہ میں اجراء کے لئے پردہ پوشی کرنا چاہئے، اور اس طرح پردہ پوشی کرنا مستحب ہے لیکن جہاں بندوں کے حقوق کے ضیاع کا امکان ہو وہاں ستر اولیٰ نہیں ہے چنانچہ حدیث ہے کہ **"من کتم غالاً فھو مثلہ"** مال غنیمت میں چوری جرم ہے اور جو شخص چوری کی پردہ پوشی کرے گا وہ بھی مجرم ٹھہرے گا اس لئے کہ یہاں حق عبد کا ضیاع ہے اور حدود میں حق العبد کا ضیاع نہیں ہوتا۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۱)

حد معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں

{۳۴۱۳} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَافَوُا الْحُدُوْدَ فِيمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۰۱/۲، باب العفو عن الحدود، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۷۶، نسائی شریف: ۲۲۱/۲، باب ما یکون حرزا، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۸۸۶۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تک تمہارے درمیان حدود ہیں تم معاف کر دیا کرو، جب حد کو واجب کرنے والی بات مجھ تک پہنچے گی تو حد واجب ہو جائے گی۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: تعافوا: یہ عوام کو خطاب ہے کہ حدود یعنی جن چیزوں سے حد لازم ہوتی ہے ان میں درگزر سے کام لیں اور حاکم کے وہاں نہ جائیں اگر حاکم کے وہاں معاملہ پہنچ گیا تو پھر حاکم کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو معاف کرے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"فما بلغنی من حد"** یعنی جس جرم کی اطلاع مجھے مل جائے گی تو وہ معاف نہ ہوگی، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر معاملہ حاکم کے وہاں پہنچ جائے اور اس میں حد لازم آتی ہو تو حاکم کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حد کو معاف کرے، (۲) اس حدیث کا اطلاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مالک کو اپنے لئے مملوک پر حد جاری نہ کرنی چاہئے اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے مملوک کو حاکم کے سامنے پیش کرے، بلکہ اسے معاف کر دینا چاہئے، اس لئے کہ یہ اسی معنی کے تحت داخل ہے اور یہ امر استحباب کیلئے ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۴۵۱/۴)

صاحب حیثیت کو معاف کرنے کی تاکید

{۳۴۱۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۰۱، باب فی الحد یشفع فیہ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۷۵۔

حل لغات: **اقال البیع:** بیع فسخ کرنا، توڑنا، ختم کرنا، **اقال اللہ عشرتہ:** اللہ تعالیٰ کا کسی کی لغزش و غلطی کو معاف کرنا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ صاحب عزت لوگوں کی خطاؤں سے درگذر کردیا کرو سوائے حدود کے۔ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حکام اور امراء کو خطاب کرتے ہوئے کہ اچھے اور بھلے لوگوں کی لغزشوں کو درگذر کردیا کرو، مگر حدود، کہ اس میں کسی کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالہیئۃ وہ شخص ہے جس کی حالت غیر مشکوک ہو، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو لوگ شرارت میں معروف نہ ہوں تو ایسے شخص سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس کو درگذر کرو، یا اس سے مراد باحیثیت لوگ ہیں اور عشرات سے مراد کہا گیا کہ صغار ذنوب ہیں، اس صورت میں الا الحدود استثناء منقطع ہوگا یا ذنوب سے مراد مطلق ذنوب، اور حدود سے مراد وہ ذنوب ہیں جو موجب حد ہیں، اس صورت میں استثناء متصل ہوگا، لیکن اس حدیث کو بعض علماء جیسے سراج الدین قزوینی نے موضوع کہا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور اس کے دوسرے طرق بیان کئے ہیں، اس کی سند میں ایک راوی ہیں عبد الملک بن زید جن کے بارے میں کلام ہے کسی قدر تفصیل اس پر "بذل المجہود" میں دیکھی جائے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۱۹)

شبہ سے حد کا ساقط ہونا

{۳۴۱۵} **وَعَنْهَا** قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَأُوْا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ۔ (رواه الترمذي) وَقَالَ قَدْ رُوِيَ عَنْهَا وَلَمْ يُرْفَعْ وَهُوَ اَصَحُّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۳، باب ماجاء في درء الحدود، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۲۴۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جہاں تک تم لوگوں سے ممکن ہو مسلمانوں پر سے حدود ہٹایا کرو، چنانچہ اگر مسلمان کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی راہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، بلا شبہ امام معاف کرنے میں غلطی کرے، یہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے لیکن یہ مرفوع نہیں ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہاں تک ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو، اسی وجہ سے یہ اصول ہے کہ اگر جرم کے ثبوت میں ذرا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اور اگر اس کے لئے حد سے نکلنے کا کوئی راستہ نکلتا ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، اس لئے کہ امام کا معافی میں غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے، یعنی غلطی سے کسی مجرم کو چھوڑ دے یہ اس کے بہ نسبت بہتر ہے کہ کسی بے گناہ کو سزا دیدے، اسلئے اگر ذرا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو پھر سزا جاری نہ کی جائے۔ (درس ترمذی: ۵/۱۷)

ادرأوا الحدود: جہاں تک ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو، قاضی کو چاہئے کہ حدود کے اجراء میں حد درجہ احتیاط سے کام لے، حتیٰ کہ اگر کوئی زنا کا اقرار کرے تو حد ٹالنے کیلئے تلقین عذر کرے، مثلاً قاضی کہے کہ تم کو پتا بھی ہے زنا کیسے کیا جاتا ہے، کہیں مسلمان بھی زنا کرتا ہے، تم نے اجنبیہ کو شہوت سے دیکھا یا چھوا ہوگا اسی کو تم زنا سے تعبیر کر رہے ہو، مقصود ان باتوں سے یہ ہے کہ اقرار کرنے والا رجوع

کر کے حد سے بچ جائے۔ "**فان کان له مخرج فخلوا سبیله**" اگر حد سے بچنے کی کوئی بھی صورت ممکن ہے تو بچانا چاہئے، مثلاً کسی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا تو حد ساقط ہو جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:
"**ادرأو الحدود بالشبهات**" شبہات کے ذریعہ حدود کو ساقط کرو، حد کو ساقط کرنے والے شبہے تین ہیں۔

(۱)...... **شبہ فی الفعل**: فعل میں شبہ پیدا ہوگیا کہ اس نے یہ فعل کیا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں حد ساقط ہوگی۔

(۲)...... **شبہ فی العقد**: کوئی شخص محارم سے نکاح کر کے صحبت کرے تو یہ زنا ہے، لیکن شبہ فی العقد کی وجہ سے حد ساقط ہوگی۔

(۳)...... **شبہ فی المحل**: بیوی کی باندی سے بیوی کی اجازت لے کر صحبت کی یہ بھی زنا ہے، لیکن چونکہ اس بات میں شبہ پیدا ہوگیا کہ ہوسکتا ہے اس سے صحبت کی اجازت ہو، لہٰذا یہاں بھی حد ساقط ہوگی، یہ بات ذہن میں رہے کہ حد تو ساقط ہوگی لیکن قاضی کوئی تعزیری سزا اگر مناسب سمجھے تو دیگا یہ اس کے اختیار میں ہے۔ "**فان الامام یخطی فی العفو**" یہ بات سابقہ بات کی وضاحت کے لئے ہے، جس طرح کسی کو مجرم ہوتے ہوئے بری کرنا غلط فیصلہ ہے اسی طرح کسی بے قصور کو سزا دینا غلط فیصلہ ہے، دونوں فیصلے انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے ہیں، لیکن بے قصور کو سزا دینا یہ غلطی بڑی ہے جب کہ قصوروار کو چھوڑنا کم درجہ کی غلطی ہے، لہٰذا شبہ کے وقت معاف کرنے کا حکم ہے، کیونکہ جب دونوں غلطیوں کا امکان ہے تو کم درجہ والی کا انتخاب کیا جائے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۲)

فائدہ: ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن چیزوں سے حد دفع ہو جاتی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ زانی یہ نہ جانتا ہو کہ زنا حرام ہے، اس لئے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ حد کیلئے زنا کی حرمت کا جاننا شرط ہے۔

واضح رہے کہ ممکن حد تک حد جاری کرنے سے بچا جائے اس لئے کہ اور بہت سی احادیث فقہاء محدثین کے پیش نظر ہیں جن پر حد جاری کرنے سے بچنے کے لئے مختلف شکلیں بیان ہوئی ہیں حد جاری کرنے میں امام کو نہایت احتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ادرأ والحدود بالشبهات"۔ یعنی اگر حد جاری کرنے کے لئے جرم کے ثبوت میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو حد نہ جاری کی جائے، یا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ و حضرت معاذ حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے "قالوا اذا اشتبه عليك الحد فادرأ"۔ جب تجھ پر حد مشتبہ ہو جائے تو اس کو ساقط کر دے۔ وغیرہ۔ (انوار المصابیح: ۶/۵۴۹)

زنا بالجبر میں زانی کو سزا ملے گی

{۳۴۱۶} **وَعَنْ** وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ اُسْتُكْرِهَتْ اِمْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَأَ عَنْهَا الْحُدُوْدَ اَقَامَهُ عَلَى الَّذِيْ اَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۶۹، باب ما جاء في المرأة اذا استكرهت على الزنا، كتاب الحدود، حديث نمبر: ۱۴۵۳۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم + کے عہد میں ایک عورت سے زبردستی زنا کیا گیا، تو آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے حد کو ساقط کر دیا، اور اس شخص پر حد جاری فرمائی جس نے زنا کیا تھا، راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے لئے مہر مقرر فرمایا۔ (ترمذی)

تشریح: **فدرأ عنها الحد:** ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عورت سے زبردستی زنا کیا جائے، اس کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی، "ولم یذکر انه" راوی نے بالجبر زنا کی صورت میں عورت کو مہر ملے گا یا نہیں؟ اس کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر ملے گا، لیکن یہ وہ مہر نہیں ہے جو نکاح صحیح کی صورت میں شوہر پر واجب ہوتا ہے، بلکہ یہ "عقر" ہے یعنی وہ عوض جو زنا، یا غلطی سے اپنی بیوی سمجھ کر دوسری عورت سے زنا کرنے کی بنا پر مرد کو دینا پڑتا ہے، اس کی مقدار کیا ہوگی؟ بعض لوگ مہر مثل کے برابر قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مقدار ملے گی جو صحبت کی اجرت ہوتی اگر صحبت حلال ہوتی۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۳)

مہر نہ ملنے کی وجہ

اگر رسول اللہ ﷺ حد جاری نہ فرماتے تو مہر دلواتے اب چونکہ رسول اللہ ﷺ نے حد قائم فرمائی ہے اس لئے مہر نہیں دلوایا، کیونکہ حد اور مہر جمع نہیں کئے جاتے ہیں۔ (تقریر ترمذی للتھانوی: ۴۳۴)

زنا بالجبر کا واقعہ

{۳۴۱۷} **وَعَنْ** اَنَّ اِمْرَأَةً خَرَجَتْ عَلٰی عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيْدُ الصَّلٰوةَ فَتَلَقَّهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهٗ مِنْهَا فَصَاحَتْ وَانْطَلَقَ وَمَرَّتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِيْ كَذَا وَكَذَا فَاَخَذُوا الرَّجُلَ فَاَتَوْبِهٖ رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ لَهَا اِذْهَبِيْ فَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِيْ وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجُمُوْهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۶۹، باب ما جاء فی المرأۃ اذا استکرھت علی الزنا، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۵۴، ابوداؤد شریف: ۲/۶۰۱، باب فی صاحب الحدیجیء فیقر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۷۹۔

حل لغات: **تلقی فلانا:** کسی کا استقبال کرنا، **تجلل بہ:** ڈھپ جانا، چھپ جانا، **انطلق:** چلا جانا، گذر جانا وغیرہ، **العصابۃ:** جماعت، گروہ، ٹولہ۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک عورت نماز کے ارادہ سے نکلی، تو اس کو ایک آدمی ملا، جس نے اس کو دبوچ لیا، اور اس سے اپنی حاجت پوری کرلی، پھر وہ عورت چلائی لیکن وہ آدمی بھاگ گیا، اس عورت کے پاس مہاجرین کی ایک جماعت گذری تو اس نے بتایا کہ اس آدمی نے میرے ساتھ ایسا ایسا فعل کیا ہے، مہاجرین نے اس آدمی کو پکڑ لیا اور اس کو لے کر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آنحضرت ﷺ نے اس عورت

سے کہا کہ تم جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائیں، اور اس آدمی کے بارے میں جس نے زنا کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو سنگسار کردو، اور آنحضرت ﷺ نے مزید فرمایا کہ البتہ تحقیق کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کریں تو سب کی توبہ قبول ہو جائے۔

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے بعض جملے یہاں سے حذف ہیں ترمذی میں پوری حدیث اس طرح ہے۔ حضرت علقمہ بن وائل کندی اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے کے ارادہ سے نکلی، راستے میں ایک شخص اس کے سامنے آگیا اور اس عورت کو ڈھانپ لیا، **"تجلل"** جل سے نکلا ہے، **"جل"** زین کو کہتے ہیں، یعنی وہ شخص ایسا ہو گیا جیسے گھوڑے کے لئے زین ہوتی ہے، گویا اس پر لیٹ گیا اور اپنی حاجت پوری کی، اس عورت نے شور مچایا تو وہ آدمی بھاگ گیا اسی حالت میں ایک دوسرا شخص اس عورت کے پاس سے گذرا تو اس عورت نے کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے، اس کے بعد وہ عورت مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس سے گذری تو ان سے یہی کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے، چنانچہ وہ مہاجرین گئے اور اس شخص کو پکڑ کر لے آئے جس کے بارے میں عورت کا گمان تھا، کہ اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے، جب وہ اس کو پکڑ کر عورت کے پاس لائے تو اس عورت نے تصدیق کردی کہ ہاں یہی شخص ہے، پھر وہ حضرات اس کو حضور ﷺ کے پاس پکڑ کر لے گئے، جب حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کیا جائے تو اصل مجرم اور اصل زانی کھڑا ہو گیا، اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا تھا، اس نے نہیں کیا تھا، پھر آپ نے عورت سے فرمایا کہ تم چلی جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کردی، یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس شخص کو خواہ مخواہ بلا جرم پکڑ لیا گیا تھا اس کے بارے میں آپ نے اچھے کلمات ارشاد فرمائے، اور پھر جو حقیقی مجرم تھا اس کے بارے میں آپ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کردو، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کریں تو سب کی توبہ قبول ہو جائے اور سب بخش دیئے جائیں۔ (درس ترمذی: ۵/۱۰۷)

تحقیق نفیس واجب التنبیه

یہاں "بذل المجہود" میں حضرت نے تحریر فرمایا: "فامر برجمہ" کہ آنحضرت ﷺ نے اس صاحب واقعہ کے رجم کا حکم فرمایا: چنانچہ اس کو رجم کر دیا گیا، حضرت کی یہ رائے ترمذی کی روایت کے سیاق کے تو موافق ہے لیکن ابو داؤد کی روایت جس کا سیاق، سیاق ترمذی کے خلاف ہے اس میں آپ کی جانب سے امر بالرجم کی تصریح نہیں ہے لہٰذا ابو داؤد کی روایت کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے اس شخص کا رجم کرایا بلکہ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ نے اس شخص کا رجم نہیں کرایا اس لئے کہ لوگوں نے جب آپ سے درخواست کی اس کے رجم کے بارے میں تو آپ نے اس پر فرمایا "لقد تاب توبۃ لو تابہا اہل المدینۃ لقبل منہم" بے شک اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر تمام اہل مدینہ منورہ ایسی توبہ کرتے تو ان سب سے قبول کر لی جاتی۔ حضرت شیخ قدس سرہ کی رائے بھی یہی ہے اور ترمذی کی روایت کے بارے میں حضرت نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے "ہو عندی وہم کما ہامش الکوکب الدری" حاشیہ کوکب میں حضرت شیخ نے سیاق ابی داؤد ہی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ اس شخص کا رجم نہیں کیا گیا بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا تھا رجم کے بارے میں حضرت شیخ لکھتے ہیں:

"یوافق سیاق ابی داؤد سیاق الذہبی فی التذکرۃ بلفظ فقالوا ارجمہ؛ فقال لقد تاب توبۃ الخ، وکذا ما فی مسند احمد فقیل یا نبی اللہ الا ترجمہ؛ فقال لقد تاب توبۃ الخ، وہذا تحقیق نفیس لم یتعرض لہ الشراح واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب" اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر توبہ تمام اہل مدینہ بھی اپنے معاصی کے لئے کریں تو سبھی کی قبول ہو جائے۔

یہاں ایک چیز اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس روایت میں یہ آیا ہے "فلما امر بہ قام صاحبہا" اس پر یہ اشکال ہے کہ ابھی تک تو اس شخص نے زنا کا اقرار نہیں کیا تھا، اور نہ باقاعدہ کوئی بینہ تھا تو پھر آنحضرت ﷺ نے اس رجل بری کے رجم کا ارادہ کیسے فرما لیا اس لئے شراح نے اس کی تاویل کی ہے کہ شاید راوی کی مراد یہ ہے "فلما قارب ان یامر بہ" یعنی ظاہر حال سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ بس

اب آپ اس پر حد کا فیصلہ فرمادیں گے، کیونکہ لوگوں نے اس شخص کو آپ کے سامنے حاضر کیا تھا، اور آنحضرت ﷺ اس کے بارے میں تفتیش فرمارہے ہوں گے، اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے،

"**الظاهر ان الامر لم یکن الا باخراجه وابعاده حیث رآه اختل عقله وتشتت امره ولم یثبت علیه شیء الخ**" یعنی آپ کا یہ امر حد جاری کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ اخراج عن المجلس سے متعلق تھا اس لئے کہ وہ شخص اس تہمت کیوجہ سے حواس باختہ اور پریشان ہوگیا تھا کچھ بول ہی نہیں رہا تھا، اس لئے آپ نے اس کو مجلس سے نکالنے کا حکم فرمایا لیکن وہ صاحب واقعہ یہ سمجھا کہ اس کو اقامۃ حد کے لئے لے جایا جارہا ہے اسلئے اس نے فوراً اپنے فعل کا اقرار کرلیا اس شخص بری کو بچانے کیلئے۔ الیٰ آخر ما فی البذل۔

(بذل المجہود: ۴۴۳/ ۱۲، الدر المنضود: ۳۲۲/ ۶)

ایک زنا اور دو سزائیں

{۳۴۱۸} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً زَنٰى بِاِمْرَاَةٍ فَاَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ اُخْبِرَ اَنَّهٗ مُحْصِنٌ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ۔

(رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/ ۶۰۹، باب رجم ماعز، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۳۸۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے حکم دیا، چنانچہ اس کو کوڑے لگائے گئے، پھر پتا چلا کہ یہ شادی شدہ ہے تو اس کے بارے میں حکم کیا تو وہ سنگسار کیا گیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: زانی کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ ہے تو آنحضرت ﷺ نے غیر شادی شدہ کی حد یعنی سو کوڑے زانی کو لگوادئے، لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہ تو شادی شدہ ہے تو شادی شدہ کی حد یعنی رجم کی سزا اس پر جاری کی، معلوم ہوا کہ امام نے لاعلمی میں محصن پر کوڑے کی حد لگوائی تو بعد میں علم ہونے پر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسکو رجم کرادے۔

فجلد الحد ثم اخبر انه محصن فامر به فرجم: معلوم ہوا کہ کوڑے لگانا رجم کے قائم مقام نہیں ہے، البتہ جس صورت میں سو کوڑے حد ہو گی وہاں رجم بطریق اولی کفارہ ثابت ہو گا کیونکہ اس میں تو اضافہ ہی ہے، بعض لوگ محصن زانی کے لئے سو کوڑوں اور رجم دونوں سزاؤں کو حد شرعی کہتے ہیں، ان کے یہاں تو اس حدیث پر کوئی اشکال ہے ہی نہیں، لیکن جن لوگوں کے نزدیک محصن کی سزا صرف رجم ہے ان کے مذہب پر یہ اشکال ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطاء سو کوڑے لگوائے پھر رجم کرایا تو اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ اپنی غلطی پر برقرار رہے حالانکہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنی غلطی پر برقرار نہیں رہتے تھے، اسکے مختلف جوابات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ خطا پر برقرار رہے ہی نہیں، اسلئے کہ اقرار علی الخطاء اس وقت ہوتا جبکہ آنحضرت ﷺ کو اسکے محصن ہونے کی اطلاع ہوتی ہی نہیں اور اس زانی کی اصل سزا رجم اس پر جاری نہ کی جاتی، بعض لوگ یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ جب آپ لوگوں کو مطلع کرنے سے مطلع ہو گئے تو اب آنحضرت ﷺ خطا پر برقرار نہیں رہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۴)

مریض پر حد جاری کرنا

{۳۴۱۹} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ كَانَ فِي الْحَيِّ مُخْدَجٍ سَقِيْمٍ فَوُجِدَ عَلٰى اَمَةٍ مِنْ اِمَائِهِمْ يَخْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا لَهٗ عِثْكَالاً فِيْهِ مَائَةُ شِمْرَاخٍ فَاَضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً۔ (رواه فی شرح السنة) وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نَحْوُهٗ۔

حوالہ: البغوی فی شرح السنة: ۱/۳۰۳، باب حد المریض، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۹۱، ابن ماجہ: ۱۸۵، باب الکبیر والمریض، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۷۴۔

حل لغات: **الخدج:** ناقص ہونا، ادھورا ہونا، **سقیم:** بیمار، دکھی، **اماء:** جمع ہے، **امة:** کی

باندیاں، **خبث بالمرأة:** زنا کرنا، **عثکال العثکولة:** کھجوروں یا انگور کا گچھا، **شمراخ:** بڑی شاخ پر اگنے والی چھوٹی شاخ، **الحی محلہ:** عرب کے قبیلوں میں سے ایک چھوٹا سا قبیلہ۔

ترجمہ: حضرت سعید بن عبادۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو لے کر آئے، یہ آدمی قبیلہ میں ناقص الخلقت بیمار تھے، ان کو اس حال میں پایا گیا کہ محلہ کی باندیوں میں سے ایک باندی سے زنا کر رہے تھے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: کہ کھجور کی ایک بڑی ٹہنی لو، جس میں سو شاخیں ہوں، اس سے ان کے ایک ضرب لگاؤ۔ (شرح السنۃ) ابن ماجہ نے بھی اسی کے مانند روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایک شخص کے زنا کرنے کا تذکرہ ہے یہ صاحب ایسی بیماری میں مبتلا تھے جس سے شفاء کی امید نہیں تھی، سامنے باندی آگئی جس سے زنا کاری کر بیٹھے غیر محصن تھے لہٰذا سو کوڑوں کی حد کے مستحق ہوئے، بیماری کی وجہ سے حد جاری کرنا ممکن نہ تھا، اس لئے یہ حیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا کہ ایک ٹہنی لو جس میں باریک باریک سو شاخیں ہوں، اسی سے ایک دفعہ مارو، سب شاخیں: جس سے مس ہو جائیں اور ان کی سزا ہو جائے گی، یہ حیلہ شرعی ہے اس کی گنجائش ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۵، ہکذا فی الدر المنضود: ۶/۳۶۵)

تنبیہ: مذاہب ائمہ اور مزید وضاحت اس حدیث شریف کی ما قبل میں گذر چکی ہے۔ **"ان شئت فارجع الیہ"۔**

لواطت کی سزا

{۳۴۲۰} وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ۔ (رواه الترمذي وابن ماجه)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۷۰، باب ماجاء فی حد اللوطی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۵۶، ابن ماجہ شریف: ۱۸۴، باب من عمل عمل قوم لوط، کتاب

الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۶۱۔

حل لغات: عمل قصداً: کوئی کام کرنا، مصروف ہونا، **العمل:** کام ارادی فعل، مشغلہ۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط والا عمل کر رہا ہے تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں قوم لوط کے عمل کی شناعت کا ذکر ہے، اور اس عمل کا ارتکاب کرنے والوں کی سزا بیان ہوئی ہے، حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ قوم کفر و شرک کے علاوہ غیر فطری طور پر قضاء شہوت کرتی تھی یعنی "**مرد استلذاذ بالمثل**" کے مرتکب ہوتے تھے، جب حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے اس قوم کی بستیوں کو زمین سے اٹھالیا اور اوندھا کر کے زمین پر پھینک دیا، یہ ایسا بدترین عمل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ: "**لعن الله سبعة من خلقه من فوق سبع سموا ته وردد اللعنة على واحد منهم ثلاثا ولعن كل واحد منهم لعنة تكفيه قال ملعون من عمل عمل قوم لوط ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط**" اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے اور ان سات میں سے ایک پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے اور باقی پر ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔ اس طرح کے شخص کو عبرتناک سزا دی جائیگی قاضی قتل کا حکم کرنا چاہے تو قتل کرا دیے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۵۶)

لواطت فعل خلاف فطرت

انسان کے اندر جو طبعی داعیے اور تقاضے رکھے گئے ہیں ان میں ایک جنسی داعیہ بھی ہے، یہ انسان کیلئے صرف لذت اور عشرت سامانی ہی کا باعث نہیں، بلکہ اس کا اصل مقصود انسانیت کی بقاء اور نسل انسانی

کی افزائش ہے، اسی لئے جائز طور پر اس تقاضہ بشری کی تکمیل کو شریعت نے نہ صرف جائز قرار دیا، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، چنانچہ نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

اور آنحضرت ﷺ نے نکاح کی ترغیب دی اور تجرد کی زندگی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

لیکن اس کے لئے غیر فطری اور ناجائز راستے اختیار کرنا اسی قدر گناہ کی بات ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں حد درجہ ناپسند ہے، ایسے ہی غیر فطری طریقوں میں ایک یہ ہے کہ کوئی مرد دوسرے مرد سے یا غیر فطری راستے کے ذریعہ عورت سے اپنی خواہش نفس کی تکمیل کرے، چونکہ قوم لوط اس عمل کی مرتکب ہوئی تھی اور اسی وجہ سے اس بدکردار قوم پر اللہ کا عذاب آیا، اسی لئے اس شنیع فعل کو **"لواطت"** کہتے ہیں۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اسی فعل کیوجہ سے عذاب الٰہی نازل ہوا تھا منجانب اللہ یہ پوری قوم سنگسار کردی گئی اور فرش زمین اس پر پلٹ کر رکھ دیا گیا۔ (ہود: ۸۲)

آنحضرت ﷺ نے اس فعل کے ارتکاب کرنے والوں پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے، اسی لئے اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۹/۵۸)

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا شنیع فعل ہے کہ حیوانات بھی اس سے ناآشنا ہیں، اور خود صحت انسانی کے لئے انتہائی مضرت رساں عمل ہے، افسوس کہ آج یورپ میں اس غیر اخلاقی، غیر انسانی، غیر مذہبی اور غیر فطری فعل کو سند جواز دیدی گئی ہے اور طوفان ہوس نے ان کو اس طرح لپیٹ میں لے لیا ہے کہ وہ قانون فطرت کو دیکھنے اور سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ **"والی اللہ المشتکی"**

لواطت کی سزا

فقہاء کے یہاں یہ بات زیر بحث آئی ہے کہ آخر اس جرم کی سزا کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں کئی اقوال ہیں، جن میں تین زیادہ معروف ہیں، ایک یہ کہ لواطت بھی زنا کے حکم میں ہے، جو سزا زنا کی ہے وہی سزا اس جرم کی ہے، یہی رائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اسی کو حنابلہ کے یہاں ترجیح ہے اور شوافع کا بھی مشہور مذہب یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مرد، مرد کے پاس جائے تو وہ

دونوں زانی ہیں "اذا اتی الرجل الرجل فهما زانیان"۔ (سنن بیہقی فی حد اللوطی)

نیز خود اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو سنگسار فرمایا جو ظاہر ہے کہ زنا کی سزا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی سزا قتل ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس طرح کا بھی ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ ۹/۵۸ وشرح المہذب: ۲۰/۲۷)

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جس شخص کو اس فعل میں مبتلا پاؤ تو ان دونوں مردوں کو قتل کر دو "فاقتلوا الفاعل والمفعول به" (ابوداؤد شریف: کتاب الحدود)

حنیفہ سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں، لیکن قول مشہور کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر تعزیر واجب ہوگی نہ کہ حد زنا، البتہ یہ تعزیر جرم کے زیادہ اور کم ہونے کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ لواطت پر زنا کی تعریف صادق نہیں آتی اور دونوں کا ضرر بھی جداگانہ ہے زنا کی حرمت کا ایک اہم سبب نسب میں اشتباہ کا اندیشہ ہے اور ظاہر ہے کہ لواطت میں اس کا اندیشہ نہیں ہے۔

(بدائع الصنائع: ۷/۳۴)

جہاں تک اس روایت کی بات ہے جس سے شوافع نے استدلال کیا ہے، تو وہ بیہقی کی روایت ہے، اور اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمن ہیں، جن کو بعض محدثین نے کاذب (جھوٹا) تک قرار دیا ہے۔

(شرح تہذیب: ۲۰/۲۷)

قتل والی روایت کے نقطہ نظر کو تقویت پہنچاتی ہے، قتل از راہ تعزیر ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ قتل زنا کی حد نہیں، سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس جرم کے ارتکاب پر آگ میں جلانے کی سزا دی تھی۔

(المغنی لابن قدامہ: ۹/۵۸)

صدیقی دور کا واقعہ

دور صدیقی میں خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا کہ یہاں عرب کے ایک علاقہ میں ایک مرد ہے جس کے ساتھ عورت والا کام کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے لئے صحابہ کرام کو جمع کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب سوائے ایک قوم کے کسی نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ساتھ جو کیا اس کا علم سب کو ہے،

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے، دوسرے صحابہ کرام نے بھی اسی پر اتفاق کیا لہٰذا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو آگ میں جلا دینے کا حکم فرمایا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس کو آگ میں ڈالا جانا مروی ہے، صحابہ کرام کا مختلف دیگر سزا دینے کے لئے باہمی مشورہ اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم جو سزا مناسب سمجھے، اس عمل کی حد متعین نہیں ہے۔

بیوی کے ساتھ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایسی حرکت کرے تو یہ بھی سخت گناہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شدت کے ساتھ اس سے منع فرمایا۔ (ابن ماجہ شریف: **النهی عن الاتیان الحائض**)

یہ بھی فعل حرام ہے، البتہ اس کی وجہ سے بالاتفاق حد زنا جاری نہیں ہوگی۔

(المغنی لابن قدامہ: ۸/ ۵۴۸/ ۴)

ہاں عام اصول شریعت کے مطابق شوہر مستحق تعزیر ہوگا، خیال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شوہر اس جرم کا عادی ہو تو بیوی اسکے خلاف فسخ نکاح کیلئے دعویٰ دائر کرسکتی ہے، کیونکہ جس قسم کی مضرتوں اور ایذاء رسانیوں پر تفریق کی اجازت دی گئی ہے اس غیر فطری عمل کی مضرت اور ایذاء ان سے کم نہیں ہے واللہ اعلم۔

(قاموس الفقہ: ۵۹۴/ ۴)

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا

{۳۴۲۱} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَاقْتُلُوْهَا مَعَهُ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاشَأْنُ الْبَهِيْمَةِ قَالَ مَاسَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ اَرَاهُ كَرِهَ اَنْ يُؤْكَلَ لَحْمُهَا اَوْيُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ فُعِلَ بِهَا ذٰلِكَ. (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۹، باب ما جاء فیمن یقع علی البهیمة، کتاب

الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۵۵، ابو داؤد شریف: ۲/۶۱۳، باب فیمن اتی بهیمة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۶۴، ابن ماجه شریف: ۱۸۴/، باب من اتی ذات محرم، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۶۴۔

حل لغات: الشان: حالت، کیفیت، **ماشانک:** تم کو کیا ہوا، تمہارا کیا معاملہ ہے، تمہارا کیا حال ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس کو قتل کر دو، اور اسی کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کر دو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اس جانور کا کیا قصور ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اس سلسلہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ناپسند فرمائی کہ جس جانور کے ساتھ یہ عمل ہو چکا ہو اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مزنیہ جانور کو ذبح کرنے کی حکمت اور اس کے گوشت کا حکم:

بعض فقہاء نے اس کے ذبح کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رہے گا تو لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ یہ وہ جانور ہے جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں فحشاء کی اشاعت ہوگی اور بے حیائی اور بدکاری کا چرچا ہوگا، اس لئے آپ نے چاہا کہ یہ مادہ ہی ختم کر دیا جائے تاکہ بعد میں اس عمل کا چرچا نہ ہو، جہاں تک اس جانور کے گوشت کا تعلق ہے تو وہ حرام نہیں ہوتا بلکہ کراہت تنزیہہ آجاتی ہے، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا کہ ایسے جانور کا گوشت کھایا جائے، اور جہاں تک اس شخص کے قتل کا تعلق ہے تو وہ تعزیراً ہے لہٰذا امام کو اختیار ہے چاہے قتل کر دے یا کوئی اور سزا دیدے۔

(درس ترمذی: ۵/۱۰۹)

دوسری وجہ: ممکن ہے جانور کے حمل ٹھہر جائے اور عجیب الخلقت بچہ پیدا ہو اس لئے حضور

اکرم ﷺ نے اس جانور کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (بذل المجہود: ۱۲/۵۵۱، الدر المنضود: ۶/۳۶۰)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اتیان بہیمہ میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا مذہب صرف تعزیر ہے کسی کے نزدیک اس میں حد نہیں چنانچہ بذل میں ہے، "**فذهب الائمة الاربعة الى ان من اتى بهيمة يعزر ولا يقتل، والحديث محمول على الزجر والتشديد**" لیکن حاشیہ بذل میں ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں اس کا حکم مثل لواطت کے ہے۔

(کمافی الہدی لابن القیم: ۵/۴۱، احکام القرآن: ۳/۲۶۳، بذل المجہود: ۱۲/۵۵۱)

لواطت کی شناعت

{۳۴۲۲} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۷۰، باب ماجاء فی حد اللوطی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۵۷، ابن ماجه، ۱۸۴، باب من عمل عمل قوم لوط، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۶۵۳۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنی امت کے سلسلہ میں مجھے جس بات کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ان اخوف علی امتی عمل قوم لوط: لواطت گناہ کے اعتبار سے بہت بڑا گناہ ہے، آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے سلسلہ میں یہ خوف تھا کہ کہیں وہ اس میں مبتلا نہ ہو جائے، چنانچہ آج امت محمدیہ میں سے بہت سے لوگ اس غلیظ غیر فطری کام میں ملوث ہو کر غضب الٰہی کو خرید رہے ہیں، یہاں پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح مردوں کے ساتھ یہ غیر فطری عمل حرام ہے، اسی طرح عورتوں کے ساتھ بھی حرام ہے، روایت ہے کہ "**ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الله عزوجل الى رجل اتى رجلا او امرأة فى دبرها**" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک

وتعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، جو کسی مرد یا عورت کے ساتھ غیر فطری عمل کرتا ہے، اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کرنے والا بھی شدید وعید کا مصداق ہے، لہٰذا اس عمل کے قریب بھی نا جانا چاہیے۔ (فیض المشکوۃ:۶/۴۵۸)

حد قذف و حد زنا دونوں جاری ہونے کا ذکر

{۳۴۲۳} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ بَكْرِ بْنِ لَيْثٍ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ اَنَّهُ زَنٰى بِاِمْرَاَةٍ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَجَلَّدَهُ مِائَةً وَكَانَ بِكْرًا ثُمَّ سَاَلَهُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمَرْاَةِ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَجَلَّدَ حَدَّ الْفِرْيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۱۳، باب اذا اقر الرجل بالزنا، کان الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو بکر بن لیث کے ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ چار بار زنا کیا ہے، چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوڑے لگوائے اور وہ شخص غیر شادی شدہ تھا، پھر اس نے عورت کے خلاف گواہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا، عورت نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے، چنانچہ اس شخص کو تہمت کے کوڑے بھی لگائے گئے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی متعین عورت کی طرف نسبت کر کے اس کے ساتھ زنا کاری کا اقرار کرتا ہے۔ تو اگر اس نے چار مرتبہ اقرار کیا تو اس کو حد کی سزا دی جائے گی۔ یہ تو اس کا معاملہ ہو گیا، لیکن چوں کہ اس نے عورت پر الزام بھی لگایا ہے، اب اگر عورت اقرار کرتی ہے تو اس پر بھی حد جاری کی جائے گی، لیکن اگر عورت انکار کرتی ہے، تو الزام لگانے والے سے گواہوں کا مطالبہ ہوگا، گواہ پیش کر دے تو عورت پر حد جاری ہوگی اور گواہ پیش نہ کر سکا تو اس شخص پر حد قذف بھی جاری کی جائے گی۔

مذاہب ائمہ

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے حاشیہ بذل میں ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں جمہور اور حنفیہ کا اختلاف نقل کیا ہے، وہ یہ کہ اس صورت میں اقرار کرنے والے پر حد جمہور اور صاحبین کے نزدیک ہے، اور امام صاحب کے نزدیک حد نہیں، چنانچہ درمختار میں ہے: "**یثبت ایضاً باقرارہ صریحاً صاحیا ولم یکذبہ الاخر قال ابن عابدین، فلو اقر بالزنا بفلانۃ فکذبتہ درئ الحد عنہ سواء قالت تزوجنی، اولا اعرفہ اصلا، وان اقرت بالزنا بفلان فکذبہا فلا حد علیہا ایضا عندہ خلافاً لہما فی المسئلتین**"۔ یعنی اگر مرد یہ اقرار کرے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر حد زنا جب جاری ہوگی جب وہ عورت اس کی تصدیق کرے ورنہ نہیں اسی طرح عورت کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ زنا کا اقرار کرے کہ فلاں مرد کے ساتھ میں نے زنا کیا ہے لیکن مرد اس کی تکذیب کرتا ہے تو عورت پر بھی حد زنا جاری نہ ہوگی، اور صاحبین و جمہور کے نزدیک دونوں مسئلوں میں اقرار کرنے والے پر حد جاری ہوگی، خواہ دوسرا اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔ (بحر) اور دوسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ عورت کے انکار کے بعد حد قذف مرد پر جاری ہوگی یا نہیں تو بذل المجہود میں ہے کہ یہ عورت کے مطالبہ پر موقوف ہے کہ اگر مطالبہ کریگی تو حد قذف بھی جاری ہوگی ورنہ نہیں، اس میں دوسرے ائمہ کا اختلاف ہے، چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے "**قال ابن القیم فی الحدیث امران احدھما وجوب الحد علی الرجل وان کذبتہ المرأۃ خلافاً لابی حنیفۃ ان لا یحد والثانی لا یجب علیہ حد القذف**"۔ اسلئے ابن قیم نے اسکا جواب یہ دیا کہ یہ حدیث منکر ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، دوسرے ائمہ کے مذاہب اس میں باقی ہیں امام نووی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، کہ شافعیہ کے یہاں بھی اس صورت میں حد قذف ہے اسلئے کہ امام نووی نے "**امر انیس الاسلمی ان یاتی امرأۃ الآخر**" کی شرح میں جو اشکال نقل کیا ہے کہ حد زنا میں تجسس نہیں ہوتا ہے اور پھر اس کا جو جواب دیا ہے کہ یہ بھیجنا اقامت حد کے لئے نہیں تھا بلکہ اس عورت کو یہ بتلانے کے لئے فلاں شخص نے تجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے تو اگر اس کا انکار کرتی ہے تو تیرے لئے حد قذف کے مطالبہ کا حق ہے اور پھر اسکے بعد وہ فرماتے ہیں:

"وقد اخرج ابوداؤد والنسائی عن ابن عباس الخ"۔ یعنی وہی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی اس کے بعد کہتے ہیں: "وقد سکت علیہ ابوداؤد وصححہ الحاکم واستنکرہ النسائی"۔ اس سے شافعیہ کا مذہب بھی معلوم ہوگیا، کہ ان کے نزدیک بھی اس صورت میں حد قذف ہے، جس طرح حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن حنابلہ کے نزدیک نہیں ہے۔ (بذل المجہود: ۵۵۳/ ۱۲، الدر المنضود: ۶/۳۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کو سزا

{۳۴۲۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِيْ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ اَمَرَ بِالرَّجُلَيْنِ وَالْمَرْاَةِ فَضُرِبُوْا حَدَّهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۱۴، باب فی حد القذف، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۷۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری برأت نازل ہوئی، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اترے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں اور ایک عورت کے بارے میں حکم فرمایا، تو ان کو حد کے کوڑے مارے گئے۔ (ابوداؤد)

تشریح: صاحب مشکوۃ اس باب کے اندر رامت کے اندر جو سب سے بڑا قذف اور تہمت کا واقعہ ہوسکتا ہے اس سے متعلق حدیث کا ایک جز لائے ہیں، حدیث الافک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی: ۱/۵۹۲ اور صحیح مسلم کتاب التوبہ: "باب فی حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف"۔ اور ترمذی کی کتاب التفسیر سورۃ النور میں چند صفحات میں مذکور ہے۔ افک کا ذکر ابوداؤد میں "باب من لم یر الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم" میں بھی اشارۃ آیا ہے، "ولفظہ: عن عائشۃ وذکر الافک قالت جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکشف عن وجہہ وقال اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ان

الذین جاؤ بالافک عصبة منکم الآیة" یہاں اس باب میں یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءۃ کے بارے میں آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور ان آیات کے نزول کا ذکر فرمایا اور ان آیات کو تلاوت فرمایا (جو دس آیتیں ہیں جو سورہ نور میں ہیں) اور پھر منبر سے اترنے کے بعد دو مرد اور ایک عورت پر حد قذف جاری کرنے کا حکم فرمایا یعنی حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش۔

عبداللہ بن ابی پر حد قذف جاری کی گئی یا نہیں؟

اس روایت میں عبداللہ بن ابی کا ذکر نہیں آیا حالانکہ اسی کے بارے میں قرآن میں یہ ہے: "**والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم**" کتب صحاح میں تو عبداللہ بن ابی پر نہ حد جاری کرنے کا ذکر ہے، اور نہ تہمت لگانے کا، قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ اس سے قذف ثابت نہیں، ہاں وہ اس مسئلہ کو اچھالتا ضرور تھا، اور ریشہ دوانیاں کرتا تھا، "**بل الذی ثبت انہ کان یستخرجہ ویستوشیہ**" لیکن حافظ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: "**قلت وقد ورد انہ قذف صریحاً ووقع ذلک فی مرسل سعید بن جبیر عند ابن ابی حاتم وغیرہ، وفی مرسل مقاتل بن حیان عند الحاکم فی الاکلیل، بلفظ فرماھا عبداللہ بن ابی**" اور حافظ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بعض روایات مرسلہ میں وارد ہے کہ اس پر حد جاری کی گئی: "**اخرجہ الحاکم فی الاکلیل**" اور پھر انہوں نے اس کی ایک حکمت بھی بیان کی پھر حافظ نے اس رائے کا رد کرتے ہوئے وہ لکھا جو اوپر گذر گیا۔

(بذل المجہود: ۱۵۶۴/ ۱۲/ الدر المنضود: ۳۶۶/ ۶)

قذف سے متعلق بعض ضروری مباحث

قذف کے معنی پھینکنے (رمی) کے ہیں، تہمت اندازی بھی دوسرے کی شخصیت پر بہتان کے تیر پھینکنے ہی کا نام ہے، اسی مناسبت سے عیب تراشی اور سب وشتم کو "قذف" کہا گیا۔

شریعت کی اصطلاح میں زنا کی تہمت لگانے کا نام قذف ہے۔ (المغنی: ۶۷/ ۹)

کسی پاک دامن شخص پر بدکاری کی تہمت لگانا سخت گناہ اور مذموم بات ہے، قرآن نے اس کو نہ صرف قابل سرزنش جرم قرار دیا ہے بلکہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو فاسق کہا ہے۔ (النور: ۴)

ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں مستحق لعنت ہیں اور بڑے سخت عذاب کے لائق، "لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" ان پر دنیا و آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے اور ان کو اس دن زبردست عذاب ہوگا۔ (النور: ۲۳)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی باتوں سے بچو، پھر ان کو شمار کرایا، ان میں ایک یہ ہے کہ سادہ لوح پاک دامن، مسلمان عورت پر تہمت لگائی جائے۔ "إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ" اس کے حرام و باعث گناہ ہونے پر اجماع و اتفاق ہے۔ (النور: ۲۳)

انسانی عزت وآبرو کی اہمیت

شریعت اسلامی کا بنیادی مقصد ایک طرف اللہ کی عبادت و بندگی ہے، اور دوسری طرف انسان کے لئے ایسے نظام حیات کی تشکیل جس میں اس کے لئے سہولت و آسانی ہو، رحمت و سعادت ہو، تہذیب وشائستگی ہو، اور ایسا بوجھ نہ ہو کہ جسے وہ اٹھا نہ سکے، اس لئے انسان کی بنیادی ضروریات کی بہتر طریقہ پر تکمیل اسلام کا اہم ترین مقصد ہے، انہیں ضروریات میں ایک عزت وآبرو کا تحفظ ہے، عزت و ناموس انسان کے امتیازات میں سے ہے غور کرو کہ انسان میں جو قوت و توانائی ہوتی ہے کیا وہ جمادات میں نہیں ہے؟ کیا پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی بے رحم موجوں سے بھی اس کی قوت زیادہ ہے؟ حیات و زندگانی کا نظام کیا حیوانات کے ساتھ نہیں ہے؟ خورد و نوش ہو، دوڑ دھوپ ہو، بینائی ہو، قوت احساس ہو، اپنے مقابل کو زیر کرنا اور قابو میں لانا ہو، کتنے ہی جانور ہیں جو ان صفات میں انسان سے صد ہا درجات آگے ہیں اور انسان ان کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ انسان کو ایک حسین وجمیل جسمانی قالب عطا کیا گیا ہے لیکن اگر یہی اسکے لئے وجہ امتیاز ہے تو پھر وہ گلاب کی پنکھڑی، نرگس کی چشم ناز اور چاند کے رخ زیبا پر کیوں فریفتہ ہے؟

دراصل انسان کا اصل امتیاز اس کی عقل اور قوت فکر نیز اس کی عصمت و پاک دامانی ہے، اگر

انسان عقل سے محروم ہو تو سنگ و آہن اس سے عظیم ہے، اور اس کا دامن عصمت تار تار ہے تو حیوانات اور چوپائے کائنات کے لئے شاید ہی اس سے زیادہ نافع ہیں، اس لئے اسلام نے انسانی عفت و عصمت کی حفاظت کو بڑی اہمیت دی ہے، زنا کو نہ صرف منع کیا گیا بلکہ اس پر ایسی سزا مقرر کی گئی جو تمام سزاؤں سے زیادہ عبرت انگیز و موعظت خیز ہے اور وہ تمام راستے بند کر دیئے گئے جو بالواسطہ انسان کو اس شرمناک برائی تک لے جاسکتے تھے، جہاں ایک طرف اس برائی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور اس سے بچانے کا سر و سامان کیا گیا وہیں ان غیر ذمہ دار خسیس اور بے ہودہ لوگوں کے لئے بھی سخت سزا مقرر کی گئی جو کسی عفیف آدمی کے دامن آبرو کو داغدار کرنے کے درپے ہوں اور اس پر نا کردہ گناہ کی تہمت لگاتے ہوں، اسی سزا کو فقہ اسلامی کی اصطلاح میں "حد قذف" کہتے ہیں۔

دو صورتیں

تہمت اندازی تو بہر صورت گناہ بھی اور قابل سرزنش بھی، لیکن سرزنش کی نوعیت کے اعتبار سے اس کے دو درجات ہیں ایک وہ کہ جس پر قرآن کریم کی مقررہ حد واجب ہے دوسرے وہ کہ جس میں "حد قذف" کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے اس صورت میں تعزیر ہے، یعنی عدالت اپنی صوابدید سے اس کیلئے سزا مقرر کرے گی، اسلئے تہمت تراشی گناہ ہے اور ہر گناہ لائق تعزیر ہے۔ (البحر الرائق: ۴۲/ ۵)

جس پر حد شرعی جاری ہوتی ہے

قذف کی دوسری صورت وہ ہے کہ جس میں تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کی جاتی ہے، حد قذف اس وقت جاری کی جاتی ہے جب "احصان" کے حامل مرد یا عورت پر زنا کی صریح تہمت لگائی جائے، قرآن کریم میں اس جرم اور اس کی سزا صراحتہً ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہے:- **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً**۔ (النور: ۴) جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ۔

احصان سے مراد

احصان سے کیا مراد ہے؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ احصان قذف کے لئے پانچ شرطیں ہیں، جس پر تہمت لگائی جائے عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، مسلمان اور خود پاکدامن ہو، زنا سے متہم نہ ہو، مرد ہو یا عورت کسی بھی تہمت لگانا حد قذف واجب ہونے کا باعث ہے۔ (بدائع الصنائع: ۴۰/ ۷)

یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو وہ معلوم و متعین ہو، اگر ایسا نہ ہو تو حد قذف جاری نہیں ہوگی، مثلاً کسی شخص نے چند افراد سے مشترک طور پر کہا کہ تم میں سے ایک شخص زانی ہے، لیکن متعین نہ کرے کہ وہ کسی شخص کو مراد لے رہا ہے تو ایسے قذف پر حد جاری نہیں ہوگی۔ (بدائع: ۴۲/ ۷)

تہمت لگانے والے سے متعلق شرطیں

یہ شرطیں تو اس شخص سے متعلق ہیں جس پر تہمت لگائی گئی ہو، تین شرطیں خود تہمت لگانے والے سے متعلق ہیں، عاقل ہو، بالغ ہو، اور دعویٰ زنا کو چار گواہوں کے ذریعہ ثابت نہیں کر پایا ہو۔ (بدائع: ۴۰/ ۷)

اس کے علاوہ یہ بھی ضروی ہے کہ تہمت لگانے والا اس شخص کا باپ، دادا، ماں، نانی، یا مادری سلسلہ میں اس کا جد اعلیٰ نہ ہو۔ (بدائع: ۴۲/ ۷)

زنا کی صریح تہمت

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ زنا کی صریح تہمت ہو، مثلاً کسی شخص کے بارے میں کہے کہ اس نے زنا کیا ہے یا کسی شخص کی اس کے قانونی باپ سے نسبت کی نفی کردے، نیز اس طرح زنا کی تہمت لگائے جس کو ''زنا'' کہتے ہیں اور جو قابل تصور ہو اگر ایسا نہ ہو جیسے یوں کہے کہ تیری ران نے زنا کیا ہے، یا یہ کہ تو اپنی انگشت کے ذریعہ زنا کا مرتکب ہوا ہے یا کسی جانور کی طرف منسوب کرے تو یہ وہ قذف نہیں جس پر حد جاری ہو۔ (بدائع: ۴۲/ ۷)

یہ بھی ضروری ہے کہ اتہام مشروط نہ ہو، مشروط تہمت حد قذف کا باعث نہیں، جیسے یوں کہے کہ اگر تو

فلاں گھر داخل ہوتو زانی ہے، یاولدالزنا ہے وغیرہ۔(بدائع ۴۲/ ۷)

حدقذف کس ملک میں جاری ہوگی؟

دوسری شرعی سزاؤں کی طرح حدقذف کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مسلم مملکت ہو۔
(بدائع ۴۵/ ۷)

دراصل حدود قائم کرنااور شرعی سزاؤں کانافذ کرناامام المسلمین ہی کا حق ہے اور وہی اپنی شوکت و قدرت کے تحت حدود جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔(بدائع ۵۷/ ۷)

دعویٰ قذف کاحکم

تہمت لگانے کے خلاف قذف کادعویٰ کرنے کاحق دراصل اس شخص کا حق ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے، اس لئے اگر وہ زندہ ہوتو اسی کادعویٰ معتبر ہوگا، اور اگر زندہ نہ تو اس کے والدین اور اولاد وغیرہ کا حق ہے، کیونکہ قذف کی وجہ سے جو شرم وعار دامن گیر ہوتی ہے، وہ اس کے خاندان سے بھی متعلق ہوتی ہے۔(بدائع:۲/ ۷)

تاہم جب قذف کا جرم ثابت ہوجائے تو پھر خود وہ شخص بھی تہمت لگانے والے کواس سزا سے معاف اور بری نہیں کرسکتا یاتہمت لگانے والے سے صلح پر معاملہ نہیں کرسکتا۔(بدائع:۵۶/ ۷)

یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک یہ حقوق اللہ میں سے ہے اور اس سے مصلحت عامہ متعلق ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے معاف کرنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حقوق الناس میں سے ہے، لہٰذا متعلقہ شخص معاف کرسکتا ہے۔
(بدائع الصنائع:۵۶/ ۷)

حدقذف کی مقدار

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی کے لئے حدقذف اسی کوڑے ہیں اور غلام و باندی

کے لئے چالیس۔

حد قذف میں کوڑے اس طرح لگائے جائیں گے کہ جان جانے کا اندیشہ نہ ہو، سخت گرمی، سخت ٹھنڈک، بیماری اور نفاس میں مبتلا عورت پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ بلکہ ان اعذار کے دور ہونے کے بعد حد جاری ہوگی، اسی طرح ایک ہی عضو پر مسلسل نہیں مارا جائے گا نہ چہرہ نہ سر پر نہ پیٹ اور سینہ پر اور نہ شرمگاہ پر کوڑے لگائے جائیں حد قذف میں ضرب ہلکی رکھی جائیگی اور مجرم مرد ہو تو کھڑے ہو کر سزا دی جائے گی اور عورت ہو تو بٹھا کر۔ (بدائع الصنائع: ۵۹، ۶۰/ ۷)

حد قذف کا تداخل

قذف ان جرائم میں سے ہے کہ جس کی سزا میں ''تداخل'' ہوا کرتا ہے یعنی اگر ایک شخص نے ایک شخص پر متعدد بار زنا کی تہمت لگائی، متعدد ایام میں لگائی، ایک ہی کلمہ یا متعدد کلمات میں کئی لوگوں پر تہمت لگائی، تو یہ حد ان تمام تہمتوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی، ہاں اگر ایک دفعہ کی سزا پانے کے بعد پھر دوبارہ تہمت لگائی، تو اگر دوبارہ تہمت کسی اور پر لگائی ہے تب تو دوبارہ حد جاری ہوگی اور اگر اسی شخص پر سزا پانے کے بعد بھی مجرم اپنے الزام کا اعادہ کرتا ہو تو اس پر دوبارہ حد جاری نہیں ہوگی۔

(البحر الرائق: ۳۹، ۴۰/ ۵)

دوسرے فقہاء بھی حد قذف میں تداخل کے قائل ہیں۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۸۸/ ۹)

قذف ثابت کرنے کا طریقہ

قذف کا جرم ثابت کرنے کی دو صورتیں ہیں، اقرار یا گواہان، اقرار کے لئے عاقل، بالغ اور ناطق ہونا ضروری ہے، گونگے کا اقرار معتبر نہیں ہے، اقرار کیلئے کوئی تعداد مطلوب نہیں، ایک دفعہ بھی اقرار کرلے تو کافی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۵۰/ ۷)

قذف کا اقرار کرنے کے بعد اس سے رجوع معتبر ہے۔ (البحر الرائق: ۳۶/ ۵)

گواہان کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ دو مرد گواہ ہوں اور ان کی گواہی براہ راست ہو، یعنی ان کے سامنے

تہمت لگ انے والے نے تہمت لگائی ہو یا تہمت کا اقرار کیا ہو، بالواسطہ گواہی **(شهادة على الشهادة)** معتبر نہیں۔ (بدائع الصنائع:۴۶/۷)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد ودقسم یا انکار قسم سے ثابت نہیں ہوتی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مدعی گواہان نہ پیش کر سکا تو مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائیگا، اور اگر وہ قسم سے انکار کرتا تو اسے مدعی کی تصدیق تصور کیا جائے گا، جیسا کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔ (المغنی: لابن قدامۃ:۹۰/۹)

جب حد قذف ساقط ہو جاتی ہے!

بعض صورتوں میں حد قذف ساقط ہو جاتی ہے

(۱)......جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ خود اپنے گواہوں کی گواہی کو جھوٹی گواہی قرار دے۔

(۲)......گواہان حد جاری ہونے سے پہلے ہی اپنے بیان سے رجوع کر لیں۔

(۳)......گواہان میں سے کسی کی گواہی کی اہلیت حد جاری ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے، جیسے پاگل ہو جائے یا اس کا فسق وفجور ظاہر ہو جائے۔ (بدائع الصنائع:۶۲/۷)

(۴)......جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو اور اس نے تہمت لگانے والے کے خلاف دعویٰ کیا ہو، یا اس کی وفات ہو جائے۔ (البحر الرائق:۳۶/۵، القاموس الفقہ:۴۷۹/۴)

{الفصل الثالث}

غلام پر حد زنا کا نفاذ

{۳۴۲۵} عَنْ نَافِعٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ اَبِيْ عُبَيْدٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيْقِ الْاِمَارَةِ وَقَعَ عَلٰى وَلِيْدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتّٰى

اِفْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ وَلَمْ يَجْلِدْهَا مِنْ اَجْلِ اَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۱۰۲۷/۲/۱۰۲۸، باب اذا استکرهت المرأۃ، کتاب الاکراہ، حدیث نمبر: ۶۹۴۹۔

حل لغات: الامارت: حکومت منصب، حاکم، ریاست، اسٹیٹ، **الولیدۃ:** باندی، نابالغ لڑکی، **استکرہ فلانۃ:** عورت کو بدکاری پر مجبور کرنا، **افتض:** پردہ بکارت کو زائل کرنا۔

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ان کو صفیہ بنت ابوعبید نے بتایا کہ حکومت کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس کی ایک باندی سے زنا کیا اور اس کے ساتھ زبردستی کی، یہاں تک کہ اس کے پردہ بکارت کو زائل کردیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلام کے کوڑے لگوائے، اور باندی کے درے نہیں لگوائے، اس لئے کہ اس کے ساتھ غلام نے زبردستی جماع کیا تھا۔ (بخاری)

تشریح: غلام خواہ محصن ہو یا غیر محصن اس کی زناکاری کی سزا پچاس کوڑے ہیں جو شخص زنا بالجبر کرے گا، اس کو تو اس کے حسب حال سزا دی جائے گی لیکن جس کے ساتھ بالجبر زنا ہوگا، اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی جائے گی۔

عن نافع: یہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں رواۃ حدیث میں ان کا رتبہ قابل رشک ہے، "**ان صفیۃ بنت ابی عبید**" عبید مصغر ہے اور حضرت صفیہ بنت ابوعبید ثقفیہ یہ مختار ابن ابوعبید کی بہن اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی سماعت تو کی ہے لیکن آپ سے اس کی کوئی روایت نہیں کی ہے البتہ حضرت عائشہ وحضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، "**اخبرته**" یعنی حضرت نافع کو حضرت صفیہ نے بتایا "**ان عبدا من رقیق الامارۃ**" امارہ میں ہمزہ کو کسرہ ہے یعنی خلافت اسلامیہ کے غلاموں میں سے اور یہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی "**وقع علی ولیدۃ وقع علی**" جماع سے کنایہ کیلئے عام طور پر مستعمل ہے اور اگلے جملہ کی دلالت اس پر ہے کہ اسکے معنی جماع کا ارادہ کیا کے ہیں، "**فاستکرھھا**" اس غلام نے اس باندی کو بدکاری کرانے پر زبردستی کی اسکو مجبور کردیا، "**حتی افتضھا**" یہ عام طور پر قاف اور ضاد کی تشدید کیساتھ مشکوۃ کے نسخوں میں ہے اور ایک نسخہ میں بجائے قاف کے فاء کیساتھ ہے، مغرب میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں: "**اقتض**

الجارية ذهب بقضتها وهی بکارتها۔ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاف اور ضاد کیساتھ ہے جس کے معنیٰ اسکی بکارت زائل ہوگئی "**القضة**" کسرہ کیساتھ لڑکی کی بکارت کے معنیٰ میں ہے اور عسقلانی نے بھی قریب قریب یہی معنیٰ بیان کئے ہیں "**فجلده**" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے کوڑے لگائے "**خمسين جلدة**" چونکہ یہ غیر شادی شدہ اور غلام تھا اسلئے اس کو نصف حد یعنی پچاس کوڑے لگائے گئے "**ولم يجلدها**" اور باندی کو کوڑے نہیں مارے "**من اجل انه استكرهها**" اس لئے کہ اس کو غلام نے بدفعلی پر مجبور کیا تھا۔ (انوار المصابیح: ۶/۵۵۶، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۸۰)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے زنا کا تفصیلی واقعہ

{۳۴۲۶} **وَعَنْ** يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيْمًا فِیْ حِجْرِ اَبِیْ فَاَصَابَ جَارِيَةً مِنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِیْ اِئْتِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ وَاِنَّمَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ رَجَاءَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ مَخْرَجًا فَاَتَاهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّیْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللهِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّیْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللهِ حَتّٰى قَالَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ اِنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَبِمَنْ قَالَ بِفُلَانَةٍ قَالَ هَلْ ضَاجَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ بَاشَرْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ جَامَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ بِهٖ اَنْ يُرْجَمَ فَاُخْرِجَ بِهٖ اِلَى الْحَرَّةِ فَلَمَّا رُجِمَ لَوَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَجَزِعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ اُنَيْسٍ وَقَدْ عَجَزَ اَصْحَابُهُ فَنَزَعَ لَهُ بِوَظِيْفِ بَعِيْرٍ فَرَمَاهُ بِهٖ فَقَتَلَهُ ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهُ اَنْ يَّتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللهُ عَلَيْهِ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۰۶، باب فی رجم ماعز بن مالک، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۱۹۔

حل لغات: الحجر: گود، حفاظت، حمایت، **ھو فی حجر فلان:** وہ فلاں کی حفاظت میں ہے، **الحی:** محلہ، عرب کے قبیلوں میں سے چھوٹا قبیلہ، **رجاءً:** امید کرنا، توقع کرنا، **الکتاب:** (علاوہ دیگر معنوں کے) فیصلہ، حکم، اسی معنی میں ہے، **لاقضین بینکما بکتاب اللہ** میں تمہارے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا، **اقام الشرع:** شریعت پر عمل کرنا، **ضاجعہ:** کسی کے ساتھ لیٹنا، **ضاجع المرأۃ** عورت سے ہم بستری کرنا، **باشر:** عورت سے جماع کرنا، ایک شئ کو دوسری شئ کے ساتھ ملانا، **اخرج الشیئ:** نکالنا، بھیجنا، **مس بشوط:** کوڑے مارنا، **مس الشیئ:** لگنا، لاحق ہونا، **جزع:** گھبرانا، بے تاب ہونا، وغیرہ، **عجز عن الشیئ:** بے بس ہو جانا، تنگ آنا، زچ ہونا، **اشتد عدوہ:** تیز دوڑنا، **لنزع الشیئ عن مکانہ:** کسی چیز کو اسکی جگہ سے نکالنا، کھینچ کر لانا، نکالنا، **الوظیف:** اونٹ یا گھوڑے وغیرہ کے پنڈلی کی ہڈی، **تاب توبۃ:** توبہ کرنا، گناہ سے باز آنا، **تاب اللہ علی عبدہ:** معاف کرنا، توبہ کی توفیق دینا۔

ترجمہ: حضرت یزید بن نعیم بن ہزال اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک یتیم تھے، میرے والد کے آغوش پرورش میں تھے، وہ قبیلہ کی ایک لڑکی کے ساتھ زنا کاری میں مبتلا ہو گئے، تو میرے والد نے ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ، اور جو تم نے کیا ہے کہ اس کی اطلاع آپ ﷺ کو دو، ممکن ہے کہ آپ ﷺ تمہارے لئے مغفرت طلب کریں، اور ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ان کو اس بات کی امید تھی کہ ان کے لئے کوئی راستہ نکل آئے گا، چنانچہ ماعز آپ ﷺ کے پاس آئے، اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے زنا کیا ہے، لہذا آپ ﷺ میرے اوپر کتاب اللہ کا حکم قائم فرما دیجئے، آپ ﷺ نے اس سے اعراض کیا تو وہ دوبارہ آگئے، اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میں نے زنا کیا ہے، لہذا آپ ﷺ میرے اوپر کتاب اللہ کا حکم قائم کر دیجئے، یہاں تک کہ یہ بات انہوں نے چار مرتبہ عرض کی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کہ یہ بات تم نے چار مرتبہ کہی ہے تم نے یہ کام کس کے ساتھ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں عورت کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم اس کے پاس لیٹے تھے، انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کیا تم نے اپنے بدن کو اس کے بدن کے ساتھ ملایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کیا تم نے اس سے صحبت کی تھی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، چنانچہ

آپ ﷺ نے ان کے رجم کئے جانے کا حکم کیا، تو ان کو حرہ کی طرف لے جایا گیا، پس جب رجم کیا جانے لگا اور انہوں پتھر کی چوٹ محسوس کی تو وہ گھبرا اٹھے، اور وہاں سے تیزی سے بھاگے، چنانچہ ان کو عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ملے، جب کہ ان کے ساتھی تنگ آ چکے تھے، چنانچہ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر ماری تو اس سے ان کی موت واقع ہوگئی، پھر وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیا، ممکن تھا کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا۔ (ابو داؤد)

تشریح: عن ابیہ: یعنی حضرت نعیم سے روایت کیا۔

کان ماعز بن مالک یتیما فی حجر ابی: حجر" حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور کبھی کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ماعز یتیم تھے اور میرے باپ حضرت ہزال کی تربیت میں تھے۔

فاصاب جاریۃ: یعنی ایک باندی سے انہوں نے وطی کی، "**من الحی**" اس سے مراد قبیلہ ہے نہ کہ محلہ۔

فقال لہ ابی: ان سے میرے باپ ہزال نے کہا "**ائت**" یہ الاتیان سے امر ہے، مطلب یہ کہ حاضر ہو "**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" کی خدمت میں۔

فاخبرہ بما صنعت: اور آنحضرت ﷺ کو تم جو کر بیٹھے ہو اس کی خبر دو۔ **لعلہ یستغفر لك**: شاید رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں اور تمہارا گناہ معاف ہو جائے، "**انما**" اور ایک نسخہ میں "**وانما**" ہے "**یرید**" ایک نسخہ میں '**ھو یرید**' ہے "**بذالک**" یعنی یہ جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہونے اور اپنی اس خطا کو بتانے کی جو بات ان سے کہی اس سے وہ یہ ارادہ کر رہے تھے اس سے ان کا مقصد تھا۔

رجاء ان یکون لہ مخرجا: یہ توقع کہ آپ کے استغفار سے گناہ کی لعنت سے ان کو چھٹکارا حاصل ہو جائے کہ ان پر حد جاری کی جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک قلتھا اربع مرات: رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا تم نے چار مرتبہ یہ کلمات کہے اور زنا کا اقرار کیا تو گویا کہ تمہارا زنا کرنا اب شرعی طور پر ثابت ہو چکا تو یہ بتاؤ"**فیمن**"کس کے ساتھ تم نے زنا کیا؟ علامہ قاری نے کہا یہ صریح دلیل ہے اس کی کہ اقرار زنا میں عدد مذکور کا اعتبار ہے۔

قال بفلانة: انہوں نے کہا فلاں سے یعنی مزنیہ عورت کو بتایا۔

قال ہل ضاجعتہا: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی معانقہ کرنے کے لئے ہیں، یعنی کیا تم نے اس سے معانقہ کیا ہے۔ "**قال نعم**" انہوں نے کہا ہاں "**قال هل باشرتها قال نعم**" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی کیا تمہاری کھال اسکی کھال سے ملی ہے، کنایۃً اس سے جماع ہی مراد لیا ہے، "**قال نعم**" انہوں نے کہا ہاں، "**قال هل جامعتها**" آپ نے فرمایا کیا تم نے اس سے جماع کیا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ کسی طرح یہ اپنے اقرار سے باز آجائے مگر وہ برابر ہر ہر چیز کا اقرار کرتا رہا اور اپنی بات پر جما رہا۔ "**قال نعم**" انہوں نے کہا ہاں، یعنی ان کے چار مرتبہ چار مجالس میں اقرار زنا کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز میں کنایہ کے لفظوں میں اور صراحتاً پھر دریافت فرمایا اب بھی وہ مسلسل اقرار کرتے رہے تو، "**قال**، راوی نے کہا "**فامر به ان يرجم**" آپ نے ان کے سنگسار کیئے جانے کا حکم فرمایا "**فاخرج به**" یہ مجہول ہے، "**الى الحرة**" ابن ہمام نے فرمایا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ "**فرجمناه يعنى ماعزاً بالمصلى**" اور مسلم، ابو داؤد میں ہے، "**فانطلقنا به الى بقيع الغرقد والمصلى كان به**" یعنی مسلم اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ ہم انکو بقیع غرقد میں لیکر گئے اور مصلی وہیں تھا اسلئے کہ مصلی سے مراد جنازہ کی نماز کا مصلی ہے تو اس طرح دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا اس لئے کہ پہلی حدیث میں بقیع غرقد کا ذکر بغیر مصلی کے ذکر کے ہے، اور اس حدیث میں بقیع غرقد کا ذکر ہے مصلی وہیں تھا، اور ترمذی شریف اور زیر تشریح حدیث میں جو یہ ہے کہ چوتھی مرتبہ اقرار کے بعد آپ نے ان کے رجم کا حکم دیا پس ان کو حرہ کی طرف لیجایا گیا اور سنگسار کیا گیا اس کی تاویل یہی ہے کہ سنگسار کئے جانے کے وقت جب وہ بھاگے تو انکا پیچھا کیا گیا اور پھر انکو حرہ لے جایا گیا یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ صحاح اور حسان کی روایتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شروع میں ان کو سنگسار کرنے کے لئے حرہ نہیں لے جایا گیا جیسا کہ ابھی مسلم اور ابو داؤد کی حدیث سے معلوم ہوا کہ بلکہ بھاگتے ہوئے وہ

حرہ پہنچے تھے اور پھر وہاں وہ پکڑے گئے اور وہیں بقیہ سنگسار کیا گیا۔ **"فلما رجم فوجد مس الحجارة"** علامہ قاری نے یعنی پتھروں کے لگنے کی تکلیف جب ان کو لاحق ہوئی **"فجزع"** یعنی وہ بے تاب ہو گئے اور صبر نہ کر سکے، **"فخرج یشتد"** یعنی تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکلے جہاں ان کو سنگسار کیا جا رہا تھا، **"فلقیه عبد الله ابن انیس"** انیس مصغر ہے یعنی ان کو پا گئے عبد اللہ ابن انیس **"وقد عجز اصحابه"** یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عبد اللہ ابن انیس کے ساتھی کے تنگ آجانے کو بتا رہے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ماعز کے وہ ساتھی جوان کو سنگسار کر رہے تھے وہ مراد ہوں، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے یہ جملہ حالیہ ہے **"فنزع له بوظیف بعیر"** عبد اللہ نے اس کے لئے اونٹ کے پاؤں کی ہڈی **"فرماه فقتله"** اس ہڈی کو انہوں نے نے پھینک کر مارا پس اسی سے وہ جان بحق ہو گئے، **"ثم اتی النبی صلی الله علیه وسلم"** یعنی یہی عبد اللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے **"فذکر ذالك"** اس کے بعد انہوں نے حضرت ماعز کی بے تابی اور پھر انکار بھاگنا بتایا تو آپ نے فرمایا **"هلا ترکتموه"** تم نے ان کو کیوں نہ چھوڑ دیا **"لعله ان یتوب"** ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتے" علامہ قاری نے یہی مراد لیا ہے، **"فیتوب الله علیه"** یعنی اللہ ان کی توبہ کو قبول فرما لیتا اور ان کے گناہ کو بلا سنگسار کے ہی معاف فرما دیتا وہ تو ارحم الراحمین ہے اس کے لئے کیا دشوار تھا۔ (انوار المصابیح: ۵۵۸/۶، مرقاۃ المفاتیح: ۸۱/۴)

فوائد: اس حدیث میں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ زنا کی تفصیل ہے اسے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱)...... ماعز یتیم تھے اور ہزال کے زیر تربیت تھے۔

(۲)...... قبیلہ ہی کی ایک لڑکی کے ساتھ زنا کاری میں مبتلا ہو گئے تھے۔

(۳)...... ان کے مربی ہزال نے نیک نیتی کے ساتھ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کا مشورہ دیا۔

(۴)...... انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر چار مرتبہ اقرار کیا، معلوم ہوا کہ جب اقرار کرنے والا چار بار اقرار کرے گا تب حاکم اس کے لئے حد کا فیصلہ کرے گا۔

(۵)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا نیز تلقین عذر کیا، تا کہ سزا جاری کرنے کی نوبت نہ

آئے، لیکن جب اس نے رجوع نہیں کیا اور محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ ماعز نے واقعی زنا کیا اور وہ محصن بھی ہیں تو ان کے لئے رجم کا فیصلہ کیا گیا۔

(۶)......مقام رجم لے جا کر جب ان پر سنگ باری کی گئی تو حواس باختہ ہو کر بھاگے، ایک صحابی عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے ان کو اونٹ کی ہڈی ماری جس کی ضرب سے وہ فوت ہو گئے۔

(۷)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ان کو چھوڑا کیوں نہ گیا ہو سکتا ہے ان کا بھاگنا رجوع کی بنا پر تھا اور وہ اللہ سے توبہ کرتے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے۔ (فیض المشکوۃ: ۴۶۲/ ۶، الدر المنضود: ۳۴۲/ ۶)

کثرت زنا کی وجہ سے آنے والی مصیبت

{۳۴۲۷} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الزِّنَا إِلَّا أُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرُّشَا إِلَّا أُخِذُوْا بِالرُّعْبِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۰۵/۴۔

حل لغات: السنة: یہ اصل میں، **السنهة:** تھا لام کلمہ یعنی ہا کو حذف کر کے اس کی حرکت فتحہ کو عین کلمہ نون کر دیا گیا، **قحط:** خشک سالی، **الرشا:** جمع ہے، **الرشوة:** کی وہ رقم کو ابطال حق یا احقاق باطل یا اپنے مفاد کیلئے کسی کو دی جائے، **الرعب:** ڈر، خوف، گھبراہٹ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس قوم میں بھی زنا کی کثرت ہو گی اس کو قحط سالی میں پکڑا جائے گا، اور جس قوم میں بھی رشوت عام ہو گی اس پر رعب طاری کر دیا جائیگا۔ (مسند احمد)

تشریح: زنا کاری ایک بدترین گناہ ہے اس کی بنا پر جو خرابیاں وجود میں آتی ہیں ان میں ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ جس جگہ زنا عام ہوتا ہے وہاں بھوک مری عام ہو جاتی ہے، اسی طرح رشوت کی لعنت کی جہاں بہت سی قباحتیں ہیں، ایک بہت بڑا وبال یہ ہے کہ جو قوم رشوت خوری میں ملوث ہو جاتی

ہے،اس کے اندر سے خود داری ختم ہو جاتی ہے اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور وہ خوف کے سائے میں زندگی گذارتی ہے۔

الا اخذو بالسنة: سین اور نون کو فتحہ ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غالباً زنا کی وجہ سے قحط اور خوشک سالی کی سزا اس لئے ہے کہ زنا سے نسل کا باطل کرنا لازم آتا ہے اور قحط کھیتی کو باطل و ہلاک کر دیتا ہے تو گویا جس نتیجہ کا گناہ تھا اسی نتیجہ کی سزا دی جاتی ہے، ابطال نسل فساد ہے اسی طرح اہلاک حرث بھی فساد ہے، اور قرآن کریم میں فرمایا گیا: **ویہلك الحرث والنسل والله لا یحب الفساد.** اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (سورہ البقرہ)

ومامن قوم یظہر فیہم الرشاد: راء کو ضمہ اور راء کو کسرہ دونوں صحیح ہیں، نہایہ میں ہے کہ راشی وہ ہوتا ہے جو کوئی چیز اس شخص کو دے جو باطل پر اس کی مدد کرے اور مرتشی لینے والے کو کہتے ہیں اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو ان دونوں کے درمیان کوشش کرتا ہے یعنی یا تو رشوت کی مقدار گھٹانے میں یا اسکی مقدار بڑھانے میں کوشش کرتا ہے۔

الا اخذو بالرعب: راء کو ضمہ عین ساکن ہے اور دونوں کو ضمہ کی بھی لغت ہے معنی خوف وغیرہ کے ہیں، شان یہ ہے کہ حاکم جب رشوت خور نہیں ہوتا تو اپنے فیصلہ پر وہ آزاد ہوتا ہے، اور شریف و رذیل میں اپنے حکم و فیصلہ میں کوئی فرق نہیں کرتا اور جب رشوت خوری کرتا ہے تو وہ خائف ہوتا ہے اور رشوت کے برا انجام جس کا ظہور کبھی دنیا میں بھی ہوتا ہے سے ڈرتا رہتا ہے۔

(انوار المصابیح: ۵۶۰ / ۶، فیض المشکوۃ: ۴۶۲ / ۶، مرقاۃ المفاتیح: ۸۲ / ۴، شرح الطیبی: ۱۶۹ / ۷)

لوطی ملعون ہے

{۳۴۲۸} **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ۔** (رواہ رزین) **وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَهُمَا وَاَبَا بَکْرٍ هَدَمَ عَلَیْهِمَا حَائِطًا۔**

حوالہ: رزین۔ لم یوجد

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔ (رزین) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو جلا دیا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دونوں پر دیوار گرادی۔

تشریح: جو شخص غیر فطری عمل کرے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون قرار دیا ہے، ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے اور ان میں سے ایک پر تین دفعہ لعنت بھیجی اور باقی پر ایک دفعہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو قوم لوط جیسا عمل کرتا ہے، چوں کہ اغلام بازی غیر فطری عمل ہے، اس کی شرعاً، طبعاً عقلاً کہیں سے کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اس عمل کو انجام دینے والے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا ہے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ لوطی کی کوئی متعین سزا نہیں ہے، امام وقت جو سزا دینا چاہے دے، لیکن عادی مجرم کو سخت سزا دی جائے، اسلئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایسے خبیث لوگوں کو سخت سزائیں دی ہیں۔

ملعون من عمل: عمل قوم لوط، لواطت کرنے والا ملعون ہے، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہے، خلاصہ حدیث میں وہ حدیث نقل ہوئی ہے، جس میں سات لوگوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور ان میں سب سے شدید ترین لعنت کا مصداق لوطی کو قرار دیا ہے، کیوں کہ اس کے ملعون ہونے کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے، صاحب مرقات نے اس موقع پر ایک روایت نقل کی ہے، جس میں ان ساتوں لوگوں کا تذکرہ ہے۔

ملعون من سب اباہ، ملعون من سب امہ، ملعون من ذبح بغیر اللہ، ملعون من غیر حدود الارض، ملعون من کمہ اعمی، ملعون من وقع علی بھیمۃ، ملعون من عمل عمل قوم لوط۔

(ملعون ہے وہ شخص جو اپنے باپ کو گالی دے، ملعون ہے وہ شخص جو اپنی ماں کو گالی دے، ملعون ہے وہ شخص جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے، ملعون ہے وہ شخص جو سلطنت اسلامیہ کی سرحدوں

میں ردوبدل کرے، ملعون ہے وہ شخص جو اندھے کو غلط راستہ بتائے، ملعون ہے وہ شخص جو جانور سے بدفعلی کرے، اور ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط جیسا عمل کرے)

وفی روایة له: رزین کی ایک روایت میں ہے، "ان علیا احرقهما" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوطی فاعل اور مفعول دونوں کو جلانے کا حکم کیا۔

وابابکر ہدم علیہما حائطا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گرانے کا حکم فرمایا، معلوم ہوا کہ لوطی کو امام اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے گا، کیونکہ وطی کی سزا تعزیر ہے۔

(فیض المشکوٰۃ: ۴۶۲/۶، انوار المصابیح: ۵۶۱/۶، مرقاۃ المفاتیح: ۸۲/۴)

لوطی نظر کرم سے محروم ہے

{۳۴۲۹} **وَعَنْهُ** اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوْ اِمْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۲۲۰/۱، باب ماجاء فی کراهیة اتیان النساء فی ادبارهن، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نگاہ کرم نہیں فرماتے ہیں جو کسی مرد یا عورت سے اس کے پیچھے مقام میں صحبت کرتا ہے۔ (ترمذی) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: غیر فطری عمل خواہ مرد سے ہو یا عورت سے نہ صرف گناہ اور حرام ہے بلکہ یہ ایک گھناؤنا اور نہایت شنیع فعل ہے، عقلاً شرعاً طبعاً ہر اعتبار سے مذموم ہے، جو شخص اس غلیظ حرکت کا مرتکب ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں اور اس پر رحم و کرم کی نگاہ نہیں ڈالتے ہیں

لا ینظر اللہ عزوجل: اللہ تعالیٰ کسی مرد یا عورت سے لواطت کرنے والے پر رحمت کی نظر نہیں فرماتے، معلوم ہوا کہ لواطت بہر صورت حرام ہے، خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ ہو، خواہ اجنبی

عورت کے ساتھ ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ ہو۔

نظر نہ کرنے سے مراد نظر رحمت نہ کرنا ہے ایسے شخص پر غیظ وغضب کی نظر تو ہوگی ہی، **"عزفلان"** کے معنی صاحب عزت ہونا طاقتور ہونا برتر ہونا اور اللہ تعالیٰ ان تمام صفات سے موصوف ہے۔ **"لاشك فيه"** اور **"جل جلالا"** کے معنی بلند رتبہ ہونا، شاندار ہونا بڑا ہونا۔

حدیث حسن: صحیح وہ حدیث ہے جو عادل، قوی الحافظ بہترین راوی کے ذریعہ نقل کی گئی ہو، وہ معلل نہ ہو، شاذ نہ ہو، اگر یہ تمام صفات پائی جائیں تو وہ صحیح لذاتہ ہے اور اگر ان صفات میں کسی درجہ کا قصور ہو لیکن وہ قصور کثرت طرق کی وجہ سے ختم ہو جائے اور تو وہ صحیح لغیرہ ہے اور اگر یہ کمی کثرت طرق کے ذریعہ دور نہ ہو رہی ہو تو وہ حسن لذاتہ ہے اور جس روایت میں صحیح روایت کے لئے معتبر شرائط کل یا بعض مفقود ہوں تو وہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف حدیث کے اگر طرق متعدد ہوں اور اس طرح اس کا ضعف ختم ہو رہا ہو تو وہ حسن لغیرہ ہے **"غریب"** اگر حدیث صحیح کا راوی صرف ایک ہو تو حدیث غریب ہے۔

(انوار المصابیح: ۵۶۱/۶، مقدمہ مشکوۃ: ۵)

جانور سے صحبت کرنے والے کا حکم

{۳۴۳۰} وَعَنْهُ قَالَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَلاَ حَدَّ عَلَيْهِ (رواه الترمذى) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ وَهٰذَا اَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الْاَوَّلِ وَهُوَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۷۰/۱، باب ما جاء فیمن یقع علی البهیمة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۵۵، ابو داؤد شریف: ۲۱۳/۲، باب فیمن اتی البهیمة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد) ترمذی سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کہ یہ اس پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو شخص کسی جانور سے بدفعلی کرے اس کو قتل کر دو، اور اہل علم

حضرات کا عمل اسی پر ہے۔

تشریح: ھذا: یعنی یہ حدیث "**اصح من حدیث الاول وھو**" یعنی یہ حدیث پہلی حدیث سے اصح ہے اور پہلی حدیث "**من اتی بھیمة فاقتلوہ**" جو شخص کسی چوپائے سے بدکاری کرے اسے قتل کردو، ہے "**والعمل علی ھذا**" یعنی عمل اسی پہلی حدیث پر ہے، یعنی "**من اتی بھیمة فلا حد علیہ**" جو شخص کسی چوپائے سے بدکاری کرے اس پر حد نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے پہلی سے یہ اصح ہے اسلئے کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسکو ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ یہ سند کے اعتبار سے اصح ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ اصح کہنے سے انکی مراد یہ ہو کہ یہ حدیث موقوف اس حدیث مرفوع سے اصح ہے واللہ اعلم۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸۲، ۸۳ / ۴)

وطی بالبھیمۃ کا حکم

یہاں دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ بھیمہ کے ساتھ وطی کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ دوسرا یہ کہ اس بھیمہ کا کیا حکم ہے جس کے ساتھ وطی کی گئی ہے، ان دونوں مسئلوں میں فقہاء کی روایات کافی مختلف ہیں، یہاں صرف احناف کا نقطہ نظر بیان کیا جائے گا۔

مسئلہ اولیٰ

بھیمۃ: کیساتھ وطی کرنے والے کا حکم حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ اس کی حد شرعا مقرر نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے جس کی مقدار مقتضائے حال کے مطابق امام تجویز کرسکتا ہے۔ (شامی: ۲۶ / ۴)

دلائل

جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "**من اتی بھیمة فلا حد علیہ**" جو شخص کسی چوپائے سے بدکاری کرے اس پر حد نہیں ہے۔ (ترمذی شریف: ۲۷۰ / ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حد جاری فرمائی۔ (کتاب الآثار: ۱۳۶)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "**الأصل**" میں بطریق بلاغ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس بھی ایسا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حد جاری نہیں فرمائی۔ (مبسوط سرخسی: ۱۱۲/ ۹)

مسئلہ ثانیہ

بہیمۃ: کے حکم کی تفصیل احناف کے یہاں یہ ہے۔

(۱)...... اگر وہ **بہیمۃ** واطی کا اپنا مملوک ہو تو اس جانور کو ذبح کر دیا جائے، اس کے بعد غیر ماکول اللحم ہو تو جلا دیا جائے، اگر ماکول اللحم ہو تو اس میں اختلاف ہے، امام صاحب کے یہاں ذبح کر کے اس کو کھانا کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور صاحبین کے نزدیک اس کو بھی جلا دیا جائے گا، یہ سب کاروائی واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔

(۲)...... اگر وہ **بہیمۃ** کسی کا ہو تو اس سے قیمت کے ساتھ خرید کر وہی مذکورہ بالا معاملہ کرنا مستحب ہے، اس کے مالک کو بیچنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ (شامی: ۲۶/ ۴)

توجیہ حدیث

اس حدیث میں واطی اور جانور دونوں کو قتل کا حکم ہے واطی کے قتل کا حکم حداً نہیں ہے بلکہ تغلیظ وتعزیر پر محمول ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے آثار جو نقل کئے گئے ہیں وہ اس کا قرینہ ہیں، بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی حدیث بھی ہیں اس کے باوجود انہوں نے حد کی نفی فرمائی ہے اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے قتل کے حکم کو تعزیر پر محمول فرمایا ہے یا ضرب شدید پر۔

ایسے ہی **بہیمۃ** کے قتل کا امر استحبابی ہے وجوبی نہیں، اور قتل کا حکم اس لئے ہے اگر وہ زندہ رہے گا تو اس کو دیکھ فاحشہ کی یاد آنے یا اس کے تذکرے کا اندیشہ ہے، اور اس سے اشاعت فاحشہ ہوتی ہے اشاعت فاحشہ اور تحدث فاحشہ کے قطع کے لئے اس کے ذبح کا امر ہے۔

(اشرف التوضیح: ۵۴۳/ ۲، درس مشکوۃ: ۸۷/ ۳)

حدود کے اجرا میں امتیاز پسندی نہیں

{۳۴۳۱} وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقِیْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِی الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ وَلاَ تَاْخُذْ کُمْ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ (رواہ ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجه شریف: ۱۸۲/، باب اقامة الحدود، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۴۰۔

ترجمہ: حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی حدود قائم کرو، خواہ قریبی ہو یا دور کا ہو اور اللہ کے معاملہ میں تم کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت روکنے نہ پائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: حاکم وقاضی کے پاس جب ایسا جرم ثابت ہو جائے جو حد کو واجب کرنے والا ہو تو اب حاکم پر لازم ہے کہ وہ حد جاری کرے، اس میں ٹال مٹول سے کام نہ لے اور نہ کسی کے مقام ومرتبہ کی رعایت کرے اور نہ اپنی رشتہ داری وناطے داری کا لحاظ کرے، حدود حق اللہ ہیں، لہٰذا ان کے معاف کرنے کا حق حاکم کو نہیں ہے، اور نہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اپنے اعزا واقرباء پر حد جاری نہ کرے اور غیروں پر حد جاری کرے، اس قسم کا فرق وامتیاز کرنا ممنوع ہے، جو حاکم اس طرح کا جانبدارانہ فیصلہ کرے گا، وہ اپنے اقتدار کا غلط استعمال کرنے والا ہوگا۔

اقیموا حدود اللّٰہ فی القریب والبعید: اللہ کے حدود قریب وبعید سب پر قائم کرو، قریب سے مراد قریبی رشتہ دار اور بعید سے مراد دور کے رشتہ دار یا قریب سے کمزور جس پر حد جاری کرنا آسان ہو، اور بعید سے مراد طاقت وقوت والا یہ معنی زیادہ بہتر اور مناسب ہیں، مقصد یہ ہے کہ مجرم کوئی بھی ہو، اسکے جرم کے اعتبار سے اس کو سزا دو اور اس پر حد جاری کرو، البتہ اگر کسی ایسے شخص نے حد واجب کرنے والا گناہ کیا کہ اس پر حد جاری ہونے سے اس کی موت متوقع ہے تو صحت یاب ہونے تک سزا کو مؤخر کیا جائے گا۔ "**ولا تأخذ کم**" ظاہر بات ہے حد جاری کرنے کی صورت میں بعض لوگ تنقید کریں

گے، لہٰذا ان کی تنقید کے خوف سے غلط فیصلے مت کیجئے، ملامت گروں کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ کی جائے۔
(فیض المشکوۃ: ۴۶۴/۶، مرقاۃ المفاتیح: ۸۳/۴، شرح الطیبی: ۱۷۰/۷)

حدود جاری کرنے کے فوائد

{۳۴۳۲} **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقَامَۃُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللہِ خَیْرٌ مِنْ مَطَرِ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً فِیْ بِلَادِ اللہِ۔ (رواہ ابن ماجہ) وَرَوَاہُ النَّسَائِیُّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۸۲، باب اقامۃ الحدود، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۳۷، نسائی شریف: ۲۲۳/۲، باب الترغیب فی اقامۃ الحد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۹۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کا قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے شہروں میں چالیس رات بارش ہونے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ) نسائی نے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

تشریح: حدود کے قیام کا مقصد روئے زمین سے گناہوں کو ختم کرنا ہے اور جتنے کم گناہ ہوں گے، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہوگی اور مخلوق کو خوشحالی و فراوانی اور چین وسکون نصیب ہوگا، جبکہ حدود نہ قائم کرنے سے گناہوں کی کثرت ہوگی جس کے باعث زمین فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنے گی، اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا قحط ومصائب کا نزول ہوگا مخلوق طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوگی، لہٰذا حدود کا قائم کرنا یہ بہت بڑی سعادت ہے، اس لئے اس سے کترانا نہ چاہئے۔

اقامۃ حد من حدود اللہ: حدود کی سزائیں بہت سخت ہیں اور ان کے نفاذ کا قانون بھی بہت سخت ہے، اس میں کمی بیشی کی کسی حال میں گنجائش نہیں ہے، لیکن سزا کے سخت ہونے کے ساتھ معاملہ کو معتدل کرنے کے لئے تکمیل جرم اور تکمیل شرائط بھی بہت کڑی رکھی ہیں، لہٰذا حدود کی نوبت کم ہی پیش آتی ہے، لیکن اس سزا کے کبھی کبھار وقوع کی وجہ سے بڑی ہیبت رہتی ہے اور جرم کے انسداد کیلئے تریاق ثابت ہوتی ہے، لہٰذا حدود کا اجراء گویا کہ جرائم کا مٹانا اور ختم کرنا ہے، **"خیر من مطر"** جب حدود جاری ہونے سے جرائم ختم ہوں گے، تو رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، جب کہ حدود نہ جاری کرنے میں معاصی کے فروغ کی بنا پر قحط عام ہوگا۔
(شرح الطیبی: ۱۷۱/۷، مرقاۃ المفاتیح: ۸۳/۴، فیض المشکوۃ: ۴۶۵/۶)

{باب قطع السرقۃ}

چوروں کا ہاتھ کاٹنے کا بیان

اس باب کے تحت بھی ہم مذکورہ ابواب کی طرح ہی چند مباحث مفیدہ بھی بیان کریں گے جو آنے والی روایات واحادیث کا نچوڑ اوران کو سمجھنے کیلئے نہایت ہی مفید ثابت ہوں گے، ان مباحث میں اجمال ہے مزید وضاحت اور اختلاف مذاہب روایات کے ذیل میں بیان کئے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) خلاصۃ الباب (۲) چوری کا سبب اور قطع ید کی حکمت (۳) چوری اور غصب میں فرق (۴) دوسرے کا مال لینے کی صورتیں (۵) شریعت کا مقصد مال کا تحفظ ہے (۶) لغوی تعریف شرعی تعریف (۷) سرقہ کی سزا (۸) سزاء کی تنفیذ کا طریقہ (۹) سزا کے لئے شرطیں (۱۰) سارق سے متعلق شرطیں (۱۱) مسروقہ مال سے متعلق شرطیں (۱۲) سرقہ کا نصاب (۱۳) مالک سے متعلق شرطیں (۱۴) مکان سرقہ سے متعلق شرط (۱۵) ثبوت سرقہ کے ذرائع شہادت (۱۶) اقرار (۱۷) جن اسباب کی وجہ سے حد سرقہ ساقط ہوجاتی ہے (۱۸) مال مسروقہ کا حکم (۱۹) حد کا مقدمہ عدالت میں نہ لیجانا بہتر ہے۔ (۲۰) جن صورتوں کے ارتکاب پر حد نہیں (۲۱) حد سرقہ نافذ نہ ہونے کی صورت میں تعزیر۔

{۱}......خلاصۃ الباب

اس باب کے تحت سولہ روایتیں درج کی گئی ہیں جو سرقہ پر قطع ید کی سزائ، اور بعض سرقہ میں عدم قطع ید کی سزا، چور غلام کا حکم، حد کے معاف کرنے کا حق حاکم کو نہیں ہے، غلام کا اپنے مالک کی چوری کرنا اور کفن وغیرہ کے احکام ومسائل پر مشتمل ہیں۔

{۲}...... چوری کا سبب اور قطع ید کی حکمت

انسان جب کمائی کا اچھا پیسہ نہیں پاتا تو وہ چوری کا دھندا شروع کر دیتا ہے اور یہ جذبہ بھی انسان پر حملہ کرتا ہے، اور چوری اس طرح مخفی طور پر ہوتی ہے کہ لوگ اس کو نہیں دیکھتے کہ روکیں، اسلئے اس جرم کی بھی سخت سزا ضروری ہے، تا کہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

{۳}...... چوری اور غصب میں فرق

غصب ایسی بودی دلیل اور حجت کی بنیاد پر ہوتا ہے، جس کو شریعت تسلیم نہیں کرتی، اور غصب فریقین کے درمیان معاملات کے ضمن میں ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اس لئے اس کو من جملہ معاملات قرار دیا گیا ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے، غاصب پر تاوان لازم ہوتا ہے، اور اس کو مناسب سزا دی جائیگی اور چوری مخفی طور پر ہوتی ہے اس لئے اس کی روک تھام ممکن نہیں، اس لئے اس کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے۔

{۴}...... دوسرے کا مال لینے کی صورتیں

اس کے لئے عربی میں الگ الگ الفاظ آئے ہیں، مثلاً "**سرقه**" (چوری) "**قطع طریق**" (ڈاکہ زنی) "**اختطاف**" (جھپٹا مارنا) "**خیانت**" (بددیانتی) "**التقاط**" (پڑی ہوئی چیز اٹھالینا) "**غصب**" (زبردستی لے لینا) "**قلت مبالات**" اور "**قلت ورع**" (لاپرواہی اور بے احتیاطی) یہ سب صورتیں ملتی جلتی ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ شرعی حد صرف اس صورت میں نافذ کی جائے گی، جب "**سرقه**" کی حقیقت پائی جائے اور اس کی شرائط متحقق ہوں۔

فائدہ: جن صورتوں میں چوری کی حد جاری نہیں ہوئی اسکا یہ مطلب نہیں کہ مجرم کو چھٹی مل گئی، بلکہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق اسکو تعزیری سزا دیے گا، اور نہ اسکا یہ مطلب ہے کہ وہ چیز اس کے لئے جائز و حلال ہوگئی، اس لئے کسی کا کوئی مال بے اجازت لینا حرام ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۵/۳۲۱)

{۵}......شریعت کا مقصد مال کا تحفظ ہے

احکام شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد مال کا تحفظ ہے، اسی لئے انسان اپنے مملوکہ مال میں بھی شریعت کی ہدایات اور تحدیدات سے متجاوز ہو کر تصرف نہیں کر سکتا، جب انسان خود اپنی ملکیت میں اتنا پابند ہے، تو ظاہر ہے کہ دوسروں کی املاک میں اس کے لئے کسی قدر احتیاط اور تورع کے احکام ہوں گے، چنانچہ قرآن نے باطل طریقہ پر ایک دوسرے کا مال کھانے سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا "**یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ**" اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔ **(نساء:۲۹)**

دوسروں کے اموال اور املاک میں باطل طریقہ پر دراندازی کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ مالک کی رضامندی ہی سے مال حاصل کیا جائے، لیکن اس کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جائے جس کو شریعت نے منع کیا ہے، اس نوعیت کی حرام صورتیں بنیادی طور پر دو اصولی احکام کے گرد گھومتی ہیں، ایک ربوا (سود) دوسرے قمار (جوا)

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کا مال خود مالک کی رضامندی کے بغیر حاصل کر لیا جائے اس کی بھی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: "**سرقہ**" اور "**غصب**"، "**سرقہ**" میں مال چھپا کر لیا جاتا ہے اور "**غصب**" میں علانیہ اور بن چھپائے۔

{۶}......لغوی تعریف

"**سرقہ**" کے لغوی معنی کسی چیز کو چھپا کر یا حیلہ بازی کے ذریعہ لے لینے کے ہیں: "**اخذ الشیء فی خفاء وحیلة**"۔ (البحر الرائق:۵۹/۵)

یہ یا تو سین کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنی اصطلاح شرع میں خفیہ طور پر اپنے جیسے آدمی کے قبضہ سے مقرر مقدار میں ایسا مال لینا جو لینے والے کی ملکیت میں نہ ہو چوری (فعل) چوری کا جرم۔

یا یہ سین اور راء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے، جو سارق کی جمع ہے مغرب میں ہے "سرق منه مالا" کے معنی کسی کا مال چھپا کر اور حیلے سے لے لینا ہے، اور سرقہ میں راء کے فتحہ کے ساتھ بھی ایک لغت ہے و راء کے سکون کے بارے میں علامہ قاری نے کہا میں نے ایسا نہیں سنا۔ اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرقہ مفعول کی طرف قطع کی اضافت مضاف کو حذف کر کے ہے اصل عبارت یہ ہے "قطع اهل السرقه" ابن ہمام نے فرمایا کہ سرقہ کے معنی لغت میں کسی کے مال کو چھپا کر لے لینا اور شریعت میں بھی مع چند قیود کے اضافہ کے یہی معنی ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸۳، شرح الطیبی: ۷/۱۷۲)

{۷}......شرعی تعریف

سرقہ کی اصطلاحی تعریف دو پہلوؤں کو سامنے رکھ کر فقہاء نے کی ہے اور دونوں میں کسی قدر فرق ہے، ایک تعریف اس پہلو کو سامنے رکھ کر ہے کہ یہ فعل حرام ہے، اس حیثیت سے "سرقہ" کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ "**هو اخذ الشیء من الغیر علی وجه الخفیة بغیر حق سواء کان نصابا ام لا**"۔ (البحر الرائق: ۵/۵۰)

دوسرے کا مال چھپا کر ناحق طریقہ سے لینا چاہے، نصاب سرقہ کی مقدار ہو یا نہیں۔

سرقہ (چوری) ہے یہ تعریف نسبتاً زیادہ عام ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ سرقہ یعنی چوری پر کب اس کی متعینہ شرعی سزا جاری ہوگی؟ اس لحاظ سے محققین نے سرقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "**هی اخذ مکلف ناطق بصیر عشرة دراهم الاخراج خفیة من صاحب ید صحیحة مما لا یتسارع الیه الفساد فی دار العدل من حوز لا شبه ولا تاویل فیه**"۔ (شامی: ۳/۱۹۲)

"**سرقہ**" مکلف، گویائی پر قادر، اور بینا شخص کا دس درہم یا اس کی مقدار کا لے لینا ہے، جس کو بالارادہ لیا گیا ہو اور مقام محفوظ سے کھلے طور پر باہر لے جایا گیا ہو۔ (کھلے طور پر باہر لیجانے کی قید کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز نگل جائے اور اندرون جسم لیکر باہر آجائے تو اس پر "**سرقہ**" کا حکم یعنی شرعی سزا ہاتھ کاٹنا نافذ نہ ہوگا البتہ اس سے تاوان وصول کیا جائے گا۔ (شامی: ۳/۱۹۳) چیز چھپا کر لی گئی ہو، جس شخص سے لی گئی ہو، وہ اس پر جائز قبضہ رکھتا ہو، ایسی چیز ہو جو جلدی خراب نہیں ہوتی، اور دارالاسلام میں یہ

سامان لیا گیا ہو، جو مال لیا گیا ہو، وہ محفوظ رہا ہو اور لینے والے کیلئے اس مال میں نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ تاویل کی گنجائش ہو۔

اس تعریف میں فقہ حنفی کے مطابق **"حد سرقہ"** کے نفاذ کی تمام شرطوں کو خوبی اور جامعیت کے ساتھ سمولیا گیا ہے دوسرے فقہاء کے یہاں چوں کہ ان شرائط کی بابت کسی قدر اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے، اس لئے ان کے یہاں اس تعبیر میں کسی قدر فرق بھی ملتا ہے۔ (حاشیہ خرشی: ۱۰/۸)

تاہم روح سب کی یہی ہے کہ دوسرے کی ملکیت کا شبہ تک نہ ہو، سرقہ ہے، شریعت اسلامی میں یہ جرم کس قدر شنیع سنگین ہے؟ اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نے خود اس کی حتمی سزا متعین کر دی ہے، اور اس کو حکومت وقت کی صوابدید پر نہیں رکھا اور یہ سزا بھی ہاتھ کاٹنے جیسی شدید عقوبت کی صورت میں ہے۔

{۸}......سرقہ کی سزا

سرقہ کی سزا خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے:"**السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالا من الله**"۔ (مائدہ:۳۸)

جو مرد اور عورت چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے عمل کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے۔

چوری پر یہ سزا یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں بھی نزول قرآن کے زمانہ میں معروف تھی، بلکہ مفسر قرطبی کی تحقیق یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں خود عربوں میں بھی چوری پر اسی سزا کا رواج تھا اور سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے یہ سزا جاری کی تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۱۶۰/۶)

اسلام نے بھی اس سزا کو باقی رکھا کیوں کہ چوری کے جرم اور اس سزا میں مناسبت واضح ہے، بنیادی طور پر انسان اس جرم کے ارتکاب میں ہاتھ ہی کا استعمال کرتا ہے، اس لئے یہ بات عین مناسب تھی کہ ایسے شخص کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، یہ ایک طرف مجرم کے لئے سامان عبرت ہے اور دوسری طرف عام لوگوں کے لئے ذریعہ انتباہ کہ یہ چیز دیکھنے والوں کو پہلی ہی نگاہ میں اس شخص کی بدخوئی سے آگاہ کردے گی۔

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پہلی دفعہ **"سرقہ"** میں ماخوذ شخص کا دایاں ہاتھ گٹوں سے کاٹ دیا جائے اور ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ خون تھم جائے۔(رحمۃ الامۃ:۳۶۹)

جو شخص دوسری بار اس جرم میں ماخوذ ہو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے، اس پر بھی اہل سنت متفق ہیں۔(حوالہ سابق)

اگر اس کے بعد تیسری چوتھی دفعہ پھر چوری میں پکڑا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے ہاتھ یا پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے، بلکہ قید رکھا جائے گا، تاکہ تائب ہو جائے۔(البحر الرائق:۶۱/۵، الاقناع:۲۸۵/۴)

مالکیہ اور شوافع کے نزدیک تیسری دفعہ بایاں ہاتھ اور چوتھی دفعہ میں دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے اور اگر اس کے بعد بھی جرم کا مرتکب ہو تو پھر قید اور سرزنش کی جائے گی۔(خرشی:۱۱۱/۸)

حنفیہ کے سامنے اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جب چور چوری کا مرتکب ہو تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے اور پھر جرم کرے تو بایاں پاؤں، اگر اس کے بعد بھی چوری کرے تو قید کر دیا جائے مجھے شرم آتی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ پاؤں بھی نہ رہنے دیئے جائیں کہ اس کے پاس کھانے اور استنجاء کے لئے ہاتھ تک باقی نہ رہے، جن روایتوں میں تیسری دفعہ ہاتھ کاٹنے اور چوتھی دفعہ دایاں پاؤں کاٹنے یا قتل کرنے کا ذکر ہے، حنفیہ کا نقطہ نظریہ ہے کہ وہ روایتیں مصلحت وسیاست پر مبنی ہیں، یعنی حد شرعی تو نہیں ہے لیکن اگر مجرم میں جرم پر مسلسل اصرار محسوس کیا جائے اور قبول واصلاح کے آثار نظر نہ آئیں تو قاضی اپنی صوابدید سے ایسی سزائیں بھی از راہ تعزیر جاری کر سکتا ہے۔

(فتح القدیر:۳۹۶/۵، المبسوط:۱۶۷/۹)

پاؤں کاٹنے سے متعلق بھی اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ ٹخنوں سے کاٹا جائے۔

(شامی:۱۰۶/۳)

{۹}......سزا کی تنفیذ کا طریقہ

سزا جاری کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ موسم ایسا شدید نہ ہو کہ مجرم کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہو، جیسے شدید گرمی یا ٹھنڈک، ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد واجب ہے کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ خون تھم

جائے اور باعث ہلاکت نہ ہو جائے، قدیم زمانہ میں اس کے لئے خاص قسم کے تیل استعمال ہوتے تھے اور گرم لوہے کے ذریعہ داغ دیا جاتا تھا، فی زمانہ اس مقصد کے لئے ترقی یافتہ طبی امداد پہنچائی جاسکتی ہے۔ دو بار کے بعد بھی جو شخص چوری کا مرتکب ہو، اس کو قید میں رکھنے کے علاوہ سرزنش بھی کی جائے گی تاکہ عبرت ہو۔ (خلاصہ شامی: ۲۰۶/ ۳)

مریض پر تاصحت یابی حد جاری نہ کی جائے گی، یہی حکم حاملہ عورت کا ہے اور جس شخص پر پہلے چوری کی سزا نافذ کی گئی ہو اور زخم اب تک مندمل نہ ہو پایا ہو، اس کے لئے بھی یہی حکم ہے، کہ صحت مند ہونے تک توقف کیا جائے۔ (المغنی: ۲۰۶/ ۹)

ہاتھ کاٹنے میں کوشش کی جائے گی کہ آسان تر اور کم سے کم تکلیف دہ طریقہ اختیار کیا جائے ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں "**ویقطع السارق باسھل ما یمکن**" (خلاصہ شامی: ۲۰۶/ ۳)

یہ بھی مسنون ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد چور کی گردن میں لٹکا دیا جائے، حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ بن عبید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کا معمول نقل فرمایا ہے۔

(ابو داؤد شریف: ۶۰۵/ ۲، ابن ماجہ شریف: ۹۲/ ۲، باب تعلیق الید فی العنق)

{۱۰}......سزا کے لئے شرطیں

حد سرقہ سے متعلق شرطیں چار طرح کی ہیں، اول جو سارق سے متعلق ہیں دوسرے وہ جو خود مال مسروق سے متعلق ہے، تیسرے وہ جو مال کے مالک سے متعلق ہیں، چوتھے وہ ہیں جو سرقہ کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔

{۱۱}......سارق سے متعلق شرطیں

سارق سے متعلق شرطیں یہ ہیں کہ:

(۱)......بالغ ہو، بچوں پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۶۷/ ۷)

(۲)......عاقل ہو، پاگل پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۶۷/ ۷)

(۳)......گویائی پر قادر ہو، گونگے پر حد جاری نہیں ہوگی۔ (شامی: ۳/۱۹۲)

(۴)......بینا ہو، نابینا پر حد جاری نہیں ہوگی۔ (شامی: ۳/۱۹۲)

(۵)......**سارق** نے ایسی مجبوری میں چوری نہ کی ہو کہ اگر وہ چوری نہ کرتا تو ہلاک کر دیا جاتا، یا اسکا کوئی عضو ضائع کر دیا جاتا۔ (فتح القدیر: ۹/۴۳۹)

(۶)......سارق نے اپنے آپ کو احکام اسلامی کا پابند کیا ہو، چنانچہ مسلمان یا مسلم ملک کے غیر مسلم شہری پر تو بالاتفاق حد جاری ہوگی، البتہ اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو کسی اور ملک کا شہری ہو اور اجازت لے کر مسلم ملک میں آیا ہو، جس کو فقہ کی اصطلاح میں "**مستامن**" کہا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص پر حد جاری نہیں ہوگی، مالکیہ، حنابلہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص پر بھی حد جاری کی جائے گی۔ (المغنی: ۹/۱۱۱، المدونہ: ۶/۲۹۱)

یہی رائے بعض فقہاء شوافع کی بھی ہے خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی یہی ہے۔

(مغنی المحتاج: ۴/۱۴۵)

واقعہ یہ ہے کہ یہی رائے مصلحت انسانی اور تدبیر مملکت کے اصول سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے، کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مطلق کافر سارق پر حد جاری کرنے کا ذکر کیا ہے اور کوئی تفصیل نہیں کی ہے، فرماتے ہیں: "**وکذا الاسلام لیس بشرط فیقطع المسلم والکافر لعموم آیۃ السرقۃ**"

(بدائع الصنائع: ۷/۶۷)

حد سرقہ کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں، سارق مسلمان ہو یا کافر، اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، چوں کہ قرآن میں سرقہ کی سزا کا حکم عام ہے۔

{۱۲}......مسروقہ مال سے متعلق شرطیں

سرقہ کئے ہوئے مال سے متعلق شرطیں یہ ہیں:

(۱)......جو چیز سرقہ کی گئی ہو وہ شریعت کی نگاہ میں مال ہو اور لوگ بھی اس کو مال کا درجہ دیتے ہوں، ایسی چیزیں جو اصولاً مباح عام ہو لوگوں کو اس میں رغبت نہ ہوتی ہو اور وہ حقیر سمجھی جاتی

ہوں، ان کے سرقہ کی وجہ سے حد واجب نہ ہوگی، فقہاء نے ایسی ہی چیزوں میں گھاس اور بانس وغیرہ کو شمار کیا ہے۔ فی زمانہ چوں کہ یہ چیزیں خریدی اور بیچی جانے لگی ہیں، اس لئے اب ان کا شمار بھی ان اموال میں ہوگا جن کے **"سرقہ"** پر حد واجب ہوتی ہے، اسی طرح **"میتہ"** (مردہ) یا شراب کی چوری پر حد واجب نہ ہوگی کہ یہ چیزیں شریعت کی نگاہ میں مال نہیں ہیں۔ (الدر المختار علی ہامش الرد: ۱۹۳/۳)

(۲)......اس مال کو لینا **"سرقہ"** متصور ہوگا جو محفوظ رہا ہو، چاہے اس کی حفاظت کسی مکان اور سامان کے ذریعہ کی جائے یا کسی محافظ اور چوکیدار کے ذریعہ۔ (شامی: ۱۹۴/۳، البحر الرائق: ۵۰/۵)

چنانچہ مسجد کے دروازے یا مردہ کے کفن کے **"سرقہ"** کی وجہ سے حد جاری نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص عوامی جگہ سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو اس پر بھی حد جاری نہیں کی جائے گی کہ یہ مال محفوظ نہیں، شوہر بیوی یا بیوی شوہر کا مال لے لے تو بھی حد جاری نہیں ہوگی کہ یہ ایک دوسرے کے حق میں محفوظ نہیں ہے۔ (البحر الرائق: ۵۷/۵، شامی: ۱۹۹/۳)

(۳)......اسی مال کا لینا مقصود ہو، جو چیز تابع کی حیثیت سے آگئی ہو اس پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ (بدائع الصنائع: ۷۹/۷)

مثلاً کسی نے کپڑا چوری کیا جو دس درہم سے کم کا تھا اور اصل میں وہ کپڑا روپے یا سونا چاندی کی حفاظت کے لئے نہیں تھا، لیکن اتفاق سے اس میں کچھ سونا یا چاندی بھی رکھا ہوا تھا تو اب اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ (شامی: ۱۹۳/۳)

اسی طرح کسی آزاد نابالغ بچے کو اغوا کرلیا جس کے جسم پر زیور بھی تھا تو چوں کہ زیور کی حیثیت تابع کی ہے، اس لئے اس کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ (البحر الرائق: ۵۴/۵)

(۴)......یہ بھی ضروری ہے کہ مال دیر تک باقی رہ سکتا ہو، ایسی چیزیں جو جلد خراب ہوجانے والی ہوں جیسے دودھ، گوشت، تر میوے، سیب، انگور وغیرہ ان کے سرقہ پر حد جاری نہیں ہوگی۔ (رد المحتار: ۱۹۸/۳)

(۵)......جس کے پاس سے مال کا سرقہ کیا گیا ہو مال پر اس کا قبضہ شرعاً درست وروا رہا ہو، جیسے غاصب کے پاس سے مال مغصوب چرالیا جائے تو حد جاری نہ ہوگی۔ (رد المحتار: ۱۹۳/۳)

اسی طرح چور سے چوری کیا ہوا مال چوری کرلیا جائے، تو اس پر بھی حد نہیں۔ (البحر الرائق: ۵۱/۵)

{۱۳}......سرقہ کا نصاب

(۶)......سرقہ کی حد جاری کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ مال نصاب **"سرقہ"** کی قیمت کا ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نصاب دس درہم ہے۔ (المبسوط: ۹/۱۳۷)

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ڈھال کی قیمت **"ثمن مجن"** پر ہاتھ کاٹے جاتے تھے اور اس وقت اس ڈھال کی قیمت دس درہم ہوا کرتی تھی، اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔
(نیل الاوطار: ۷/۲۹۸)

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہا نے اس مسئلہ پر شرح وبسط سے گفتگو کی ہے۔ (المبسوط: ۹/۱۳۷)

موجودہ اوزان میں ایک درہم ۳ء۱۲ر گرام کے ہم وزن ہے، اس طرح مجموعی نصاب ۳۰ء۳۶ر گرام ہوتا ہے۔ (الفقہ الواضح: ۲/۲۴۴)

شوافع کے نزدیک نصاب سرقہ چوتھائی دینار ہے۔ (مختصر المزنی: ۲۶۳)

مالکیہ کے نزدیک **"مال مسروق"**، سونا ہو تو چوتھائی دینار اور چاندی یا کوئی اور چیز ہو تو تین درہم۔ (المدونہ: ۶/۲۶۶)

حنابلہ کے نزدیک سونا ہو تو چوتھائی دینار، چاندی ہو تو تین درہم اور کوئی اور چیز ہو تو ان دونوں میں سے جس کی قیمت کم ہو وہ معیار ہوگی۔ (المغنی: ۹/۹۳)

غرض ائمہ ثلاثہ کا مذہب باہم قریب ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں ڈھال کی قیمت چوتھائی دینار اور بعض میں تین درہم بتائی گئی ہے۔ (نصب الرایۃ: ۳/۳۵۵)

جمہور فقہاء کے یہاں **"سرقہ"** کا نصاب ابو الفتاح محمد ابوغدہ کی تحقیق کے مطابق ای ۱۶ر گرام ہوتا ہے، موصوف نے اپنی تحقیق میں اوزان کے بارے میں فقہاء کی تصریحات کے علاوہ عصری تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور اسلامی عہد کے نقود کو سامنے رکھا ہے، جو دنیا کے بعض میوزیموں میں محفوظ ہیں۔ (عقوبۃ السرقۃ فی الفقہ الاسلامی: ۱۳۳)

(۷)......جس مال کا سرقہ کیا گیا ہو اس میں سارق کی ملکیت کا کوئی شبہ نہ ہو اور نہ اس کے لئے اس کی گنجائش ہو کہ وہ اس میں کسی طور پر اپنی مالکانہ حیثیت کا شبہ کر سکے، چنانچہ باپ اگر بیٹے کا مال چوری کرلے تو حد جاری نہیں ہوگی، کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔ "**انت ومالك لابيك**" اس ارشاد نبوی ﷺ نے اس تاویل کی گنجائش پیدا کردی کہ باپ بیٹے کی املاک کو اپنی ملکیت تصور کرے، اسی طرح ایسا مال جس کی ملکیت میں دو آدمی شریک ہوں، اگر ان میں سے ایک شخص سرقہ کرلے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی، کہ اس مال کے ہر جز میں دونوں ہی مالکان کی ملکیت کا شبہ موجود ہے، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کوئی شخص بیت المال میں سے چوری کرلے کہ اس میں تمام ہی اہل مملکت کا حق ہوا کرتا ہے۔

{۱۴}......مالک مال سے متعلق شرطیں

جس شخص کا مال چوری کیا گیا ہو ضروری ہے کہ مال پر اس شخص کا قبضہ جائز طریقہ پر رہا ہو، جائز قبضہ کی تین صورتیں ہیں: یا تو وہ اس کا مالک ہو، یا مال اس کے پاس بطور امانت ہو، جیسے امین اور عاریت پر لینے والے کا قبضہ، یا وہ اس مال کا ضامن ہو، جیسے غاصب کہ وہ مال مغصوب کا ضامن ہوتا ہے، اور مرتہن کہ وہ مال مرہون کا ضامن ہوتا ہے، اگر خود چور سے مال مسروقہ کو سرقہ کرلیا جائے تو چوں کہ مال پر اس کا قبضہ سراسر ناواجبی اور خلاف شرع تھا اس لئے اس مال کے سرقہ پر حد جاری نہیں ہوگی۔

(بدائع الصنائع: ۷/۷۰)

{۱۵}......مکان سرقہ سے متعلق شرط

جس جگہ چوری کی گئی ہو اس سلسلہ میں یہ شرط ہے کہ وہ دارالاسلام ہو، دارالحرب میں حد جاری نہیں ہوگی اور نہ ایسے ملک میں جہاں باغیوں نے کنٹرول حاصل کرلیا ہو۔ (بدائع الصنائع: ۷/۷۰)

ثبوت سرقہ کے ذرائع

قاضی کے نزدیک سرقہ ثابت ہونے کے دو ہی ذرائع ہیں، شہادت، اور اقرار۔

{۱۶}......شہادت

حدود وقصاص کے عمومی قانون کے تحت سرقہ کی گواہی میں بھی ضروری ہے کہ گواہان مرد ہوں، عادل ومعتبر ہوں اور خود اصالۃ شہادت دیں اور جرم واقع ہونے کے ایک عرصہ بعد کسی معقول عذر کے بغیر تاخیر کرتے ہوئے شہادت نہ دی گئی ہو۔ جس کو فقہ کی اصطلاح میں **"تقادم"** کہتے ہیں خواتین اور فساق کی شہادت نیز بالواسطہ شہادت اور طویل عرصہ گذرنے کے بعد **"سرقہ"** کا دعویٰ اور اس پر شہادت معتبر نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دعویٰ اس شخص نے کیا ہو جو **"مال مسروقہ"** پر جائز طور پر قبضہ رکھتا تھا، ایسے شخص کی طرف سے دعویٰ کے بغیر بطور خود سرقہ کی شہادت دی جائے تو یہ شہادت معتبر نہیں، البتہ ایسی شہادت بلا دعویٰ کی بنیاد پر **"سارق"** کی احتیاطی گرفتاری عمل میں آسکتی ہے، تاکہ عام لوگوں کو اس کے ضرر سے بچایا جاسکے، نیز گو شہادت میں مذکورہ شرطوں کے مفقود ہونے کی صورت میں حد جاری نہیں کی جاتی، لیکن **"مال مسروقہ"** اس سے وصول کیا جائے گا یا اس کا تاوان لیا جائے گا اور حقدار کے حوالے کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۷/۷۰)

{۱۷}......اقرار

سارق اگر خود قاضی کے پاس سرقہ کا اقرار کرلے تو یہ سرقہ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دفعہ کا اقرار کفایت کرجائے گا، اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم سے کم دو بار اقرار کرنا ضروری ہوگا، نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقرار کی بناء پر بھی اس وقت حد جاری ہوگی جب کہ اس شخص کی طرف سے دعویٰ دائر کیا گیا ہو، جو اس مال مسروق کی بابت دعویٰ کرنے حق رکھتا ہو یعنی مالک یا امین، یا وہ شخص جس کا

قبضہ اس مال پر بطور ضمان ہو، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد سرقہ جاری ہونے کے لئے دعویٰ شرط نہیں۔ (بدائع الصنائع: ۸۲/۷)

البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گونگے کا اقرار معتبر نہیں۔ (بدائع الصنائع: ۵۱۲/۵)

{۱۸}......جن اسباب کی وجہ سے حد سرقہ ساقط ہو جاتی ہے

کچھ اسباب ہیں جن کی وجہ سے حد سرقہ ساقط ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱)......جس شخص کا بایاں ہاتھ پہلے سے کٹا ہوا ہو اس کا دایاں ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

(۲)......جس شخص کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو یا مفلوج ہو اس کا بھی دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۳)......اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسری بار چوری کی اور اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہے یا معذور ہے، تو اب بھی اس کا بایاں پاؤں نہیں کاٹا جائے گا۔ (الدر المختار و رد المحتار: ۲۰۷/۳)

(۴)......اگر سارق نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور جس شخص کا مال سرقہ کرنے کا اقرار کرتا ہے خود وہی شخص اس کے اقرار کی تکذیب کر دے تو اب اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۸۸/۷)

(۵)......**سارق:** خود اپنے اقرار سے رجوع کر لے تب بھی اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے، البتہ **"مال مسروقہ"** کی قیمت وصول کی جائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۸۸/۷)

(۶)......گواہان نے سرقہ کی شہادت دی اور جس شخص کا مال چوری کیا گیا ہے وہ خود ان گواہان کو جھوٹا قرار دے دے، اب بھی حد جاری نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۸۸/۷)

(۷)......قاضی کے پاس معاملہ جانے سے پہلے ہی **سارق، مال مسروق** مالک کو لوٹا دے اب بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوگی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی اسی طرح کا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۸۸/۷)

(۸)......اگر قاضی کے فیصلہ سے پہلے ہی **"سارق مسروقہ مال"** کا مالک ہو جائے، جیسے مالک اس کو ہبہ کر دے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب بھی حد جاری نہ ہوگی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں حد جاری ہوتی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۸۸/۷)

(۹)......اگر سرقہ کے وقت سامان **مسروقہ** کی قیمت دس درہم تھی اور فیصلے سے پہلے اس کی قیمت گر گئی اور دس درہم سے کم ہوگئی تو اب بھی حد جاری نہیں ہوگی۔ (البحرالرائق: ۵۰/ ۵)

(۱۰)......جیسا کہ مذکور ہوا حنفیہ کے نزدیک بعض حدود میں **"تقادم"** بھی سزا کو بے اثر کردیتا ہے ان میں "سرقہ" بھی ہے، یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کسی معقول عذر کے بغیر سرقہ کی شہادت دینے میں قابل لحاظ تاخیر کی گئی ہو تو اب یہ شہادت حد شرعی کے حق میں معتبر نہیں ہوگی البتہ سارق سے مال مسروقہ یا اس کا ضمان وصول کیا جائے گا، اسی طرح اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد سارق فرار ہوجائے اور قابو میں آنے تک کافی وقت گذر جائے تو اب بھی حد جاری نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کوئی شخص خود سرقہ کا اقرار کرتا ہو تو چاہے واقعہ کے بعد اقرار میں اس نے کتنی بھی تاخیر کی ہو، تاخیر کی وجہ سے حد ساقط نہ ہوگی۔

البتہ خود اس مدت کی تعیین میں خاصا اختلاف ہے، جس کے گذرنے کو تقادم تصور کیا جاتا ہے، امام طحاوی کی رائے چھ ماہ کی ہے، امام ابو یوسف ومحمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک ماہ کا قول منسوب ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک سال کی مدت منسوب کی گئی ہے، لیکن یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ باوجود کوشش کے امام صاحب نے اس کے لئے کسی مدت کی تعیین نہیں فرمائی اور اس کو عدالت کے قرب و بعد اور قاضی کے بیٹھنے کے اوقات میں تفاوت نیز لوگوں کے احوال میں فرق کے اعتبار سے قاضی کی صوابدید پر رکھا ہے۔ (المبسوط: ۷۰/ ۹)

پس یہی رائے زیادہ قرین قیاس اور قریب بہ مصلحت ہے، البتہ اگر تاخیر سے شہادت پیش کرنے کے پیچھے کوئی معقول عذر کارفرما ہو تو یہ تاخیر **"تقادم"** متصور نہ ہوگی۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کا نقطہ نظر ہے کہ **"تقادم"** کا کوئی اعتبار نہیں اور تاخیر کے باوجود شہادت معتبر ہوگی۔ (مغنی المحتاج: ۱۵۱/ ۴، المدونہ: ۲۲/ ۴)

{۱۹}......مال مسروق کا حکم

مال مسروق کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی **سارق** پر کسی وجہ سے **حد سرقہ** جاری نہیں ہو پائی تب تو

بہر حال وہ **مال مسروق** کا **ضامن** ہے، اگر **مال مسروق** بعینہ موجود ہے تو وہی لوٹا دیا جائے اور اگر یہ مال ضائع ہوگیا یا سارق نے قصداً ضائع کر دیا تو اس کا ضمان ادا کرنا واجب ہے۔(بدائع الصنائع:۸۹/۷)

اور چور پر سزا نافذ ہوئی تو اگر مال مسروقہ موجود ہو تو اسے مالک کو واپس کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس سے ضائع ہوگیا تو ضمان واجب نہ ہوگا، اگرچہ اس نے قصداً سزا کے نفاذ سے پہلے یا اس کے بعد ضائع کر دیا ہو جب بھی قانوناً چور پر ضمان نہ ہوگا لیکن اخلاقی اعتبار سے (دیانۃ) سارق کو مال مسروقہ کا تاوان بھی ادا کرنا چاہئے۔(فتاویٰ شامی:۲۱۰/۳)

(۱۱)......اگر سارق کے خلاف سرقہ کی شہادت دی جائے لیکن چور نے دعویٰ کر دیا کہ جو سامان اس نے لیا ہے، وہی اس کا مالک ہے، مثلاً اس نے بطور رہن یا ودیعت وغیرہ اس شخص کے پاس رکھا تھا تو گو وہ اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر پائے لیکن شبہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس پر حد بھی جاری نہ ہوگی۔ یہ رائے حنفیہ کی ہے۔(رد المحتار:۲۱۰/۳)

مالکیہ کے یہاں حد جاری ہوگی، شوافع اور حنابلہ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔
(المنتقی:۱۶۴/۷، مغنی المحتاج:۱۶۱/۷)

حنابلہ کا ایک قول اس مسئلہ میں "**قول وسط**" کا درجہ رکھتا ہے کہ اگر لینے والا شخص اس جرم کا خوگر اور اس میں معروف ہو تو اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا اور ایسا نہ ہو تو اس کا دعویٰ مقبول ہوگا۔
(المغنی:۱۲۳/۹)

{۲۰}......حد کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جانا بہتر ہے

جب تک مقدمہ عدالت میں نہ گیا ہو بہتر ہے کہ مجرم کو معاف کر دیا جائے اور ستر کی کوشش کی جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب**" (نسائی شریف:۲۵۵/۲، کتاب قطع السارق) تو لوگو حدود والے جرائم کو آپس ہی میں طے کرلو، البتہ جب مجھ تک حد کا کوئی مقدمہ آئے گا، تو پھر حد واجب ہو جائیگی۔

لیکن جب معاملہ قاضی کے پاس پہنچ چکا اور دعویٰ دائر ہو چکا تو اب اس کے لئے سفارش اور سزا

سے بچانے کی کوشش قطعاً جائز نہیں، عہد نبوت میں ایک خاتون اس جرم میں ماخوذ ہوئیں، وہ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، بعض حضرات کو ان پر سزا کی تنفیذ ناگوار خاطر ہوئی، انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ دربار نبوت ﷺ میں معافی کی سفارش کرائی، آنحضرت ﷺ کو اس سے بڑی ناگواری ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے اس پر ایک مستقل خطبہ دیا۔ جس میں ارشاد فرمایا: ”**انما هلك الناس قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد، ثم قال والذى نفسى بيده لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها**“۔ (نسائی شریف: ۲/۴۵۶، کتاب قطع السارق)

تم سے پہلے کے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو لوگ اسے چھوڑ دیتے اور کوئی معمولی آدمی چوری کا مرتکب ہوتا تو لوگ اس پر حد جاری کرتے، فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (معاذ اللہ) نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ اس لئے اس کے لئے ناجائز ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔

{۲۱}......جن صورتوں کے ارتکاب پر حد نہیں

☆......قرآن مجید کے سرقہ پر حد واجب نہیں۔ (البحر الرائق: ۵/۵۴)

☆......جس گھر میں اجازت لے کر داخل ہوا ہو، وہاں سے کوئی چیز چوری کر لی جائے تو حد جاری نہیں ہوگی، یہی حکم مہمان کے میزبان کے گھر سے چوری کرنے کا ہے۔ (فتاویٰ شامی: ۳/۲۰۲)

☆......محرم رشتہ دار (جو صرف رضاعی رشتہ کے بنیاد پر محرم نہ ہو) کی کوئی چیز چوری کر لی جائے تو بھی حد واجب نہیں ہوتی۔ (البحر الرائق: ۵/۵۵)

☆......اگر کسی چیز کی چوری میں کئی لوگ شریک ہوں اور مال مسروقہ اتنا ہو کہ اگر ان سب پر تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک کو دس درہم کے بقدر آجائے تو ان سبھی کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، بشرطیکہ اس گروہ میں کوئی نابالغ بچہ یا پاگل یا مالک سامان کا محرم رشتہ دار نہ ہو۔

☆......مال اچک لینے والے شخص پر حد جاری نہیں ہوگی، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”**ليس على**

المنتهب قطع۔ (نصب الرایہ:۳٦۳/۳)

☆......کفن چور پر بھی حنفیہ کے نزدیک چوری کی سزا جاری نہیں ہوگی۔ (البحر الرائق:۵۵/۵)

{۲۲}......حد سرقہ نافذ نہ ہونے کی صورت تعزیر

جن صورتوں میں چوری کی سزا ''ہاتھ یا پاؤں کاٹا جانا'' نافذ نہیں کی جاتی، ان صورتوں کے بارے میں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ سزا اسے کلیۃً بری ہوجاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ چوں کہ شریعت جہاں ایک طرف آخری درجہ کے جرم پر شدید تر سزا مقرر کرتی ہے، وہیں یہ بھی چاہتی ہے کہ یہ سزا اسی صورت جاری ہو جب کہ مجرم کا جرم بے غبار ہوجائے اور اس کا مستحق سزا ہونا اتنا واضح ہوجائے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ ایسی صورتیں جن میں سزا کا استحقاق کسی بھی درجہ میں مشکوک ہو، اس میں متعینہ سزا جاری نہیں کی جاتی لیکن **تعزیز** کی گنجائش باقی رہتی ہے اور قاضی اپنی صوابدید سے جرم کی زیادہ اور کم شدت اور مجرم کی عادت وخو اور احوال وکیفیات کو سامنے رکھ کر مناسب اور معقول سرزنش کرسکتا ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں **''تعزیر''** کہتے ہیں۔ (قاموس الفقہ:۱۴۳/۴)

{الفصل الاول}

قطع سرقہ کا نصاب

{۳۴۳۳} **عَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهاَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقْطَعُ یَدُ السَّارِقِ اِلَّا بِرُبْعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِداً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰۴/۱، باب قول اللّٰہ تعالیٰ والسارق والسارقة الخ، کتاب الحدود حدیث نمبر: ٦۷۸۹، مسلم شریف: ٦۳/۲، باب حد السرقة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱٦۸۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ چور کا ہاتھ اسی وقت کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زائد مقدار کی چوری کی ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اسلامی قانون کے اعتبار سے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، لیکن کتنی مالیت کم از کم وہ چوری کرے جب اس کا ہاتھ ٹا جائے گا، تو اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر چور نے ربع دینار یا اس سے زائد مالیت کی چوری کی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر اس سے کم چوری کی ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا،

قطع ید کا نصاب

مال مسروقہ کتنی مقدار ہو تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، اختلاف سے پہلے بھی اس سلسلہ میں ذکر کردہ احادیث بالترتیب لکھی جاتی ہیں صاحب مشکوۃ نے اس باب میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل احادیث ذکر فرمائی ہیں:

(۱)......حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: اس میں **قطع ید** کا نصاب **"ربع دینار"** بیان کیا گیا ہے۔

(۲)......حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ: اس میں **مجن** (ڈھال) کو جس کی قیمت تین دراہم ہو نصاب قرار دیا گیا ہے۔

(۳)......حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ: اس میں **حبل** (رسی) اور بیضہ انڈے کے سرقہ پر **قطع ید** کا حکم ہے۔

(۴)......اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں دس دراہم کو نصاب قرار دیا گیا ہے، یہ روایات مشکوۃ کے اس باب میں مذکور نہیں، ان کی تخریج آگے چل کر کی جائے گی۔

اختلاف فقہاء

یہاں دو باتوں میں اختلاف ہے، ایک یہ کہ قطع ید کا نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ اگر مقرر ہے تو نصاب کی مقدار کیا ہے؟

مسئلہ اولیٰ

ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ قطع ید کے لئے مال مسروقہ مقدار نصاب ہونا شرط ہے، قلیل میں **قطع ید** نہیں ہوگا، البتہ داوٗد ظاہری اور بعض سلف نیز حضرت حسن بصری وخوارج کے نزدیک قطع ید کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۸/۲۴۲)

دلائل

جمہور کا استدلال پہلی، دوسری اور چوتھی قسم کی احادیث سے ہے، ان میں **قطع ید** کے لئے نصاب کی تعیین ہے، اہل ظاہر کا استدلال تیسری قسم کی حدیث سے ہے، اس میں رسی اور انڈے کے سرقہ کی وجہ سے بھی **قطع ید** کا حکم ہے، بظاہر رسی اور انڈے کی قیمت نصاب سے کم ہی ہوتی ہے، مگر جمہور نے دوسری کثیر احادیث کی روشنی میں اس حدیث میں یہ تاویل فرمائی ہے کہ بیضہ سے مراد بیضۃ السلاح وغیرہ ہے، جس کی قیمت عموماً زیادہ ہوتی ہے، ایسے ہی حبل سے مراد سفینہ وغیرہ کی خاص قسم کی رسی ہے جس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، یا یہ ابتداء اسلام میں ہوگا بعد میں منسوخ ہو چکا ہوگا۔

مسئلہ ثانیہ

اب اسکے اندر اختلاف یہ ہے کہ نصاب **سرقہ** کتنا ہے؟ حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس کے اندر تقریباً بیس قول ہیں۔

(۱)...... ہر قلیل وکثیر کے اندر قطع ید ہوگا یہی مذہب اہل ظاہر کا ہے۔

(۴)...... ہر قلیل و کثیر کے اندر قطع ہے مگر تافہ کے اندر یعنی ایسی شیٔ جو مثلا ہاتھ سے گر جائے تو پھر اس کو وہ نہ اٹھائے یعنی حقیر چیز کے اندر قطع نہیں ہے۔

(۴)...... ایک درہم اور اس سے زیادہ کے اندر قطع ہے یہ مذہب ہے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا۔

(۵)...... تین درہم اور اس سے زیادہ کے اندر قطع ہے یہ مذہب ہے امام احمد اور امام مالک کا۔

(۶)...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار درہم سے کم کے اندر قطع نہیں ہے۔

(۷)...... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پانچ درہم کے اندر انہوں نے قطع ید فرمایا۔

(۸)...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "**لا تقطع الخمس الا فی الخمس**"۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ پانچ دینار اور پچاس درہم کے اندر ہاتھ کی پانچ انگلیاں قطع ہوں گی۔

(۹)...... ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس کے اندر قطع ید ہے۔

(۱۰)...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربع دینار کے قطع ید ہے۔ (شرح المہذب: ۲۰/۸۷)

(۱۱)...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ربع دینار یا تین درہم کے اندر قطع ہے یہ تو حد النقدین کے اندر ہے اور ان کے ماسواء کے اندر ہر اس شیٔ میں قطع ہے جس کی قیمت تین درہم کے بقدر ہو۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۸/۲۴۲)

(۱۲)...... امام احمد کی ایک روایت ہے کہ ربع دینار اور ثلاثۃ درہم کے اندر قطع ہے، یہ تو حد النقدین کے اندر ہے ان کے ماسواء کے اندر قیمت لگائی جائے گی اور جسکی قیمت اقل نصاب کو پہنچے اس کے اندر قطع ید ہے۔

(۱۳)...... امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم کے اندر قطع نہیں ہے۔ (شامی: ۴/۸۳) یہی مذہب ہے عطا کا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے متیقن کو اختیار کیا کیونکہ شبہات سے حد ساقط ہو جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈھال کے سرقہ میں قطع فرمایا ہے اور اس کی قیمت بعض کے نزدیک تین درہم اور بعض کے نزدیک پانچ درہم اور بعض روایت کے اندر دس درہم ہے اور ان میں متیقن عشرۃ دراہم ہے اس لئے ہم نے ان کو اختیار کیا تاکہ اس سے کم مقدار اسکو شامل ہو جائے۔

(تقریر حضرت شیخ نورہ اللہ مرقدہ، بذل المجہود: ۲/۴۵۴)

دلائل

ربع دینار ثابت کرنے کے لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے اور تین دراہم ثابت کرنے کے لئے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا جاتا ہے، بہت سی احادیث میں دس دراہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیا گیا ہے وہ احناف کا مستدل ہیں، ان میں چند روایات یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)......حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**لا یقطع ید السارق فی دون ثمن المجن قال عبد اللہ وکان ثمن المجن عشرۃ دراھم**" یہ مضمون کئی طرح کے الفاظ سے علامہ زیلعی نے مختلف اسانید سے نقل فرمایا ہے۔ (۲۵۷/۲، نصب الرایہ: ۳۵۹/۳)

(۲)......سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "**کان ثمن المجن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم عشر دراھم**" مجن (ڈھال) کی قیمت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دس درہم کے برابر ہوتی تھیں۔

(نسائی شریف: ۲۵۹/۲)

(۳)......امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت عمر، علی عثمان اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی احناف والا نقل فرمایا ہے۔ (موطا: ۳۰۴)

(۴)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے آٹھ دراہم کی قیمت کا کپڑا چوری کیا تھا حضرت رضی اللہ عنہ نے قطع ید نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ دس دراہم سے کم میں قطع ید نہیں ہوتا۔

(نصب الرایہ: ۳۶۰/۳)

لا قطع الا فی دینار فصاعداً: (ابن ابی شیبہ: ۴۷۴/۹ مصنف عبد الرزاق: ۲۳۳/۱۰)
یعنی قطع ید ایک دینار یا اس سے زیادہ میں ہوتا ہے، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی قیمت میں قطع ید فرمایا اور اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حدیث باب کا جواب

حنفیہ حدیث باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس باب میں مختلف طریقوں سے مروی ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف اتنا فرمایا: "**قطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن المجن**" (المسند الجامع: ۲۰/۵۵)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی قیمت میں قطع ید فرمایا ہے، اور بعض روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے **مجن** کی قیمت میں **قطع ید** فرمایا اور **مجن** کی قیمت تین درہم تھی، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے **مجن** کی قیمت میں **قطع ید** فرمایا اور اسکی قیمت ربع دینار تھی ان تمام روایات کو مد نظر رکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اصل روایت میں صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**ثمن مجن**" میں **قطع ید** کیا ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ اس **مجن** کی قیمت ربع دینار تھی یا تین درہم تھی، لیکن ان کا یہ خیال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے ذکر کی، جس میں انہوں نے فرمایا کہ **مجن** کی قیمت دس درہم تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**ثمن مجن**" میں قطع ید فرمایا اب یہ کہ **ثمن مجن** کتنی تھی؟ اس کی تعیین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس درہم تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ربع دینار یا تین درہم تھی اس اختلاف کی وجہ سے حنفیہ نے اس روایت کو لے لیا جو أدراء للحد تھی یعنی جو روایت حد کو دور کرنے والی اور ساقط کرنے والی تھی، کیونکہ اگر تین درہم کی روایت لیتے تو اس کی وجہ سے حد زیادہ اور جلدی نافذ ہو گی اور دس درہم والی روایت لینے کی صورت میں **حد** دیر سے نافذ ہو گی اور نو درہم کی چوری تک حد نہیں لگے گی، اور حدود کے باب میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ احتمال اختیار کیا جائے جس سے **حد** دور ہوتی ہو، اس وجہ سے حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت جو دس درہم کی تھی اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی

روایت پر ترجیح دیتے ہوئے اس پر عمل کیا، اور اس کی تائید حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی ہوتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا "**لاقطع الا فی دینار**" یعنی ایک دینار سے کم میں قطع ید نہیں ہوا کرتا ہے، اور اس زمانہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کے برابر ہوتی تھی۔

(مبسوط: ۱۳۷/۹، بدائع: ۷۷/۷، مہذب: ۲۷۷/۲، درس ترمذی: ۹۸/۵)

نصاب سرقہ ڈھال کی قیمت ہے

{۳۴۳۴} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ سَارِقٍ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلاَثَةُ دَرَاهِمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰۴/۲، باب قول اللہ تعالیٰ والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۷۸۹، مسلم شریف: ۶۳/۲، باب حد السرقة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چور کا ہاتھ ڈھال کے بدلے میں کاٹا، جب کہ ڈھال کی قیمت تین دراہم تھی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ چور نے اگر تین درہم یا اس کی مالیت کا کوئی سامان چرایا تو اس پر حد جاری کی جائے گی، یعنی اس کا داہنا ہاتھ گٹے تک کاٹا جائیگا، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چور کا داہنا ہاتھ گٹے تک کاٹنا ہی ثابت ہے اور چور کی یہی سزا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب پر عمل کرتے ہیں، ان کے نزدیک تین درہم یا اس کے بقدر مالیت کی چوری پر حد جاری کی جائے گی، حد سرقہ میں داہنا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹا جائے گا، بخاری میں ہے "**وقطع علی من الکف**" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ ہتھیلی سے کاٹا، یہی جمہور کا مذہب ہے روافض کہتے ہیں کہ چور کی صرف انگلیاں کاٹی جائیں گی۔

کیا انڈا چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا

{٣٤٣٥} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ یَسْرِقُ الْبَیْضَةَ فَتُقْطَعُ یَدُهٗ وَیَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ یَدُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ١٠٠٣/٢، باب قول اللّٰہ تعالیٰ والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ٦٧٩٩، مسلم شریف: ٦٤/٢، باب حد السرقة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ١٦٨٧۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو چور پر وہ انڈا چوری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور وہ رسی چوری کرتا ہے پس اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوروں پر لعنت فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ گنہگاروں پر بلا تعیین لعنت کی جاسکتی ہے، البتہ کسی شخص کا نام لیکر اسکو لعنت کرنا درست نہیں ہے، اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بسا اوقات انسان انڈے اور رسی جیسی معمولی چیز چراتا ہے، لیکن حاکم انتظامی مصلحت کی بنا پر اس کے ہاتھ کٹوا دیتا ہے تو کتنا خسارہ میں رہا سزا پانے والا شخص کہ معمولی چیز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت سے محرومی ہاتھ لگی، اس لئے کسی بھی چیز کو خواہ حقیر ہو یا قیمتی چرانا نہیں چاہئے۔

لعن السارق: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ممکن ہے یہاں لعنت سے اہانت مراد ہو، یعنی اس نے معزز ترین چیز کو حقیر چیز کے عوض میں گنوا کر اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کرلیا، "**یسرق البیضة فتقطع یدہ**" ایک انڈا چوری کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

اشکال: انڈا، اور رسی تو بہت معمولی چیزیں ہیں، ان کی قیمت تو تین درہم سے بھی بہت کم ہے، پھر ان کے چوری کرنے پر حد شرعی کیوں جاری ہوگی؟ یہ حدیث تو ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے مذہب

سے کے خلاف ہے۔

جواب: اس حدیث کی چند تاویلات منقول ہیں:

(۱)......**البیضة:** سے مرغی کا انڈا مراد نہیں ہے، بلکہ لوہے کا خود مراد ہے، جو سپاہی اپنے سر پر بوقت لڑائی رکھتا ہے۔

اسی طرح رسی سے عام رسی مراد نہیں ہے، بلکہ کشتی کی رسی مراد ہے جو کہ کافی قیمتی ہوتی ہے۔

(۲)......مقصد آنحضرت ﷺ کا یہ ہے کہ شروع میں انڈا اور رسی جیسی چیزیں چراتا ہے پھر اس کی عادت پختہ ہو جاتی ہے تو دوسری قیمتی چیزیں چراتا ہے، بالآخر پکڑا جاتا ہے اور بطور حد کے اسکا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، تو ہاتھ کٹنے کا سبب کسی نہ کسی درجہ میں معمولی چوریاں ہیں جو کہ ابتداء میں انڈے اور رسی کی شکل میں انجام دی تھیں۔

(۳)......ابتداء اسلام میں انڈے اور رسی جیسی معمولی چیزوں پر بھی حد جاری کرنے کا حکم تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۴)......حد کے طور پر نہیں بلکہ انتظامی مصالح کے پیش نظر تعزیراً حاکم وقت سزا دے سکتا ہے۔

(۵)......مراد تہدید ہے اور واقعتاً ہاتھ کاٹنا مقصود نہیں ہے۔ (مرقاة المفاتیح: ۴/۸۴، التعلیق الصبیح: ۷/۱۷۸، مبسوط: ۹/۱۳۷، بدائع: ۷/۷۷، حاشیة الدسوقی: ۴/۳۳۳، شرح مہذب: ۲/۲۷۷، مغنی المحتاج: ۴/۱۵۸)

ایک دینار اور دس درہم میں تفاوت ہو جائے تو اعتبار کس کا ہوگا

پھر فقہاء حنفیہ کے درمیان اس بارے میں بھی کلام ہوا ہے کہ اگر دس درہم اور ایک دینار کی قیمتوں میں بھی تفاوت ہو جائے تو اس وقت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ مثلاً ہمارے موجودہ زمانے میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کی قیمت سے بہت بڑھ گئی ہے، ایک دینار تقریباً ۴ ر مثقال سونے کے برابر ہوتا ہے اور دس درہم۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک دینار کا اعتبار ہوگا یا دس درہم کا اعتبار ہوگا؟ میرا خیال یہ

ہے کہ دینار کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ متعدد روایات میں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں دینار کا لفظ ہی آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دینار ہے، اور ویسے بھی جب دینار کی قیمت زیادہ ہوگی تو اب دینار کے نصاب کو لینا **"اداء للحد"** ہے اس لئے دینار کی قیمت لینا بہتر ہوگا، چنانچہ جب پاکستان میں **حد سرقہ** کا قانون بنا تو اس میں بھی دینار کی قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے، اور آج کل کے حساب سے تقریباً سو روپے اس کی قیمت بنتی ہے، لہٰذا اس سے کم میں قطع ید نہیں ہوگا۔

قطع ید کی سزا پر اعتراض اور اس کا جواب

اسی وجہ سے ابو العلی معری جو ملحد قسم کا شاعر گزرا ہے اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

ید بخمس مئین عسجد ودیت

فمابالها قطعت فی ربع دینار

یعنی پانچ سو سونے کے دینار سے ایک ہاتھ کی دیت ادا کی جاتی ہے، کل دیت ایک ہزار دینار ہوتی ہے، اور ایک ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہوتی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے ہاتھ کو ربع دینار کے عوض کاٹ دیا جاتا ہے، یعنی ایک طرف تو ایک ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ہے اور دوسری طرف ربع دینار ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

هناك مظلومة غالت بقيمتها

وههنا ظلمت هانت على البارى

یعنی جہاں ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار مقرر کی گئی ہے وہ مظلوم ہاتھ ہے اور جس ہاتھ نے چوری کر کے ظلم کیا ہے اس ظلم نے اس ہاتھ کو حقیر اور ذلیل کر دیا اور جس کی وجہ سے اس کی قیمت ربع دینار ہوگئی، ابو الفتح بستی نے بھی اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

عز الامانة اغلاها وارخصها

ذل الخيانة فافهم حكمة البارى

امانت کی عزت نے اس کی قیمت بڑھادی اور خیانت کی ذلت نے اس کی قیمت کم کر دی ہے،

اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کو سمجھ لو۔

کیا قطع ید کے بعد چور کو دوبارہ ہاتھ جڑوانے کی اجازت ہوگی؟

آج کے دور میں اگر ایک عضو جسم سے الگ کر دیا جائے تو اس کو سرجری کے ذریعہ اپنی جگہ دوبارہ لگانا ممکن ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر چور یہ چاہے کہ سرجری کے ذریعہ اپنا ہاتھ دوبارہ اپنی جگہ پر لگوالوں تو کیا اس کو اس کی اجازت دی جائیگی یا نہیں دی جائے گی؟ اور یہی سوال قصاص میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو عضو قصاصاً کاٹ دیا گیا ہے، اس عضو کو دوبارہ سرجری کے ذریعہ لگوانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

قصاصاً کاٹے گئے عضو کو دوبارہ جڑوانا جائز ہے

یہ مسئلہ پہلے تو ایک نظریاتی قسم کا مسئلہ تھا لیکن اب اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں کہ جس میں عضو کو دوبارہ اپنی جگہ پر لگا دیا جاتا ہے، چنانچہ کچھ عرصہ پہلے کویت میں اس موضوع پر علماء کی ایک محفل مذاکرہ منعقد ہوئی تھی تو اس وقت اس موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ لکھا گیا ہے، جس کا نام ہے "**اعادۃ العضو المبان فی القصاص والحد**"۔ جب میں نے یہ مقالہ لکھنا شروع کیا تو خیال ہوا کہ اس موضوع پر فقہاء کی کتابوں میں ملنا مشکل ہے، لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قصاص کے باب میں یہ مسئلہ تمام فقہاء نے لکھا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے اور یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا کان قصاصاً کاٹ دیا گیا اور اس نے وہ کان کسی طرح اپنی جگہ پر لگا دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ تمام فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی عضو قصاصاً کاٹ دیا گیا ہو، وہ اگر اس کو دوبارہ جوڑنا چاہے تو جوڑ سکتا ہے، اس لئے کہ جب ایک مرتبہ ایک عضو قصاصاً کاٹ دیا گیا تو قصاص کا حکم پورا ہو گیا، اب اگر وہ دوبارہ اس عضو کو جوڑ رہا ہے تو وہ اپنا علاج کر رہا ہے، اور علاج کی ممانعت نہیں ہے۔

جنایت کا ایک مسئلہ

اسی ضمن میں فقہاء نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اگر مجنی علیہ (جس پر جنایت کی گئی) نے کسی طرح اپنا کٹا ہوا عضو جوڑ لیا تو اب بھی ''جانی'' (جنایت کرنے والا) سے قصاص لیا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنی جنایت پوری کرلی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا اعضاء کو جوڑنا ممکن بھی ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان اعضاء کے اندر جو رگیں اور پٹھے ہیں وہ آپس میں جڑ سکتے ہیں، اور جڑنا ممکن ہے البتہ فقہاء نے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی ہے کہ اگر حداً کسی کا ہاتھ پاؤں کاٹ دیا گیا ہے تو وہ اس کو دوبارہ جوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

ہاتھ پاؤں کو دوبارہ جوڑنا تقریباً ناممکن ہے

غالباً فقہاء نے یہ بحث اس لئے نہیں کی کہ ہاتھ اور پاؤں کے دوبارہ جڑوانے کو ناممکن سمجھا، پھر میں نے بھی ڈاکٹروں اور سرجنوں سے معلوم کیا اور کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ اور پاؤں کا جڑنا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ناممکن ہے، اور اگر جوڑ دیا جائے تو ان میں زندگی نہیں آتی، اس لئے کہ یہاں کے پٹھے اور رگیں ایک مرتبہ کٹنے کے بعد ان میں دوبارہ زندگی کا آنا مشکل بلکہ ناممکن ہے، چنانچہ ''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' میں لکھا ہے کہ آج ڈاکٹرز کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں جوڑنے کا کام اس لئے نہیں کرتے کہ اگر وہ کرنا بھی چاہیں تو اس پر خرچہ بے انتہاء آتا ہے، جو ناقابل برداشت ہوتا ہے، اور اس کے باجود ہاتھ اس طرح کام نہیں کرتا جس طرح پہلے کرتا تھا، اس کے بجائے اگر مصنوعی ہاتھ یا مصنوعی پاؤں لگا دیا جائے تو وہ زیادہ فائدہ مند بھی ہوتا ہے اور خرچ بھی کم آتا ہے، اس لئے اصل اعضاء کی پیوندکاری فائدہ مند نہیں ہے۔

جس کا کو فقہاء نے سیکڑوں سال پہلے ناممکن سمجھ کر اس پر بحث نہیں کی، وہ کام آج تک منافع بخش طریقے پر نہ ہوسکا، چنانچہ میں نے اس مقالے میں یہ لکھ دیا کہ جب اس کا ہونا ممکن نہیں ہے تو پھر کیوں اس

کی تحقیق کر کے وقت ضائع کیا جائے، آئندہ کبھی کسی زمانے میں ہاتھ پاؤں جڑنے لگیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس زمانے کے علماء اور فقہاء پر وہ بات منکشف فرمادیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہوگی۔

ہاتھ جوڑنے کے مسئلے میں دو نقطہ ہائے نظر

البتہ اس میں دو باتیں مدنظر رکھنے کی ہیں، ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ قطع ید ایک حد ہے اور جب ایک مرتبہ حد جاری ہوگئی تو ہر وقت اس کی نگرانی کرنا کہ وہ چور اپنا ہاتھ جوڑ تو نہیں رہا ہے، اور اگر جوڑ رہا ہے تو اس کو اس سے روک دیا جائے ظاہر ہے کہ یہ ناممکن بات ہے، لہٰذا قصاص پر **حد** کو بھی قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ جب ایک مرتبہ سزا جاری ہوگئی تو **حد** پوری ہوگئی، اب اگر وہ اپنا علاج کرتا ہے تو اسکو کرنے دیا جائے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ **حد** منشاء یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے عبرت بنے، اب اگر اس نے اپنا ہاتھ لگالیا تو وہ عبرت کہاں ہوئی، وہ تو ایک کھیل ہوگیا کہ ابھی اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور ابھی اس نے لگالیا، اور **حدود** کو کھیل ہونے سے بچانا چاہئے۔ بہرحال، یہ دونوں نقطہ نظر ہو سکتے ہیں، جب کبھی علماء اس مسئلے پر غور کریں تو ان دونوں نقطہ ہائے نظر کو بھی مدنظر رکھیں۔ (درس ترمذی: ۵/۹۹)

{الفصل الثانی}

درخت پر لگے پھل چوری کرنے پر حد شرعی نہیں ہے

{۳۴۳۶} عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِيْ ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ۔ (رواه مالك والترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجه)

حوالہ: مالک، ص، باب مالا یقطع فیه، کتاب الحدود، ترمذی، ۲۶۹/۱، باب

ماجاء لاقطع فی ثمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۴۹، ابو داؤد، ۲/۶۰۳، باب مالا قطع فیه، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۸۸، نسائی شریف: ۲/، باب مالا قطع فیه، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۹۶۲، ابن ماجه: ۱۸۶، باب مالا یقطع فی ثمر ولا فی کثر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۹۳، دارمی صفحه: ۲/۲۲۸، باب مالا یقطع فی الثمار، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۳۰۴۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ درخت پر لگے پھل اور کھجور کے شگوفے چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: قطع فی ثمر: ثاء اور میم کو فتحہ ہے ثمر ہر پھل کو کہتے ہیں، البتہ عرب میں ثمر کا کھجور پر اطلاق غالب ہے لیکن اس وقت تک جب کہ وہ کھجور کی شاخ میں لگا ہوا ہو، نہایہ میں یہ ہے، "**الثمر الرطب مادام علی راس النخلة فاذا قطع الرطب فاذا کنز بالکاف والنون والزاء فهو الثمر**" مصباح اللغات اور المنجد میں "**الثمر**" کے معنی صرف پھل کے لکھے ہیں۔ "**ولا کثر**" کاف اور ثاء کو فتحہ ہے، یہ مرقاۃ میں ہے، اور القاموس الوحید میں ثاء ساکن لکھا ہے اس کے معنی کھجور کے شگوفہ لکھے ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "**جمار النخل**" معنی لکھے ہیں اور "**جمار**" کے معنی کھجور کے درخت کا گوند جو چربی کی طرح سفید ہوتا ہے۔

مسالک: اس حدیث کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ تر میوہ جات کی چوری میں قطع ید نہیں ہے، خواہ محفوظ کئے گئے ہوں یا غیر محفوظ ہوں اور انہوں نے اسی پر دودھ گوشت شربت وغیرہ کو قیاس کرتے ہوئے ان کی بھی چوری پر قطع ید کا حکم نہیں لگایا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اگر وہ محرز یعنی محفوظ کئے گئے ہوں تو ان کی چوری میں قطع ید ہے اور اس حدیث کی انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اس سے وہ پھل مراد ہیں جو درخت میں لگے ہوئے ہوں اور ان کی حفاظت نہ کی جارہی ہو، اور ہدایہ میں ہے کہ جو چیزیں بے حیثیت اور معمولی ہونے کی وجہ سے دارالاسلام میں مباح ہیں مثلاً لکڑی گھاس مچھلی پرندہ وغیرہ ان کی چوری سے بھی قطع ید نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۸۶، شرح الطیبی: ۷/۱۷۵)

سرقہ کے ثبوت کے لئے مال کا "محرز" ہونا ضروری ہے

اس سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ **سرقہ موجب حد** کے لئے مال مسروق کا **"محرز"** ہونا یعنی محفوظ جگہ میں ہونا ضروری ہے، چونکہ پھل **"محرز"** نہیں ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی آ کر اس کو توڑ سکتا ہے لہٰذا اس پر **قطع ید** نہیں ہوتا، اسی سے صاحبین نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں اور سڑ جاتی ہیں ان کی چوری کرنے سے حد واجب نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ درخت ایسے باغ میں ہے کہ جس کی چار دیواری ہے اور اس کا دروازہ ہے، اس پر تالا پڑا ہوا ہے تو کیا پھر بھی پھل کی چوری پر قطع ید نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں **ثمر معلق** کو **غیر محرز** قرار دیا گیا ہے، اور چار دیواری کے ذریعہ صرف درخت **خرز** میں آ گئے ہیں، لیکن چونکہ اس میں **نص** آ گئی ہے اس لئے اگر ظاہری طور پر **حرز** کا سامان بھی کر لیا گیا ہو تب بھی **قطع ید** نہیں ہوگا۔ (درس ترمذی: ۵/۹۸)

تحقیق مذاہب فی ہذہ المسئلۃ

سرقہ میں **حرز** جمہور علماء کے یہاں شرط ہے ورنہ بغیر اس کے **سرقہ سرقہ** نہیں ہے، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک شرط نہیں، یہی وجہ ہے کہ **نباش** پر **قطع ید** نہیں، کیونکہ کفن **غیر محرز** ہے، بعض شراح نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی مثل ظاہریہ کے لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، چنانچہ اوجز: ۶/۵۷، میں ہے "**الشرط الرابع كون المسروق في حرز عند جمهور العلماء خلافا لداؤد ظاهري اذ لا يعتبر الحرز ثم قال الموفق، اذا ثبت اعتبار الحرز والحرز ما عد حرزا في العرف الخ**" (الدر المنضود: ۶/۳۲۹، ہکذا فی الطیبی: ۷/۱۷۶، درس مشکوۃ: ۳/۸۹)

محفوظ پھل چرانے پر قطع ید کی سزا دی جائے گی

{۳۴۳۷} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَالَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد، ۱/، بـاب التغریـب باللقطـۃ، کتـاب اللقطـۃ، حـدیث نمبر: ۱۷۱۰، نسائی شریف: ۲/۲۲۶، باب الثمر المعلق یسرق، کتاب القطع السارق، حدیث نمبر: ۴۹۵۷۔

حل لغات: **علق الشئ بالشـئ:** لٹکانا اٹکانا، **الوجل علی دارہ:** گھر پر جوکھٹ لگانا، آوی فلانا، اپنے پاس ٹھہرانا پناہ دینا، **الجرن:** کھلیان جرین، **المجن** ڈھال۔

ترجمہ: حضرت عمـرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادعبد اللہ بن عمـرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھل کے بارے میں پوچھا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اس میں سے چرایا بعد اس کے کہ پھلوں کو کھلیان پہنچا دیا گیا ہو اور وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ گیا ہو تو اس پر ہاتھ کاٹنا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: پھلوں کو جب محفوظ جگہ پہنچا دیا گیا اس کے بعد کسی نے چوری کی تو دیکھا جائے گا کہ مال مسروق کی مقدار کیا ہے، تو اب اگر چوری کئے ہوئے پھل کی قیمت نصاب سرقہ کو پہنچے گی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر پھل مکان غیر محفوظ سے چرایا ہے تو سرقہ کی تعریف صادق نہ آنے کی وجہ سے چور پر حد جاری نہیں کی جائے گی، کون مکان محفوظ ہے اور کون غیر محفوظ ہے اس میں اعتبار عرف کا ہوگا۔

عن الثمر المعلق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا، یا پھر معلق سے مراد کھجور کا وہ خوشہ ہے، جس کو درخت سے توڑ کر کھلیان پہنچانے سے پہلے چند دن

کے لئے لٹکا دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں جو جواب دیا وہ یہاں مذکور نہیں ہے، بلکہ یہاں ایک دوسرے مسئلہ کی وضاحت ہے، ابوداؤد کی روایت میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

"**فقال من اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلاشیٔ علیه ومن خرج بشیٔ منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة**" آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر حاجت منداس کو توڑ کر منہ میں رکھ لے، بشرطیکہ ساتھ نہ لے جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اور جو توڑ کر ساتھ لے جائے اس پر اسکا تاوان اور ضمان ہے، اور سزا بھی یعنی تعزیر۔ مطلب یہ ہے کہ قطع ید تو دونوں صورتوں میں نہیں ہے، عدم حرز کی وجہ سے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اور صرف توڑ کر کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے، لے جائے تو تعزیر ہوگی اور ضمان بھی ضابطہ میں تو ضمان اتنا ہی برابر سرابر لیا جائے گا، لیکن یہاں روایت میں نسخے مختلف ہیں بعض میں یہ ہے کہ "**غرامة مثله**" اور بعض "**غرامة مثلیه**" ہے دوگنا ضمان کا حکم اب نہیں ہے وہ منسوخ ہے۔

ضروری وضاحت: اس حدیث میں پھل توڑ کر کھانے کی اجازت مذکور ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت صرف مسافرین کے لئے ہے، جو تحریم مال مسلم کے بارے میں وارد ہیں، اور الکوکب الدری صفحہ ۳۷۷ رمیں ہے کہ عرف انصار پر محمول ہے ان کے یہاں ثمر ساقط کے کھانے کی اجازت تھی اور جائع کے لئے ثمر معلق کی بھی اجازت تھی، پس اس کا مدار عرف پر ہے، اگر کسی جگہ معلق کی اجازت بھی عام ہو جائع اور غیر جائع دونوں کے لئے تو وہاں دونوں کے لئے کھانا جائز ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کس جگہ مطلقاً اجازت نہ ہو تو کسی کے لئے بھی جائز نہ ہوگا۔ (الدر المنضود: ۳۲۷/۶)

من سرق منه شیئا: اگر کھجور توڑ کر کھلیان پہنچا دیا گیا تو گویا کہ یہ مقام محفوظ میں پہنچ گیا اب اس کی چوری اگر سرقہ کے نصاب کے بقدر ہوگی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۸۷/۴، شرح الطیبی: ۱۷۶/۷)

غیر مملوکہ جانور کی چوری پر قطع ید نہیں

{۳۴۳۸} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنٍ الْمَکِّیِّ رَضِیَ اللهُ

تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ مُّعَلَّقٍ وَلَا فِیْ حَرِیْسَۃِ جَبَلٍ فَاِذَا اٰوَاہُ الْمُرَاحُ وَالْجَرِیْنُ فَالْقَطْعُ فِیْمَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ۔

(رواہ مالک)

حوالہ: موطا مالک: ۳۵۲، باب مایجب فیہ القطع، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۲۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی حسین مکی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لٹکے ہوئے پھلوں اور پہاڑوں پر کھلے چرنے والے جانوروں کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے، جب جانور کو باڑا پناہ دے دے اور پھلوں کو کھلیان پہنچا دیا جائے تو ہاتھ کٹنے کی سزا اس صورت میں ہے جب کہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے۔ (مالک)

تشریح: عن عبد اللہ: یہ قریشی تابعی ہیں، ابو طفیل سے انہوں نے روایت کیا ہے اور ان سے بہت سے تابعین نے حدیث کی سماعت کی ہے، ان سے مالک، ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کیا ہے: **"قال ان رسول اللہ صلی علیہ وسلم قال لا قطع فی ثمر معلق ولا فی حریسۃ جبل"** حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **"ثمر معلق"** اور **"حریسۃ حبل"** میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **"حریسہ"** فعلیۃ کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی **"حروسۃ الجبل"** یہ اس جانور کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں چرتا ہے اور اسکا چرواہا ہوتا ہے، اور بعض نے یہ کہا الحریسۃ وہ بکری ہے جس کو رات میں چرا لیا جائے اور اس کی وضاحت جبل کی طرف اس لئے کی گئی کہ چور اسکو لیکر پہاڑ پر چلا جاتا ہے تاکہ تلاش کرنے والے اس کو پا نہ سکیں۔ **فاذا آواہ المراح**۔ میم کو ضمہ ہے یہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں حفاظت کی غرض سے رات کو جانور رکھے جاتے ہیں اسی کی تعبیر ترجمہ میں "باڑا" سے کی گئی ہے جسکے معنی احاطہ چار دیوار وغیرہ کے ہیں جو بکری رات کو اپنے رہنے کی جگہ رات ہونے سے پہلے نہ پہنچے اس کو حریسہ کہتے ہیں **"فلان یاکل الحریسات"** اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی بکریوں کو چرا کر کھاتا ہے، **"والجرین"** وہ جگہ جہاں کھجور سکھائے جاتے ہیں کھلیان۔ **فالقطع فیما بلغ ثمن المجن**۔ یعنی جانور اپنے باڑے میں پہنچ کر محفوظ ہو جائیں اور کھجور توڑ کر کھلیان میں سکھانے کے لئے رکھ دیئے جائیں تو ان دونوں کی چوری سے ہاتھ کاٹنا لازم ہو جاتا ہے جبکہ چوری کئے ہوئے جانور یا کھجور وغیرہ کی قیمت ایک

ڈھال کے برابر ہو **"رواہ مالک"** یہ حدیث ایک تابعی سے امام مالک نے روایت کی ہے تابعی نے صحابی کا ذکر نہیں کیا اسلئے صاحب مشکوٰۃ کو **"رواہ مالک مرسلاً"** کہنا چاہئے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۸۸/ ۴، شرح الطیبی: ۱۷۶/ ۷)

تنبیہ: مزید وضاحت حدیث ہٰذا کی ما قبل میں گذر گئی ہے۔

لٹیرے کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے

{۳۴۳۹} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۰۳، باب القطع فی الخلسۃ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۹۱۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبردستی مال لوٹنے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور جو اعلانیہ لوٹ مار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: کسی سے زبردستی اس کا مال چھیننا اور لوٹ مار کرنا اگرچہ چوری سے بڑا گناہ ہے، لیکن اس پر چوری کی تعریف صادق نہیں آتی، اسلئے کہ چوری کے مفہوم میں خفیہ طریقہ پر مال لینا داخل ہے، لہٰذا جب یہ چوری نہیں ہے تو اس حرکت کے انجام دینیوالے پر قطع ید کی حد جاری نہیں کی جائے گی۔

آپ نے فرمایا کہ لوٹ مار کرنے والے پر قطع ید نہیں ہے اور جو اس طرح علانیہ دوسرے کا مال چھینے وہ ہم میں سے نہیں۔

نہبۃ: دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اور اس میں قطع نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ **"انتھاب"** اور **"سرقہ"** دونوں کی حقیقت مختلف ہے کیونکہ **"انتھاب"** میں **"اخذ خفیۃ"** نہیں ہوتا بلکہ علانیہ، اور خیانت میں اس لئے نہیں کہ وہاں **"حرز"** کے معنی مفقود ہیں اور یہ دونوں **"سرقہ"** کی حقیقت میں داخل ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر میں تحریر ہے کہ چونکہ حدود سے مقصود زجر ہے اور زجر کی زیادہ

احتیاج ان جنایات اور گڑبڑوں میں ہوتی ہے جن کا شیوع اور عموم ہو بخلاف **خلسہ** اور **نهبه** کے کہ اس پر اقدام کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہوسکتا ہے، مگر وہی شخص جو انتہائی بے باک اور جری ہو، ہاں **تعزیر** اس میں ہے جو حاکم مناسب سمجھے۔

خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

{۳۴۴۰} **وَعَنْه** عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلٰى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) وَرَوٰى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهٗ فَجَاءَ سَارِقٌ وَاَخَذَ رِدَاءَهٗ فَاَخَذَهٗ صَفْوَانُ فَجَاءَ بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ اَنْ تَقْطَعَ يَدَهٗ فَقَالَ صَفْوَانُ اِنِّيْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا هُوَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَأْتِيَنِيْ بِهٖ وَرَوٰى نَحْوَهٗ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۶۹، باب ما جاء فی الخائن، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۴۸، نسائی: ۲/۲۲۷، الحدود، حدیث نمبر: ۱۹۵۱، دارمی، ۲/۱۷۵، باب فی من لا یقطع من السارق، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۳۱۰۔

حل لغات: توسد: سر کے نیچے کوئی چیز رکھنا کسی چیز پر سر ٹیکنا، **ارادشئ:** چاہنا، پسند کرنا، خواہش کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچک لینے والے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں۔ (ترمذی، نسائی، درامی، ابن ماجہ) اور شرح السنہ میں روایت ہے کہ بے شک صفوان بن امیہ مدینہ آئے اور مسجد میں سو گئے، اور اپنی چادر اپنے سر کے نیچے رکھ لی، اس وقت ایک چور آیا اور اس نے ان کی چادر چرالی، حضرت صفوان نے اس کو

پکڑلیا، اور اس کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، آنحضرت ﷺ نے چور کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم فرمایا، حضرت صفوان نے عرض کیا کہ میرا یہ مقصد نہیں تھا، میں نے یہ چادر اس کو صدقہ کر دی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لانے سے پہلے یہ کیوں نہیں کیا؟ اور اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبداللہ بن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے، اور دارمی نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: وروی: یعنی صاحب مصابیح علامہ بغوی نے روایت کیا، **"فی شرح السنة"** اپنی کتاب شرح سنہ میں اپنی سند سے "**ان صفوان ابن امیہ**" یہ مصغر ہے صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ یہ صفوان ابن امیہ ابن خلف جمحی قرشی رضی اللہ عنہ ہیں یہ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تھے تو ان کے لئے حضرت عمیر ابن وہب اور ان کے بیٹے وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پناہ مانگی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو پناہ دیدی اور امان چاہنے والے ان دونوں حضرات کو آنحضرت ﷺ نے اپنی ردائے مبارک عطا فرمائی، یہ صفوان کے لئے امان کی علامت کے طور پر تھی اسکے بعد یہ حضرات صفوان کو پالینے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے صفوان کو امان کی خوشخبری سنا کر آپ کی خدمت میں ان کو حاضر کیا صفوان نے غزوہ حنین اور طائف میں مسلمانوں کے ساتھ بحالت کفر جہاد میں شرکت کی تھی اور اسکے بعد یہ ایمان لائے اور مکہ معظمہ میں قیام کیا اور بعد میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام کیا یہ قریش کے اشراف میں تھے، اور نہایت فصیح اللسان تھے، مولفۃ القلوب میں ان کا شمار تھا بعد میں نہایت پختہ مسلمان اور مخلص صحابہ میں ان کا شمار ہوا حضرت صفوان مدینہ آئے اور **مسجد (مسجد المدینة او مسجد المکة قولان کما فی الاوجز**:۶/۶۳، الدر المنضود:۶/۳۲۹، مذکورہ حدیثوں میں صاف ظاہر ہے کہ وہ مدینہ میں آئے تھے تو مدینہ کی مسجد ہی میں سوتے ہوں گے اور مکہ کی مسجد یہاں پر مراد لینا محل کلام ہے) میں سو گئے ممکن ہے یہ ان کا سونا رات کے وقت کا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دن میں ہی سو گئے ہوں، **"توسد ردائه"** یعنی اپنی چادر کو سر کے نیچے تکیہ کے طور پر رکھ لیا، ہدایہ میں یہ ہے کہ کسی چیز کا سر کے نیچے رکھنا حرز ہے یعنی وہ حفاظت ہے کہ جس کے بعد چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ابن الھمام نے فرمایا کہ: کہ چوری میں حفاظت والی چیز کا چوری کرنا ہاتھ کاٹنے کے

لئے تمام اہل علم کے نزدیک شرط ہے، ایک چور آیا اور اس نے ان کی چادر کو لے لیا تو اسکو پکڑ لیا "**صفوان**" نے "**فجاء به الی رسول الله صلی الله علیه وسلم**" اور مشکوۃ کے ایک نسخہ میں "**الی النبی صلی الله علیه وسلم**" ہے "**فامر**" یعنی چور کے اقرار کے بعد یا چوری پر شہادت گذرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ "**تقطع یده، تقطع**" مؤنث کا صیغہ ہے اور جائز مذکر بھی ہے "**فقال صفوان انی لم ارد هذا**" تو حضرت صفوان نے عرض کیا میری خواہش یہ نہیں ہے یا میں یہ نہیں چاہتا کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کو زجر و توبیخ کر دیجائے۔ "**هو**" یعنی میری چادر "**علیه صدقة**" اس پر صدقہ ہے "**فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فهلا قبل ان تاتینی**" تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے میرے پاس آنے سے پہلے ہی اپنا حق چھوڑ کر کیوں نہیں معاف کر دیا، اور اب تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگیا اور تمہارا حق باقی نہیں رہا بلکہ اب وہ خالص حقوق شرع میں سے ہے اور اب اس کو چھوڑنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں ہے، حدیث سے ثابت ہوا کہ مقدمہ کو حاکم کے پاس لیجانے سے پہلے مدعی کے لئے معاف کر دینے کا حق ہے، طیبی نے یہی فرمایا اور ابن ملک نے بھی ان کی اتباع کی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸۹/ ۴، شرح الطیبی: ۸/۱۷۸/ ۷)

خیانت کرنے والے اور لوٹنے اور اچک لینے والوں کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے، اس لئے کہ یہ چوری نہیں ہے، چوری میں ایک بات تو مال محفوظ ہونا شرط ہے، اور دوسری بات خفیہ طریقہ پر لینا شرط ہے خیانت اگر چہ بہت بڑا جرم ہے لیکن خیانت کرنے والا مال لیتا ہے وہ محفوظ نہیں ہوتا، اسی طرح اچکا اور لٹیرا جو مال لیتا ہے وہ خفیہ طور پر نہیں لیتا ہے، اس لئے ان مجرمین کے ہاتھ بطور حد شرعی نہیں کاٹے جائیں گے، لیکن یہ بھی بہت بڑے مجرم ہیں، اس لئے حاکم وقت ان کے جرم کے اعتبار سے ان کو مناسب سزا دے گا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کا مال چوری ہوگیا اور اس نے چور کو معاف کر دیا تو یہ اچھی بات ہے، بندہ کا حق تھا، لہٰذا اس کو معاف کرنے کا بھی اختیار تھا لیکن اگر اس معاملہ کو اسلامی عدالت میں پہنچا دیا گیا اور چور کا جرم اقرار سے یا گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوگیا تو اس پر حد شرعی واجب ہوگی، اگر چوری کا مال نصاب سرقہ کو پہنچتا ہوگا، حد شرعی واجب ہونے کے بعد صاحب مال کی سفارش یا اس کا معاف کرنا مجرم کو حد شرعی سے بچا نہ سکے گا، اس لئے کہ اب حق اللہ ہوگیا، اب بندہ کا اختیار ختم ہوگیا۔

ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس: خائن کہتے ہیں اس شخص کو جس کے پاس کوئی چیز دورے کہ عاریۃً ہو یا حفاظت کی غرض سے پھر وہ اس چیز میں کمی کردے یا اس سے مکر جائے یا اس کے پاس ہو لیکن کہہ دے کہ وہ ضائع ہوگئی **"منتهب"** وہ شخص جو کھلم کھلا ہتھیار کو استعمال کئے بغیر اپنی جسمانی طاقت کے زور پر دوسرے سے کوئی چیز چھین لے، اگر ہتھیار استعمال کرے گا تو یہ ڈاکو ہوگا پھر اس کی سزا اس کے ڈاکے کے اعتبار سے مختلف ہوگی،" مختلس وہ ہے جو قوت کا استعمال کئے بغیر اچک کر لے جائے، ان تینوں صورتوں میں قطع ید نہیں ہے، اس لئے کہ چوری کی تعریف صادق نہیں آرہی ہے، چوری میں صاحب مال کو پتا ہی نہیں چلتا کہ اس کا مال کسی نے لیا اور یہاں اس کو علم ہے لیکن بے بس ہے،" توسد رداۂ" صفوان اپنی چادر سر کے نیچے رکھے ہوئے تھے، یہ حفاظت ہے اور ان کے سونے میں چور نے سر کے نیچے سے نکالا، اس لئے خفیہ طریقہ بھی ہوا، یہ الگ بات ہے کہ ابھی چور مال لے کر فرار نہیں ہو پایا تھا کہ حضرت صفوان کی آنکھ کھل گئی، **"تقطع"** چور نے چوری کا اقرار کرلیا، یا گواہوں سے اس کا جرم ثابت ہوگیا، لہٰذا آپ نے قطع ید کا حکم کردیا، **"انی لم ارد هذا"** حضرت صفوان کو چور پر ترس آیا،" لہٰذا انہوں نے دو چادر اس کو صدقہ کردی اور آنحضرت ﷺ سے سزا معاف کرنے کی درخواست کی، **"فهلا قبل ان تاتيني"** آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس آنے سے پہلے ہی اس کو کیوں معاف نہ کردیا؟ اب جب میرے پاس مقدمہ آگیا اور جرم ثابت ہوگیا تو اب معاف کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان گذر چکا ہے۔ **"تعافوا الحدود فيما بينكم فما بلغني من حد فقد وجب"**۔ جب تک تمہارے درمیان حدود ہیں تو معاف کردیا کرو کیونکہ جب بات مجھ تک پہنچے گی تو حد قائم کرنا واجب ہوگا۔

حدیث الباب میں ایک مسئلہ

اس واقعہ میں ایک اختلافی مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ قاضی کے قطع ید کا فیصلہ کرنے کے بعد اگر **مسروق منه** یعنی **مالك شئ سارق كو شئ مسروق** کا مالک بنادے یا اس کے بدست بیع کردے تو قطع ید ہوگا یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے یہاں قطع ید نہیں ہوگا شافعیہ حنابلہ وابو یوسف کے

نزدیک قطع ید ہوگا لحدیث الباب، طرفین کی جانب سے اس حدیث کا جواب **"بذل المجھود"** اور اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اوجز میں دیا گیا ہے **"فارجع الیہ لوشئت"**، مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سارق کے لئے ثبوت ملک کہاں ہوا ہے اس لئے کہ **"مسروق منہ تملیك بطریق بیع"** چاہتا تھا اور بیع کا تحقق صرف ایجاب سے نہیں ہوسکتا ہے جب تک قبول نہ پایا جائے لہٰذا یہ حدیث ان کے خلاف نہیں ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۳۰، بذل المجھود: ۱۲/۴۶۸)

سفر جہاد میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی ممانعت

{۳۴۴۱} **وَعَنْ** بُسْرِ بْنِ اَرْطَاةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُقْطَعُ الْاَیْدِیْ فِی الْغَزْوِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ) اِلَّا اَنَّھُمَا قَالَا فِی السَّفَرِ بَدَلَ الْغَزْوِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۶۹، باب ماجاء ان لا یقطع الایدی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۵۰، ابوداؤد شریف: ۱/۶۰۵، باب فی الرجل سرق فی الغزو، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۰۸، نسائی شریف: ۲/۲۲۸، باب القطع فی السفر، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۹۷۹۔

ترجمہ: حضرت بسر بن ارطاة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جہاد میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) مگر ابوداؤد نسائی نے جہاد کی جگہ پر سفر کہا ہے۔

تشریح: مضمون حدیث یہ ہے کہ جنادة بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ میں بسر بن ارطاة کے ساتھ تھا دریائی سفر میں تو ایک چور کو لایا گیا جس کا نام مصدر تھا جس نے ایک بختی اونٹنی چوری کی تھی انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ سفر میں قطع ید نہیں کرنا چاہئے، اور اگر یہ سفر کی حالت نہ ہوتی تو میں اسکا قطع ید کردیتا۔ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے مختصراً اس کے الفاظ یہ ہیں، **"سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تقطع الایدی فی الغزو"** میں نے حضرت نبی

کریم ﷺ سے سنا غزوہ میں ہاتھ نہیں کاٹے جاتے۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ

بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام اوزاعی نے اختیار کیا ہے، اکثر فقہاء اس کے قائل نہیں، بعض نے جواب دیا کہ حدیث ضعیف ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مال غنیمت میں چوری کرنا مراد ہے، اور چونکہ غنیمت میں اس کا بھی حصہ ہے اسلئے قطع ید نہ ہوگا، اور اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کے قطع ید کی وجہ سے لحوق بدار الحرب کا اندیشہ ہو، جمہور کی دلیل حضرت عبادہ کی یہ حدیث ہے "**جاھدوا الناس فی اللہ القریب والبعید، ولا تبالوا فی اللہ لومة لائم، واقیموا حدود اللہ فی الحضر والسفر**، اللہ کے لئے قریب و بعید لوگوں سے جہاد کرو، اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ مت کرو، اور حضر و سفر میں اللہ کے حدود کو قائم کرو۔ **رواہ عبد اللہ ابن احمد فی مسند ابیہ**" یعنی زوائد مسند احمد کی روایت ہے "**قال فی مجمع الزوائد: یشھد لصحته عمومات الکتاب والسنة واطلاقاتھا لعدم الفرق فیھا بین القریب والبعید والمقیم والمسافر انتھی** (عون) امام ترمذی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں "**والعمل علی ھٰذا عند بعض اھل العلم منھم الاوزاعی لایرون ان یقام الحد فی الغزو بحضرة العدو مخافة ان یلحق من یقام علیه الحد بالعدو، فاذا خرج الامام من ارض الحرب ورجع الی دار السلام اقام الحد علی من اصاب کذا قال الاوزاعی**"۔

دار الحرب میں حد جاری کی جائے یا نہیں؟

اور اس میں حضرت شیخ کی رائے جس کو حضرت نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے یہ ہے "**والظاھر عندی اخذ به الحنفیة والمعنی ان الحدود لاتقام فی دار الحرب کما فی البدائع: ۱۳۱/۷، وھو یخالف ما فی الکوکب: ۴۰۳/۱، وفی المغنی: ۵۳۷/۱۰، لایقام الحد فی دار الحرب وبه قال الاوزاعی، یقام اذا رجع وقال الحنفیة، ولا اذا رجع وقال مالک والشافعی**

یقام فیه ایضاً واستدل لمذھبه بحدیث الباب۔ یعنی چونکہ یہ واقعہ دار الحرب کا تھا اس لئے ان صحابی نے حد جاری نہیں کی، اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ دار الحرب میں حد جاری نہ کی جائے جیسا کہ بدائع وغیرہ میں اس کی تصریح ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب جیسا کہ مغنی میں ہے یہ ہے کہ دار الحرب میں تو نہ قائم کی جائے لیکن واپسی کے بعد قائم کی جائے اور یہی مذہب انہوں نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قرار دیا ہے، اور حنفیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ انہوں نے کہ ان کے نزدیک رجوع کے بعد بھی نہ قائم کی جائے گی، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ دار الحرب ہی میں قائم کی جائے۔

(الدر المنضود: ۳۳۳/ ۶، بذل المجہود: ۳۸۰/ ۱۲، مرقاۃ المفاتیح: ۹۱/ ۴، شرح الطیبی: ۱۷۹/ ۷)

دوبارہ چوری کرنے کی سزا

{۳۴۴۲} **وَعَنْ** اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی السَّارِقِ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا یَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا یَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حواله: شرح السنة: ۳۲۷/ ۱، باب السارق یسرق بعد قطع یده الیمنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۶۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کے بارے میں فرمایا کہ جب چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو اس کا پیر کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو اس کا دوسرا ہاتھ کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو اس کا دوسرا پیر کاٹ دو۔ (شرح السنة)

تشریح: وعن ابی سلمة: صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ کہا یہ جاتا ہے کہ انکا نام انکی کنیت ہے، یعنی نام بھی ابوسلمہ ہی ہے خوب حدیث بیان کرنے والی صحابی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث کی سماعت کی ہے اور ان سے زہری، یحیٰی ابن ابی کثیر

اور شعبی وغیرہ نے حدیث کی سماعت کی ہے، مدینہ طیبہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک یہ بھی ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں انہوں نے اپنے چچا عبداللہ ابن عبدالرحمن سے حدیث کی روایت کی ہے، **"قال فی السارق"** یعنی اس کی شان میں یا اسکے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **"ان سرق فاقطعوا یده"** یعنی اس کا داہنا ہاتھ کاٹو۔ **ثم ان سرق فاقطعوا رجله**۔ پھر اگر دوبارہ چوری کرے تو اسکا بایاں پیر کاٹو ایسا ہی صاحب ہدایہ نے کہا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، ابن ہمام نے کہا کہ اکثر اہل علم کے نزدیک پاؤں ٹخنے سے کاٹا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور ابوثور و روافض نے کہا کہ پاؤں نصف قدم سے کاٹا جائے گا اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے تھے اسکا پچھلا حصہ چھوڑ دیا جائے گا تاکہ اس سے چل سکے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۹۱/۴)

تنبیه: مزید وضاحت مع مذاہب ائمہ ذیل کی روایت میں دیکھئے۔

تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے کی سزا

{۳۴۴۳} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جِيْئَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْئَ بِهِ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْئَ بِهِ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْئَ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اِقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ فَأُتِيَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اُقْتُلُوْهُ فَانْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اِجْتَرَرْنَاهُ فَأَلْقَيْنَاهُ فِيْ بِئْرٍ وَرَمَيْنَا عَلَيْهِ الْحِجَارَةَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) وَرَوٰى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِيْ قَطْعِ السَّارِقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْطَعُوْهُ ثُمَّ اَحْسِمُوْهُ.

حواله: ابو داؤد: ۲/۲۰۵، باب فی السارق یسرق مرارا، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۱۰، نسائی شریف: ۲/۲۲۷، باب فی قطع الیدین والرجلین من السارق، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۹۷۸۔

حل لغات: **اجتر الشیء:** کھینچنا، **ترمی علیہ:** پھینکنا، ہاتھ سے ڈالنا، **حسم العرق:** رگ کو کاٹنے

کے بعد خون روکنے کے لئے داغنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا داہنا ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر دوسری مرتبہ لایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا بایاں پیر کاٹ دو، چنانچہ کاٹ دیا گیا، پھر تیسری مرتبہ لایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ کاٹ دیا گیا، پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا داہنا پیر کاٹ دو، چنانچہ کاٹ دیا گیا، پھر پانچویں مرتبہ لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، ہم اس کو لے کر گئے تو ہم نے اس کو قتل کر دیا، پھر ہم اس کو کھینچ کر لائے اور ہم نے اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا، اور ہم نے اس پر پتھر برسائے۔ (ابو داؤد، نسائی) اور شرح السنہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چور کا ہاتھ کاٹنے کے متعلق روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر اس کو داغ دو۔

تشریح: اس حدیث میں چاروں اعضاء کے بار بار چوری کے نتیجہ میں کٹنے کا ذکر ہے، اس کی وضاحت ما قبل میں ہو چکی ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ پھر چوری کرنے بایاں پیر کاٹا جائے گا، اس کے بعد جیل میں ڈال دیا جائے گا، یہ ہے اصل سزا، حدیث باب میں اسکے آگے جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ بطور تعزیر ہے اس کا امام وقت کو حق حاصل ہے، کہ وہ چور کے مفاسد کے پیش نظر جو سزا مناسب سمجھے دے، ہاتھ پیر کاٹنے کے بعد ان کو داغا جائے گا، تا کہ خون بہنے کا سلسلہ بند ہو، کیونکہ خون بہنے کی شکل میں موت کے وقوع کا امکان ہے۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

یعنی اگر کوئی شخص بار بار چوری کرے تو اسکا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں حنفیہ حنابلہ ایک طرف ہیں اور مالکیہ اور شافعیہ ایک طرف ہیں، ہمارے یہاں سرقہ اولیٰ میں دایاں ہاتھ اور ثانیہ میں بایاں پاؤں اسکے بعد اگر چوری کرے تو قطع کی سزا نہیں ہے، بلکہ تعزیر اور حبس دائم ہے یہاں تک کہ تائب ہو، اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں دایاں پاؤں کاٹا جائے گا، اسکے

بعداً گر کرے تو تعزیر اور حبس ہے، اور حدیث الباب میں ان سب کے خلاف ہے: **عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال جئی بسارق الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقتلوہ فقالوا یارسول اللہ انما سرق فقال اقطعوہ قال فقطع، ثم جئی بہ الثانیہ الخ:** یعنی ایک چور کو آپ کے پاس لایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس نے صرف چوری ہی تو کی ہے، پھر قتل کا حکم کیوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا قطع ید کر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پھر دوسری بار اسی چور کو لایا گیا اور تیسری بار بھی اور چوتھی بار بھی ہر بار آنحضرت ﷺ قتل کا حکم فرماتے اور صحابہ کے عرض کرنے پر بجائے قتل کے قطع کا حکم فرماتے، حتی کہ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے پھر اس کو پانچویں مرتبہ لایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**اقتلوہ، قال جابر فانطلقنا بہ فقتلناہ ثم اجتررناہ فالقیناہ فی بئر ورمینا علیہ الحجارۃ**"۔ اس کو قتل کرو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو لیجا کر قتل کر دیا اور پھر کھینچ کر اس کو کنویں میں ڈالدیا اور اوراوپر سے اس پر پتھر مارے پس انجام اس شخص کا وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ شانہ نے لسان نبوت سے شروع ہی میں جاری کرایا تھا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرقہ میں چاروں ہاتھ پاؤں کا قطع کیا جائے گا، جیسا کہ شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے لیکن اس حدیث میں پانچویں بار میں سارق کے قتل کا حکم دیا گیا ہے جس کے یہ دونوں امام قائل نہیں بلکہ کوئی بھی ائمہ اربعہ میں قائل نہیں البتہ ابومصعب مالکی اس کے قائل ہیں۔

حدیث ائمہ اربعہ کے خلاف ہے اس کے جوابات

لہٰذا یہ حدیث ان دونوں اماموں کے بھی خلاف ہے اس حدیث کی توجیہ میں مختلف آراء ہیں کہا گیا ہے کہ یہ قتل اسکے ارتداد کیوجہ سے تھا "**ولذا اجرروہ ولم یصلوا علیہ ولم یدفنوہ**"۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے "**لحدیث لا یحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث**"۔ اور امام نسائی کی رائے یہ ہے کہ: "الحدیث منکر غیر صحیح مصعب بن ثابت راوی غیر قوی ہیں"، "**قال النسائی ولا اعلم فی ھذا الباب حدیثا صحیحاً**"۔ یعنی قتل سارق کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے

اور حافظ ابن القیم کی رائے اس کے بارے میں یہ ہے کہ قتل شارب فی الرابعة کا حکم اور ایسے ہی قتل سارق کا حکم "ان صح الحدیث" مصلحت اور تعزیر پر محمول ہے، علامہ شامی کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ قتل سیاسۃ تھا۔

اصل مسئلہ مترجم بہا جو کہ اختلافی ہے کما سبق فی بیان الاختلاف اس میں کوئی صحیح حدیث مرفوع نہیں، شافعیہ اور مالکیہ کا استدلال حدیث الباب سے ہے جس پر کلام اوپر گذر چکا ہے کہ وہ تو ان کے بھی خلاف ہے نیز حدیث منکر ہے کما قال النسائی۔

مسئلۃ الباب میں حنفیہ کی دلیل

اسی طرح احناف کا استدلال بھی اس بارے میں آثار صحابہ سے ہے چنانچہ ہدایہ: ۵۴۷/۲، میں ہے،

"**ولنا قول علی رضی الله تعالیٰ عنه فیه انی لا ستحی من الله تعالیٰ ان لا ادع له یدا یاکل بها ویستنجی بها، ورجلا یمشی علیها، وبهذا حاج بقیة الصحابة فحجهم فانعقد الاجماع ولانه اهلاك معنی لما فیه من تفویت جنس المنفعة والحد زاجر (ای لا متلف) ولانه نادر الوجود والزجر فیما یغلب**" یعنی حنفیہ کی دلیل اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حیاء آتی ہے اللہ تعالیٰ سے اس بات سے کہ میں سرقہ کی سزا میں سارق کا نہ ہاتھ چھوڑوں جس سے وہ کھائے اور استنجاء کرے اور نہ پاؤں چھوڑوں جن سے وہ چل پھر سکے، یہی دلیل انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے پیش فرمائی جس کی وجہ سے وہ ان پر غالب آگئے، پس گویا اس پر اجماع منعقد ہو گیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سزا (چاروں ہاتھ پیر قطع کر دینا) تو درحقیقت آدمی کو بالکل ہلاک ہی کر دینا ہے، جنس منفعت کے فوت ہو جانے کی وجہ سے حالانکہ حد سے مقصود زجر ہے نہ کہ تلف کرنا، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹنے کے بعد بھی پھر تیسری اور چوتھی مرتبہ کوئی چوری کرے ایسا تو بہت قلیل اور نادر ہے حالانکہ زجر (جو کہ مقصود بالحد ہے) وہ تو ان جرائم میں ہوا کرتی ہے جو کثیر الوقوع ہوں گے ایک دفع دخل مقدر ہے۔ "**بخلاف القصاص لانه حق العبد فیستوفی ما امکن جبرا لحقه والحدیث طعن الیه الطحاوی، او نحمله علی السیاسة**" اس حدیث سے مراد وہ ہے جو شروع میں امام شافعی کی جانب سے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے، "**ولفظه: من سرق فاقطعوه فان عاد فاقطعوه**"

فان عاد فاقطعوه" یہ دفع دخل مقدر ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ میں اس جنایت کرنے والے کے بھی چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں، "**وحاصل الجواب ان القصاص حق العبد واما قطع الید فی السرقة فهو من قبیل حق الله تعالیٰ**" اور مؤطا محمد:۳۰۵ر میں ہے: "**وقد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ وعن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه انهما لم یزید فی القطع الید الیمنیٰ الرجل الیسریٰ فان اتی به بعد ذالك لم یقطعاه وضمناه وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا رحمهم الله**" یہ روایت بلاغات مؤطا میں سے ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہم سے چور کے حق میں صرف پہلی اور دوسری مرتبہ قطع کرنا ثابت ہے اس کے بعد نہیں اس کے بعد ان دونوں سے تضمین ثابت ہے، یعنی سارق سے مال مسروق کا ضمان لیا جائے گا، اور پہلی اور دوسری مرتبہ میں قطع ید ورجل ہوگا، تضمین نہ ہوگی، "**وهذا عند ابی حنیفه خلافا للشافعی وغیره والمسئلة مبرهنة فی کتب الاصول، (کذا فی التعلیق الممجد) وحدیث الباب اخرجه النسائی قال هذا منکر، قاله المنذر**"

(الدر المنضود:۳۳۵/۶، بذل المجهود:۴۸۳/۱۲، مرقاة المفاتیح:۹۲/۴، شرح الطیبی:۱۸۰/۷)

چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانا

{۳۴۴۴} **وَعَنْ** فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ يَدَهُ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِيْ عُنُقِهِ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۲۶۸/۱، باب ماجاء فی تعلیق السارق، کتاب الحدود، حدیث نمبر:۱۴۴۷، ابوداؤد، ۲۰۶/۲، باب فی تعلیق ید السارق، کتاب الحدود، حدیث نمبر:۴۴۱۱، نسائی شریف:۲۲۸/۲، باب تعلیق ید السارق، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر:۴۹۸۳، ابن ماجه شریف:۱۸۶، باب السارق یعترف، کتاب الحدود، حدیث نمبر:۲۵۸۷۔

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا: تو اس کو اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چوری کی اہانت کی خاطر اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا، تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور اس رسواکن عمل سے پرہیز کریں۔

مذاہب ائمہ

شافعیہ وحنابلہ کے یہاں تعلیق الید مسنون ہے، چنانچہ مغنی میں ہے: "**یسن تعلیق الید فی عنقه لما روی فضالة بن عبید الخ. یعنی حدیث الباب رواه ابوداؤد وابن ماجه وفعل ذالك علی رضی الله تعالیٰ عنه قال ابن الهمام: ۲۲۸/۴. المنقول عن الشافعی واحمد انه یسن تعلیق یده فی عنقه لانه علیه الصلوة والسلام امر به. وعندنا ذلك مطلق للامام ان رآه ولم یثبت عنه علیه الصلاة والسلام فی کل من قطعه لیکون سنة**" یعنی حضور ﷺ سے تعلیق الید ہر سارق کے بارے میں ثابت نہیں تاکہ اس کو سنت کہا جائے، لہٰذا علی رأی الامام ہے، اگر چاہے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۳۰، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۹۴)

چور غلام کو بیچنے کی تاکید

{۳۴۴۵} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَرَقَ الْمَمْلُوْكُ فَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۰۶، باب بیع المملوک اذا سرق، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۱۲، نسائی شریف: ۲/۲۲۸، باب القطع فی السفر، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۹۸۰، ابن ماجہ شریف: ۱۸۶، باب العبد یسرق، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۸۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب غلام چوری کرے تو اس کو بیچ دو اگر چہ ایک نش میں بکے (یعنی نصف اوقیہ چاندی میں بکے) (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: غلام اگر آقا کا مال چوری کرنے لگے تو آقا کے لئے مناسب ہے کہ اس کو فروخت کردے، اگر معمولی قیمت ملے تب بھی فروخت کر دینا چاہئے تاکہ روز روز کی مصیبت اور نقصان سے چھٹکارا مل جائے اور ممکن ہے غلام کو جو شخص خریدے اس کی تربیت یا اس کے رعب سے غلام چوری کرنا چھوڑ دے۔

اذا سرق المملوک: یعنی غلام چوری کرے خواہ وہ شرعی چوری یعنی دس درہم کے مقدار کی ہو خواہ عرفی یعنی اس سے کم مقدار کی چوری ہو۔

فبعہ: پس تم اسکو اپنے پاس نہ رکھو اور اس کو بیچ دو اس لئے کہ وہ عیب دار ہے۔

ولو بنش: نون کے فتحہ شین کو تشدید ہے، نصف اوقیہ یعنی بیس (۲۰) درہم کی مقدار وزن، اور مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچ دو خواہ وہ نہایت کم قیمت پر ہی بکے۔ (بذل المجہود: ۴۸۸/ ۱۲)

احکام ومسالک

شرح السنہ میں ہے اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ غلام بھگوڑا ہو یا نہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے چوری کی اور وہ آبق یعنی بھگوڑا تھا تو انہوں نے اس کو سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ اسکا ہاتھ کاٹ دیں تو انہوں نے ہاتھ کاٹنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ آبق غلام اگر چوری کرے تو اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حکم تم نے کس کتاب میں پایا ہے؟ اس کے بعد انہوں نے اسکے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا، اور حضرت عمر ابن العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم مروی ہے، امام مالک اور امام شافعی اور عام اہل علم کا مسلک یہی ہے، اور ابن ہمام نے فرمایا کہ: اگر میاں بیوی میں سے کسی نے کسی کے مال کی چوری کی یا غلام نے اپنے آقا کی چوری کی یا اپنی مالکہ کے شوہر کے مال سے چوری کی تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان افراد کو عام طور پر دخول کی اجازت ہوتی ہے اس کی وجہ سے ان

کے لئے وہ مال مال محرز (محفوظ) نہیں ہوتا اور قطع ید کے لئے اس کی شرط ہے،
واضح رہے کہ ابن ہمام شارح ہدایہ ہیں اور ہدایہ حنفی مسلک کی کتاب ہے ابن ہمام کا قول مسلک احناف کی ترجمانی ہی ہوتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۹۴/ ۴، شرح الطیبی: ۱۸۱/ ۷)

سوال: جب غلام پر حد جاری نہیں ہوتی، تو اس باب میں اس حدیث کو کیوں لائے ہیں؟

جواب: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: غلام کو معمولی قیمت پر بیچ دینا بھی تعزیر میں داخل ہے تعزیر کی بنا پر اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے۔

(الدر المنضود: ۳۳۷/ ۶، بذل المجهود: ۳۸۸/ ۱۲)

{الفصل الثالث}

اجراء حد میں امتیاز نہیں

{۳۴۴۶} عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهُ فَقَالُوْا مَا كُنَّا نَرَاكَ تَبْلُغُ بِهِ هٰذَا قَالَ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُهَا۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۲/ ۲۲۲، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین، کتاب السارق، حدیث نمبر: ۴۹۹۶۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو اس کا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹ دیا، لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (نسائی)

تشریح: اگر کسی نے کوئی ایسا گناہ کیا جو حد کو واجب کرنیوالا ہے، اور مقدمہ اسلامی عدالت میں پہنچ گیا اور مجرم کا جرم ثابت ہو گیا تو اب مجرم چاہے کوئی ہو اس پر حد شرعی جاری ہوگی، اسکے مقام و مرتبہ یا

حاکم کے ساتھ اس کے تعلق یا قرابت کی بنا پر اس کو چھوڑا نہیں جائیگا۔

قالت التی ای نقطعة: یعنی آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور مشکوۃ کے ایک صحیح نسخہ میں فقطع: مجہول کا صیغہ ہے **"فقالوا"** یعنی ان صحابہ نے عرض کیا جو مجلس مبارکہ میں موجود تھے اور یا انہوں نے کہا جو اس چور کو لیکر آئے تھے **"ما کنا نراک"** نون ضمہ ہے اور یہ گمان کرنے کے معنی میں مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہی مستعمل ہے، **"تبلغ به"** تاء کہ فتحہ اور لام کو ضمہ ہے اور باء تعدیہ کے لئے ہے جبھی تو اس کے معنی صلہ کے ہوئے، **"هذا"** یعنی ہاتھ کے کاٹنے کی نوبت تک آپ اس کو پہنچا دیں گے، ہم آپ کی شان رحمت کی وجہ سے آپ کے متعلق یہ گمان نہیں کر رہے تھے۔

قال لو کانت فاطمة: یعنی اگر یہ فرض کیا جائے کہ چور میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتی تو یہ خدا کا قانون ہے اس میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں اور اس میں شفقت و محبت کا بھی دخل نہیں۔

لقطعتها: بالضرور میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا اس لئے کہ چوری کی سزا والی آیت مطلق ہے اور امت کے تمام افراد برابر ہیں اس لئے عدل و انصاف کا تقاضہ یہی ہوتا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **"ما کنا نراک الخ"** مطلب یہ ہے کہ ہم یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے بلکہ یہ کہ آپ اس پر رحم کریں گے، تو آپ نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور مجھ پر اس کا نافذ کرنا واجب ہے اس لئے اس میں تسامح کی گنجائش نہیں چاہئے یہ فعل میری لخت جگر سے ہی صادر ہوتا تب بھی اس پر عمل ہوتا اور اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "**ولا تاخذ کم بهما رافة فی دین الله**" اللہ کے دین کے مقابلے میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ (سورہ النور، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۹۴، شرح الطیبی: ۱۸۱)

چور غلام کا ہاتھ نہ کٹنا

{۳۴۴۷} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰی عُمَرَ بِغُلَامٍ لَهُ اِقْطَعْ يَدَهُ فَإِنَّهُ سَرَقَ مِرْآةً لِامْرَأَتِي فَقَالَ عُمَرُ لَا قَطْعَ عَلَيْهِ هُوَ خَادِمُكُمْ أَخَذَ مَتَاعَكُمْ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطاامام مالک: ۳۵۶، باب لا قطع فیہ، کتاب الحدود فیہ، حدیث نمبر: ۲۳۔

حل لغات: **المتاع:** لطف، اسباب زندگی، مال وغیرہ، سامان تجارت، کھانے پینے کی چیزیں سامان خانہ وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب اپنے ایک غلام کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے، اورانہوں نے عرض کیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیجئے، اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ نہیں کٹے گا، یہ تمہارا خادم ہے اوراس نے تمہارا سامان لےلیا ہے۔ (مالک)

تشریح: غلام اگر اپنے آقا کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ غلام ہر وقت آقا کے یہاں رہتا ہے، اس کا گھر میں عمل دخل رہتا ہے، لہٰذا آقا کا مال بھی ایک طرح سے اس کے دسترس میں رہتا ہے، اور جس طرح مال محفوظ ہونا چاہئے اس طرح غلام کے معاملہ میں آقا کا مال محفوظ نہیں رہتا، لہٰذ یہاں سرقہ کے معنیٰ نہ ہونے کی بنا پر غلام پر حد نہیں ہے۔

مرأۃ: میم پر کسرہ راء ساکن اور ہمزہ ممدودہ ہے اس شخص نے عرض کیا کہ اس غلام نے میری بیوی کا آئینہ چرالیا ہے۔ ابن ہمام نے کہا کہ اس آئینہ کی قیمت ساٹھ درہم تھی۔

فقال عمر لا قطع علیہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس پر ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے **"ھو"** اور مشکوۃ کے ایک نسخہ میں واؤ کے ساتھ **"وھو"** ہے۔

خادمکم اخذ متاعکم: وہ تمہارا خادم ہے اس نے گھر کے سامان میں سے ایک سامان لےلیا ہے، ابن ہمام نے فرمایا کہ اگر مولیٰ اپنے مکاتب غلام کے مال کی چوری کرے تو بالاتفاق اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے، اور یہ اس لئے کہ مکاتب غلام کی کمائی میں بھی مولا کا حق ہے، اور یہ اسی طرح ہے کہ جیسے مالک کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اسی طرح مکاتب کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا، اگر وہ مولیٰ کے مال کی چوری کرے اور یا اپنے مالک کی بیوی کے مال سے چوری کرے، یہی اکثر اہل علم کا مسلک ہے، اور امام مالک نے فرمایا کہ اگر غلام اپنے آقا کے علاوہ مثلاً اس کی بیوی کے مال سے چوری کرے تو

اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن زیر تشریح حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے یعنی وہ آقا کی بیوی کے مال سے چوری میں بھی قطع ید سے انکار فرما رہے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی جیسا منقول ہے نیز اس کے خلاف اور بھی کسی صحابی سے منقول نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ نہ کاٹنے کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے، یعنی یہ کہ وہ غلام ہے جس کو گھر آنے جانے کی اجازت ہوا کرتی ہے اس لئے گھر کا سامان اس کے حق میں محفوظ چیز نہیں ہے، جو کہ قطع ید کیلئے شرط ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا مسلک یہی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۹۴)

کفن چور کے ہاتھ کاٹنے کا معاملہ

{۳۴۴۸} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَیْكَ قَالَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ یَکُوْنُ الْبَیْتُ فِیْهِ بِالْوَصِیْفِ یَعْنِی الْقَبْرَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ عَلَیْكَ بِالصَّبْرِ قَالَ حَمَّادُ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ تُقْطَعُ یَدُ النَّبَّاشِ لِاَنَّهٗ دَخَلَ عَلَی الْمَیِّتِ بَیْتَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۲۰۵، باب فی قطع النباش، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۰۹۔

حل لغات: الوصیف: خادم، نوکر، لڑکا ہو یا لڑکی، **النباش:** کفن چور، کفن کھسوٹ جو قبریں کھود کر مردوں کے کفن چراتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں اور اطاعت کے لئے تیار ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب لوگوں کو موت کا سامنا ہو گا، اس وقت گھر یعنی قبر کی قیمت غلام کی قیمت کے برابر ہو گی، میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تمہارے اوپر صبر کرنا لازم ہے، حماد بن سلیمان کہتے ہیں کہ کفن

چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، اس لئے کہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔(ابوداؤد)

تشریح: قلت لبیک یارسول اللہ وسعدیك، اسعد: کے معنی برکت، خوش بختی کے اوران دونوں لفظوں کے''تمہاری خدمت کے لئے بار بارحاضر ہوں'' کے معنی مصباح اللغات، میں لکھے ہیں، اورالقاموس الوحید میں لکھا ہے **لبیک، سعدیک:** دعاء میں کہا جاتا ہے، تم خوب خوش حال رہواور خوش نصیب رہو، علامہ قاری نے لکھا ہے''**ای اجبت لك مرة بعد اخری وطلبوا السعادة لا جابتك فی الاولی والاخری، قال کیف انت**'' یعنی تمہارا کیا حال ہوگا، ''**اذا اصاب الناس موت**'' یعنی جب لوگوں پر زبردست وبا پھیل جائے، **''یکون البیت''** یعنی موت یا میت کا گھر یعنی قبر **''فیه''** یعنی جس وقت لوگوں پر یہ وبا پھیل جائے، **''بالوصیف''** یعنی ایک نوکر کی قیمت کے بدلے، مطلب یہ کہ مردے اتنے دفن ہوں کہ قبر کے لئے زمین خریدنی پڑے گی جس کی قیمت ایک نوکر کی قیمت کے برابر ہو''(یعنی) یعنی نبی کریم ﷺ نے بیت سے مراد لیا **''القبر''** قبرکہ یہ جملہ معترضہ ہے یا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے یااورکسی دوسرے راوی حدیث کا۔(شرح الطیبی: ۷/۱۸۲)

قلت اللہ ورسوله اعلم'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **''ماتدری نفس ماذاتکسب غداً:** یعنی کوئی آدمی یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اس لئے یارسول اللہ میں نہیں جانتا کہ اس دن میں کیا کروں گا، یہ اللہ اوراس کا رسول ہی جانتا ہے۔

قال علیک بالصبر: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسے تمام حالات میں تم صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا۔

قال حماد ابن سلیمان تقطع ید النباش: حماد ابن سلیمان نے کہا کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔

لانه دخل علی المیت بیته: اس لئے کہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوااوراس کے گھر سے چوری کی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **''بیته''** کا مجرور ہونا اس لئے جائز ہے کہ وہ میت سے بدل ہے اور منصوب ہونا اس لئے جائز ہے کہ وہ تمیز یا تفسیر ہو۔

حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے قبر کو میت کے گھر ہونے سے یہ استدال کیا کہ گویا کفن محفوظ جگہ پر تھا اور چور نے وہاں سے چوری کی ہے اس لئے اس میں حرز کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

اعتراض: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ صرف قبر کو بیت کہنے کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر حرز کا مفہوم بھی بہر حال ثابت ہو جائے چنانچہ اگر کوئی آدمی کسی ایسے گھر سے چوری کرے جس میں دروازہ نہ ہو یا اس کا نگہبان نہ ہو تو اگر چہ گھر سے چوری کی ہے، لیکن وہاں حرز نہ پائے جانے کی وجہ سے کسی بھی امام کے نزدیک قطع ید نہیں ہے، پس مجبوراً یہ کہنا پڑے گا، کہ حرز وہی معتبر ہے جسے عرف عام میں حرز کہا جائے، اور اسی وجہ سے کفن چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔

کفن چور کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف ائمہ

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: نباش یعنی کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

دلیل: (۱) حدیث باب ہے، (۲) **من نبش قطعناہ**

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: کفن چرانے پر کفن چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

دلیل: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفاً لیس علی النباش قطع"

(۲) کفن کی ملکیت میں شبہ ہے، کیوں کہ یہ وارث کی ملکیت میں نہیں ہے، اور میت کسی چیز کا مالک ہوتا، لہٰذا حد کس بنیاد پر قائم کی جائے؟

(۳) خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ وتابعین کا اجماع ہو گیا کہ کفن چور کے ہاتھ کفن چرانے پر نہیں کاٹے جائیں گے۔

جواب: حدیث باب میں حماد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال درست نہیں ہے، اس لئے کہ اگر کسی ایسے گھر سے سامان چوری ہوتا ہے، جس گھر کا کوئی محافظ ونگران نہ ہو تو علماء کا اتفاق ہے کہ چور کا ہاتھ **"عدم حرز"** کی بنا پر نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح قبر اگر چہ مردے کا گھر ہے، لیکن اس کا محافظ ونگراں نہیں، لہٰذا اس گھر سے کفن چرانے والے کا ہاتھ بھی نہیں کٹے گا، ائمہ ثلاثہ کے استدلال میں جو دوسری حدیث پیش کی گئی ہے،

وہ منکر ہے، اور امام بیہقی نے اس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے، یا یہ سزا سیاست پر محمول ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۴/۹۵)

تنبیہ: کفن چرانے میں قطع ید نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ کفن چور کو چھٹی مل گئی، اب وہ ٹھاٹ سے کفن چرائے، اس کو قطعاً چھٹی نہیں ملی ہے، حاکم وقت اپنی صوابدید کے اعتبار سے اس کو سزا دے گا، اور پھر سب سے بڑھ کر گناہ تو ہے ہی، اس کی آخرت میں جو سخت سزا ہے اس سے تو بچنا ناممکن ہی ہے۔

{باب الشفاعۃ فی الحدود}

حدود میں سفارش کا بیان

(۱)......مناسبت

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ما قبل میں چند حدود مثلا حد زنا، حد سرقہ، دیت وقصاص وغیرہ سے متعلق احادیث کو نقل فرمایا ہے، تو ان حدود کے اجراء میں کوئی رکاوٹ و آڑ پیش آسکتی ہے اس لئے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ اب ان روایات کو نقل فرمارہے ہیں جس میں شفاعت کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۲)......خلاصۃ الباب

اس باب کے تحت کل تین روایتیں بیان کی گئی ہیں جن کے اندر حدود کے معاملہ میں سفارش کی ممانعت و وعید اور اقراری مجرم کو بعد تحقیق حال سزا کا حکم وغیرہ مسائل واحکام بیان کئے گئے ہیں۔

(۳)......کچھ باب سے متعلق

حدود کے معاملہ میں سفارش کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ اس میں کسی کی کوئی تفریق اور امتیاز ہے کہ فلاں پر حد جاری کی جائے اور فلاں پر نہ کی جائے بلکہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، ہر ایک کو قانون کے آگے جواب دہی کرنی ہے، اور اللہ کا قانون ہے کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے، اس لئے اس میں نہ سفارش کی گنجائش ہے اور نہ استثناء کی چنانچہ حدیث میں ہے کہ مکہ مکرمہ ابھی ابھی فتح ہوا، تھا کہ قریش کی ایک عورت کی چوری پکڑی گئی، قریش نے سوچا اگر قریشی عورت کا ہاتھ کٹ گیا تو سب کی ناک کٹ جائے

گی، چنانچہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں سفارش کروائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حضرات اسامہ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور فرمایا "**اتشفع فی حد من حدود الله**" کیا تم حدود شرعیہ میں سفارش کرتے ہو، پھر عام خطاب فرمایا کہ "گذشتہ لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، قسم بخدا اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (مشکوۃ شریف: ۳۶۱۰)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جس کی سفارش حدود اللہ میں سے کسی حد میں رکاوٹ بنے اس نے یقینا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی۔ (مشکوۃ شریف: ۳۶۱۱)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات جانتے تھے کہ شرفاء کے مرتبہ کا تحفظ، ان کے ساتھ چشم پوشی، ان کی طرف سے مدافعت اور ان کے معاملہ میں سفارش، ایسی بات ہے جس پر تمام قومیں متفق ہیں اور اگلے پچھلے تمام ان کے لئے سفارش کرنے کے خوگر ہیں، مگر حدود کے معاملہ میں یہ باتیں مشروعیت حدود کے منافی ہیں حدود اس کے تمام مجرمین پر جاری کرنا ضروری ہے، تبھی اس کا فائدہ ہوگا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب عام فرما کر لوگوں کو تاکید کی اور بات مضبوط کی کہ لوگ ایسا ہرگز نہ کریں۔

(مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۵/۳۴۱)

{الفصل الاول}

حدود میں سفارش کی گنجائش نہیں

{۳۴۴۹} عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ اِنَّ قُرَيْشاً اَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُّكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَھْلَکَ الَّذِیْنَ قَبْلَکُمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہُ وَاِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الضَّعِیْفُ اَقَامُوْا عَلَیْہِ الْحَدَّ وَاَیْمُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ کَانَتِ امْرَاَۃٌ مَخْزُوْمِیَّۃٌ تَسْتَعِیْرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُہٗ فَاَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ یَدِھَا فَاَتٰی اَھْلُھَا اُسَامَۃَ فَکَلَّمُوْہُ فَکَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْھَا ثُمَّ ذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِنَحْوِ مَاتَقَدَّمَ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۹۴، باب کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۴۷۵، مسلم شریف: ۲/۶۴، باب قطع السارق، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۸۸۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت کے معاملہ نے قریش صحابہ رضی اللہ عنہم کو پریشانی میں مبتلا کردیا، اس عورت نے چوری کی تھی، لوگوں نے کہا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا کسی میں اس کی ہمت نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خصوصی محبت ہے، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالی کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آنحضرت+ نے خطبہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک کئے گئے، ان میں سے جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (اعاذ ہا اللہ) چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت تھی، جو کہ لوگوں سے بطور عاریت چیزیں لیتی تھی، اور پھر اس کے لینے سے انکار کردیتی تھی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، اس عورت کے گھر والے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بات کی،

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، پھر اسی طرح حدیث بیان کی جو کہ گذر چکی۔

تشریح: ان قریشا اھمھم: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**احزنھم واوقعھم فی الھم، شان المراۃ**" ایک عورت کے حال نے غمگین، رنجیدہ، فکرمند اور پریشان کر دیا تھا۔

المخزومیۃ: یہ بنی مخزوم کی طرف منسوب ہے اور قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا اسی میں سے ابو جہل بھی تھا، اور یہ عورت فاطمہ بنت اسود ابن عبد الاسد اور ابو سلمہ کے بھائی کی لڑکی تھی۔ چوری تو اس نے کی ہی تھی مزید اس کی یہ عادت بھی تھی کہ لوگوں سے منگنی میں سامان و اسباب لے لیا کرتی تھی اور پھر کام نکالنے کے بعد اس کو واپس کرنے کے بجائے اس کے لینے سے ہی انکار کر دیا کرتی تھی اس کی چوری کی سزا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا تھا، اس مخزومیہ عورت کی قوم نے کہا اس کے بارے میں کون سفارش کرے گا غالباً وہ یہ گمان کرتے تھے کہ حدود شفارس کے ذریعہ ساقط ہو جاتے ہیں ایسے ہی شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

فقالوا من یجتری علیٰ اِلّا اسامۃ بن زید حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی جرأت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کون کر سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا: "**ومن یجتری**" میں من کا عطف محذوف پر ہو رہا ہے اور وہ ہے "**لا یجتری علیہ منا احد لمھابتہ**"، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اظہر یہ ہے کہ من استفہام انکاری ہے جس کے معنی نفی کے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت کریمہ "**فھل یھلك الا القوم الفاسقون**"۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سفارش کرنے کی درخواست کی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں بات کی اور سفارش کی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفارش اس گمان سے کی کہ اچھی سفارش مقبول و محمود ہے۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتشفع فی حد من حدود اللہ: اس میں استفہام برائے توبیخ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کیا تم ان امور میں جن کو اللہ نے اپنے اوامر نواہی کے ذریعہ مقرر کر دیا ہے ان میں سفارش کر رہے ہو؟ تمہاری سفارش سے اللہ کے حدود بدلے جا سکتے ہیں؟ "**ثم قام فاختطب**" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**ای بالغ فی خطبتہ وھو احسن من قول**

الشارح ای خطب" یعنی اختطب کے معنی جن شارح مشکوۃ نے خطاب کے ساتھ کیا وہ اگر چہ صحیح ہے لیکن اس سے اچھے معنی "**بالغ فی خطبتہ**" ہیں "**ثم قال**" یعنی حمد وثنا کے بعد یا درمیان خطبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ۔

انما اہلک: یہ معروف کا صیغہ ہے اور مشکوۃ کے ایک نسخہ میں مجہول بھی ہے، "**الذین من قبلکم**" ممکن ہے کہ سبھی کو ہلاک کر دیا ہو اور یہ بھی محتمل ہے کہ بعض کو ہلاک کیا ہو۔

انہم کانوا: یعنی ان کو اس لئے ہلاک کیا کہ اگر چہ ان میں اور بھی امور معصیت تھے لیکن ہلاک اس لئے کیا گیا۔

اذا سرق فیہم الشریف: جب ان میں کوئی معزز اور قوی آدمی چوری کرتا تو اس کو تو حد قائم کئے بغیر ہی چھوڑ دیتے،"**واذا سرق فیہم الضعیف**" اور جب ان میں کا کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو "**اقاموا علیہ الحد**" اس پر ہاتھ کاٹنے وغیرہ کی حد جاری کرتے۔ "**وایم اللہ**"ہمزہ وصلی مفتوح یاء ساکن میم مضمون ہے یہ ایسا اسم ہے جو وضع کیا گیا ہے قسم کے لئے اور اس کی تقریر "**ایمن اللہ قسمی**" ہے۔

نہایہ میں ہے کہ "**ایم اللہ**"قسم کے لفظوں میں سے ہے بصریین کے نزدیک یہ لفظ مفرد ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ یمن بمعنی برکۃ سے مشتق ہے تو ایم اللہ کے معنی برکۃ اللہ قسمی کے ہیں اور کوفیوں کے نزدیک یہ یمین کی جمع ہے، اور اس کا ہمزہ قطعی ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے وصل کی حالت میں ساقط ہو جاتا ہے اس میں اور بھی کئی لغتیں ہیں جن و القاموس میں ذکر کیا ہے۔

لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدہا: فاطمہ بنت محمد (اعاذہا اللہ منہ) خاص طور پر اس لئے فرمایا کہ سارقہ کا نام بھی فاطمہ تھا، اور و اللہ اعلم، اور مثال میں ان کا ہی ذکر اس لئے کیا کہ یہ آپ کے اہل میں سب سے معزز تھیں یہ قاری نے کہا، واللہ اعلم، "**وفی روایۃ لہ مسلم**" سے "**وتجحد**" تک سامان مستعار لے کر انکار کرنے کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لئے کر دیا تا کہ اسکی اس مشہور صفت کا بھی ظہور ہو جائے ورنہ ہاتھ تو اس کی چوری ہی کی وجہ سے کاٹنے کا حکم فرمایا گیا نہ کی قطع ید کے اسباب میں یہ بھی شامل ہو اس لئے ذکر کیا ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۹۶)

سوال: کیا آنحضرت ﷺ نے مخزومی عورت کے لوگوں سے سامان لے کر انکار کرنے کی

بنیاد پر ہاتھ کاٹے جانے کی سزا دی تھی؟ مسلم کی روایت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس عورت کے اندر سرقہ کا عیب بھی تھا اور انکار مال عاریت کا عیب بھی تھا، چنانچہ مسلم کی روایت میں **"تجحده"** کے بعد **"فسرقت"** مقدر ہے اور اس پر قرینہ ما قبل کی متفق علیہ روایت ہے اور جہاں تک قطع ید کا معاملہ ہے تو وہ فقط چوری کی وجہ سے ہے انکار مال عاریت کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کے لئے ہے، اس کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ درحقیقت خیانت ہے سرقہ نہیں ہے اور خیانت سے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان گذر چکا ہے۔ **"لیس علی خائن ولا مختلس ولا منتهب قطع"** (شرح الطیبی: ۱۸۳/۷)

اور سرقہ کا ذکر اس روایت میں صرف اس لئے نہیں ہے کہ راوی کے پیش نظر حدود میں شفاعت کی ممانعت کا ذکر کرنا ہے نہ کہ سرقہ کے ارتکاب کی خبر دینا ہے۔

مسالک: جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عاریت میں کوئی چیز لیکر اس کے انکار کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور احمد واسحاق نے کہا کہ اس میں بھی قطع ید واجب ہے علماء وائمہ کا اجماع ہے کہ مقدمہ کے امام کی عدالت میں جانے کے بعد حدود میں شفاعت حرام ہے اور اس کی دلیل یہی حدیث ہے اور عدالت امام میں جانے سے پہلے اکثر علماء نے شفاعت کو جائز کہا ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ جس کی شفاعت کی جارہی ہے وہ صاحب شر نہ ہو اور عادی قسم کا موذی نہ ہو، اور وہ گناہ جس میں حد نہیں بلکہ تعزیر ہے اس میں شفاعت ہر حال میں جائز ہے، یعنی امام کی عدالت میں پہنچنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی نیز اگر مشفوع عادی قسم کا موذی نہ ہو تو شفاعت مستحب بھی ہے۔ کذا قال القاری۔

(شرح الطیبی: ۱۸۴/۷، مرقاۃ المفاتیح: ۹۶/۴، بذل المجہود: ۴۶۹/۱۲، البحر الرائق: ۳۶۱/۵)

قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور ﷺ سے سفارش کی جائے کہ ان عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، چونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاجزادے تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے، اس بنا پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ایک طرح سے حضور ﷺ کے پوتے کے درجہ میں تھے لوگوں نے آپسی مشورہ سے یہ طے کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ کے پاس بھیجا جائے، وہ آنحضرت ﷺ سے سفارش کریں، آپ ان سے حد درجہ محبت کرتے ہیں، لہٰذا ان کی سفارش

ضرور قبول فرمالیں گے، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کی، آنحضرت ﷺ کو اسامہ کے سفارش کرنے پر بہت ناگواری ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ حدود اللہ میں سفارش کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: موجب حد معاصی کا علم ہوتے ہوئے اس کو حاکم کے پاس پہنچانا بہتر ہے یا اس سے چشم پوشی بہتر ہے؟

جواب: چشم پوشی بہتر ہے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے زنا کا علم حضرت ہزال کو ہوگیا، تو انہوں نے حضرت ماعز کو آپ ﷺ کی خدمت میں اقرار کرنے کے لئے بھیج دیا انہوں نے قرار کرلیا، جس کی وجہ سے ان کو سزا جھیلنی پڑی، آنحضرت ﷺ نے حضرت ہزال سے فرمایا کہ "**لو سترت بثوبك كان خيرا لك**" اگر ماعز کے بارے میں چشم پوشی کرتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا۔

آنحضرت ﷺ نے خطبہ دے کر اس بات کی وضاحت کردی کہ حدود میں تفریق وامتیاز کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، سابقہ قوموں نے امیر وغریب اور شریف ورذیل کی بنیاد پر حدود اللہ میں فرق وامتیاز کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک وبرباد کردیا، "**لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعتها**" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بالفرض میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ یہ نبی کی بیٹی ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیا جائیگا، بلکہ حدود اللہ اس پر بھی جاری ہوگی، اس جملہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ ایسے موقع پر قائل کے نزدیک جو ہستی سب سے محبوب ومعزز ہوتی ہے اس کا ذکر کرتا ہے پس اس سے سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب ہونا معلوم ہوا۔ "**اعاذها الله من ذالك**" پڑھنا چاہئے ابن ماجہ میں روایت ہے جس کے آخیر میں لکھا ہے کہ: "**قال محمد بن رمح سمعت الليث بن سعد يقول قد اعاذها الله عزوجل ان تسرق وكل مسلم ينبغي له ان يقول هٰذا**" (بذل المجہود)

فامر النبي صلى الله عليه وسلم بقطع يدها: آنحضرت ﷺ نے اس مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، بخاری کی روایت میں ہے کہ ہاتھ کٹنے کے بعد اس کو بہت بہتر توبہ کی

توفیق نصیب ہوئی، بخاری کے الفاظ ہیں "فحسنت توبتها بعد ذالك"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اس عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج تو ایسی ہے جیسی اس دن تھی جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۹۶/۴)

{الفصل الثانی}

حدود اللہ میں سفارش کرنے والا اللہ کا نافرمان ہے

{۳۴۵۰} **عَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ فَقَدْ ضَادَّ اللهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللهِ تَعَالَى حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِيْ مُؤْمِنٍ مَا لَيْسَ فِيْهِ اَسْكَنَهُ اللهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ لَا يَدْرِيْ اَحَقٌّ اَمْ بَاطِلٌ فَهُوَ فِيْ سَخَطِ اللهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔

حوالہ: مسند احمد: ۸۰/۲، ابوداؤد شریف: ۱۰۲/۲، باب فیمن یعین علی خصومة، کتاب الاقضیة، حدیث نمبر: ۳۵۹۷، بیہقی فی شعب الایمان: ۱۲۱/۲، باب فی التعاون علی البر والتقوی، حدیث نمبر: ۷۶۷۳۔

حل لغات: **حال الشئ بین الشیئین:** رکاوٹ بننا، حائل ہونا، دو چیزوں کو الگ الگ کرنا، **دون:** نیچے، اوپر، سامنے، سوا، **ذالک:** پہلے، کم کم درجہ، بمعنی لے، (اسم فعل) وغیرہ، **ضاد:** مخالفت کرنا، مقابل بننا، **بین الشیئین:** دو چیزوں میں تضاد پیدا کرنا، **خصمه:** جھگڑا کرنا، **الباطل:** لغو، بے بنیاد، حق کی ضد، بے حقیقت، **السخط:** ناراضگی، غصہ، ناگواری، **نزع عن الامر:** کسی کام سے رکنا، باز رہنا وغیرہ،

الردغة: بہت کیچڑ، **الخبال:** تشریح دیکھئے۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں حائل ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والا ہوا، اور جو شخص جان بوجھ کر غلط بات میں جھگڑا کرے وہ اس وقت تک مسلسل اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا، جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے اور جس نے کسی ایمان والے کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنمیوں کے خون اور پیپ میں رکھے گا، یہاں تک کہ وہ اس بات سے نکل جائے جو اس نے کہی ہے، (احمد، ابوداؤد) اور بیہقی فی شعب الایمان میں روایت ہے کہ جو شخص کسی ایسے جھگڑے میں مدد کرتا ہے جس کے بارے میں اس کو معلوم نہیں ہے کہ حق ہے یا باطل تو وہ شخص اللہ کی ناراضگی میں رہے گا، یہاں تک کہ اس سے نکل جائے۔

تشریح: اس حدیث میں چند عظیم گناہوں اور ان کے مرتکبین کی سزاؤں کا ذکر ہے۔

(۱)...... حدود اللہ میں سفارش قطعاً حرام ہے، اس کے باوجود اگر کوئی سفارش کرتا ہے اور اس کی سفارش کے نتیجہ میں حد جاری نہیں ہوتی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کا سخت نافرمان ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کی سخت مخالفت کا ارتکاب کیا ہے جس کی بنا پر یہ سخت سزا کا مستحق ہے۔

(۲)...... جان بوجھ کر ناحق بات میں جھگڑا کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ اللہ کے غضب کا اس وقت تک شکار رہتا ہے، جب تک کہ توبہ کر کے اس گناہ سے باز نہ آجائے۔

(۳)...... مسلمان پر بہتان باندھنا اور اس پر جھوٹی تہمت لگانا جرم عظیم ہے، یہ شخص جہنمی لوگوں کی سزاؤں کا مستحق ہے جب تک یہ توبہ نہ کرے گا دوزخیوں کی حالت میں رہے گا۔

(۴)...... کسی جھگڑے میں اس وقت پڑنا چاہئے جب معلوم ہو کہ حق پر کون ہے اور ناحق کون ہے حق پر جو ہو اس کی مدد کرنا چاہئے اور جو باطل پر ہو اس سے کنارہ کشی کرنا چاہئے، جس شخص نے ذاتی عصبیت کی بنیاد پر حق ناحق کی تمیز کئے بغیر کسی فریق کی مدد کی تو یہ مدد کرنے والا سخت گنہگار ہوگا، اور اللہ کے غضب کا اس وقت تک شکار رہیگا، جب تک اپنے اس قبیح عمل سے باز نہ آجائے گا۔ (فیض المشکوٰۃ: ۶/۸۲۴)

چوری کے اعتراف میں ہاتھ کاٹے جانے کا تذکرہ

{۳۴۵۱} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَیَّةَ الْمَخْزُوْمِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِلِصٍّ قَدِ اعْتَرَفَ اِعْتِرَافًا وَلَمْ یُوْجَدْ مَعَهٗ مَتَاعٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَخَالُكَ سَرَقْتَ قَالَ بَلٰی فَاَعَادَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا کُلَّ ذٰلِكَ یَعْتَرِفُ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَ وَجِیْءَ بِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَغْفِرِ اللّٰہَ وَتُبْ اِلَیْهِ فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْهِ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی) هٰکَذَا وَجَدْتُّ فِی الْاُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ وَشُعَبِ الْاِیْمَانِ وَمَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِیْ اُمَیَّةَ وَفِیْ نُسَخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ بِالرَّاءِ وَالثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ الْهَمْزَةِ الْیَاءِ

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۲۰۲، باب فی التلقین فی الحد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۸۰، نسائی شریف ۲/۲۲۰، باب فی تلقین السارق، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۸۷۷، ابن ماجہ ۱۸۶، باب تلقین السارق، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۹۷، دارمی، ۲/۲۲۸، باب المعترف بالسرقة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابوامیہ مخزومی سے روایت ہے کہ بلا شبہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، اس نے کھل کر چوری کا اعتراف کرلیا لیکن اس کے پاس سے چوری کا کوئی سامان برآمد نہیں ہوا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم نے چوری نہیں کی ہے، اس نے عرض کیا، کیوں نہیں، اور اس نے یہ بات دو یا تین دفعہ دہرائی، ہر مرتبہ اپنے جرم کا اعتراف کرتا رہا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اس کے بعد اس کو لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم اللہ سے مغفرت طلب کرو، اور توبہ کرو، اس

نے کہا کہ میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اس طرح میں نے اصول اربعہ، جامع الاصول، شعب الایمان، اور معالم السنن میں اس روایت کو ابو امیہ سے مروی پایا ہے، اور مصابیح کے نسخوں میں ابو رمثہ ہے یعنی راء اور ثا مثلثہ ہے ہمزہ اور یا کی جگہ پر۔

تشریح: اجراء حد کے لئے چور کا اعتراف کافی ہے، چور کے اعتراف کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس پر حد جاری کرائی، حد جاری کرانے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے تلقین عذر فرمایا، مقصد یہ تھا کہ چور اپنے اعتراف سے رجوع کرلے، تاکہ اس پر حد جاری نہ کی جائے، اکثر ائمہ کے نزدیک تلقین عذر کا تعلق حد زنا کے ساتھ خاص ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اجراء حد کے بعد مجرم کا گناہ بالکلیہ زائل نہیں ہوتا ہے، بلکہ توبہ و استغفار باقی رہتی ہے، جب مجرم توبہ کرلیتا ہے تو وہ گناہ سے بالکل پاک ہوجاتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۸۳)

عن ابی امیة: یہ تو کنیت ہے اور نام کے بارے میں ملا علی قاری نے کہا انکا نام عام طور لوگوں کو معلوم نہیں ہے البتہ صاحب مشکوۃ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ صحابی ہیں اور ان سے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابو منذر نے حدیث کی روایت کی ہے۔

استدلال: اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حد بالکلیہ مطہر نہیں ہے بلکہ یہ حد اسی گناہ کو ختم کریگی، جس کی بنا پر حد جاری ہوئی اور اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عدالت میں اس کے سلسلہ میں جواب طلب نہ ہوگا البتہ دیگر معاصی اپنی جگہ پر ہیں اسی لئے توبہ و استغفار کی ضرورت ہوئی نیز اس حدیث سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ امام کے لئے یہ مناسب ہے کہ چور کو اعتراف و اقرار سے رجوع کا موقعہ فراہم کرے اور اگر وہ اعتراف کے بعد اقرار سے رجوع کرے تو اس کو قبول کرے اور اس پر حد جاری نہ کرے۔

ایک مرتبہ اقرار پر حد سرقہ لازم ہے یا نہیں

ایک چوری کا اقرار کرنے پر حد سرقہ جاری ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار سے قطع ید واجب نہیں ہے، بلکہ متعدد مرتبہ اقرار کرنا لازم ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن بشیر رحمۃ اللہ علیہ و زفر رحمۃ اللہ علیہ کا۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے اس میں متعدد مرتبہ اقرار کے بعد اجراء حد کا حکم مذکور ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک قطع ید کے لئے فقط ایک مرتبہ اقرار کافی ہے تعدد اقرار ضروری نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، **"قالوا یارسول اللہ ان ھذا سرق فقال ما اخالہ سرق، فقال السارق بلی یارسول اللہ قال اذھبوا بہ فاقطعوہ قال فذھب بہ فقطع"۔** اس حدیث میں "بلیٰ" کہہ کر صرف ایک مرتبہ اقرار کرنے پر قطع ید کا حکم ہے۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار حدیث باب میں اقرار کرایا اس کا منشاء اجراء حد کے لئے تعداد اقرار کی لازمی شرط پوری کرنا نہیں تھا، بلکہ حد ساقط کرنے کے لئے تلقین عذر تھا۔

(۲)......سارق کو سرقہ کی تعریف اور سرقہ کی سزا کا علم نہیں تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرقہ کی حقیقت اور اس کے نتیجہ میں واجب ہونے والی سزا کو سمجھانے کی غرض سے متعدد دفعہ پوچھا ورنہ قطع ید کی سزا کا ترتب پہلی مرتبہ اقرار پر ہو چکا تھا۔ (تعلیق الصبیح: ۱۸۳/ ۴، مرقاۃ المصابیح: ۹۸/ ۴)

حدود زواجر ہیں یا مطہر؟ اختلاف ائمہ

حدود سے بالکلیہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا توبہ کی ضرورت رہتی ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف

ہے، اسکی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسا جرم کیا جو حد واجب کرنے والا ہے اور پھر اس پر حد جاری کر دی گئی ہے، لیکن اس نے توبہ نہیں کی تو اس حد سے گناہ معاف ہوا یا نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد گناہ کے لئے مکفر ہے، لہٰذا اس کے اجراء سے بغیر توبہ کے گناہ معاف ہو گیا۔

دلیل: بخاری میں طویل حدیث ہے، جسکا ایک جز ہے، "**ومن اصاب من ذالك شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له**" جسکو کسی جرم پر دنیا میں سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہو گئی، یعنی اس کے گناہ کو ختم کرنے والی ہوگی، یہاں توبہ اور عدم توبہ کی قید نہیں ہے۔

حنفیہ کا مذہب: احناف کے نزدیک مذکورہ صورت میں حدود زواجر ہیں مطہر نہیں ہیں، یعنی ان سے دنیوی جرم ختم ہو گیا لیکن اخروی سزا کے پورے طور پر خاتمہ کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب ہے، اگر محض حد سے گناہ پورے طور پر معاف ہو جاتے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توبہ و استغفار کا حکم نہیں فرماتے۔

(۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، "**السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله**" اس آیت میں چوری کی سزا قطع ید بیان کی گئی ہے، پھر آگے ارشاد ربانی ہے، "**فمن تاب من بعد ظلمه واصلح الخ**" پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کاروائی سے توبہ کر لے اور معاملات درست کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ اگر حدود سے بالکلیہ گناہ معاف ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ حدود کے اجراء کی تاکید کے بعد توبہ کا ذکر نہ فرماتے۔

جواب: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے۔

(۱)......کفارہ دنیا مراد ہے، یعنی جس پر حد جاری ہو گئی تو اب اس کو اس جرم پر دنیا میں نہ تو عار دلائی جائے گی اور نہ اس جرم پر کوئی دوسرا دنیوی مواخذہ ہوگا۔

(۲)......سزا جھیلنے پر جو اجر ملے گا اس کو کفارہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۹۸/۴، درس ترمذی: ۹۸/۵)

هذا الباب خال عن الفصل الثالث

یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے

تنبیہ: حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ شریف میں جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ وہ جس باب کے اندر کوئی فصل نہیں ہوتی اس کی وضاحت فرماتے ہیں لیکن اس باب کے تحت انہوں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی بلکہ سکوت فرمایا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کا التزام بھی نہیں کیا کہ میں اس کی وضاحت ضرور کرونگا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باب سے متعلق کچھ روایتیں تھیں جو باقی رہ گئی تھیں جنکو فصل ثالث میں بیان کیا جاسکتا تھا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۹۹/ ۴)

{باب حد الخمر}

شراب کی حد کا بیان

ہم اس باب کے تحت خمر وشراب سے متعلق چند مباحث بطور مقدمہ کے اجمالاً مگر بالدلائل ذکر کریں گے، جو باب کی آنے والی روایات واحادیث کو سمجھنے میں نہایت مفید ثابت ہوں گی مزید اختلاف مذاہب روایات کے ذیل میں ذکر کیے جائیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ! یہاں پر ۲۲ر مباحث کو بطور اجمال اور پھر بالترتیب اجمالی تفصیل ذکر کی جارہی ہے۔

(۱)......خمر کے لغوی معنیٰ
(۲)......وجہ تسمیہ
(۳)......عقل کا تحفظ مقاصد شریعت میں سے ہے
(۴)......خمر کی حقیقت
(۵)......شراب کی سزاء
(۶)......شراب ساز سے اس کو خریدنا
(۷)......مختلف احکام
(۸)......اشربہ کی تفصیل
(۹)......خمر
(۱۰)......خمر کے احکام
(۱۱)......منصف وباذق
(۱۲)......سکر
(۱۳)......نقیع وزبیب
(۱۴)......دونوں کا حکم
(۱۵)......حلال مشروبات
(۱۶)......کچھ نبیذ سے متعلق
(۱۷)......بعض برتنوں کی ممانعت پھر اجازت
(۱۸)......نبیذ تمر سے وضو
(۱۹)......حقیقت خلیط
(۲۰)......احکام سکران
(۲۱)......تداوی بالمحرمات
(۲۲)......شراب کی حرمت بتدریج نازل ہوئی
(۲۳)......شراب کی حرمت کب نازل ہوئی۔

{۱}......خمر کے لغوی معنی

خمر الشئ: چھپانا، پوشیدہ کرنا۔(القاموس الوحید)

{۲}......وجہ تسمیہ

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شراب کو خمر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ عقل کو چھپانے والی ہے۔
(شرح الطیبی:۱۸۸)

{۳}......عقل کا تحفظ مقاصد شریعت میں سے ہے

احکام شریعت کی بنیاد پانچ مقاصد پر ہے، ان مقاصد پنجگانہ میں سے ایک عقل کا تحفظ بھی ہے، شریعت کے تمام احکام کا مخاطب ہونا اسی پر موقوف ہے کہ انسان کے عقل و ہوش سلامت ہوں، اس لئے شریعت اسلامی میں عقل کی حفاظت کی اہمیت ظاہر ہے، شراب کا حملہ براہ راست عقل انسانی پر ہوتا ہے، اس لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید واہتمام کے ساتھ شراب کی ممانعت فرمائی ہے، ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو شراب پینے والے اور پلانے والے پر بیچنے اور خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر اور اس پر جس کے لئے نچوڑا جائے، اٹھانے والے پر اور اس پر جس کے لئے اٹھا کر لے جایا گیا ہو۔(ابوداؤد شریف:۱۵۷/۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے نشہ پیا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوں گی اور اس کا اجر کم کردیا جائے گا، توبہ کرے تو توبہ قبول ہوگی لیکن اگر چوتھی بار پی لے تو آخرت میں اہل جہنم کا پیپ اسے پلایا جائے گا۔(ابوداؤد شریف:۵۱۸/۲،نسائی شریف:۳۲۹/۲)

ابتداء میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا جو شراب کے لئے استعمال کئے جاتے تھے، بعد کو اجازت دے دی گئی۔(بخاری شریف:۱۳۷/۲)

اور یہ پیشین گوئی بھی فرمائی تھی کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ کچھ لوگ شراب کو نام بدل کر حلال

کرنے کی کوشش کریں گے۔ (ابوداؤد شریف: ۶۱۱ / ۲، بخاری شریف: ۸۳۷ / ۲)

فی زمانہ ہم بچشم خود حضور ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جبکہ بعض اہل ہواء وہوس کہتے ہیں کہ قرآن نے صرف شراب کا ناپاک ہونا بیان کیا ہے نہ کہ حرام ہونا: **"والی اللہ المشتکی"**

یہاں تین مسائل زیر بحث یہ ہیں: اول یہ کہ خمر کی حقیقت کیا ہے؟ دوسرے شراب کی حد، اور تیسرے بنانے والوں کے ہاتھ ایسے پھلوں کے رس فروخت کرنے کا کیا حکم ہے جن سے شراب بنائی جاتی ہے؟

{۴}......خمر کی حقیقت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حقیقی خمر کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے، عام طور پر فقہاء عراق ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے، امام مالک امام شافعی امام احمد اور فقہاء حجاز ہر نشہ آور مشروب کو خمر قرار دیتے ہیں۔ (بدایۃ المجتہد: ۳/۱۷۱، المغنی: ۹/۱۳۶)

حنفیہ کا مستدل لغت ہے کہ عربی زبان ولغت میں خمر کا اطلاق صرف انگوری شراب ہی پر ہوتا ہے، دوسرے فقہاء نے اس پر کئی طریقوں سے استدلال کیا ہے، اول یہ کہ خمر کے مادہ اشتقاق میں عقل کو مبہوت کر دینے کے معنی ہیں اور اسی سے خمر کو خمر کہا گیا، حدیث میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **"الخمر ما خامر العقل"** خمر اس کو کہتے ہیں جو عقل کو چھپا دے۔ (ابوداؤد شریف: ۵۱۸ / ۲، بخاری شریف: ۸۳۷ / ۲)

دوسرے: روایات میں انگور کے علاوہ مختلف اشیاء کی مشروبات پر صریحاً خمر کا اطلاق کیا گیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب شراب کا حکم نازل ہوا تو کھجوروں کی شراب پی جاتی تھی۔

(بخاری شریف: ۸۳۶ / ۲)

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صراحت ہے کہ حرمت خمر کی آیت نازل ہوتے وقت انگور، شہد، گیہوں اور جو کی خمر بنائی جاتی تھی۔ (ابوداؤد شریف: ۵۱۸ / ۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گیہوں سے،

جو سے، کھجور سے، کشمکش سے اور شہد سے خمر تیار کی جاتی ہے۔ (ترمذی شریف: ۲/۹)

تیسرے: اس مضمون کی روایت بھی کثرت سے موجود ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے اور جس کی کثیر مقدار نشہ پیدا کردے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہوتی ہے۔ **"ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام"** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ہ جس کے تین صاع (تقریباً دس کیلو) سے نشہ پیدا ہوتا ہو اس کا ایک چلو بھی حرام ہوگا۔ (ترمذی شریف: ۲/۸)

رہ گیا حنفیہ کا لغت سے استدلال کرنا تو اول تو فقہاء حجاز کے لئے بھی لغت کی تائید موجود ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، دوسرے ایسا بھی ممکن ہے کہ لفظ کا حقیقی لغوی معنی اور ہو، اور حقیقی شرعی معنی مصداق کے اعتبار سے اس سے عام ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی وہی رائے ہے، جو جمہور فقہاء کی ہے۔

(بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۶/۱۶۲)

امام طحاوی کا بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے۔ (طحاوی شریف: ۲۷۸)

اور اسی پر فی زمانہ مشائخ احناف کا فتویٰ ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے بڑے فتنہ کا ظہور ہو۔

{۵}......شراب کی سزا

شراب نوشی ان جرائم میں سے ہے جن کو شریعت نے قابل سرزنش قرار دیا ہے اور مستقل حد مقرر فرمائی ہے، ابتداء میں کوئی مقررہ حد نہیں تھی، لوگ شراب پینے والوں کو کھجور کی ٹہنی اور جوتے وغیرہ سے مارتے تھے۔ (بخاری شریف: ۲/۱۰۰۲)

بعض دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کے قریب چھڑی مارنے کا فیصلہ کیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چالیس کوڑے لگایا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ کوئی ایک سزا متعین ومقرر کردی جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عام طور پر نشہ میں بد مست ہذیان گوئی کرتا ہے اور اسی ہذیان گوئی میں لوگوں پر تہمت بھی لگا دیتا ہے، لہٰذا قذف کی سزا یعنی اسی (۸۰) کوڑے اس جرم پر بھی لگائی جائے۔ (مؤطا امام مالک: ۳۵۷)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے سزا مقرر کرنے

کی رائے دی۔ (ترمذی شریف: ۱/۲۶۶)

یہی رائے احناف، مالکیہ اور حنابلہ کی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چالیس کوڑے شراب نوشی کی حد ہے۔ (المغنی: ۹/۱۳۶)

یوں تو تمام حدود میں شریعت کا بنیادی اصول ہے کہ شبہ کا فائدہ مجرم کو دیا جائیگا اور شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جائیں گی، مگر حنفیہ نے خصوصیت سے اس مسئلہ میں کچھ زیادہ ہی احتیاط برتی ہے، کہ اگر گواہان کی پیشی یا نشہ نوش کے اقرار کے وقت اس کے منہ میں شراب کی بو باقی نہ رہی تو اس پر حد جاری نہیں جاری کی جائیگی، اسی طرح شراب کی بو پائی جائے یا شراب کی قئی کرلے، لیکن شراب پینے کا اقرار نہ کرتا ہو، اقرر سے رجوع کر رہا ہو، تو ایسی صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ (البحرالرائق: ۵/۲۷)

علامہ ابن نجیم نے فرمایا ہے کہ بھنگ، حشیش اور افیون بھی حرام ہے، چنانچہ علامہ شامی نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ بھنگ کے نشہ پر بھی حد جاری ہوگی۔ (منحۃ الخالق علی البحر: ۵/۲۸)

میرا خیال ہے کہ فی زمانہ یہی زیادہ صحیح ہے، ائمہ ثلثہ کے نزدیک اگر شراب کا اقرار کرلے تو گوکہ بو نہ پائی جائے پھر بھی حد جاری ہوگی۔ (حجۃ الامت: ۲۷۵)

شراب نوشی کی حد ہوش میں آنے کے بعد جاری کی جائے گی اور ایک ہی جگہ پر کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، بلکہ جسم کے مختلف حصوں پر ضرب لگائی جائے گی، البتہ سر، چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، قول مشہور ہے کہ کوڑہ لگاتے ہوئے تہبند کے علاوہ بقیہ کپڑے اتار لئے جائیں لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ کپڑے نہیں اتارے جائیں گے۔ (البحرالرائق: ۵/۲۸)

مردوں کو حد جاری کرتے وقت کھڑا رکھا جائے گا اور عورتوں کو بٹھایا جائیگا اور اس کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں گے تاکہ بے ستری نہ ہو۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۹/۱۲۳)

{۶}......شراب ساز کے ہاتھ رس فروخت کرنا

محدثین کا رجحان یہ ہے کہ شراب بنانے والے شخص کو انگور وغیرہ کا شیرہ بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کیلئے رس نچوڑنیوالے کو بھی ملعون قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۷)

فقہاء احناف کے یہاں اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شراب ساز کو شراب سازی ہی کی نیت سے انگور یا کسی اور پھل کا رس فراہم کیا جائے تو یہ جائز نہیں، نفس تجارت کی نیت ہو تو درست ہے۔

(الاشباہ والنظائر مع حاشیہ ابن عابدین:۲۲)

اس لئے کہ شیرہ انگور سے بعینہ شراب نہیں بنتی بلکہ تغیر کے بدشراب تیار ہوتی۔(البحر الرائق:۸/۲۰۲)

بلکہ حنفیہ نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم سے شراب کی حمالی کی اجرت حاصل کرے۔(البحر الرائق:۸/۲۰۲)

لیکن ظاہر ہے کہ بادی النظر میں شریعت کے مقاصد اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ رائے میل نہیں کھاتی، جس میں شراب نچوڑنے والے اور اس کے اٹھانے والے بھی لعنت بھیجی گئی۔ واللہ اعلم

{۷}......مختلف احکام

شراب کی بیع جائز نہیں، عام فقہاء کے نزدیک باطل ہے۔(شرح مہذب:۹/۲۲۷)

حنفیہ کے یہاں فاسد ہے۔(الدر المختار علی ہامش الرد:۵/۱۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے، اسی مضمون کی روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

(بخاری شریف:۱/۲۹۷)

اسی لئے اگر کسی مسلمان کی شراب ضائع کر دی جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں امام بخاری نے اس پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے۔(بخاری شریف:۱/۳۳۶)

اضطرار کی حالت میں پیاس دور کرنے کے لئے یا لقمہ کو حلق سے اتارنے کے لئے حنفیہ، شوافع اور حنابلہ نے شراب کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے، مالکیہ نے منع کیا ہے۔(رحمۃ الامۃ:۳۷۵)

{۸}......اشربہ کی تفصیل

اشربه: شراب کی جمع ہے، شراب ہر بہتی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، جسے پیا جاسکے، خواہ حلال ہو یا حرام، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ان مشروبات کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرنے والی ہوں، "**والشراب لغة كل مائع يشرب واصطلاحا ما يسكر**"۔ (درمختار علی ہامش الشامی: ۵/۲۸۸)

وہ مشروبات جو شرعاً حرام ہیں، چار طرح کے ہیں۔

{۹}......خمر

خمر سے مراد انگور کا کچا رس ہے جس میں جوش پیدا ہو جائے اور جھاگ اٹھنے لگے، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک تمام حرام مشروبات میں جوش اور شدت کی کیفیت کا پیدا ہونا کافی ہے، جھاگ کا اٹھنا ضروری نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جھاگ کا اٹھنا بھی ضروری ہے، حرمت شراب کے معاملہ میں بعض فقہاء احناف نے احتیاطاً صاحبین کی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔ "**وقيل يوخذ في حرمة الشرب بمجرد الاشتداد احتياطاً**"۔ (ہدایہ: ۴/۴۷۷)

اس کے علاوہ جن مشروبات پر خمر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، وہ از راہ مجاز ہے۔ (شامی: ۵/۲۸۸)

{۱۰}......خمر کا احکام

خمر سے درج ذیل احکام متعلق ہیں:

(۱)......حرام مشروبات میں سے اسی قسم کو "خمر" سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر چوں کہ خمر کی حرمت قرآن کریم میں مصرح ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس کی حرمت کا منکر ہو اور اس کو حلال سمجھتا ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائیگا، "**يكفر مستحلها لانكاره الدليل القطعي**"۔ اس کو حلال جاننے والے کی تکفیر کی جائے گی اس کے دلیل قطعی کے انکار کرنے کی وجہ سے۔

(۲)......خمر بذاتہ حرام ہے، چاہے اس کی وجہ سے نشہ پیدا ہو یا نہ ہو، اس لئے اس کی زیادہ اور کم مقدار

میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔"**ان عینها حرام معلول بالسکر ولا موقوف علیه**"

(۳)...... پیشاب کی طرح نجاست غلیظ ہوگا۔"**انها نجسة نجاسة غلیظة کالبول**"

(۴)...... مسلمان کے حق میں یہ بے قیمت ہے، اس کی خرید وفروخت جائز نہیں، اگر کوئی شخص اس کو ضائع کردے یا غصب کرلے تو اس پر تاوان واجب نہ ہوگا۔"**حتی لا یضمن متلفها وغاصبها ولا یجوز بیعها**"

(۵)...... اس سے کسی بھی طرح کا نفع اٹھانا مثلا جانوروں کو پلانا، زمین کو اس کے ذریعہ تر کرنا، جسم کے خارجی استعمال اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوا اور علاج وغیرہ جائز نہیں۔"**وحرم الانتفاع بها ولو یسقی دواب والطین اونظر للتلهی او فی دواء او دهن او طعام او غیر ذلك**"

(۶)...... اس کے پینے پر بہرحال حد جاری ہوگی، چاہے نشہ کی کیفیت پیدا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔"**یحد شاربها وان لم یسکر منها**"

(۷)...... خمر بننے کے بعد اگر اس کو پکایا جائے، یہاں تک کہ نشہ کی کیفیت ختم ہوجائے تب بھی اس کی حرمت باقی رہے گی، البتہ اب جب تک نشہ پیدا نہ ہوجائے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

(۸)...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا سرکہ بنانا درست ہوگا۔(ہدایہ:۴/۴۷۷، شامی:۵/۲۸۸)

{۱۱}...... منصف و باذق

انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ اس کا نصف حصہ یا نصف سے زیادہ دو تہائی سے کم حصہ جل جائے اور نصف یا ایک تہائی سے زیادہ بچ رہے تو یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شدت پیدا ہوجانے اور جھاگ پھینکنے کی صورت میں اور صاحبین کے نزدیک محض شدت پیدا ہوجانے کی وجہ سے حرام ہوجائیگا، اگر پکانے کے بعد نصف مقدار باقی رہ جائے تو "منصف" اور ایک تہائی سے زیادہ ہو تو "باذق" کہتے ہیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دونوں مشروب حلال ہیں۔

{۱۲}......سکر

کھجور سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب "سکر" اور نقیع التمر کہلاتا ہے، یہ بھی حرام ہے **"فھو حرام مکروہ"** شریک بن عبد اللہ کے نزدیک یہ حلال ہے۔

{۱۳}......نقیع زبیب

کشمش سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب جس میں شدت اور جھاگ پیدا ہو جائے، امام اوزاعی اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔

{۱۴}......حکم

ان تینوں مشروبات اور خمر کے احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک ان کی حرمت خمر سے کمتر ہے، جن احکام میں فرق کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)......ان مشروبات کی حرمت سے انکار کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی، اسلئے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ان کی حرمت پر اتفاق نہیں ہے، پس ان کی حرمت قطعی باقی نہیں رہی، بلکہ اس کی حیثیت ایک اجتہادی مسئلہ کی ہے۔ **"لان حرمتها اجتهادية وحرمة الخمر قطعية"**

(۲)......ان مشروبات کے نجس ہونے پر فقہاء احناف متفق ہیں تاہم بعض حضرات کے نزدیک یہ بھی نجاست غلیظہ ہیں اور بعض کے نزدیک نجاست خفیفہ، سرخسی اور صاحب نہر نیان نے نجاست خفیفہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔

(۳)......امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک یہ اس مقدار میں حرام ہوں گے جس سے نشہ پیدا ہو جائے، چنانچہ اگر اتنی مقدار میں پی گئی کہ نشہ نہ پیدا ہونے پائے تو شراب کی سزا (حد) جاری نہیں ہوگی۔ **"لا يجب الحد بشربها حتى يسكر ويجب بشرب قطرة من الخمر"**

(۴)......امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مشروبات ذی قیمت (متقوم) ہوں گے، چنانچہ ان کو

فروخت کرنا امام صاحب کے نزدیک درست ہوگا، اور اس کو ضائع کرنے والے کو تاوان ادا کرنا ہوگا، البتہ یہ تاوان خود ان مشروبات کی شکل میں ادا نہیں کیا جاسکے گا بلکہ قیمت ادا کرنی ہوگی، قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مشروبات بھی بے قیمت ہیں۔

(۵)......ان سے کسی طرح کا نفع اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ (ہدایہ: ۴/۴۷۷، شامی: ۵/۲۸۸)

{۱۴}......حلال مشروبات

اسی طرح جو مشروبات حلال ہیں، وہ چار ہیں، چاہے ان میں شدت پیدا ہو جائے۔

(۱)......کھجور اور کشمش کی نبیذ خواہ اس کو تھوڑا سا پکا دیا جائے "**ان طبخ ادنی طبخة**"

(۲)......کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ، جس کو تھوڑا سا پکا دیا جائے۔

(۳)......شہد، گیہوں وغیرہ کی نبیذ چاہے پکائی گئی ہو یا نہیں۔

(۴)......مثلث عنبی، یعنی انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

لیکن اس کے حلال ہونے کے لئے بھی چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ ان مشروبات کے پینے کا مقصود لہو ولعب نہ ہو، بلکہ قوت حاصل کرنا مقصود ہو تاکہ نماز روزے، جہاد میں سہولت ہو یا کسی بیماری میں اس سے فائدہ پہنچنے کا امکان ہو، "**التقوی ای اللیالی علی قیام وفی الایام علی الصیام والقتال لاعداء الاسلام او التداوی لدفع الآلام**"

اگر لہو ولعب مقصود ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔

دوم یہ کہ اتنی مقدار نہ ہو کہ اس سے نشہ پیدا ہو، اگر غالب گمان ہو کہ اس کے پینے سے نشہ آجائے گا، تو پھر اس کا پینا درست نہیں۔

لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں شیخین سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک ان مشروبات میں اگر شدت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو یہ بھی حرام ہو جاتے ہیں، چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ، بہر حال وہ حرام ہوں گے، ان کے پینے پر شراب کی سزا نافذ کی جائے گی، اگر پی کر کوئی بحالت نشہ طلاق دے دے تو

طلاق ہو جائے گی، نیز وہ نجس شمار ہوگا، یہی رائے ائمہ ثلاثہ کی ہے، اور اسی پر متاخرین احناف نے فتویٰ دیا ہے۔ (فتاوی شامی: ۵/۲۹۲)

اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں اگر امام صاحب کے مسلک پر عمل کیا جائے تو فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور اہل ہوا و ہوس کو اپنی مطلب برآوری کا ذریعہ ہاتھ آجائے گا، **واللہ اعلم بالصواب۔**

{۱۵}...... کچھ نبیذ سے متعلق

عربی زبان میں **"نبذ"** کے معنی پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں، جس چیز کو ڈالا جائے اس کو لغت میں **"نبیذ"** کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط: ۴۳۲)

فقہاء کے نزدیک نبیذ وہ مشروب کہلاتا ہے، جس میں کھجور وغیرہ ڈالا جائے اور اس کی وجہ سے پانی میں حلاوت پیدا ہو جائے۔ (خانیۃ علی ہامش الہندیہ: ۱/۱۸)

{۱۶}...... نبیذ کی حلت اور حرمت

عام طور پر کتب فقہ میں **"نبیذ"** سے متعلق دو مسائل زیر بحث آئے ہیں، اول وہ خاص **"نبیذ"** جو بطور مشروب کے استعمال کیا جاتا تھا، اس سلسلہ میں دو قسم کی **"نبیذ"** کا ذکر ملتا ہے، ایک کشمش کی **"نبیذ"** یعنی ایسا پانی جس میں کشمش ڈالی گئی ہو اسے معمولی طور پر پکایا گیا ہو اس میں جوش آگیا ہو اور شدت پیدا ہوگئی ہو، دوسرے **"نبیذ تمر"** یعنی پانی میں کھجور ڈالی گئی ہو پھر اسے پکایا گیا ہو، یا نہ پکایا گیا ہو، لیکن جوش و شدت پیدا ہوگئی ہو اور جھاگ اٹھنے لگی ہو، ان دونوں ہی صورتوں میں اگر شدت نہ پیدا ہوئی ہو تو بالاجماع حلال ہے، اور اگر نشہ کی کیفیت پیدا ہوگئی ہو تو اتنا پی لیا جائے کہ اس سے نشہ پیدا ہو جائے تو بالاتفاق حرام ہے اور اس کی وجہ سے حد بھی واجب ہوگی، اگر اتنی مقدار میں پی کہ جس سے نشہ پیدا نہیں ہوا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بہر حال حرام ہے، کم مقدار ہو یا زیادہ پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق اس پر حد بھی جاری ہوگی، اور ایک قول کے مطابق حد جاری نہ ہوگی، گنہگار ہوگا لیکن فقہاء کے نزدیک فتویٰ امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر ہے کہ اس کا پینا بھی حرام ہے اور اس کی وجہ سے حد بھی جاری ہوگی۔ (عالم گیری: ۵/۴۱۲)

جو، گیہوں، انجیر اور شہد کی شراب کا بھی یہی حکم ہوگا، اسی لئے قاضی خان نے مطلق لکھا ہے کہ جس مشروب میں بھی نشہ کی کیفیت پیدا ہو جائے اس کا پینا حرام ہے۔ **"فان کان مسکرا لایحل شربه"**۔ (خانیہ علی ہامش الہندیہ: ۱/۱۸)

دوسرے فقہاء کی رائے بھی یہی ہے کہ چاہے وہ کم مقدار میں پی جائے یا زیادہ مقدار میں، اور چاہے بالفعل اس سے نشہ پیدا ہو یا نہ ہو۔ (المغنی: ۱۲/۴۱۲)

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو چیز نشہ آور ہے اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ بہر صورت حرام ہے۔ **"ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام"**۔ (ترمذی شریف: ۲/۸)

{۱۷}......بعض برتن کے استعمال کی ممانعت پھر اجازت

ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے برتنوں کے استعمال سے منع فرما دیا تھا۔ (ترمذی شریف: ۲/۸) جس میں شراب بنائی جاتی تھی، ایسے چار برتنوں کا ذکر احادیث میں وارد ہے۔

دباء: یعنی کدو کو کھوکھلا کر کے بنایا جانے والا برتن۔

حنتم: (سبز ٹھلیئے اور گھڑے) **"مزفت"** یعنی ایسا برتن جس میں ایک خاص قسم کا روغن لگایا ہوا ہوتا تھا۔

نقیر: کھجور اور کسی درخت کی جڑ کو اندر سے کھوکھلا کر کے بنایا جانے والا برتن، بعد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت بھی دیدی تھی، اس لئے ان برتنوں میں بھی نبیذ بنانا جائز ہے۔ (البحر الرائق: ۸/۲۱۹)

{۱۸}...... نبیذ تمر سے وضوء

نبیذ سے متعلق دوسرا اہم مسئلہ **"نبیذ تمر"** سے وضو کرنے کا ہے، اگر پانی میں کھجور ڈالنے کے بعد نہ اسے پکایا گیا نہ نشہ پیدا ہوا، نہ پانی میں کوئی تغیر آیا، نہ مٹھاس پیدا ہوئی اور نہ پانی کا پتلاپن ختم ہوا تو بالاتفاق ایسے پانی سے وضوء کرنا جائز ہے، اگر کھجور کو پانی میں ابالا گیا یا اس میں نشہ پیدا ہوگیا یا پانی کا پتلا پن ختم ہوگیا تو بالاتفاق اس سے وضوء کرنا جائز نہیں۔

البتہ ایسی نبیذ جس میں پتلا پن تو باقی ہو لیکن مٹھاس پیدا ہوگئی ہو، البتہ نہ اسے پکایا گیا ہو اور نہ نشہ پیدا ہوا ہو، اس صورت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، سفیان ثوری کے نزدیک اس سے وضوء کیا جاسکتا ہے۔ (ترمذی شریف: ۱/۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول مشہور یہی ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کے لئے پانی مانگا میں نے عرض کیا کہ صرف نبیذ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور بھی پاک ہے، اور پانی بھی پاک، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضوء فرمالیا۔ (عالم گیری: ۴۱۲/۵)

ائمہ ثلاثہ اور دوسرے فقہاء ومحدثین نبیذ سے وضوء کے قائل نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی سے وضوء کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ پانی نہیں بلکہ اس کا نام نبیذ ہے، رہ گئی مذکورہ حدیث تو وہ حد درجہ ضعیف ہے، امام ترمذی نے خود اس روایت کو ناقابل استدلال قرار دیا ہے، اور امام طحاوی اور حافظ زیلعی جیسے حنفی محدثین نے بھی اس حدیث کے ضعف کو تسلیم کیا ہے۔ (خانیہ علی ہامش الہندیہ: ۱/۱۸)

نیز خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس رائے سے رجوع کرلیا تھا، اور آخری قول امام صاحب کا یہی ہے کہ نبیذ تمر سے وضوء جائز نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۴۹۵/۱۲)

اس طرح اب گویا اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

تنبیہ: مزید تفصیل و دلائل کے لئے کتاب الطہارت کو دیکھا جاسکتا ہے۔

{۱۹}...... حقیقت خلیط

عربوں میں نبیذ پینے کا خاص ذوق تھا، نبیذ مختلف پھلوں اور خاص کر خشک وتر کھجوروں اور انگور اور کشمش کی بنایا کرتے تھے جس چیز کی نبیذ بنانی ہوتی اسے پانی میں ڈال دیا جاتا، تا آنکہ پانی میں اس کا اثر آجائے، پانی میں رکھنے کا وقفہ طویل ہو جاتا ہے تو مشروب میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، اور نشہ کی کیفیت آجاتی ہے اس کے بعد اس کا پینا جائز نہیں، اس کیفیت سے پہلے اس کا پینا حلال ہے، بعض اوقات ایسے پھلوں کو ایک ہی پانی میں ڈال کر نبیذ بنائی جاتی ہے، ایسی مخلوط نبیذ کو **"خلیط"** کہتے ہیں۔

(النہایہ:۲/۶۳)

حدیثوں میں ایسی مخلوط مشروب کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور، کشمش اور خشک وتر کھجوروں کے **"خلیط"** سے منع فرمایا ہے۔

(نسائی شریف:۲/۳۲۳)

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اسی حدیث کی وجہ سے ایسا مخلوط مشروب بہر صورت حرام ہے، نشہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (النہایہ:۲/۶۳)

خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی راجح رائے یہی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرمت اس وقت ہے جب نشہ پیدا ہو جائے، قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ دو پاک وحلال چیزیں باہم ملیں تو اس وقت تک حرام نہ ہوں جب تک کہ حرمت کا کوئی سبب بھی موجود نہ ہو صاحب ہدایہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ابن زیاد کو کھجور اور کشمش کا مخلوط مشروب پلانا ذکر کیا ہے۔ (ہدایہ:۴/۴۸۰)

حنفیہ کا خیال ہے کہ اصل میں یہ حکم احتیاطی ہے، دونوں کی چیزیں جب جمع ہو جاتی ہیں تو اس میں فساد اور سڑن کی کیفیت جلد پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت نشہ کو لاتی ہے، اس لئے احتیاطاً ایسے مشروب سے منع کیا گیا ہے، اور اس طرح کی احتیاطی ہدایات کراہت تو ثابت کر سکتی ہیں حرمت کا باعث نہیں بن سکتیں۔ (حاشیہ نسائی:۲/۳۲۲)

فقہ کی کتابوں میں حق شفعہ کے ذیل میں بھی **"خلیط"** کاذکرآتاہےاورزکوۃ کے باب میں بھی کہ دواشخاص کے مشترکہ ومخلوط اموال میں نصاب زکوۃ کس طرح متعین ہوگا؟

{۲۰}......احکام سکران

"سکران" کے معنی مبتلاءنشہ کے ہیں۔

نشہ بنیادی طورپرحرام ہے،نشہ کی حالت میں انسان عقل وہوش سے محروم ہو جاتا ہے، جو انسان کے مکلف اوراحکام شرعیہ کے مخاطب ہونے کی شرط ہے،فقہاءنےنشہ کے احکام میں ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھاہے،اگرنشہ کیلئے کوئی جائز بات بنیاد ہو،مثلا بطور دواکےنشہ آورشيَ استعمال کی اورنشہ آگیا،تو وہ بے ہوش آدمی کے حکم میں ہوتاہے،اسکی طلاق واقع نہیں ہوگی،البتہ بے ہوشی کی حالت میں ایک شب وروز سے زیادہ کے اوقات گذرجائیں کی قضاءواجب ہی رہے گی،حرام طورسےنشہ پیدا ہوا،تو ازراہ سزاوہ باہوش آدمی کےحکم میں ہوگااوراس کی طلاق واقع ہوگی۔

مبتلاءنشہ کی اذان مکروہ ہےاوراس کااعادہ مستحب ہے،اگرزوال آفتاب سے پہلےنشہ اتر گیا تو روزہ درست ہے ورنہ نہیں،اعتکاف نشہ سے باطل نہیں ہوتااورحج میں وقوف عرفہ بھی نشہ کے باوجود اداہوجاتاہے۔

نشہ ایک محسوس کیفیت ہےاوراس کاظہورمختلف آدمیوں میں مختلف طریقوں سے ہوتاہے،تاہم فقہاءنےتحدیدکی کوشش کی ہے،امام صاحب کےنزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ آسمان وزمین اور مردوزن کے درمیان بھی امتیاز نہ کرسکے،صاحبین کےنزدیک گفتگو میں اختلاط وہذیان سے عبارت ہے اور بہت سے مشائخ نےاسی پرفتویٰ دیاہے۔(الاشباہ والنظائر:۳۱۰)

{۱۲}......تداوی بالمحرمات

دواکے ذریعہ علاج کرنےکو"تداوی" کہتے ہیں۔

اسلام دین فطرت ہےاوراس نےقدم قدم پرانسانی ضروریات کاخیال کیاہے،اس نےاپنے

آپ کو مشقت میں ڈالنے اور اللہ کی نعمتوں کو اپنے آپ پر حرام کر لینے میں نجات کا سبق نہیں دیا ہے، بلکہ خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حدود اللہ پر قائم رہنے کو انسانی اور روحانی کمال بتایا ہے، اس کی نگاہ میں انسان کا وجود اور اس کی حیات خود اس کے لئے ایک ''امانت خداوندی'' ہے، اس کی حفاظت صرف اس لئے ضروری نہیں کہ انسانی فطرت اس کا تقاضہ کرتی ہے، بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے انحراف خدا کی ایک امانت کے ساتھ خیانت اور حق تلفی ہے، اسی تصور کے تحت اسلام، **''فن طب''** کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اور علاج کو نہ صرف جائز اور درست، بلکہ بعض حالات میں واجب اور ضروری قرار دیتا ہے، عالمگیری میں ہے کہ اگر دوا کو اسبب سمجھ کر اور خدا کو اصل شافی یقین کر کے علاج کرایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں: **"الاشتغال بالتداوی لا بأس به اذا اعتقد ان الشافی هو الله تعالیٰ"**

(فتاویٰ عالم گیری: ۲/۲۵۴)

علاج کے لئے جو ادویہ استعمال کی جاتی ہیں، یا کی جاسکتی ہیں، وہ یہ ہیں: جمادات، نباتات، حیوانات، اجزاء انسانی۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ ہر ایک کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ہے:

(۱)...... جمادات سے مراد وہ جامد یا مائع (بہنے والی) اشیاء ہیں جن میں نمو نہیں پایا جاتا اور نہ وہ کسی نباتی یا حیوانی مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں، مثلاً سونا، چاندی، لوہا، پتھر وغیرہ ایسی تمام اشیاء کا از راہ علاج ہر طرح استعمال درست ہے، یعنی ان کے کشتوں کا کھانا، جسم کے خارجی حصہ میں یا اندرونی حصہ میں ان کے مصنوعی اعضاء کا استعمال وغیرہ سب درست ہے! اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کو چاندی اور اس کے بعد سونے کی مصنوعی ناک استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔ (ترمذی شریف: ۱/۳۰۶)

حالانکہ ان کا یہ ناک بنانا کسی تکلیف دہ امر کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ چہرے پر پیدا ہو جانے والے ظاہری عیب کو دفع کرنے کے لئے تھا، اسی بنا پر فقہاء نے دانتوں کو چاندی اور سونے کے تاروں سے باندھنے کی اجازت دی ہے: **"ولیشد الانسان بالفضة ولا یشدها بالذهب وقال محمد لا باس به۔"** (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۷۷)

(۲)......نباتی اشیاءاوران سے بننے والی تمام چیزیں اصلاً حلال ہیں، صرف تین صورتیں ہیں کہ جن میں حرمت پیدا ہوتی ہے، اول یہ کہ ان میں نشہ پیدا ہو جائے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **"کل مسکر حرام"** (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۷۰)
دوسرے اس وقت جب کہ وہ زہر اور نفس انسانی کے لئے قاتل اور مہلک ہو، اس لئے کہ خودکشی حرام ہے، تیسرے وہ کہ وہ سڑ جائیں، کہ سڑن پیدا ہونے کے بعد وہ ناپاک ہو جاتی ہیں اور **"یحرم علیهم الخبائث"** (اعراف: ۱۵۷) کے تحت ان کا کھانا درست نہیں، پس جو نباتی ادویہ نشہ آور یا زہر آلود نہ ہوں، ان کے جائز ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، البتہ ایسی ادویہ کا مسئلہ ہے جو نشہ آور ہونے یا مسموم یا ناپاک ہونے کی وجہ سے عام حالات میں حرام ہیں کہ از راہ علاج ان کا استعمال درست ہوگا یا نہیں؟

(۳)......حیوانات میں بعض حلال ہیں اور بعض حرام، پھر جو حلال ہیں ان کو بھی اگر شرعی طور پر ذبح نہ کیا جا سکا تو وہ بھی حرام ہیں جن کو **"میتة"** کہا جاتا ہے، پھر ذبیحہ میں بھی بعض اجزاء ہیں جو بہر حال حرام ہیں، مثلاً خون، اس طرح شرعی طور پر ذبح کئے ہوئے حلال جانوروں کے حلال اجزاء سے علاج بہر حال درست اور جائز ہوگا ہی، حیوانات کی تین صنفوں کا مسئلہ رہجاتا ہے، ایک وہ جن کا کھانا حلال نہیں، دوسرے وہ جن کا کھانا حلال ہے، لیکن وہ مردار ہیں تیسرے وہ حیوانی اجزاء سے انتفاع پر گفتگو ہم بعد کو کریں گے، ابھی درج ذیل سوالات پر گفتگو کی جاتی ہے

(۱)......نشہ آور اشیاء سے علاج درست ہے؟

(۲)......مسموم اشیاء سے علاج درست ہے؟

(۳)......حرام جانوروں، مردار اور حرام اجزاء حیوانی سے علاج درست ہے؟

(۴)......ان ادویہ کے خارجی استعمال اور دواء کی صورت میں کھانے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور یہ تمام سوالات اس پر مبنی ہیں کہ آیا نجس اور حرام اشیاء سے علاج درست ہے یا نہیں؟ اسی لئے فقہاء نے ان تمام مسائل کو **"تداوی بالحرام"** کے زمرہ میں رکھ کر بحث کی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور یہی ہے کہ حرام اشیاء سے علاج درست نہیں: **"تکرہ البان**

الا ثأن للمریض و کذالك التداوی بکل حرام" (خانیۃ علی الہندیہ:۵۳/۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عام محرمات سے تو علاج کو درست قرار دیا ہے لیکن شراب اور نشہ آور اشیاء سے علاج کرنے کو منع کیا ہے۔ (کتاب الام:۱۲۳/۲)

ان تمام حضرات کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ: "**ان اللہ لم یجعل شفاء کم فی حرام**" بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا کسی حرام میں نہیں رکھی۔ (عمدۃ القاری: ۹۲۰/۱)

مالکیہ، حنابلہ، اور احناف میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً تمام حرام اشیاء سے علاج کی اجازت دی ہے، عالم گیری میں ہے۔ "**یجوز للعمل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفائه فیه ولم یجد فی المباح مایقوم مقامه**"

(عالم گیری:۳۵۵/۵)

بیمار شخص کے لئے بطور دواء خون و پیشاب کا پینا اور مردار کا کھانا جائز ہے، جب کہ اسے کسی مسلمان طبیب نے بتایا ہو کہ اسکی شفاء اسی میں ہے، اور اس کا کوئی مباح متبادل موجود نہ ہو۔

احناف کے یہاں فتویٰ اس بات پر معلوم ہوتا ہے کہ مسکرات کا بھی ضرورۃً استعمال درست ہے، جیسا کہ بھنگ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ حنفیہ نے ازراہ علاج اس کی اجازت دی ہے۔ بزازیہ میں شراب کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ "**خاف الهلاك عطشا وعنده خمر، له شربه قدر مایدفع العطش ان علم انه یدفعه**" (بزازیہ علی الہندیہ:۲۶۶/۶)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ شاید امام صاحب کے اصل مذہب میں بھی کچھ تفصیل ہے اور مطلقاً تداوی بالحرام کی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ طحاوی نے امام صاحب سے سونے کی تاروں سے دانت باندھنے کی اجازت نقل کی ہے، خارش کی وجہ سے ریشمی کپڑوں کے استعمال کا جواز احناف میں معروف بات ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورتیں بھی تداوی بالحرام ہی کی قبیل سے ہیں۔

(معارف السنن:۳۷۹/۱)

رہ گئی وہ روایت کہ "حرام میں شفاء نہیں ہے" تو اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں ان میں یہ توجیہ بہت قوی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے، جب کہ مریض اس شئ حرام کے استعمال پر مجبور اور مضطر نہ ہو، بلکہ

اس کا متبادل موجود ہو، عینی کے الفاظ میں:.. **والجواب القاطع ان ھذا محمول علی حالۃ الاختیار**" دوسرے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسی اشیاء کے لئے "**شفاء**" کے لفظ کے استعمال کو نامناسب سمجھا ہو، کیونکہ "**شفاء**" کا لفظ مبارک چیزوں کی بابت بولا جاتا ہے، ناجائز چیزوں سے جو فائدہ ہو اسے، "**منفعت**" کہنا چاہئے، اس لئے قرآن کریم نے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا: "**اثمهما اکبر من نفعهما**" (معارف السنن: ۱/۳۷۹)

یہی حال ناپاک اشیاء کا ہے، قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اونٹ کا پیشاب اور خون پینے کی اجازت دی ہے، اگر علاج مقصود ہو جیسا کہ اوپر مذکور رہوا۔ (شامی: ۵/۳۱۶)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ دواءً کبوتر کی بیٹ کھانا جائز ہے:."**واکل خرء الحمام فی الدواء لا باس بہ**" (بزازیہ علی الھندیہ: ۶/۳۶۵)

از راہ علاج انگلیوں میں پتہ داخل کر دینا بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے:."**اما ادخال المرارۃ فی الاصبع للتداوی جوزہ الثانی وعلیہ الفتویٰ**" (بزازیہ علی عالم: ۵/۳۵۴)

یہ فقہی تصریحات اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ضرورت انسانی کی رعایت کرتے ہوئے فقہاء نے از راہ علاج حرام ونجس اشیاء کے استعمال کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس کا کوئی طبی متبادل موجود نہ ہو، یا وہ اس متبادل کے استعمال پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو کہ غیر مقدور فقہاء کے نزدیک غیر موجود کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔

یہاں یہ ضرور ہے کہ دوسری ناپاک اشیاء کے مقابلہ میں فقہاء نے "خنزیر" کے اجزاء استعمال کرنے میں زیادہ احتیاط کی راہ اختیار کی ہے، اس لئے کہ "خنزیر" نجس العین ہے، بزازیہ میں ہے:"**ویکرہ معالجۃ الجراحۃ بانسان او خنزیر لانھما محرم الانتفاع**" (بزازیہ علی عالم: ۵/۳۶۵)

میرا خیال ہے کہ خنزیر کے اجزاء کی ممانعت بھی اس وقت ہے جب کہ کوئی اور ذریعہ علاج موجود ہو، کیونکہ خنزیر اپنی حرمت اور نجاست "عین" کی وجہ سے مطلقاً ناقابل انتفاع ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں، کہ جوتوں کو سینے کے لئے خنزیر کے بال کے استعمال کو جائز رکھتے ہیں اور مشائخ

امام صاحب کی اس رائے کو دلیل ومصالح شرعی کے لحاظ سے **"اظہر"** قرار دیتے ہیں۔

(البحر الرائق: ۸۰/ ۶)

پس صحت انسانی کی حفاظت اور نفس انسانی کی صیانت کے لئے بدرجہ اولیٰ اجزائے خنزیر کے استعمال کی اجازت دینی ہوگی۔

پھر ان حضرات نے نجس وحرام اشیاء سے بدرجہ ضرورت علاج کی اجازت دی ہے، جہاں انسانی مصلحت اور شریعت کے عمومی قواعد اور مقاصد ان کی تائید کرتے ہیں، وہیں حدیث "عرینہ" جس میں آنحضرت ﷺ نے اونٹ کے پیشاب پینے کی اجازت دی، بلکہ دواءً پینے کا حکم دیا۔

(ترمذی شریف: ۲۱/ ۱)

ان کی رائے کو صراحۃً اور عبارۃً ثابت کرتی ہے، لہٰذا ناپاک وحرام اشیاء آور ہوں یا نہ ہوں، ضرورتاً ان کے ذریعہ علاج درست ہے۔

ایسی ادویہ جن میں زہریلے اجزاء ہوں اگر اس کے استعمال سے ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور مریض کے لئے اس کا استعمال ناگریز ہو تو ایسی ادویہ کے استعمال میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

(المغنی: لابن قدامۃ: ۴۰۱/ ۱)

اس لئے کہ ان ادویہ کے استعمال کی ممانعت تھی ہی اس لئے کہ مہلک تھیں، اب جبکہ ان کا استعمال ہی انسانی زندگی کے تحفظ یا اس کی صحت کے بچاؤ کا ذریعہ ہے تو ضروری ہے عین اسی مصلحت شرعی کی وجہ سے ان کے استعمال کو جائز رکھا جائے۔

تنبیہ: علاج کی چوتھی صورت انسانی اعضاء واجزاء سے علاج کیا جائے اس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے موقع پر بیان کریں گے۔

{۲۲}......شراب کی حرمت بتدریج نازل ہوئی

شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں اس کا رواج عام تھا اور اس کی حیثیت لوازمات زندگی کی سی تھی اور عام طور پر لوگ اس کے عادی تھے اس لئے غالباً

مصلحتہً شراب کی حرمت بیک حکم قطعی نہیں کی گئی بلکہ تدریجاً پہلے اس کی قباحت پھر اس پر کچھ پابندیاں اور پھر حرمت کا حکم ہوا اس سلسلہ میں پہلی آیت کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ اور دوسری آیت "**یسئلونك عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر**" لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ (سورۃ البقرہ) ہے اور تیسری آیت جس میں قطعی حرمت نازل ہوئی وہ: "**یا ایها الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان**" اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان، اور جوئے کے تیر یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ (سورۃ المائدہ) ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شراب اور حرام قرار پائی اور اس کی عام ممانعت ہوگئی۔

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا اور ہم کو بلایا کھانا کھلایا اور ہم کو شراب پلائی پس شراب کا نشہ ہم پر سوار ہوا اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا تو مجھ کو لوگوں نے نماز پڑھانے کے لئے بڑھا دیا اور میں نے نماز پڑھائی تو میں نے یہ قراءت کی "**قل یا ایها الکفرون لا اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون**" پڑھ دیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "**یا ایها الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون**" ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت نماز کے قریب بھی مت جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو۔ **(سورۃ النساء، مرقاۃ المفاتیح: ۱۰۰/۴)**

{۲۳}......شراب کی حرمت کب نازل ہوئی

حرمت خمر کے متعلق یہ آیت کس سن میں نازل ہوئی، اس میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ فتح مکہ کے سال یہ حکم نازل ہوا۔ (فتح الباری: ۱۰/۳۸)

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں صلح حدیبیہ کے سال یہ آیت نازل ہوئی یعنی سن

چھ ہجری میں ۔ (تاریخ الخمیس: ۲/۲۶)

ابن اسحاق کے نزدیک غزوہ بنی نضیر کے سال یہ حکم نازل ہوا اور راجح قول کے مطابق غزوہ بنو نضیر سن چار ہجری میں واقع ہوا ہے ۔ (تاریخ الخمیس: ۲/۲۶)

لیکن سن چار ہجری میں اس حکم کے نزول پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ جس سال تحریم خمر ہوئی، اسی سال کا واقعہ ہے حضور اکرم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شراب حرام کر دی گئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ کیا اعلان ہو رہا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شراب کی حرمت کا اعلان ہو رہا ہے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاؤ ان مٹکوں کو توڑ ڈالو ۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سن چار ہجری میں اس عمر کے نہیں تھے کہ مٹکوں کو پھوڑ ڈالتے وہ کم عمر تھے، اسی لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہجرت کے سال میں حضوا کرم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو اس وقت وہ نو دس سال کے تھے، اگر اسے سن چار ہجری کا واقعہ مانا جائے تو اس وقت ان کی عمر چودہ سال ہوگی ۔ حافظ ابن حجر وغیرہ نے یہ بات لکھی ہے ۔ لیکن اس میں نظر ہے کیوں کہ چودہ سال کا بچہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ مٹکوں کو توڑ کر بہا سکے ۔ بہر حال علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سن چھ ہجری کو ترجیح دی ہے ۔ (تاریخ الخمیس: ۲/۲۶)

لیکن مشہور روایت سن چار ہجری کی ہے ۔ (الاصابۃ تمیز الصحابۃ الاستعاب: ۱/۱۷)

شرب خمر کی حد ہے یا تعزیر

آنحضرت ﷺ سے اور صحابہ کرام سے شارب خمر کی ضرب اور تجلید تو ثابت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ بحث یہ ہے کہ یہ ضرب حد ہے یا تعزیر؟ جمہور فقہاء کا مذہب تو یہی ہے کہ یہ حد تھی البتہ بعض علماء اس بات کے قائل بھی ہوئے ہیں کہ یہ حد نہیں بلکہ تعزیر ہے ۔ (اوجز المسالک: ۱۳/۳۳۶)

پہلی رائے کے مطابق اس کی مقدار میں رائے الامام کا داخل نہیں ہوگا دوسری رائے کے مطابق ہوگا۔

جو حضرات حد کی نفی کر کے تعزیر ہونے کے قائل ہیں وہ بہت سی رویات سے استدلال کرتے ہیں، جمہور فقہاء کے مسلک کے مطابق ان روایات کو حل کرنا ضروری ہے، یہاں صرف مشکوۃ کی ان

روایات پر مختصراً کلام کیا جاتا ہے۔ جن سے بظاہر حد ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

(۱)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ عبد الرحمن بن الازہر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شارب خمر کی مختلف انداز سے پٹائی اور تبکیت کی گئی ہے، ضرب کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی، یہ تعزیر ہونے کی علامت ہے، اگر حد ہوتی تو ضرب کی مقدار اور انداز مقرر کیا جاتا، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہاں تک ہے کہ شرب خمر کی حد سے تجاوز فرمایا ہے، حالانکہ حد ثابت ہو جانے کے بعد اس کو ساقط نہیں کیا جاتا ہے۔

ایسی روایات کی توجیہ دو طرح سے کی جاتی ہے۔

(۱)......یہ روایات حد خمر کے نزول سے پہلے کی ہیں۔

(۲)......یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی کسی کا شراب پینا شہادت شرعیہ سے ثابت نہ ہوا ہو ایسے حالات میں یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حد ساقط فرما کر ضرب تعزیر پر اکتفاء فرمایا۔

(۲)......فصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ ''حد خمر میں اگر محدود مرجائے تو میں اس کی دیت دوں گا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی سنت جاری نہیں فرمائی، یعنی اس کی مقدار مقرر نہیں فرمائی، یعنی اس کی مقدار نہیں فرمائی، اس اثر سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرب خمر کیلئے کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی، بعد میں اس کو جاری کیا ہے، ابن ماجہ کی روایت میں لفظ ہے: **"وانما ھو شیٔ جعلناہ نحن"** (مرقاۃ المفاتیح:۱۷۷/۷) جس کی تعیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی اسی کو حد کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس اثر کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی ۸۰ ر کے عدد کو غیر ثابت قرار نہیں دینا چاہتے، بلکہ اسی ۸۰ ر کوڑے ایک ہی کوڑے کے ساتھ مارنے کو غیر ثابت قرار دے رہے ہیں، غرضیکہ اس اثر کا تعلق کوڑے لگانے کے انداز سے ہے، کوڑوں کی تعداد سے نہیں۔

ایک اشکال کا حل

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں شارب خمر پر باقاعدہ حد جاری نہیں کی جاتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں چالیس کوڑے حد کا آغاز ہوا، پھر جب فسق بڑھ گیا تو اسی کوڑے کا آغاز ہوا۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت نے اپنی طرف سے ایک حد کا اضافہ فرمادیا ہو، جس کا عہد نبوت اور عہد خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ میں ثبوت نہیں ملتا، پھر حد پہلے چالیس کوڑے مقرر ہوئے پھر کثرت فسق کی بنا پر اسی کوڑے کر دیئے گئے، حالانکہ فسق کی کمی بیشی کی وجہ سے تعزیر کی مقدار تو متاثر ہوسکتی ہے، حدود کی مقدار میں اس بنا پر کمی وبیشی نہیں ہوا کرتی تو اسکا مطلب ہوا، "**حتی اذا عتوا وفسقوا جلد ثمانین**"؟

اس کا حل یہ ہے کہ شارب خمر کے بارے میں مختلف ادوار میں جو مختلف معاملات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا منشاء یہ نہیں کہ ان ادوار میں شارب خمر کے احکام میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے، بلکہ احکام تو ایک ہی رہے ہیں مگر حالات کے بدلنے سے ان کے انطباق ونفاذ کی صورتیں بدلتی رہی ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک غلبہ اصلاح کی وجہ سے شرب خمر کے واقعات کم رونما ہوتے تھے، اکا دکا واقعات جو سامنے آتے تو عام طور پر ان کا شرعی ثبوت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا تھا، اس لئے اب تک زیادہ تر واقعات میں تعزیر کی نوبت آتی تھی، گو کبھی حد نافذ ہونے کا موقع بھی آتا رہا، جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے، پھر حالات میں تبدیلی ہوئی، شرب خمر کا شرعی ثبوت مہیا ہونے کے مواقع میسر آنے لگے، تو اب زیادہ تر حد نافذ ہونے کی نوبت آنے لگی، اور حد اسی ۸۰ / کوڑے ہی ہوتی تھی، مگر اس کا انداز وہی رہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا تھا کہ دو چھڑیوں سے چالیس کوڑے لگا دیئے جاتے، لیکن جب فسق کا زیادہ شیوع ہوا تو مزید تادیب کے لئے اسی کوڑے لگانے کا انداز بدل دیا گیا، اور ایک ہی چھڑی سے اسی کوڑے لگانے کا آغاز ہوا۔ (اشرف التوضیح: ۲/۵۵۴)

{الفصل الاول}

شراب نوشی کی سزا

{۳۴۵۲} عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ بِالْجَرِیْدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَّدَ اَبُوْبَکْرٍ اَرْبَعِیْنَ۔ (متفق علیه) وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَضْرِبُ فِی الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِیْدِ اَرْبَعِیْنَ۔

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۲، باب ماجاء فی ضرب شارب الخمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۷۷۳، مسلم شریف: ۲/۷۱، باب حد الخمر، کتاب الحدود، حدیث شریف: ۱۷۰۴۔

حل لغات: جرید، کھجور کی ٹہنی جس کے پتے اتار لئے گئے ہوں۔ النعال: بکسر النون، جمع النعل بفتح النون، جوتا۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے کے جرم میں ٹہنی اور جوتوں سے مارا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے کے جرم میں جوتوں اور ٹہنی سے چالیس ضربیں لگاتے تھے۔

تشریح: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے کا حکم دیا، "**فی الخمر**" یعنی شراب پینے والے کے شراب پینے میں اور عبارت کی تقدیر یہ بھی ہوسکتی ہے: "**ضرب شارب الخمر لاجل شربها**" شرابی کو پیٹا جائے گا اس کے شراب پینے کی وجہ سے۔ اس روایت کا مفہوم یہی ہے کہ آپ نے بلاتعین عدد کے جوتا اور کھجور کی ٹہنی سے اس کی پٹائی کروائی، لیکن شارحین نے یہ کہا ہے کہ یہ مجمل ہے اور ان روایات

میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے اس میں چالیس کا عدد مذکور ہے لہٰذا اس روایت میں چالیس کو موجود غیر مذکور مانا جائے گا لیکن احتمال اسکا بھی ہے کہ پہلے بلا تعیین عدد یوں ہی سزا دیدی جاتی ہو جو چالیس سے کم ہوگی یا اسی کے مقدار اور بعد میں چالیس ضربوں کی تعیین کی گئی ہو۔ **"وجلد"** علامہ قاری نے فرمایا کہ شاید اس میں تجرید ہے اور یہ ضرب کے معنی میں ہے، یعنی مارا، نہ کہ کوڑا مارا، **"ابوبکر اربعین"** یا تو یہ معنی کہ حضرت رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے اور یا یہ معنی کہ چالیس ضربیں ماریں یعنی چالیس مرتبہ مارا۔ (آخر معنی تجرید کی شکل میں، مرقاۃ المفاتیح: ۱۰۰/ ۴)

شراب کی حد مع اختلاف مذاہب

شافعیہ کے نزدیک شراب کی حد چالیس (۴۰) کوڑے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اسی (۸۰) کوڑے ہیں شافعیہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں آپ نے چالیس (۴۰) مرتبہ جوتے مارے، کئی روایات میں چالیس کا عدد آیا ہے، کسی روایت میں چالیس کوڑے، کسی روایت میں چالیس جوتے، کسی روایت میں چالیس شاخیں آئی ہیں، اور حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ شراب پینے پر حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے بطور حد مقرر فرمائے تھے، اور جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں چالیس کے عدد کے ساتھ ساتھ یہ موجود ہے کہ جس چیز کے ذریعہ مارا گیا وہ یا تو دو جوتے تھے یا ایسا کوڑا تھا جس کے دو طرق تھے یا ایسا جرید تھا جس کی دو شاخیں تھیں گویا کہ آلے کے اندر خود دوہری ضرب کی صلاحیت تھی، لہٰذا جب دو جوتوں سے چالیس مرتبہ مارا گیا تو اسی (۸۰) ہوگئے اور جب ایسے کوڑے سے چالیس مرتبہ مارا گیا جس کے دوسرے تھے تو وہ اسی (۸۰) ہوگئے اسی طرح جب ایسی جرید سے مارا گیا جس کی دو شاخیں تھیں تب بھی اسی (۸۰) ہوگئے، اور پھر بعد میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ اسی (۸۰) کی تعداد کو مقرر فرمادیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حد شرب جاری ہونے کے واقعات جن روایتوں میں آئے ہیں ان سب میں تثنیہ کا صیغہ موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصل سزا تو اسی (۸۰) کوڑے ہیں البتہ اس سزا کو اس طرح مختصر کیا جاسکتا ہے، کہ دوسرے والے کوڑے سے چالیس مرتبہ مار دیا جائے۔

مسلک حنفی کی وضاحت

اس کی تھوڑی سی اور وضاحت کر دوں، اصل میں چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چالیس کوڑے مارے گئے اور جوتوں سے مارے گئے، اس لئے صحابہ کرام کے زمانے ہی سے اس بارے میں یہ اختلاف ہو گیا کہ کیا حد چالیس کوڑے ہیں؟ یا آلے کے تثنیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو اسی کوڑے کہا جائے گا؟ چنانچہ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کا اجتماع بلایا، اس وقت حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ مشہور جملہ کہا: "**ان الرجل اذا شرب سکر، واذا سکر هذی، واذا هذی قذف واذا قذف حد ثمانین، اجعلوه ثمانین**" یعنی جب آدمی شراب پیتا ہے تو نشہ آتا ہے، اور جب نشہ آتا ہے تو ہذیان بکتا ہے، اور جب ہذیان بکتا ہے تو کسی پر تہمت لگاتا ہے اور جب تہمت لگاتا ہے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے کی حد جاری ہوتی ہے، اسلئے شرب خمر پر بھی اسی (۸۰) کوڑے لگانے چاہئیں، اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کوڑے کی جو سزا مقرر کی گئی وہ اس قیاس سے کی گئی جو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پیش کیا، اور یہ قیاس کچھ اس قسم کا ہو گیا کہ:

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

اس قیاس سے وہ فرماتے ہیں کہ شراب پینے کے نتیجہ میں سکر ہوگا اور سکر کے نتیجہ میں ہذیان ہوگا اور ہذیان کے نتیجہ میں قذف اور قذف کے نتیجہ میں اسی کوڑے ہوں گے، چنانچہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی لطیفہ ہے، باقاعدہ استدلال نہیں ہے لیکن حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسی (۸۰) کوڑے کے قول کا مدار اس روایت پر نہیں کیا ہے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے عمل کی دو تشریحیں کی جاسکتی ہیں، ایک تشریح یہ ہے کہ چالیس کوڑے کی حد ہے، اور دوسرے یہ کہ اسی کوڑے کی حد ہے تو اب حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے والی تشریح کو اختیار کرتے ہوئے ایک وجہ توجیہ نکتہ کے طور پر یہ پیش کی تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر اسی کوڑوں کو ہی مقرر فرما دیا۔

حضور اکرم ﷺ کے عمل میں دونوں احتمال تھے؟

لیکن چونکہ حضور اقدس ﷺ کے عمل میں دونوں احتمال تھے، چالیس کا بھی احتمال تھا اور اسی کا بھی احتمال تھا اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں اور کوڑے لگنے کی وجہ سے اس کا انتقال ہو جائے تو مجھے صدمہ نہیں البتہ اگر شرب خمر کی وجہ سے کسی پر اسی کوڑے کی حد جاری کروں اور اسکا انتقال ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے، اس لئے کہ ہم نے یہ اسی کوڑے قیاس سے مقرر کئے ہیں، لیکن اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی کوڑے کی حد قیاس سے مقرر کی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس رضی اللہ عنہ سے دو باتیں ثابت تھیں اور دونوں احتمال تھے، ان میں سے ہم نے اسی (۸۰) والے احتمال کو جو مقرر کیا اس میں قیاس کا تھوڑا سا دخل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرب خمر میں حد نہیں ہے بلکہ یہ چالیس کوڑے یا اسی کوڑے تعزیر ہے، اور امام کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے وہ اسی کوڑے لگائے اور چاہے چالیس کوڑے لگائے۔ یہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ (درس ترمذی: ۵/۹۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶/۱۵۱، بدائع الصنائع: ۵/۱۱۳، حاشیہ الدسوقی: ۴/۳۵۲، المنتقی علی المؤطا: ۳/۱۴۲، تکملہ فتح الملہم: ۲/۴۸۸)

شراب نوشی پر اسی کوڑے کی سزا کا تعلق

{۳۴۵۳} وَعَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ يُؤْتٰى بِالشَّارِبِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِمْرَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ عَلَيْهِ بِاَيْدِيْنَا وَنِعَالِنَا وَاَرْدِيَتِنَا حَتّٰى كَانَ اٰخِرُ اِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ اَرْبَعِيْنَ حَتّٰى اِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِيْنَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۲، باب الضرب بالجرید والنعال، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۷۷۹۔

حل لغات: امرۃ: الامارۃ، حکومت، خلافت، **الصدر:** ہر چیز کا سامنے والا حصہ، پہلا و ابتدائی

حصہ وغیرہ، **عتا: (ن) عتواً:** حد سے بڑھنا سرکشی کرنا، تکبر کرنا۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں شرابی لا یا جاتا تو ہم اس کو اپنے ہاتھوں، جوتوں اور اپنی چادروں سے مارنے کے لئے کھڑے ہوتے، یہاں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور آیا تو اس وقت چالیس کوڑے مارے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب بعض لوگ حد توڑنے لگے اور صریح نافرمانی کرنے لگے تو اسی کوڑے مارنے لگے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شراب نوشی کی سزا اسی کوڑے ہیں، اس سزا کا تعین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا، اور اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اتفاق کیا، چوں کہ یہ سزا اجماع صحابہ سے طے پائی ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا ضروری ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں شراب نوشی کرنے والے کو مارا جاتا تھا، لیکن ہر ایک کو اسی (۸۰) ہی کوڑے لگائے جائیں ایسا نہیں تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف عمل ثابت ہیں۔

کان یوتی بالشارب علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شرابی کو لایا جاتا تو صحابہ کرام اس کو ہاتھوں، جوتوں اور چادروں وغیرہ سے مارتے تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارنے کی مقدار چالیس ضربوں سے کم تھی لیکن تعداد بہر حال غیر متعین تھی، اکثر روایات میں مطلقاً مارنے کا ذکر آیا ہے بخاری میں روایت ہے: "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بنعیمان او ابن نعیمان وھو سکران فشق علیہ وامر من فی البیت ان یضربوہ فضربوہ بالجرید والنعال و کنت فیمن ضربہ**۔" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعیمان یا ابن نعیمان کو لایا گیا دراں حالیکہ وہ نشہ میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ناگوار گذری چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں موجود لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو ماریں چنانچہ لوگوں نے اس کو چھڑی اور جوتوں سے مارا، اور میں بھی ان میں سے تھا، جنہوں نے اس کو مارا تھا، بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے تو پورے طور پر اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

مبارک میں شراب نوشی کی حد متعین نہیں تھی، "**قال علی ما کنت لا قیم حداً فیموت فاجد فی نفسی الا صاحب الخمر انه لو مات ودیته وذالك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم سنه**" حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کسی پر حد قائم کروں اور وہ مرجائے تو مجھے اس پر رنج وغم نہ ہوگا، سوائے شراب نوشی کرنیوالے کے، اگر یہ مرجائے تو میں اس کی دیت دوں گا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی حد مقرر نہیں فرمائی تھی، البتہ بعض روایات سے چوں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسا اوقات چالیس ضربیں لگوائی ہیں، جسا کہ گذشتہ روایت میں گذرا کہ "**ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یضرب فی الخمر بالنعال والجرید اربعین**" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی کی حد چالیس کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے، اسی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں شرابی کو چالیس کوڑے لگاتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معمول کے مطابق کسی شرابی کو غیر متعین طور پر یعنی چالیس سے کم کوڑے بھی لگوائے ہوں گے، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے، کہ "**کان یوتی بالشارب... وصدرا من خلافة عمر الخ**" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری دور میں چالیس کوڑے اور پھر جب شراب نوشی کی کثرت ہونے لگی تو بمشورہ صحابہ کرام اسی (۸۰) کوڑے مقرر کردی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں چالیس ضربیں لگوائیں تھیں، اس میں اسی (۸۰) کا بھی احتمال ہے موجود تھا، اس لئے کہ روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کو دو شاخوں سے تقریباً چالیس مرتبہ مارا، ایسے میں اگر چہ عدد چالیس کا ہے، لیکن آلے دو ہیں جس کی بنا پر مجموعی ضربیں اسی ہوتی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ چالیس کوڑے بطور حد ہیں اور چالیس بطور تعزیر ہیں، جب کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرب خمر میں حد نہیں ہے، بلکہ چالیس یا اسی (۸۰) کوڑے بطور تعزیر ہیں، امام کو حق ہے کہ وہ چاہے چالیس کوڑے لگوائے یا اسی (۸۰) کوڑے لگوائے، مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

{الفصل الثانی}

چوتھی مرتبہ پر شرابی کا قتل

{۳۴۵۴} عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْہُ فَإِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَۃِ فَاقْتُلُوْہُ قَالَ ثُمَّ أُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَالِكَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فِی الرَّابِعَۃِ فَضَرَبَہٗ وَلَمْ یَقْتُلْہُ۔ (رواہ ترمذی) وَرَوَاہُ أَبُوْدَاؤُدَ عَنْ قُبَیْصَۃَ بْنِ ذُؤَیْبٍ وَفِی أُخْرٰی لَہُمَا وَلِلنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیِّ عَنْ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْہُمْ بْنُ عُمَرَ وَمُعَاوِیَۃُ وَأَبُوْ ہُرَیْرَۃَ وَالشَّرِیْدُ إِلٰی قَوْلِہٖ فَاقْتُلُوْہُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۷، باب ماجاء فی شرب الخمر فاجلدوہ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۴۴، ابو داؤد شریف: ۲/ ۶۱۶، باب اذا تتابع فی شرب الخمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۸۵۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شراب پیئے اس کو کوڑے مارو، اور اگر چوتھی دفعہ پیئے تو اس کو قتل کر دو، راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو لایا گیا، جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارا اور قتل نہیں کیا۔ (ترمذی) ابو داوٗد نے اس روایت کو حضرت قبیصہ بن ذوٗیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، ترمذی وابو داوٗد کی ایک اور روایت ہے اور نسائی، ابن ماجہ، دارمی کی روایت بھی ہے، جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے ان صحابہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور شرید رضی اللہ عنہ ہیں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، **"فاقتلوہ"** تک مروی ہے۔

تشریح: **شربوا الخمر فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاقتلوهم:** یعنی تین مرتبہ شارب خمر کے کوڑے لگائے جائیں گے، پھر چوتھی بار اگر پیئے تو قتل کر دیا جائے اس کے بعد ابن عمر کی روایت ہے جس میں یہ ہے "**احسبہ قال فی الخامسۃ ان شربھا فاقتلوہ**" آگے بھی مصنف طرق کا اختلاف خامسہ اور رابعہ میں بیان کر رہے ہیں آگے قبیصہ بن ذویب کی روایت میں آرہا ہے "**فاتی برجل قد شرب فجلدہ ثم اتی بہ فجلدہ ثم اتی بہ فجلدہ ثم اتی بہ فجلدہ ورفع القتل فکانت رخصۃ**" یعنی چوتھی مرتبہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شارب خمر کے کوڑے ہی لگائے، لہٰذا قتل کا حکم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قولاً تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے منسوخ ہوگیا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۲)

قتل شارب فی الرابعۃ کے نسخ کی بحث

منذری رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: "**والقتل منسوخ بھذا الحدیث وغیرہ**" اور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ حدیث الامر بالقتل سے مقصود زجر و توبیخ ہو جیسے اس حدیث میں ہے "**من قتل عبدہ قتلناہ ومن جدع عبدہ جدعناہ**" وہ فرماتے ہیں کہ اور یہ بھی احتمال ہے کہ قتل فی الخامسہ واجب ہو اور پھر اجماع امت سے منسوخ ہوگیا ہو لیکن ایک طائفہ شاذہ قتل کا قائل ہے چار مرتبہ کے بعد خامسہ میں۔ "**قال الحافظ وکانہ اشارۃ الی بعض اھل الظاھر فقد نقل عن بعضھم واستمر علیہ ابن حزم منھم واحتج لہ وادعی ان لا اجماع**"

(بذل المجہود: ۱۲/۵۷۴)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نسخ کے قول کو اختیار کیا ہے، اسی قبیصہ بن ذویب کی حدیث کے پیش نظر اور اسی مضمون کی دوسری حدیث جس کے راوی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں اس کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "**ومما یقوی ھذا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اوجہ کثیرۃ انہ قال لا یحل دم امری مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث، النفس بالنفس، والثیب الزانی، التارک لدینہ**" اور حاشیہ بذل میں ہے،

"**وانكر الدمنتي على الترمذي:١/٢٦٧)نسخ القتل وبسط الكلام ورجح القتل**" یہ دمنتی یعنی علی بن سلیمان الدمنتی المالکی ہیں انہوں نے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے جو حواشی ہیں کتب ستہ پر ایک ایک کی الگ الگ تلخیص کی ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ جو ترمذی پر ہے، اس کا نام "**قوت المغتذی**" ہے اور تلخیص و منتی کا نام "**نفع قوت المغتذی**" ہے اسی طرح ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ پر جو حاشیہ ہے سیوطی کا "**مرقاۃ الصعود**" اس کی جو تلخیص دمنتی نے کی اس کا نام رکھا ہے "**درجات مرقاۃ الصعود**" ان علامہ دمنتی نے اپنے اس حاشیہ میں متعدد روایات "**قتل شارب بعد الرابعة**" کے ثبوت میں ذکر کیں ہیں اور پھر آخر میں لکھتے ہیں "**فهذه بضعة عشر حديثا كلها صحيحة صريحة في قتله بالرابعة، وليس لها معارض صريح وقول من قال بالنسخ لا يعضده دليل، وقولهم انه صلى الله عليه وسلم اتى برجل قد شرب بالرابعة فضربه ولم يقتله، لا يصلح لردهذه الاحاديث لوجوه، الاول انه مرسل، الى آخر ما بسط في ذلك**" حافظ نے فتح الباری میں منکرین نسخ کے اشکالات کے جوابات دیئے ہیں بذل میں خطابی سے نقل کیا تھا، "**واجمعوا على انه لا يقتل اذا تكرر منه**"، اس پر حاشیہ بذل میں ہے فقد ذکر الحافظ:١٢/٥١) **ان النعمان جلد في الخمر اكثر من خمسين مرة**" نیز حاشیہ میں یہ بھی ہے "**وبدلالة الاجماع استدل في تدريب الراوي:١٩٦، على النسخ وبسط له قرائن**" اس نعیمان کے بعض واقعات فتح الباری میں مذکور ہیں، اس باب کے تحت "**باب ما يكره من لعن شارب الخمر**" جس میں امام بخاری یہ حدیث لائے ہیں "**عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ان رجلا كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم كان اسمه عبد الله وكان يلقب حمارا وكان يضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد جلده في الشراب فاتي به يوما فامر به فجلد فقال رجل من القوم اللهم العنه ما اكثر ما يوتى به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا تلعنوه فوالله ما علمت انه يحب الله ورسوله**" یہ عبد اللہ جن کا لقب حمار ہے، یہ اور نعیمان یہ دونوں ایک ہی ہیں یا الگ الگ اس پر کلام فتح الباری میں دیکھا جائے، "**وكان يضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم**" کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے اپنی عجیب اور نادر باتوں سے، اس کے بعض دلچسپ واقعات فتح الباری میں مذکور ہیں۔

خوارج پر رد

قال سفیان: حدیث الزهری بهذا الحدیث وعنده منصور بن المعتمر ومخول بن راشد فقال لهما، کونا وافدی اهل العراق بهذا الحدیث۔ یعنی امام زہری نے جب یہ حدیث بیان کی اوپر والی تو ان کے پاس اس وقت منصور اور مخول بیٹھے تھے تو زہری نے ان سے فرمایا کہ میری طرف سے یہ حدیث اہل عراق کو جا کر سنا دو، اور وفد بن کر ان کے پاس چلے جاؤ، اس کی وجہ بذل میں یہ لکھی ہے کہ عراق میں کچھ خوارج تھے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ شارب خمر کو پہلی ہی مرتبہ میں قتل کر دیا جائے، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچویں مرتبہ پینے پر بھی قتل نہیں کیا۔ (الدر المنضود علی السنن ابی داؤد: ۶/۳/۱۷، بذل المجہود: ۱۲/۵۷۷)

کسی درجہ میں اس حدیث پر بھی احناف کا عمل ہے

یہی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''علل'' میں فرمایا کہ اس حدیث پر کسی فقیہ نے عمل نہیں کیا، کیوں کہ چوتھی مرتبہ شراب پینے کے نتیجہ میں قتل کرنے کا حکم کسی فقیہ کے نزدیک نہیں ہے، لیکن حنفیہ اس حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ ان کے نزدیک چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کرنا حد کا حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ تعزیراً اور سیاسۃً ہے، لہٰذا اگر امام یہ محسوس کرے کہ یہ شخص شراب پینے سے باز نہیں آرہا ہے، اور اس کا یہ عمل دوسرے لوگوں کے لئے فساد کا موجب ہوسکتا ہے، تو اس صورت میں امام کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو تعزیراً قتل کر دے، اس طرح حنفیہ اس حدیث پر عمل کر لیتے ہیں۔ (درس ترمذی: ۵/۹۷، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۲)

شرابی کی پٹائی

{۳۴۵۵} **وَعَنْ** عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَزْهَرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ

فَقَالَ لِلنَّاسِ اِضْرِبُوْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالنِّعَالِ وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْعَصَا وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْمِيْتَخَةِ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِي الْجَرِيْدَةَ الرَّطْبَةَ ثُمَّ اَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرَابًا مِنَ الْاَرْضِ فَرَمٰى بِهٖ فِيْ وَجْهِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۱۶، باب اذا تتابع فی شرب الخمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۸۹۔

حل لغات: المیتخة: بکسر المیم وسکون الیاء وفتح الخاء والتاء اس کے معنی ہلکی چھڑی، اور قاموس میں ہے کہ یہ سکینہ کے وزن پر عصاء کے معنی میں ہے، **الجریدة:** کھجور کی ٹہنی، **رمی الشیٔ وبه:** ھاتھ سے ڈھانکنا، پھینکنا۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ازہر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کو مارو، چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے اس کو جوتوں سے مارا، بعض نے لاٹھی سے مارا، جب کہ بعض نے اس کو ٹہنی سے مارا، ابن وہب کہتے ہیں "**میتخة**" سے مراد ہری شاخ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں سے کچھ مٹی لی اور اس کے چہرے پر ڈال دی۔ (ابو داؤد)

تشریح: شراب نوشی ایک بہت بری خصلت، اور جو شخص اس کا عادی ہے وہ قابل ملامت ہے ایسے شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مارا پیٹا بھی اور اس کی اہانت کی غرض سے اس کے چہرے پر مٹی بھی ڈالی، تاکہ لوگ اس قبیح عادت اور رسوا کن عمل کے قریب نہ جائیں۔

اور ایک دوسری روایت جو بعض نسخ ابی داؤد میں ہے، بذل کے حاشیہ پر بھی ہے اس میں یہ زیادتی ہے: "**رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ غداة الفتح وانا غلام شاب یتخلل الناس یسأل عن منزل خالد بن الولید**" اس سے معلوم ہوا کہ یہ سفر کا واقعہ ہے فتح مکہ والے دن کا۔

عبدالرحمن بن ازہر فرماتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیموں میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے خیمہ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے، اور یہ منظر گویا اس وقت میری

آنکھوں کے سامنے ہے، اسی اثناء میں آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا تھا، جس نے شراب پی تھی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو، چنانچہ لوگوں نے اس کو مارنا شروع کر دیا، بعض اس کی پٹائی جوتے سے کر رہے تھے اور بعض ڈنڈے سے اور بعض کھجور کی تر شاخ سے اور پھر اخیر میں حضور اقدس ﷺ نے زمین سے مٹی اٹھا کر اس کے چہرے پر مار دی۔

اس حدیث کا شروع کا ٹکڑا ضمناً راوی نے ذکر کیا ہے، اپنے حفظ کی پختگی بیان کرنے کیلئے چنانچہ بذل میں ہے۔ "**والمقصود بهذا الكلام بيان شدة حفظه**"۔

(الدر المنضود: ۳۷۳/۶، بذل المجهود: ۵۸۰/۱۲)

شرابی کو لعن طعن کرنا

{۳۴۵۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ اِضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ ثُمَّ قَالَ بَكِّتُوْهُ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ يَقُوْلُوْنَ مَا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ مَا خَشِيْتَ اللّٰهَ وَمَا اسْتَحْيَيْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شريف: ۲/۶۱۵، باب الحد في الخمر، كتاب الحدود، حديث نمبر: ۴۴۷۷۔

حل لغات: **بكت تبكيتاً (تفعيل)** ملامت کرنا خوب ڈانٹنا، برا بھلا کہنا، **اقبل عليه و نحوه:** متوجہ ہونا کسی کام پر لگ جانا، **اتقى الله:** خدا کا خوف دل میں رکھنا، شراء سے ڈر کر اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا، احتراز کرنا۔ **القوم:** لوگوں کی وہ جماعت جس میں باہمی کوئی جامع رشتہ ہو، عوام لوگ۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو مارو، تو ہم میں سے کوئی

اپنے ہاتھ سے اس کو مارنے لگا، کوئی اپنے کپڑے سے مارنے لگا اور کوئی اپنے جوتے سے مارنے لگا، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو شرمندہ کرو، چونکہ لوگ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے تم نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے گریز نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرا نہیں، اور تو نے رسول اللہ ﷺ سے شرم نہیں کی، بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایسا مت کہو، اور اس کے مقابلے میں شیطان کی مدد مت کرو، لیکن تم لوگ کہو اے اللہ اس کو معاف فرمادے، اے اللہ اس پر رحم فرمادے۔ (ابوداؤد)

تشریح: شرابی کو سزا دینے کے بعد اس کو زبانی تنبیہ کرنا چاہئے، اس کو عار دلانا چاہئے تاکہ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوکر، اپنی بدعملی سے باز آجائے، لیکن اس کے لئے بد دعا نہ کرنا چاہئے تاکہ یہ اللہ کے غضب کا شکار نہ ہوجائے کیوں کہ انسان کے غضب خداوندی کے شکار ہونے پر شیطان کو بڑی خوشی و راحت ملتی ہے، جسمانی سزا اور زبانی عار دلانے کے بعد شرابی کے حق میں لوگوں کو دعاء مغفرت بھی کرنا چاہئے، تاکہ اللہ اس کے گناہ کو معاف فرما کر اسکو ہدایت فرمادیں۔

(فیض المشکوۃ: ۴۹۰/۶، الدر المنضود: ۳۶۸/۶، بذل المجھود: ۵۶۷/۱۲)

قد شرب، ای الخمر: مشکوۃ کے ایک نسخہ میں "**الخمر**" بھی ہے، "**الضارب بیدہ**" یعنی تھپڑ مار رہا تھا، "**والضارب بثوبہ**" یعنی اپنی چادر کو لپیٹ کر کوڑا جیسا بنا کر مار رہا تھا، "**والضارب بنعلہ**" کوئی اپنے جوتے سے مار رہا تھا، "**ثم قال بکتوہ**" ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مارنے کی ان شکلوں کے سلسلہ کو ختم کر کے اب آپ نے یہ فرمایا کہ ان کی ملامت کرو اور زبانی عار دلاؤ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آخری حکم استحبابی ہے، جب کہ پہلا یعنی مارنے کا حکم وجوبی تھا، "**فاقبلوا علیہ**" ہمزہ قطعی مفتوح ہے یہ "**اقبال**" سے ہے یعنی یہ لوگ مارنا روک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے، "**یقولون**" وہ یہ کہہ رہے تھے "**ما خشیت اللہ**" ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی تم نے اللہ کی عظمت کا لحاظ نہیں کیا یا یہ کہ تم اس کی سزا سے نہیں ڈرے، "**وما استحییت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" یعنی انکی اتباع کو چھوڑ کر یا ان کے سامنے جانے میں تم کو حیاء نہیں آئی "**فقال بعض القوم اخزاك اللہ**" اسی درمیان لوگوں میں سے کسی نے کہا اللہ تم کو رسوا کرے، "**اخزاك اللہ**" کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ

قیامت کے دن ذلت و رسوائی کی دعا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: "**یوم لا یخزی الله النبی والذین آمنوا معه**" یعنی جس دن اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور چونکہ ان کا یہ کلام اسکی خیر خواہی کو نقصان پہنچانے والا ہو مت کہو بلکہ ایسی بات کہو جو اس کے لئے نفع بخش ہو جیسے اس سے پہلے کے کلمات "**ولا تعینوا علیه الشیطان**" اور اس پر شیطان کی مدد مت کرو۔ اور اس پر شیطان کی مدد اس طور پر ہے کہ جب اللہ اس کو رسوا کرے گا تو شیطان اس پر غالب آئے گا، اور یا اس لئے کہ جب وہ ایسی بات سنے گا تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہوگا، اور پھر مزید معاصی میں منہمک ہو جائے گا، اور یہی اس پر شیطان کی مدد ہوگی۔ "**ولکن قولوا**" یعنی اب یہ کہو "**اللهم اغفر له**" یعنی اس کے لئے دعاء مغفرت کرو، کہ اللہ اس کے گناہ کو مٹا دے، "**اللهم ارحمه**" اور یہ کہو کہ اے اللہ طاعت کی توفیق کے ذریعہ اس پر رحم کر اور یا یہ معنی کہ دنیا میں اس کو معاف فرمادے اور آخرت میں اس پر رحم کر۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۰۳/۴، شرح الطیبی: ۱۹۲/۷)

حد کے نفاذ کیلئے ثبوت لازم ہے

{۳۴۵۷} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ فَسَكِرَ فَلُقِيَ يَمِيْلُ فِي الْفَجِّ فَانْطُلِقَ بِهٖ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاذٰى دَارَ الْعَبَّاسِ انْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ فَالْتَزَمَهُ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ وَقَالَ أَفَعَلَهَا وَلَمْ يَأْمُرْ فِيْهِ بِشَيْءٍ۔ (روہ ابوداؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۶۱۵، باب فی الحد فی الخمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۷۶۔

حل لغات: **مال الغصن**: ٹہنی کا ہلنا، جھومنا، **الفج**: طویل وکشادہ راستہ، **انطلق به**: لیجایا جانا، **انفلت**: چھوٹ جانا ایک دم جان چھوٹ جانا، **دخل علیه المکان**: کسی کے پاس پہنچنا، **التزمه**: بمعنی **لازمه** چمٹے رہنا، جدا نہ ہونا، **ذکر الشی له**: کسی کو کوئی بات بتانا، **سکر سکراً (س)** شراب سے مدھوش ہو جانا نشہ میں چور چور ہو جانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے شراب پی تو اس کو نشہ ہوگیا، پھر اس کو راستہ میں جھومتا ہوا پایا گیا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جانے لگا، جب وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے پہنچا تو وہ چھوٹ گیا، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو کر ان سے چمٹ گیا، اس کا تذکرہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس نے ایسا کیا ہے؟ اور پھر اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: امام کے لئے یہ بات لازم نہیں ہے کہ وہ محض کسی کے خبر دینے سے کسی پر حد جاری کردے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ اپنے طور پر بحث و تفتیش کر کے مجرم پر حد جاری کرے، امام پر اس وقت حد جاری کرنا لازم ہوگا، جب کوئی خود کسی ایسے جرم کا اقرار کرے جو حد کو واجب کرنے والا ہو یا کسی کے جرم کا ثبوت گواہوں کی گواہی سے ہو جائے، حدیث باب میں چوں کہ نہ تو شرابی نے اقرار کیا تھا اور نہ گواہوں نے گواہی دی تھی، صرف یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تھی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اس معاملہ کو طول دے کر مجرم پر حد جاری کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

فلقی: یہ مجہول ہے جو معنی میں **"روی"** کے ہے، **"یمیل"** یہ لقی کی ضمیر مستتر سے حال ہے معنی میں مائلا کے ہے، **"فی الفج"** فاء کو فتحہ جیم کو تشدید دو پہاڑوں کے درمیان کا کشادہ چوڑا راستہ **"فانطلق به"** یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی ان کو پکڑا گیا اور لیجانے کا ارادہ کیا گیا، قاری: **الی رسول الله صلی الله علیه وسلم**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس **"فلما حاذی، ای قابل دار العباس"**۔ بس وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے بالمقابل پہنچے **"انفلت"** تو کسی بھی طرح چھوٹ گئے یہاں مرقاۃ کے شرح کے خانہ میں **"وفر"** بھی لکھا ہوا ہے ممکن ہے مشکوۃ کے کسی نسخہ میں یہ بھی ہو یعنی بھاگ نکلے، **"فدخل علی العباس"** بھاگ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور **"فالتزمه"** ان کو چمٹ گئے، علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ ہے اس لئے کے ان کا ایسا مکان مکہ معظمہ میں ہی ہے، اور مدینہ طیبہ میں ایسا مکان جو دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راہ میں ہو نہیں ہے اور علامہ طیبی نے کہا کہ یہ مدینہ کا واقعہ بھی ہو سکتا ہے، اور چوڑی و کشادہ گلی کو استعارہ کے طور پر "**الفج**" کہہ دیا ہو،

"فذکر ذالك" اسکے بعد یہ واقعہ اوران کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا، "وقال افعلھا" ارے اس نے یہ کرڈالا؟ ہمزہ استفہام برائے تعجب ہے، طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **"فعلھا"** کی ضمیر ان سب کی طرف راجع ہے، جنکا ذکر کیا گیا یعنی بھاگ جانا، دار عباس رضی اللہ عنہ میں داخل ہوکر ان کو چمٹ جانا۔ "ولم یأمر فیہ بشیءٍ"

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شراب کی حد دیگر تمام حدود سے ہلکی ہے باقی یہ کہ اسکا بھی احتمال ہے کہ آپ نے انکو سزا اس لئے نہیں دی کہ نہ انہوں نے اقرار کیا اور نہ شہادت سے انکا پینا ثابت ہوا اسلئے کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے بات تو صرف یہ ثابت ہے کہ ان کو راستہ میں جھومتا ہوا پایا گیا اسی سے لوگوں کو شراب پینے کا گمان ہوگیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اسکی تحقیق بھی نہیں فرمائی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ حدود کے بارے میں آپ کا رویہ ہمیشہ نرم رہا حد اسی وقت جاری کی گئی جب حد سے بچنے کی کوئی جائز راہ نہیں ہوئی البتہ واجب ہونے کے بعد پھر کوئی نرمی بھی نہ تھی گذشتہ صفحات میں اس پر مکمل روشنی پڑ چکی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۴)

حضرت امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: "قال ابو داؤد وھٰذا مما تفرد بہ اھل المدینۃ حدیث الحسن بن علی ھٰذا" پھر صاحب بذل نے اس تفرد کی وجہ کو بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

واکثر رواۃ السند غیر اھل المدینۃ معنی قولہ تفرد بہ اھل المدینۃ باعتبار ابن عباس ومولاہ عکرمۃ فانھما مدنیان" (بذل المجہود: ۱۲/۵۶۶)

{الفصل الثالث}

اجراء حد میں شرابی کا مرجانا

{۳۴۵۸} عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدٍ النَّخَعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ مَا كُنْتُ لِاُقِيْمَ عَلٰى اَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوْتُ فَاَجِدَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْهُ شَيْئًا اِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَاِنَّهٗ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهٗ وَذَالِكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/ ۱۰۰۲، باب الضرب بالجرید والنعال، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۷۷۸، مسلم شریف: ۲/ ۷۲، باب حد الخمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۷۰۷۔

حل لغات: سن الامر: کسی بات کو واضح کرنا، سن الله سنة: اللہ کا کوئی واضح راستہ بتانا۔

ترجمه: حضرت عمیر بن سعد نخعی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں کسی پر حد قائم کروں اور وہ مرجائے تو میرے دل میں کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا، سوائے شرابی کے کہ اگر وہ مرگیا تو اس کی دیت ادا کروں گا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی سزا مقرر نہیں فرمائی تھی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں، یعنی حد الجلد جس میں اہلاک مقصود نہیں ہوتا، اور پھر حد جاری کرنے کی وجہ سے وہ مرجائے تو میں اس کی دیت ادا نہیں کروں گا، سوائے شارب خمر کے کہ اگر وہ حد جاری کرنے کی وجہ سے مرجائے تو اس میں اس کی دیت ادا کروں گا، کیونکہ شرب خمر کی حد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے متعین نہیں تھی، وہ ہم لوگوں نے آپس میں باہم مشورہ سے طے کی تھی، وہ جو اس سے پہلے اس سلسلہ میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تھا، کہ

انہوں نے اس بارے میں "اخف الحدود" کا مشورہ دیا تھا بعض روایات میں اس جگہ بجائے عبد الرحمن بن عوف کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے، جیسا کہ مؤطا کی روایت میں ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکلاهما صحیح واشار اجمیعاً" کہ دونوں ہی کا ذکر یہاں پر صحیح ہے کہ ان دونوں حضرات نے یہ مشورہ دیا تھا۔ (الدر المنضود: ۶/۳۷۳، بذل المجهود: ۱۲/۵۷۹)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (علماء ائمہ) کا اجماع ہے کہ جس شخص پر حد واجب ہوگی اور امام نے اس پر حد جاری کی پس وہ اس سے کم کی سزا تعزیر کی وجہ سے مرجائے تو ہمارا مذہب، "شافعی" میں دیت اور کفارہ کے ذریعہ اس پر ضمان واجب ہونے کا ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس پر امام نے حد جاری کی یا تعزیراً سزا دی اور وہ مرگیا تو اس کا خون ہدر ہے نہ کوئی کفارہ ہے اور نہ ضمان یہ مسلک ہمارے امام صاحب کا تو ہے ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے، اور امام شافعی (نے فرمایا اس پر ضمان ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۴، بذل المجهود: ۱۲/۵۷۹)

حد خمر اسی کوڑے ہیں

{۳۴۵۹} **وَعَنْ** ثَوْرِ بْنِ زَيْدِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ إِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَإِذَا سَكِرَ هَذَى افْتَرَى فَجَلَدَ عُمَرُ فِي حَدِّ الْخَمْرِ ثَمَانِيْنَ۔ (رواه مالك)

حواله: مؤطا امام مالک: ۳۵۷، باب فی الحد فی الخمر، کتاب الاشربة۔

حل لغات: **سکراً** (س) نشہ میں مدہوش ہونا، نشہ میں چور چور ہونا، **هذا فلان**، بیماری کی وجہ سے فضول بہکی بہکی باتیں کرنا، **افتر القول**: بات گھڑنا، **عیه الکذب**: کسی پر تہمت لگانا کسی کے متعلق غلط بات گھڑنا۔

ترجمہ: حضرت ثور بن زید دیلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد کے بارے میں مشورہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس کو اسی کوڑے

لگائے جائیں، اس لئے کہ جب شراب پیئے گا تو نشہ ہوگا، اور جب نشہ ہوگا تو ہذیان بکے گا، اور جب ہذیان (اول فول) بکے گا، تو کسی پر تہمت لگائے گا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد میں اسی کوڑے مارے۔ (مؤطا مالک)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے اخیر دور میں جب یہ محسوس کیا کہ لوگ شراب کی طرف زیادہ مائل ہو رہے ہیں تو اس بارے میں حتمی حد مقرر کرنے کے سلسلہ میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ شرب خمر کی حد اسی کوڑے مقرر کرنے کی تجویز رکھی اور اس پر دلیل یہ دی کہ مخمور آدمی کا دل و دماغ اور زبان عموماً کنٹرول میں نہیں رہتا، اس لئے بسا اوقات شرابی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگا کر حد قذف کا مستحق بن جاتا ہے، جو کہ اسی کوڑے ہیں، لہٰذا اغلب کے اعتبار سے یہی بہتر سزا مقرر کر دی جائے، خواہ شرابی تہمت لگائے یا نہ لگائے، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے ہی شرب خمر کی حد مقرر کر دی۔

عن ثور: اس کے معنی بیل کے ہیں اور تقریب میں ہے کہ اسی پر یہ نام رکھا گیا ممکن ہے اس سے کوئی واقعہ متعلق ہو۔ "**ابن الزید الدیلمی**" دیلم کی طرف منسوب ہے دال کو فتحہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے علامہ قاری نے کسرہ کے ساتھ اس کو صحیح بتایا ہے، یہ مدنی اور ثقہ ہیں جب کہ محمد ابن برقی قدر سے ان کو متہم کیا ہے، جو کہ صحیح نہیں ہے، اس کا امکان ہے کہ ان کو ثور بن یزید کا شبہ واقعہ ہوا ہو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے: ۱۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ "**قال ان عمر استشار**" یعنی حضرات صحابہ سے مشورہ کیا" اس باب پر مشورہ کیا کہ کیا شارب خمر کو سیاستاً اس کی سرکشی اور مفسد ہونے اور دین کا پاس و لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے چالیس کوڑوں سے زائد اسی کوڑے تک لگائے جائیں۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۰۵/ ۴، شرح الطیبی: ۱۹۴/ ۷)

تنبیہ: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکتہ و قیاس حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے پیش کیا تھا۔

{باب ما لا یدعی علی المحدود}

جس پر حد جاری کیجائے اسکے حق میں بددعا نہ کرنے کا بیان

مناسبت

ما قبل میں حدود کا بیان تھا اور حد قائم ہونے کے بعد بعض حضرات محدود کو طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں تو حدود کے بعد اس باب کو لا کر ایسے حضرات کو اس طرح کی باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔

خلاصۃ الباب

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت کل پانچ روایات نقل کی ہیں جن کے اندر محدود پر لعنت کرنے کی ممانعت آبروریزی کی مخالفت اور حد کے کفارہ بننے کے متعلق احکام و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

محدود کو لعن طعن سے منع کرنے کی وجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود کو لعنت کرنے کی اور اس کی برائی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس سلسلہ میں باب کے تحت اور روایتیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔

محدود کو لعن طعن کرنا جائز نہیں اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱)......ایسا کرنے میں اندیشہ ہے کہ لوگ جرم کا اعتراف کرنے سے رک جائیں گے یہ خیال کر کے کہ بدنام ہوں گے، اور لوگ برا کہیں گے، پس یہ بات مشروعیت حدود کے مناقض ہوگی۔

(۲)......حد کفارہ ہے یعنی حد جاری ہو جانے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے، اور جب کسی کے گناہ کا کفارہ کے

ذریعہ تدارک کر دیا گیا تو وہ گناہ نہ رہا، پس اس پر لعن طعن کیسے روا ہو سکتا ہے؟ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر حد جاری ہو جانے کے بعد جب ان کو کسی نے برا کہا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سخت تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ وہ اب جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے، (مشکوۃ: حدیث: ۳۶۴۷) یعنی اللہ کے نزدیک اس کا گناہ معاف ہو گیا، مگر تیرے نزدیک وہ اب بھی مجرم ہے۔

{الفصل الاول}

کسی پر لعنت مت کرو

{۳۴۶۰} عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا اِسْمُهُ عَبْدُ اللهِ يُلَقَّبُ حِمَاراً كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأُتِيَ بِهِ يَوْماً فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱۰۰۲/۲، باب مایکره من لعن شرب الخمر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۷۸۰۔

ترجمه: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جن کا نام عبد اللہ، لقب حمار تھا، وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شراب پینے کی وجہ سے کوڑے مارے تھے، ایک دن ان کو لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق حکم دیا، چنانچہ ان کو کوڑے مارے گئے، لوگوں میں سے ایک صاحب نے کہا اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی زیادہ مرتبہ اس کو لایا جاتا ہے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت بھیجو، اللہ کی قسم میں تو یہی جانتا ہوں، کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری)

تشریح: کسی گنہگار کو متعین کر کے اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بسا اوقات بندہ شیطان کے ورغلانے میں آ کر گناہ کر لیتا ہے، اور کچھ لوگ گناہ کا اعادہ بھی کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کے دل میں اللہ و رسول کی محبت ہوتی ہے، لہٰذا گنہگار کے حق میں دعاء مغفرت کرنا چاہئے، اس کو نرمی و حکمت کے ذریعہ گناہ سے روکنے کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن کسی بھی حال میں اس پر لعنت نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دور کرنا ہے، جو کہ بہت بڑی محرومی کی بات ہے۔

کان یضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عبد اللہ جن کا لقب حمار تھا اپنی عجیب وغریب باتوں سے حضور اکرم ﷺ کو وقتاً فوقتاً ہنسایا کرتے تھے نصر الباری میں ہے کہ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ یہ عبد اللہ حمار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گھی کا ڈبہ اور کبھی شہد کا ڈبہ ہدیہ پیش کرتے تھے، اور جب دوکان دار پیسے کے تقاضے کے لئے ان کے پاس پہنچتا تو یہ عبد اللہ اس دوکان دار کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ اس کو گھی کی قیمت ادا کریں، رسول اللہ ﷺ مسکراتے اور گھی کی قیمت ادا کرنے کا حکم فرماتے اس طرح کی حرکتوں سے جہاں عبد اللہ کا بھولا پن ظاہر ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے بڑی محبت کرتے تھے۔

(نصر الباری: ۱۲/۱۲٦)

اللھم العنہ: چونکہ شراب پینے کے جرم میں کئی بار کوڑے لگ چکے تھے، عادت چھوٹ نہیں رہی تھی، اس لئے کسی صاحب نے ان پر لعنت کر دی۔

لا تلعنوہ: آنحضرت ﷺ نے لعنت کرنے سے منع فرمایا، معلوم ہوا کہ کسی کو متعین کر کے اس پر لعنت کرنا منع ہے، البتہ جن کا کفر پر مرنا قطعی طور پر ثابت ہے مثلاً فرعون، ابو جہل وغیرہ ان پر لعنت کی گنجائش ہے، اسی طرح وصف گناہ پر لعنت جائز ہے، مثلاً یوں کہنا جائز ہے، "**لعنة اللہ علی الظالمین**" ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

انہ یحب اللہ ورسولہ: یہ صاحب اللہ ورسول اللہ سے محبت کرتے ہیں، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ اللہ ورسول کی محبت ان سے قرب عطا کرتی ہے، جب کہ لعنت اللہ کی رحمت سے دور کرنا ہے، لہٰذا

لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۰٦/۴)

فائدہ: شرابی پر لعنت سے مقصود صرف برا بھلا کہنا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے لیکن اگر لعنت سے حقیقی معنی مراد ہوں "**وھو الابعاد من رحمة الله**"، تو مکروہ تحریمی و ناجائز ہے۔ (نصر الباری: ۱۲/۱۲۵)

شرابی پر لعنت کرنے سے روکنا

{۳۴٦۱} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ اِضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِیَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِیْنُوْا عَلَیْهِ الشَّیْطَانَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰۲/۲، باب الضرب بالجرید والنعال، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ٦۷۷۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب جنہوں نے شراب پی تھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو مارو، ہم میں سے کچھ لوگ اپنے ہاتھوں سے مارنے لگے، کچھ نے اپنے جوتوں سے مارا اور کچھ نے اپنے کپڑوں سے مارا، پھر جب وہ شخص لوٹنے لگا تو قوم میں سے ایک صاحب نے کہا کہ اللہ تجھ کو رسوا کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح تم لوگ مت کہو، تم لوگ اس کے مقابلے میں شیطان کی مددمت کرو۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ شرابی کو اس کے جرم کی سزا تو دی جائے، لیکن اس پر لعنت ہرگز نہ کی جائے انسان پر لعنت کر کے اس کو رحمت خداوندی سے دور کرنا، شیطان کی اس معنی کر مدد کرنا ہے، کہ شیطان کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ انسان اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے۔

سزا پا چکے مجرم پر ملامت کی ممانعت

{۳۴٦۲} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی نَبِیِّ

اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلٰی نَفْسِهٖ اَنَّهٗ اَصَابَ اِمْرَاَةً حَرَامًا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذَالِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ فَاَقْبَلَ فِي الْخَامِسَةِ فَقَالَ اَنِكْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ حَتّٰی غَابَ ذَالِكَ مِنْكَ فِيْ ذَالِكَ مِنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ كَمَا يَغِيْبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحُلَةِ وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا الزِّنَا قَالَ نَعَمْ اَتَيْتُ مِنْهَا حَرَامًا مَا يَاْتِي الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِهٖ حَلَالًا قَالَ فَمَا تُرِيْدُ بِهٰذَا الْقَوْلِ قَالَ اُرِيْدُ اَنْ تُطَهِّرَنِيْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَسَمِعَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِهٖ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اُنْظُرْ اِلٰی هٰذَا الَّذِيْ سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدَعْهُ نَفْسُهٗ حَتّٰی رُجِمَ رَجْمَ الْكَلْبِ فَسَكَتَ عَنْهُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً حَتّٰی مَرَّ بِجِيْفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اَيْنَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَقَالَا نَحْنُ ذَانِ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ اَنْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيْفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ فَقَالَا يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ يَاْكُلُ مِنْ هٰذَا قَالَ فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَكْلٍ مِنْهُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اَنَّهُ الْاٰنَ لَفِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا ۔ (رواه ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۶۰۸، باب رجم ماعز، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۲۹۔

حل لغات: **المرود:** کانچ یا دھات کی سلائی جس سے سرمہ لگاتے ہیں، **المكحلة:** سرمہ دانی، الرشائ: رسی یا ڈول وغیرہ میں بندھی ہوئی رسی، **الجيفة:** سڑی ہوئی لاش، **شال الشيئ:** اوپر اٹھنا بلند ہونا، **نال الشيئ:** پانا، حاصل کرنا، **نال من فلان:** برا کہنا بدنام کرنا، رسوا کرنا، کسی پر کیچڑ اچھالنا، **غمس النجم:** ستارہ کا غروب ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ماعز) اسلمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشرف لائے اور انہوں نے اپنے خلاف چار مرتبہ اس بات کی گواہی دی کہ انہوں نے ایک عورت سے حرام کاری کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ انسے منھ پھیر لیتے تھے، پانچویں مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس سے صحبت کی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرا عضو بیوی کی شرمگاہ میں غائب ہوگیا؟ اس نے کہا جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے ہی غائب

ہو گیا جیسے کہ سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنویں میں غائب ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اس عورت سے حرام طریقہ پر وہی کام کیا جو کہ شوہر اپنی بیوی سے حلال طور پر کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کہنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ مجھ کو پاک کر دیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق حکم فرمایا تو وہ رجم کر دیئے گئے، پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے دو لوگوں کو بات کرتے ہوئے سنا کہ انمیں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ اس شخص کو دیکھو اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو چھوڑا نہیں۔ یہاں تک کہ اس کو ایسے ہی سنگسار کر دیا گیا جیسے کتے کو پتھروں سے مار دیا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ ان دونوں کے سلسلہ میں خاموش رہے، پھر آنحضرت ﷺ کچھ دیر چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش کے پاس سے گذرے جس کے پیر اٹھے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فلاں اور فلاں کہاں ہیں دونوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم یہیں ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں اترو اور اس گدھے کی لاش سے کھاؤ، دونوں بولے کہ اے اللہ کے رسول! اس میں سے کون کھا سکتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں نے اپنے بھائی کی ابھی جو آبروریزی کی ہے، وہ اس مردار کے کھانے سے زیادہ سخت ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، بلاشبہ ماعز اب جنت کی نہروں میں ہے وہ اس میں غوطہ لگا رہا ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح: محصن زانی اگر چار مجلسوں میں زنا کا اقرار کرتا ہے تو اس کو رجم کیا جائے، زنا کا اقرار کرنے والا اپنے گناہ پر نادم ہو کر اپنے آپ کو حاکم وقت کے حوالے کر کے حد شرعی برداشت کرتا ہے، تو وہ گناہ سے پاک ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو لعن طعن کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس کی برائی کرنا مردار کھانے سے بدتر گناہ ہے، رجم کرنے سے پہلے حاکم وقت اچھی طرح تحقیق کر لے کہ یہ شخص واقعی مجرم ہے، کہ نہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ زنا کا مفہوم جانے بغیر ہی اس کا اقرار کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہا ہے، یا زنا کرنے والا بیوقوف تو نہیں ہے، جب اچھی طرح تحقیق ہو جائے تب سزا دی جائے۔

فائدہ: حدیث پاک سے غیبت کی حرمت وشاعت بھی بخوبی معلوم ہوگئی۔

حد کا جاری ہونا گناہ کیلئے کفارہ ہے

{۳۴۶۳} **وَعَنْ** خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ ذَنْبًا اُقِيْمَ عَلَيْهِ حَدٌّ ذَالِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ۔ (رواه فی شرح السنة)

حوالہ: شرح السنة، ۱/۱۱۲، باب الحدود کفارات، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۹۴۔

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسا گناہ کیا جس کی بنا پر اس پر حد جاری کی گئی تو وہ اس گناہ کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔ (بغوی فی شرح السنة)

تشریح: عن خزیمة: یہ مصغر ہے، "من اصاب ذنبا اقیم، ای من فعل ذنبا یوجب الحد" اور دوسرے معنی یہ بھی صحیح ہیں، ایسا گناہ کیا کہ اسکی صفت یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی گئی۔ "علیه حد ذالك الذنب فهو كفارته" یعنی یہ حد گناہ کو مٹا دینے والی ہے اب آخرت میں اس گناہ کی اسکو کوئی سزا نہیں دی جائے گی، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الاربعین میں لکھا ہے، "اقامة الحد بمجرده كفارة كما صرح به حديث مسلم" لیکن یہ اس گناہ کی ذات سے متعلق ہے نہ کہ ترک توبہ سے متعلق یعنی توبہ پھر بھی کرنی چاہئے اسلئے کہ حد ترک توبہ کیلئے کفارہ نہیں ہے اور یہی مطلب ہے ان حضرات کے قول کا جنہوں نے کہا: "اقامة الحد ليست كفارة بل لا بد من التوبة"

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات سے اتفاق کرنے میں سخت دشواری ہے، اس لئے کہ اگر حد جاری کرنے کے بعد بھی توبہ لازم ہے تو حد کے کفارہ ہونے کا مفہوم پھر کیا ہوگا نیز توبہ تو گناہ کبیرہ کو بھی ختم کرنے والا عمل ہے، بلا حد جاری کئے ہوئے بھی توبہ سے وہ گناہ معاف ہو سکتا ہے جیسے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے درمیان سنگسار بھاگنے کے بعد بھی ان کا تعاقب کر کے پکڑنے اور پھر سنگسار کرنے کی اطلاع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

حدود صرف زواجر ہیں یا کفارات بھی

بذل المجہود میں ہے: "وهٰذا يدل على ان الحد ليس بكفارة للذنوب والكفارة هي التوبة" اس مسئلہ پر صحیح بخاری میں مستقل باب ہے، "باب الحدود كفارة" اور اسی طرح ترمذی میں "باب ما جاء ان الحدود كفارة لاهلها" اس میں انہوں نے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے "كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال تبايعوني على ان لا تشركوا بالله ولا تسرقوا ولا تزنوا، قرأ عليهم الآية، فمن وفى منكم فاجره على الله ومن اصاب من ذالك شيئا فعوقب عليه فهو كفارة له الخ" اور عرف الشذی میں ہے "في كتب اصولنا ان الحدود زواجر وعند الشافعية سواتر و كفارات، ولم اجد عن ائمتنا ومشائخنا ان الحدود زواجر فقط لا كفارات، لكن المحقق ان الحدود كفارات، بعض الكفارات، وعلى هٰذا عندي نقول" شاہ صاحب یہ فرمارہے ہیں کہ یہ بات حدود کفارہ نہیں ہیں حنفیہ کے نزدیک یہ نقل صحیح نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک بھی حدود میں تکفیر کو دخل ہے، یعنی فی الجملہ وہ مکفر ہیں، اور پھر اس کے موافق بعض ائمہ احناف کی عبارتیں نقل کی ہیں "فارجع اليه لو شئت" اور حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے فریقین کے دلائل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۲۳)

ففي هامش البذل: قال القاري في المرقاة: ۱۰/۸۰، في حديث عبادة من اصاب من ذالك شيئاً فعوقب في الدنيا فهو كفارة، ومنه اخذ اكثر العلماء ان الحدود كفارات وحديث لا ادري الحدود كفارات ام لا قبل العلم بذلك، وينظر النووي: ۱/۴۲، وذكر العيني ۱/۱۸۷، المؤيدات لحديث عبادة ان الحدود كفارات، قلت ويويد الحنفيه حديث الباب وقوله تعالى انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله الآية، وفيها عذاب الآخرة مع عذاب الدنيا ولذا اضطر صاحب تفسير الجمل بتاويل الآية، بالكافر او بمن لم يقم عليه الحد اه ما في الهامش"

(تفسیر جمل: ۱/۴۸۷، بذل المجہود: ۱۲/۴۴۶)

حد جاری ہونے پر امید مغفرت

{۳۴۶۴} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوْبَتُهٗ فِي الدُّنْيَا فَاللهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُّثَنِّيَ عَلٰى عَبْدِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَّعُوْدَ فِيْ شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۹۰/۲، باب ماجاء الایزنی وھو مؤمن، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۲۶، ابن ماجه: ۱۸۷، باب الحد کفارة، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۶۰۴۔

حل لغات: عجل فلانا: (تفعیل) کسی پر سبقت لیجانا، کسی سے پہلے کوئی کام کرنا، ستره: چھپانا، ڈھانکنا، **کرم فلاناً** (ک) سخی ہونا، کشادہ دل ہونا، عالی ظرف ہونا۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حد واجب کرنے والا گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اس کو جلد ہی دنیا میں سزا دے دی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں خوب انصاف کرنے والے ہیں اس سے کہ اپنے بندے کو دوبارہ آخرت میں سزا دیں اور جس نے کسی حد واجب کرنیوالے گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا اور اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ بہت کرم کرنے والا ہے، اس سے کہ اس کو دوبارہ سزا دے جس کو اس نے معاف کر دیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی شان کرم کا ذکر ہے، اگر کسی بندہ کو کسی جرم کی بنا پر دنیا میں سزا مل گئی تو اب اللہ تعالیٰ کی شان عدل سے یہ بات بعید ہے کہ اس جرم کی اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی سزا دیں، اسی طرح اگر کسی جرم پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا اور بندہ کا گناہ ظاہر نہیں ہوا اور بندہ نے اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے توبہ بھی کر لی، تو اللہ تعالیٰ نے جب دنیا میں پردہ ڈالے رکھا تو اس کی شان کریمی

سے یہ بات بعید ہے کہ وہ آخرت میں اس کو رسوا کرے یا اس کو سزا دے۔

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بندہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو پختہ توبہ کے ساتھ اس کو چھپانے کی بھی کوشش کرنا چاہئے لوگوں سے کہتا نہ پھرے۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۴۹۶ ،مستفاد مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۷)

الفائدۃ بابواب السابق

یہاں تک حدود کا بیان تھا اب مصنف تعزیر کو شروع کرتے ہیں مصنف نے کتاب الحدود میں کل چھ قسمیں حدود کی بیان کی ہیں: "**ردۃ، حرابۃ، حد سرقہ، حد زنا، حد قذف، حد شرب خمر** اور **قصاص**"۔ کن کن چیزوں میں شریعت میں حد ثابت ہے اس کے بارے میں اوجز میں حافظ سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے اس کو سترہ چیزوں میں منحصر کیا ہے، جن میں سے بعض حدود متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ، "**فمن المتفق علیه الردۃ والحرابۃ مالم یتب قبل القدرۃ والزنا والقذف بالزنا وشرب الخمر سواء اسکر اولم یسکر والسرقۃ**"۔ ان چھ کا بیان کتاب میں گذر چکا ہے، "**من المختلف فیه جحد العاریۃ وشرب مایسکر کثیرہ من غیر الخمر والقذف بغیر الزنا والتعریض بالقذف واللواط بمن یحل له نکاحها، واتیان البهیمۃ والسحاق وتمکین المرأۃ القرد وغیرہ من الدواب من وطیها والسحر وترک الصلوۃ تکاسلاً والفطر فی رمضان وهذا کله خارج عما تشرع فیه المقاتلة کما لو ترک قوم الزکاۃ ونصبوا لذلك الحرب**"۔ ان مختلف فیہ حدو میں سے مصنف نے جحد العاریۃ کو بھی ذکر کیا ہے اور اسی طرح لواطت کو اور اتیان البہیمہ کو۔ (الدر المنضود: ۶/۳۷۴)

{باب التعزیر}

تعزیر کا بیان

مذکورہ ابواب کی طرح اس باب کے شروع میں بھی ہم چند مباحث مفیدہ کو ذکر کر رہے ہیں جن کی تعداد عشرۃ کاملہ ہے، انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل اجمال کی ترتیب سے ذکر کی جائے گی۔

(۱)......تعزیر کے لغوی معنی (۲)......تعزیر کے شرعی معنی (۳)......اقسام معصیت (۴)...... حدود اور تعزیرات میں فرق (۵)......تعزیر کا ثبوت (۶)......تعزیر کن جرائم پر ہوگی (۷)......تعزیراً قتل کی سزا (۸)......تعزیر کی حد (۹)......تعزیر مالی (۱۰)......خلاصۃ الباب

تلك عشرة كاملة

{۱}......تعزیر کے لغوی معنی

تعزیر "**عزر**" سے ماخوذ ہے جس میں رکنے کے معنی ہیں، "**معناه المنع والرد**" اسی سے ارشاد باری تعالیٰ ہے "**وتعزروه**" (الفتح:۹) اور تم ان کی حفاظت کرو گے، "سزا کے ذریعہ چونکہ گناہ اور معصیت سے روکا جاتا ہے اور وہ انسانی سماج کی جرائم پیشہ عناصر کی دست درازیوں سے حفاظت کرتا ہے، اس لئے اس کو تعزیر کہتے ہیں۔

{۲}......تعزیر کے شرعی معنی

فقہ کی اصطلاح میں تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاؤں کو کہتے ہیں جن کے لئے کتاب وسنت میں سزائیں متعین اور مقرر ہیں۔

{۳}......اقسام معصیت

دراصل معاصی تین طرح کی ہیں، ایک وہ جن کی شریعت نے ایک مقرر اور لازمی سزا (حد) متعین کر دی ہے، جیسے: زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ۔ دوسرے قسم کے گناہ وہ ہیں کہ شریعت نے ان کے لئے کوئی سزا تو مقرر نہیں کی ہے، لیکن کفارہ متعین کیا ہے، جیسے رمضان میں قصداً روزہ توڑ دینا قسم کھا کر پھر اس کا ایفاء نہ کر پانا وغیرہ، تیسرے قسم کے گناہ وہ ہیں کہ ان کے لئے نہ "حد" مقرر ہے اور نہ کفارہ یہی وہ جرائم اور معاصی ہیں کہ قاضی اپنی صوابدید سے ان پر سزا نافذ کرتا ہے ان ہی کو فقہ کی اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے۔

{۴}......حدود اور تعزیرات میں فرق

اول: یہ کہ حدود مقرر ہیں اور ہر آدمی پر یکسانیت کے ساتھ ان کا نفاذ ہوتا ہے، وجیہ وغیر وجیہ، ذی حیثیت اور عامی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا ہے، جب کہ تعزیر میں قاضی مجرم کی حیثیت عرفی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ہی جرم پر دو شخص کو جداگانہ سزائیں دے سکتا ہے۔

دوم: یہ کہ حدود میں نہ قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ بطور خود مجرم کو معاف کر دے اور نہ کسی اور کے لئے درست ہے کہ مجرم کو بچانے کے لئے قاضی سے سفارش کرے، جب کہ تعزیر میں قاضی معاف بھی کر سکتا ہے اور مجرم کے لئے سفارش بھی کی جا سکتی ہے۔

سوم: تعزیر جاری کی گئی اور مجرم فوت ہو گیا تو شوافع کے یہاں قاضی ضامن ہوگا، دوسروں کے یہاں ضامن نہیں ہوگا، جبکہ حدود کے متعلق اتفاق ہے کہ اگر موت سے کمتر سزا کا مجرم تھا اور مقررہ سزا دیتے ہوئے وہ فوت ہو گیا تو قاضی ضامن نہیں ہوگا۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۵/۳۹۷)

{۵}......تعزیر کا ثبوت

تعزیر کی اجازت خود قرآن کریم سے ثابت ہے، قرآن کریم میں ناشزہ بیوی کو مناسب سرزنش کی

اجازت دی گئی ہے "فاضربوا ھن فان اطعنکم فا بتغوا علیھن سبیلاً" (النساء:۳۴)

حدیث سے بھی تعزیر کا ثبوت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی کسی کو یہودی یا مخنث کہے تو اسے بیس کوڑے مارے جائیں۔ (ترمذی شریف:۱/۲۷۱)

مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے سامان جلا ڈالنے اور ان کو مار پیٹ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ابو داؤد شریف:۲/۳۷۱)

{۷}......تعزیر کن جرائم پر ہوگی؟

کن جرائم پر تعزیر کی جائے گی؟ اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، وہ معمولی سے معمولی جرم پر بھی ہوسکتا ہے اور بڑا سے بڑا جرم بھی جس پر حد شرعی مقرر نہ ہو، جیسے لواطت یا اجنبی عورت سے غیر فطری طریقہ پر خواہش کی تکمیل کرے، تاہم بنیادی طور پر یہ جرائم دو طرح کے ہوں گے، ایک وہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو دوسرے وہ جن کا تعلق انسانوں کے حقوق سے ہو وہ سزائیں جو انسانی حقوق میں تعدی پر مبنی ہوں بالاتفاق قاضی ان کو معاف نہیں کرسکتا اب وہ ملزم کو سزا دینے کا پابند ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک معاف نہیں کرسکتا اور وہ حدود ہی کی طرح تعزیرات کو بھی نافذ کرنے کا پابند ہے۔ (المغنی لابن القدامۃ:۸/۳۲۶)

شوافع کے نزدیک معاف کرسکتا ہے۔ (شرح المہذب:۲/۲۸۸)

احناف کے نزدیک بھی اگر قاضی محسوس کرے کہ تعزیر کے بغیر ہی اس شخص کی اصلاح ہوجائے گی تو سزا معاف کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ شامی:۳/۲۰۵)

{۸}......تعزیر کی حد

چونکہ حدیث میں تعزیر میں اتنی سخت سزا دینے سے منع کیا گیا ہے، جو حد کو چھولے، اس لئے اس کے اندر ہی رہ کر تعزیر کی جانی چاہئے، اسی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تعزیر کی زیادہ سے زیادہ حد ۳۹ ر کوڑے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۱۹ ر کوڑے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

تحدید نہیں ہے، حد سے زیادہ کوڑے بھی لگائے جاسکتے ہیں۔(المیزان الکبریٰ ۱۹۵/ ۲)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق ۷۹ رکوڑے تک لگائے جاسکتے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ضرورت و مصلحت کے مطابق بھی ہے اور آثار سے مؤید بھی، عہد فاروقی میں **"معن بن زائدہ"** نامی ایک شخص نے بیت المال کی جعلی مہر بنالی اور بیت المال کے خازن سے کچھ مال حاصل کرلیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے مارے اور قید کردیا، لوگوں نے اس کے متعلق سفارشات کیں تو دوبارہ اور سہ بارہ اسے سو سو کوڑے مارے اور شہر بدر کردیا۔

(المغنی لابن قدامۃ: ۳۲۵/ ۸)

اس طرح کے بعض اور آثار بھی خلافت راشدہ کے موجود ہیں، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کبھی حد جاری کئے جانے والے جرائم کے مقابلہ میں وہ جرائم اپنی نوعیت کے لحاظ سے زیادہ شدید ہوجاتے ہیں جن پر تعزیر جاری کی جاتی ہے۔ مثلاً شراب نوشی پر حد جاری کی جاتی ہے، لیکن اجنبی عورت سے لواطت یا زنا اور لواطت سے کم درجہ زیادتی کا شمار تعزیری جرائم میں ہے، پس یہ بات عین مناسب ہے کہ اس مجرم کو شراب نوشی کی سزا سے زیادہ سزا دی جائے۔

یہ تو تعزیر کی مقدار سے متعلق رائیں ہیں تاہم چونکہ تعزیر میں سزا کی مقدار میں تخفیف رکھی گئی ہے، اس لئے سزا کی کیفیت میں فقہاء کا میلان شدت برتنے کی طرف ہے پس تعزیر میں کوڑے بہ مقابلہ حدود کے زیادہ سختی اور قوت کے ساتھ مارے جائیں گے۔(فتح القدیر: ۲۱۶/ ۴)

{۷}......تعزیراً قتل کی سزا

تاہم تعزیر میں زیادہ سے زیادہ سزا کی یہ تحدید غالباً عام حالات میں ہے، اس لئے کہ غیر معمولی قسم کے جرائم میں فقہاء نے تعزیراً قتل تک کی اجازت دی ہے، لوطی کو احناف و مالکیہ کے یہاں قتل کیا جائے گا، تارک صلوۃ کو اکثر ائمہ کے یہاں قتل کیا جائے گا، اور احناف کے یہاں حبس دوام کی سزا دی جائے گی، تا آنکہ توبہ کرلے، مالکیہ اور حنابلہ نے غیر مسلم مملکت کے مسلم جاسوس کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض فقہاء نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے جو بدعت کی طرف داعی ہیں۔کتاب الصلوۃ، اور لواطت کے تحت

ائمہ کا اختلاف مع تفصیل گذر گیا ہے "فارجع الیہ ان شئت"

{۹}......تعزیر مالی

تعزیر کے باب میں ایک اہم مسئلہ تعزیر مالی بھی ہے، ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان و جرمانہ جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۶۳/ ۷، مغنی المحتاج: ۱۹/ ۴، الاعتصام: ۱۲۳/ ۲، المغنی لابن قدامۃ: ۳۲۷/ ۷)

گو مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے، سلف صالحین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم نے پوری وضاحت کے ساتھ تعزیر مالی کے جائز ہونے کی وکالت کی ہے۔ ماضی قریب کے اہل علم میں شیخ سید سابق نے معین الکلام کے مصنف علاء الدین طرابلسی سے بھی نقل کیا ہے کہ: "**من قال ان العقوبۃ المالیۃ منسوخۃ فقد غلط لم یسھل دعویٰ نسخھا والداعون للنسخ لیس معھم سنۃ واجماع یصحح دعواھم**"۔

(فقہ السنۃ: ۵۹۲/ ۲)

جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے انہوں نے ائمہ کے مذہب کی بابت روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسکے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے، جولوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع ہے جو ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے

اس وقت اسلام کے قانون حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔ (قاموس الفقہ: ۴۷۷/ ۲)

{۱۰}......خلاصة اللباب

اس باب کے تحت کل چار روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں تعزیر کے طور پر مجرم کو سزا دینا نیز چہرے پر مارنا، اور تعزیر کی حد اور سزا کے معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔

{الفصل الاول}

تعزیری سزا کی انتہاء کا ذکر

{۳۴۶۵} عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ نِیَارٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لاَ یُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلاَّ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۱۲/۲، باب کم التعزیر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۹۴۹، مسلم شریف: ۷۲/۲، باب قدر اسواط التعزیر کتاب الحدود: حدیث نمبر: ۱۷۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن نیار حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ حدود میں سے کسی حد کے علاوہ میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث شریف کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا جرم کرے کہ اسکی سزا متعین ومقرر نہیں ہے اور اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو اس صورت میں اس کو دس کوڑے سے زائد نہ مارا جائے، مذاہب ائمہ اور اس حدیث شریف کی وضاحت سنئے۔

تعزیر کی حد میں فقہاء کا اختلاف

بعض اہل ظاہر نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی، دوسری طرف بعض فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ تعزیر اسی کوڑوں سے کم کم ہے، اس لئے کہ سب سے کم حد حد قذف ہے یا حد شرب خمر ہے، اور وہ اسی کوڑوں کی ہوتی ہے، لہٰذا تعزیر میں اناسی کوڑے تک لگائے جاسکتے ہیں اسی یا اس سے زیادہ لگانا جائز نہیں ہے۔ یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من بلغ حداً فی غیر حد فھو من المعتدین**۔ یعنی جو شخص کسی غیر حد والے جرم میں حد تک پہنچ جائے تو وہ ظلم کرنے والا ہے، لہٰذا جن جرائم میں شریعت نے حد مقرر نہیں کی، ان میں اتنے کوڑے لگانا جو حد کے برابر پہنچ جائیں وہ ظلم ہے، اور حد تک اس وقت پہنچے گا جب وہ اسی کوڑے لگائے گا، اور اسی سے کم وہ حد تک نہیں پہنچا، اس لئے اسی سے کم کوڑے لگانا تعزیراً جائز ہے۔

حنفیہ کا مشہور قول

دوسرے بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں اور حنفیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے کہ تعزیراً صرف انتالیس ۳۹ رکوڑے لگائے جاسکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ حد قذف اور حد شرب خمر کی سزا اگرچہ اسی کوڑے ہیں لیکن غلام کو نصف حد یعنی چالیس کوڑے لگائے جاتے ہیں لہٰذا چالیس کوڑے بھی حد ہے اور تعزیر سے کم ہونی چاہئے، لہٰذا تعزیراً انتالیس کوڑے لگائے جاسکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں لگائے جاسکتے۔

میرے نزدیک راجح قول

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ تعزیراً امام جتنے کوڑے چاہے لگاسکتا ہے اس کی کوئی قید اور شرط نہیں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

خلاصۃ یہ ہے کہ اس باب میں تین نقطہ ہائے نظر ہوئے، ایک اہل ظاہر کا، کہ ان کے نزدیک دس کوڑوں سے زیادہ تعزیراً نہیں لگائے جاسکتے ہیں۔

دوسرا مسلک ان کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حد سے کم کم تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔

تیسرا مسلک ان کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تعزیر میں کوئی قید نہیں ہے، امام جتنے چاہے کوڑے لگا سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہی تیسرا قول راجح ہے۔ (حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم)

قول راجح کے دلائل

تیسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث پیچھے آپ نے پڑھی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرلے تو اگر بیوی نے باندی کو شوہر کے لئے حلال نہیں کیا تھا تو رجم کیا جائے گا، اور اگر حلال کر دیا تھا تو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اس لئے کہ حلال کرنے کے نتیجہ میں ایک شبہ پیدا ہوگیا، اس شبہ کی وجہ سے وہ حد ساقط ہو جائے گی، اب تعزیراً اسکو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، حالانکہ یہ سو کوڑے "**اخف الحدود**" یعنی ثمانین سے زیادہ ہیں اور خود زانی کی حد سو کوڑے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تعزیر میں سو کوڑے تک لگائے جاسکتے ہیں۔

اہل ظاہر کا استدلال اور اس کا جواب

اہل ظاہر حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حدود اللہ کے علاوہ میں دس کوڑے سے زیادہ مت لگاؤ، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں ہے، کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ ابھی پیچھے حدیث گذری ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو یہودی یا مخنث کہے تو اس کو بیس کوڑے لگاؤ، اور یہ بیس کوڑے دس سے زائد ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا وہ مطلب نہیں جو انہوں نے نکالا ہے، میرے نزدیک "**واللہ سبحانہ اعلم**" اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اصل میں جرائم دو قسم کے ہوتے ہیں۔

جرم کی دو قسمیں

ایک جرم وہ ہے جو شرعاً فی نفسہ گناہ تھا، اور دوسرا جرم وہ ہے جو شرعاً فی نفسہ گناہ نہیں تھا لیکن حاکم کے حکم کے خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بن گیا، پہلے جرم کی مثال جیسے چرس، افیون، بھنگ کھانا، یہ شرعاً بھی گناہ ہے اور قانوناً بھی جرم ہے اور دوسرے جرم کی مثال یہ ہے کہ جیسے ٹریفک کا قانون ہے کہ بائیں طرف چلو اگر کوئی بائیں چلنے کے بجائے دائیں طرف چلے تو قانوناً یہ جرم ہے شرعاً گناہ نہیں تھا لیکن حاکم کے حکم کی خلاف ورزی نے اس کو گناہ بنادیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**واطیعوا اللہ وطیعوا الرسول واولی الامر منکم**" (النساء:۵۹)

لہٰذا **اولی الامر** کی اطاعت بھی واجب ہے، تو **اولی الامر** کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بن گیا، حدیث باب میں **حد من حدود اللہ** سے مراد وہ گناہ ہیں جو شرعاً فی نفسہ گناہ ہیں اور قانوناً بھی اس کو جرم قرار دیا گیا ہو، اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے، مگر ایسے جرم میں جو شرعاً فی نفسہ بھی گناہ ہو، اور جو اعمال شرعاً گناہ نہیں تھے لیکن حاکم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بن گئے ہوں ان میں تعزیری سزا دس کوڑے سے زیادہ نہ دی جائے، البتہ اگر ایسا گناہ کرے جو فی نفسہ بھی گناہ ہو تو اس کو دس کوڑوں سے زیادہ سزا دی جاسکتی ہے، لہٰذا حدیث باب سے استدلال کرنا کہ تعزیری سزا دس کوڑوں سے زیادہ نہیں دی جاسکتی ہے، یہ استدلال درست نہیں۔

من بلغ حداً فی غیر حد کا جواب

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں فرمایا گیا کہ "**من بلغ حداً فی غیر حد فھو من المعتدین**"۔ اس میں ایک توجیہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ حد ثانی سے مراد گناہ ہے، یعنی "**من بلغ حداً فی غیر اثم فھو من المعتدین**"۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب کسی شخص پر شرعی اعتبار سے حد ثابت نہ ہو، یا تو اس لئے کہ معیار شہادت پورا نہیں پایا گیا یا اس میں شبہ فی الفعل یا شبہ فی المحل وغیرہ پایا گیا، جس کی وجہ سے حد لازم نہیں ہوئی تو اس صورت میں اس کو جو تعزیری سزا دو، اس میں حد تک نہ پہنچ جاؤ بلکہ اس سے کم کم رہو،

مثلاً ایک شخص نے چوری کی لیکن حرز نہ پائے جانے کی وجہ سے اس پر حد ساقط ہوگئی اور اسکا ہاتھ نہیں کاٹا گیا، اب اگر امام یہ کہے کہ میں تعزیراً اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہوں، تو یہ حکم دینا جائز نہیں، اس لئے کہ پھر تو حد ساقط ہونے کا کوئی مطلب ہی نہ رہا۔ اس حدیث میں "من بلغ حداً فی غیر حد" میں اسی کی ممانعت کی گئی ہے۔

تعزیراً قتل کرنے کا حکم

اب سوال یہ ہے کہ تعزیراً کسی کو قتل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حنفیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے، اور دلیل میں وہ حدیث ابھی گذری ہے کہ آپ نے فرمایا: **"وان عاد فی الرابعة فاقتلوه"** یعنی اگر چوتھی مرتبہ کوئی شخص شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو، حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ تعزیر پر محمول ہے۔

تعزیر کا باب بہت وسیع ہے

تعزیر کا باب بہت وسیع ہے اور اس میں امام کو بہت وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ حالات کے اعتبار سے جتنی چاہئے سزا دے دے، لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام کا نظام حدود و تعزیرات بڑا سخت ہے، حالانکہ اسلام میں نظام عقوبت اتنا لچک دار ہے کہ اور کسی نظام میں اتنی لچک نہیں، آپ نے دیکھا کہ زیادہ تر جرائم تعزیر کے تحت آتے ہیں اور تعزیر میں کوئی سزا شریعت کی طرف سے مقرر نہیں کی گئی ہے، بلکہ امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ حالات کا مناسب جائزہ لے کر مناسب سزا دے، فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ تعزیراً کسی کو صرف ترش روئی سے دیکھ کر چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی سزا کافی ہے، اس کو **"نظرة شدرة"** کہا جاتا ہے، انتہائی سزا یہ ہے کہ تعزیراً قتل کر دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا باب بڑا وسیع ہے۔

اور اس میں اصل اختیار تو امام کو ہے لیکن امام قاضی کو اپنے اختیارات سپرد کر دیتا ہے، اس صورت میں امام قاضی کو پابند کر سکتا ہے کہ فلاں جرم میں اتنی سزا تک دے سکتے ہیں اور قانوناً اس کا دائرہ مقرر کر سکتا ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۳۲۴/۸، المجموع: ۱۲۱/۲۰، مرقاۃ المفاتیح: ۱۰۸/۴، بذل المجهود: ۵۸۳/۱۲، درس ترمذی: ۱۲۰/۵)

تعزیر کے بارے میں مذاہب ائمہ کا خلاصہ یہ ہے

(۱) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۲۰/کوڑے۔ (۲) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۱۹/ یا ۳۹/کوڑے۔ (۳) طرفین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انتالیس ۳۹/کوڑے۔ (۴) ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانچ کم اسی کوڑے۔ (۵) امام مالک **علی رائی الامام بحسب الجرم وان زاد علی المائة۔** (مستفاد من الدر المنضود مع حاشیہ: ۶/۳۷۶)

{الفصل الثانی}

مجرم کے منہ پر مارنے کی ممانعت

{۳۴۶۶} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَّقِ الْوَجْهَ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۶۱۷، باب فی ضرب الوجه، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۹۳۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مارے تو اس کی چہرے پر مارنے سے بچنا چاہئے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسانی اعضاء میں چہرے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، لہٰذا مجرم کو بطور تعزیر یا حداً اگر مارا پیٹا جائے تو چہرے پر قطعاً نہ مارنا چاہئے۔

فلیتق الوجه: مارتے وقت چہرے پر مارنے سے بچا جائے، یہ حکم عام ہے، حد کو بھی شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد نے اس حدیث کو "**باب فی ضرب الوجه فی الحد**" کے تحت ذکر کیا ہے،

چہرے پر مارنے کی ممانعت کی ایک وجہ تو خود چہرے کی تعظیم ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: "فان الله خلق آدم علی صورته" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اور اولاد آدم چہرے بشرے میں آدم کے مانند ہیں، لہٰذا چہرے پر مارنے سے خالق کی شان میں بھی بے ادبی کا شائبہ ہے، اس لئے اس عمل سے بچنے کی ہدایت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح:۹/۱۰۹/۴)

یا یہودی یا مخنث کہنے کی سزا

{۳۴۶۷} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ لِلرَّجُلِ یَا یَهُوْدِیُّ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَإِذَا قَالَ یَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَمَنْ وَقَعَ عَلٰی ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۷۱، باب ماجاء فی من یقول لآخر یا مخنث، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جب کوئی شخص دوسرے کو اے یہودی! کہے تو اس کو بیس کوڑے مارو، اور جب کہے او ہیجڑے! تو اس کو بیس کوڑے مارو، اور جو کوئی ذی محرم سے صحبت کرے تو اس کو قتل کر دو۔ (ترمذی)

تشریح: للرجل: یعنی کسی مسلمان کو "یا یہودی" اور یا اسی طرح "یا کافر یا نصرانی" کہا، "فاضربوہ عشرین، ای سوطاً" یعنی اگر کسی مسلمان آدمی کو کسی نے "یا یہودی" اور یا اسی طرح "یا نصرانی" یا "یا کافر" کہہ کر پکارا تو بالاجماع تعزیری سزا دی جائے گی سوائے امام داؤد کے قول کے غلام کے بارے میں کہ اس میں ان کے نزدیک حد جاری ہوگی اور یہی یعنی تعزیر کا حکم ہے جب کہ کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کی تہمت لگائے مثلاً یہ کہے: اے فاسق یا اے کافر یا اے خبیث یا اے چور یا اے

فاجر یا اے زندیق یا اے زانیہ کی اولاد یا اے قوم لوط کا عمل کرنے والے یا اے لوطی یا یہ کہے تم لڑکوں سے کھیلنے والے ہو یا اے سودخور یا اے شرابی یا اے دیوث یا اے مخنث یا اے خائن یا اے زنا کاروں کے سرپرست یا چوروں کے سرپرست یا اے منافق یا اے یہودی! تو ان تمام صورتوں میں تعزیری سزا دی جائے گی، فتاویٰ قاضی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور ناطفی نے یہ کہا کہ یہ سزا ان تمام حالتوں میں اس وقت ہے جب کہ یہ سب نیک اور صالح آدمی کو کہا ہو اور اگر کسی فاسق کو فاسق یا چور کو چور وغیرہ کہہ کر پکارا تو اس پر کچھ بھی سزا نہیں ہے اسی طرح اگر کسی نے کسی کو گدھا سور کہا تو بھی تعزیر نہیں اس لئے اس نے گناہ والی چیز کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہی حکم بیل، بھینس، سانپ، ٹڈی، مکھی غیرہ کہنے کا ہے یہ حکم ہمارے ائمہ ثلاثہ کی ہر ظاہر روایت کے اعتبار سے ہے اور ہندوانی نے ان میں تعزیری سزا کو اختیار کیا ہے اور یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور صاحب ہدایہ نے اگر مخاطب اشراف میں سے ہو تو تعزیر کے حکم کو مستحسن قرار دیا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اگر کسی کو اے خبیث وغیرہ کہا جائے تو اس پر صبر کرے، لیکن اگر مقدمہ قاضی کی عدالت میں لے جائے یہ جائز ہے، اور اس کا اس کو اختیار ہے اور خود بھی یہ جواب اس کو دیدے کہ تم خود ہی خبیث ہو، (مثلاً) تو بھی کوئی حرج نہیں "**ومن وقع علی ذات محرم**" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "**ای بالجماع متعمداً، فاقتلوہ**" بعض شارحین نے یہ کہا کہ قتل کا یہ حکم اس کے لئے ہے جو اس کو حلال سمجھتا ہو اور علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر حدیث پر حکم لگایا ہے اور ایسے شخص کے قتل کا ہی فتویٰ دیا ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ نے فرمایا کہ یہ زجر ہے، اور حکم اس کا تمام زانیوں کا جیسا ہی ہے، یعنی اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو کوڑے لگائیں جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائیگا۔ **وقال هٰذا حديث غريب**۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۹)

مذکورہ حکم اس وقت تھا جبکہ کوئی شخص اپنی محرم سے صرف زنا کرے اور اگر کوئی شخص اس سے نکاح کرے تو اس کے بارے میں مذاہب ائمہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ذیل میں دیکھئے۔

مذاہب ائمہ

اگر کوئی شخص اپنی محرم عورت سے نکاح کرے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ "انہ

یقتل کما فی حدیث الباب" اور شافعیہ ومالکیہ کے یہاں اس پر حسب ضابطہ حد جاری ہوگی، (محصن ہونے کی صورت میں رجم اور غیر محصن ہے تو جلد) اور یہی رائے ہے صاحبین کی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں تعزیر ہے "**اشد التعزیر لاجل الشبہۃ بسبب النکاح**" اگرچہ نکاح صحیح نہیں۔ "**والحدیث محمول عند الجمہور علی المستحل، فھذا لاجل الارتداد**"

"**عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال بینما انا اطوف علی ابل لی ضلت اذا قبل رکب اوفوارس معھم لواء الخ**"

مضمون حدیث

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے اونٹ جو کہ گم ہوگئے تھے ان کو تلاش کرتا ہوا پھر رہا تھا اچانک سامنے سے ایک جماعت سواروں کی آتی ہوئی نظر آئی جن کے ساتھ جھنڈا بھی تھا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ دستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، کیونکہ جھنڈا امارت کی علامت ہے، بہت سے اعراب اور بدوی میرے ارد گرد جمع ہوگئے میرے اس مرتبہ اور قرب کی وجہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، اچانک وہ دستہ گھوڑ سواروں کا ایک قبہ میں پہنچا اور اس میں سے ایک مرد کو نکال کر لایا اور اس کی گردن ماردی، یہاں اس روایت کے سیاق وسباق میں کچھ تقدیم وتاخیر معلوم ہورہی ہے، کیونکہ **فجعل الاعراب** کا تعلق جملہ سابقہ "**اذا قبل رکب**" سے کچھ نہیں ہے اسی طرح آگے، "**اذا تو اقبۃ**" میں ضمیر فاعل **علی اقرب** یعنی اعراب کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے، بلکہ اس کا تعلق **رکب** سے ہے۔

اس روایت کے سیاق وسباق اور الفاظ میں کافی اختلاف ہے ترمذی نسائی وغیرہ کی روایات میں جیسا کہ بذل میں مذکور ہے، "**فسالت عنہ**" حضرت برائ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے اس قتل کا سبب معلوم کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اس شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا تھا، یعنی زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا اپنی مادر سے نکاح کرلیتا تھا، غالباً اس نے بھی ایسا جائز اور حلال سمجھ کر کیا جس کی وجہ سے مرتد ہوگیا، وفی الابواب والتراجم: ۲۲۲/۶، **فی باب رجم المحصن**" **قال الحافظ واشھر حدیث فی الباب حدیث البراء لقیت خالی ومعہ الرایۃ**

فقال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل تزوج امرأۃ ابیہ ان اضرب عنقہ اخرجہ احمد واصحاب السنن وفی سندہ اختلاف کثیر قال ابن قدامۃ وان تزوج ذات محرم فالنکح باطل بالاجماع فان وطیھا فعلیہ الحد فی قول اکثر اھل العلم منھم الحسن ومالك والشافعی وابو یوسف ومحمد اسحاق وقال ابو حنیفہ والثوری لا حد علیہ لانہ وطی تمکنت الشبھۃ منہ فلم یوجب الحد ثم قال واذا ثبت ھذا فاختلف فی الحد فروی عن احمد انہ یقتل علی کل حال والروایۃ الثانیۃ حدہ حد الزنی وبہ قال الحسن ومالك والشافعی بعموم الأیۃ والخبر والقول فیمن زنی بذات محرمہ من غیر عقد کالقول فیمن وطیھا بعد العقد الی آخر ما بسط. وفی الھدایۃ: ومن تزوج امراۃ لا یحل لہ نکاحھا فوطیھا لا یجب علیہ الحد عند ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکنہ یوجع عقوبۃ اذا کان علم بذلك وقال ابو یوسف ومحمد والشافعی علیہ الحد اذا کان عالماً بذلك لانہ عقد لم یصاب ومحلہ فیلغوا۔ معلوم ہوا اس مسئلہ میں تین مذہب ہوئے ایک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یعنی قتل جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، دوسرا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کا کہ اس پر حد زنا ہے اور تیسرا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہ اس میں تعزیر ہے اور موفق کے کلام میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ اس مسئلہ میں نکاح اور عدم نکاح سب برابر ہیں، یعنی خواہ یہ وطی عقد کے بعد ہو یا بغیر عقد کے لیکن یہ موفق کے کلام میں ہے، جو حنبلی ہیں لیکن ہمارے یہاں یہ اسی صورت میں ہے جب وطی بعد العقد ہو اس لئے کہ شبہ تو عقد ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اسی لئے حد ساقط ہوئی ہے، اور اگر بغیر عقد کے اس سے وطی کی تو حد جاری ہوگی چنانچہ شامی میں ہے،" تزوج امراۃ ممن لا یحل لہ نکاحھا فدخل بھا لا حد علیہ وان فعلہ علی علم لم یحد ایضاً ویوجع عقوبۃ فی قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وقالا ان علم بذلك فعلیہ فی ذوات المحارم"۔ اسی طرح درمختار میں ہے "ولا حد ایضاً بشبھۃ العقد ای عقد النکاح عند الامام کوطئی محرم نکحھا، وقالا ان علم الحرمۃ حد وعلیہ الفتوی"۔

جمہور کی طرف سے حدیث کا جواب اوپر گذر چکا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مستحل پر محمول ہے، اور

جمہور کے مذہب کی دلیل آیت کریمہ ہے "الزانیۃ والزانی فاجلدو الآیۃ" اور ایسے ہی وہ حدیث جو شروع میں گذر چکی ہے "الثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم الحدیث" کیونکہ یہ نکاح باطل اور کالعدم ہے لہٰذا زنا ہونا اس پر صادق آیا۔ (الدرالمنضود:۳۵۶/۶)

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

{۳۴۶۸} وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَجَدْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَحْرِقُوْا مَتَاعَهُ وَاضْرِبُوْهُ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۷۰/۱، باب ماجاء فی الغال، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۶۱، ابوداؤد شریف: ۳۷۱/۲، باب فی عقوبۃ الغال، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۷۱۳۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم کسی ایسے آدمی کو پاؤ جس نے اللہ کی راہ میں خیانت کی ہو تو اس کا سامان جلا دو، اور اس کو مارو۔ (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں چوری کرنا بہت بڑا جرم ہے، جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا ہو پکڑا جائے اس کو بطور تعزیر مارا پیٹا جائے، لیکن چونکہ اس میں سرقہ کے معنی نہیں ہیں اس لئے بطور حد اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس کے سامان کو جلانے کی بھی ہدایت ہے، بعض لوگ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مجرم کا سامان بھی جلا دینا چاہئے، جب کہ بعض لوگ اس کی زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں۔

اذا وجدتم الرجل قد غل فی سبیل اللّٰہ: جب تم کسی شخص کو مال غنیمت میں خیانت کرتے دیکھو تو اس کا سامان نذر آتش کر دو، مال غنیمت میں خیانت درحقیقت بہت بڑا جرم ہے، چونکہ مال غنیمت میں پورے لشکر کا حق وابستہ رہتا ہے، اس لئے اسکی خیانت دیگر خیانتوں سے اشد ہے، ایک شخص نے ایک غزوہ کے موقع پر اون کا کچھ حصہ مال غنیمت میں سے چرا لیا، بعد میں اس کو لے کر آیا، تو

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "کن انت تجئی بہ یوم القیامة فلن اقبلہ عنک" (ابو داؤد)
اب اس کو لے جاؤ میں اس کو نہیں لے سکتا اس لئے کہ اس کی تقسیم ممکن نہیں ہے اب اس کو قیامت کے دن لے کر آنا، مال غنیمت میں چوری اتنا بڑا جرم ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میں کسی کو اس حال میں دیکھوں کہ اسکی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو، اور اعلان ہو رہا ہو کہ اس نے مال غنیمت سے اونٹ چرایا تھا، وہ شخص اگر مجھ سے شفاعت کا طالب ہوگا تو میں اس کو صاف جواب دیدوں گا، کہ میں نے حکم الٰہی پہنچا دیا تھا، اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ (بخاری) مال غنیمت کی چوری کی شناعت ہی کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ایسے مجرم کا مال ومتاع جلا دو، ترمذی کی روایت میں ہے کہ صالح کہتے ہیں کہ میں مسلم کے پاس گیا، ان کے پاس حضرت سالم بن عبداللہ بھی تھے، انہوں ؟ نے ایک شخص کو مال غنیمت میں چوری کا مرتکب پایا، اس موقع پر حضرت سالم نے حدیث باب بیان فرمائی، چنانچہ سالم نے خائن کا سامان جلانے کا حکم دے دیا، اس کے سامان میں قرآن کریم نکلا تو اسکے بارے میں فرمایا: "بعه وتصدق بثمنه" اس کو بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دو، خائن کے مال ومتاع میں اگر جانور ہیں تو ان کو بھی نہ جلایا جائے اس لئے کہ جانور کو آگ سے عذاب دینا منع ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر علماء حدیث باب کی بناء پر کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں چوری کرنے والے کا سامان جلایا جائے گا، جمہور علماء خائن کے لئے تعزیر کے قائل ہیں، لیکن سامان جلانے کے قائل نہیں ہیں، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو جمہور محدثین نے اس پر کلام کیا ہے بعض نے تضعیف کی ہے اور بعض عدم ثبوت کے قائل ہیں۔

سوال: مالی جرمانہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس حدیث کے ضمن میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء نے اس حدیث کی روشنی میں یہ بات کہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، لیکن جمہور فقہاء متقدمین عدم جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کا فرمان ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه" کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے، بعض فقہاء متاخرین بھی جائز قرار دیتے ہیں اور وہ حدیث مذکور کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں مسلمان سے وہ مسلمان مراد ہے جس نے جرم نہ کیا

ہو، اور مالی تاوان تو مجرم سے لیا جاتا ہے جبکہ مجرم کو مارا جاسکتا ہے تو اس سے مالی تاوان بھی لیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، جان تو طیب نفس سے حلال نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جس صورت میں مارنا پیٹنا جائز ہو اس صورت میں مناسب مالی تاوان لیا جاسکتا ہے، (واللہ علم بالصواب) اس باب میں فصل ثالث نہیں ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۵۰۱، مستفاد از مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۰۹)

تنبیہ: اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے۔

{باب بیان الخمر ووعید شاربها}

شراب کی حقیقت اور شراب پینے والوں کے بارے میں وعید کا بیان

خلاصۃ الباب

اس باب کے تحت چوبیس روایتیں درج کی گئی ہیں، جن میں ان اشیاء کا تذکرہ ہے، جن سے شراب بنتی ہے اور بنائی جاتی ہے۔ ہر مسکر حرام ہے۔ دنیاوی شراب پینے والا شراب طہور سے محروم رہے گا، شرابی کے لئے وعید، نبیذ کا حکم ہے، شراب کا سرکہ بنانا، حرام چیز میں شفاء نہیں، شراب مال متقوم نہیں، شراب اور جوئے کی ممانعت اور شراب نوشی مثل بت پرستی ہے، وغیرہ احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

خمر کے معنی

انگوری شراب، لسان العرب میں ہے، "**الخمر ما اسکر من عصیر العنب**" انگور کا وہ شیرہ جس میں نشہ پیدا ہوگیا ہو خمر ہے لسان العرب میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک یمنی انگور لئے جا رہا تھا کسی نے اس سے پوچھا کیا لئے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ خمر یعنی انگور اور عربی میں دوسری شرابوں کیلئے دوسرے الفاظ ہیں۔ مثلاً **"سکر"**، کھجور کی شراب، **"بتع"**، شہد کی شراب، **"مزر"**، مکئی کی شراب، اسی طرح اور چیزوں کی شرابوں کے لئے بھی نام ہیں۔

پھر احادیث نے دیگر شرابوں کو اشتراک علت (نشہ) کی بنا پر خمر کے ساتھ لاحق کیا ہے، اور سب کو حرام قرار دیا ہے، اگر سب مسکرات خمر کا مصداق ہوتے تو ان روایات کی جن کا تذکرہ آئندہ آئے گا کچھ ضرورت نہ تھی، قرآن کے مخاطب خالص عرب تھے اور وہ محاورات سے پوری طرح واقف تھے، پس مختلف صحابہ کا مختلف شرابوں کے بارے میں حکم دریافت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خمر کے حقیقی مصداق نہیں ہیں۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، "**نهى النبی صلی الله علیه وسلم عن الخمر، والمیسر والکوبة الغبیراء وقال کل مسکر حرام**" جناب حضرت نبی کریم ﷺ نے خمر میسر، (جوا) سارنگی وغیرہ آلات کی ممانعت فرمائی، اور فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(مشکوۃ: ۳۶۵۲)

جس کا کثیر نشہ کرے تو اس کا قلیل بھی حرام ہے

خمر کے تذکرہ کے بعد مُکِیّ کی شراب کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ خمر اس کو شامل نہیں، جب خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو لوگوں میں پانچ چیزوں کی شراب کا رواج تھا، انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد کی شرابیں رائج تھیں، لیکن خمر کا حکم ان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ حدیث میں ہے "**الخمر ما خامر العقل**" ہر وہ شراب جو عقل کو چھپائے خمر کے حکم میں ہے۔ (مشکوۃ: ۳۶۳۵)

ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب چاہے انگور سے بنائی جائے خواہ کھجور یا شہد یا غلوں سے مسکر ہونے کے بعد سب پر خمر ہی کا اطلاق ہوتا ہے اور سب کا حکم یکساں ہے کہ ان قسموں میں سے کسی میں سے ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، خواہ بوجہ قلت مقدار سکر پیدا نہ ہو حدیث "**ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام**" جس کا کثیر نشہ کرے تو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ نیز کل مسکر حرام وغیرہ سے استدلال کرتے ہوئے۔

اور شیخین حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے انگوری شراب کو نجاست غلیظہ قرار دیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس کو نجس (گندگی) قرار دیا ہے، اور اس کے حلال ماننے والے کو کافر قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور اس کا ایک قطرہ پینے پر بھی حد واجب ہے اس میں علت (نشہ) کا اعتبار نہیں اور دیگر شرابوں کی حرمت کا انکار کرنے والے کو گمراہ کہا ہے اور ان میں حد اس وقت واجب ہوگی جب ان سے نشہ آجائے، کیونکہ ان کی حرمت اخبار احادیث سے ثابت ہے، جو مفید ظن ہیں، یقین کا فائدہ نہیں دیتیں اس لئے ان کا منکر گمراہ ہے۔

البتہ تناول (کھانے پینے) کے سلسلہ میں تمام منشیات کا ایک حکم ہے فتویٰ اسی پر ہے کہ کسی بھی

شراب کا ایک قطرہ پینا حرام ہے احناف نے یہ فرق بر بنائے احتیاط کیا ہے، حد وغیرہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس لفظ سے حرمت نازل ہوئی اس میں علت (نشہ) کا لحاظ نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ملحق چیزوں میں علت کا لحاظ کیا جائے، اور تناول میں احتیاط کی بات یہ ہے کہ منشیات کو مطلقاً حرام قرار دیا جائے۔

(مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳۳۳/۵، الدر المنضود: ۱۹/۶، التعلیق الصبیح: ۱۸۸/۴)

شراب کی طرح دوسری نشہ آور چیزیں مثلاً بھنگ اور افیون وغیرہ کا کھانا اور پینا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ چیزیں بھی انسان کی عقل کو تباہ کرتی ہیں اور ذکر اللہ و نماز وغیرہ سے باز رکھتی ہیں علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بھنگ وغیرہ کو حلال جانے وہ زندیق و بدعتی ہے بلکہ نجم الدین زاہدی نے تو ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا ہے اور اس کے قتل کو مباح جانا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۵۰۲/۶)

{الفصل الاول}

انگور و کھجور کی شراب کا ذکر

{۳۴۶۹} **عَنْ** أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ النَّخْلَةُ وَالْعِنَبَةُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱۶۳/۲، باب بیان ان جمیع ماینبذ، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۹۸۵۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شراب ان دو درختوں سے بنتی ہے، (۱) کھجور سے (۲) انگور سے۔ (مسلم)

تشریح: "النخلة والعنبة" یہ دونوں بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہیں اور مشکوۃ کے ایک

نسخہ میں رفع کے ساتھ بھی ہیں اس وقت یہ خبر ہوں گے، شراب ان دونوں کے علاوہ سے بھی بنتی ہے اس حدیث میں خاص طور پر ان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ زیادہ تر شراب انہیں سے بنتی ہے نہ کہ یہ مطلب ہے کہ ان کے علاوہ اور کسی چیز سے شراب بنتی ہی نہیں اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"کل مسکر حرام"** یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور ظاہر ہے کہ نشہ ان دو کے علاوہ مثلاً مہوا وغیرہ سے بنی ہوئی شراب میں بھی ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن سے شراب بنتی ہے اور حصر، ان میں بھی نہیں ہے شراب ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانک لے، **"والخمر ماخامر العقل"** یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے مزید تحقیق اسکے بعد آرہی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۰، التعلیق الصبیح: ۴/۱۸۸)

شراب عقل کو ڈھانپتی ہے

{۳۴۷۰} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلٰى مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْيَاءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَاخَامَرَ الْعَقْلَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۳۷، باب ما جاء فی ان الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۵۵۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے، اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے۔ (۱) انگور (۲) کھجور (۳) گیہوں، (۴) جو، (۵) شہد سے اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں پانچ ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن سے عموماً شراب تیار کی جاتی ہے لیکن انہوں نے ساتھ ہی اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے، کہ ان ہی چیزوں میں شراب کا انحصار نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو نشہ اور عقل وخرد پر پردہ ڈالنے والی ہو، شراب ہی

کے حکم میں ہے،اس کا نام چاہے جو بھی رکھا جائے وہ بھی مانند شراب حرام ہے۔

فقال انه: ضمیر شان ہے،"قد نزل" سے "ماخامر العقل" تک "خامر به" کے معنی چھپنا آڑ میں ہونا ہیں اور "خامر الشیٔ" ڈھانکنے کے معنی میں ہوتا ہے، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "ای سترہ" بعض نے یہ کہا "لاخمر الامن عنب" ان کے اس خیال کا بطلان اس حدیث کے اندر صراحتاً موجود ہے، انگور کی شراب کے سلسلہ میں علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے علماء کے نزدیک شراب وہ ہے کہ جب انگور کا پانی ابال کر گاڑھا ہو جائے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب وہ جھاگ پھینکنے لگے اور صاحبین نے جھاگ پھینکنے کی قید نہیں لگائی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۰)

تنبیه: اقسام الخمر مع احکامها سبقت فی مقدمة باب فی حد الخمر فارجع الیه لو شئت۔

کھجور کی شراب کا ذکر

{۳۴۷۱} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ حِیْنَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ خَمْرَ الْاَعْنَابِ اِلَّا قَلِیْلاً وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۸۳۶/۲، باب الخمر من العنب وغیره، کتاب لا شربة، حدیث نمبر: ۵۵۸۰۔

حل لغات: **البسر:** ادھ کچی نیم پختہ کھجور، گدر کھجور، **التمر:** خشک کھجور چھوہارہ۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہمارے اوپر شراب کی حرمت نازل ہوئی اسی وقت شراب ہوگئی، اس وقت ہمارے یہاں انگور شراب بہت کم میسر تھی، ہماری اکثر شراب گدر کھجور یعنی کچی کھجور اور پکی کھجور سے بنتی تھی۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اس وقت مدینہ طیبہ میں انگور کی شراب نایاب تھی، صرف کھجور کی شراب دستیاب تھی، معلوم ہوا کہ انگور کی شراب پینا سخت منع ہے،

اور اصلاً اسی سے تیار شدہ کو خمر کہا جاتا ہے، باقی کھجور وغیرہ سے تیار شدہ نشہ حرام لعینہ نہیں ہے، لہٰذا اس کی نبیذ وغیرہ کو اس مقدار میں پینا کہ نشہ نہ آئے جائز ہے۔

وعامة خمرنا البسر والتمر: عموماً ہماری شراب کچی پکی کھجور کی ہوتی تھی، حنفیہ کے نزدیک خمر کی حقیقت شیرہ انگور ہے، یعنی انگور کے شیرہ سے بنائی جانے والی شراب کو حنفیہ "خمر" کہتے ہیں اسی کا قلیل وکثیر حرام ہے اور اس کے پینے پر حد لگائی جائے گی، خواہ ایک قطرہ ہی کیوں پیا جائے اور یہی نجس العین ہے اسی کی خرید وفروخت حرام ہے، اور اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے، جمہور محدثین کے نزدیک تمام نشہ آور مشروبات کو "خمر" کہتے ہیں اور یہ تمام خمر کے حکم میں ہیں، قطعی طور پر حرام ہیں۔

اعتراض: وعامة خمرنا البسر والتمر: علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**الخمر مائع والبسر جامد فكيف يكون هو اياه**" یعنی خمر تو ایک مائع چیز ہے، اور کھجور ایک جامد چیز ہے تو خمر پر بسر اور تمر کا اطلاق کیسے درست ہوسکے گا؟

جواب: مذکورہ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں بسر و تمر کا شراب پر مجازاً اطلاق کیا گیا ہے اور یہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی: "**عامة اصل خمرنا التمر**"

(شرح الکرمانی للبخاری: ۲۰/۱۴۱، کشف الباری: ۱۱/۲۸۵)

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

{۳۴۷۲} **وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيْذُ الْعَسَلِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)**

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۶۲، باب بیان کل مسکر خمر، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۲۰۰۱، بخاری شریف: ۲/۸۳۷، باب الخمر من العسل، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۵۵۸۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "بتع" نامی شراب

کے بارے میں دریافت کیا گیا، جو کہ شہد کا شیرہ ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر شراب جو کہ نشہ لائے حرام ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: شہد کی نبیذ پینا بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بھی نشہ ہوتا ہے، جس طرح تمام نشہ آور مشروبات حرام ہیں، اسی طرح "بتع" نامی مشروب جو کہ یمن میں زیادہ پیا جاتا تھا حرام ہے، اسکے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ شہد کو پانی میں ملا کر طویل مدت تک رکھ دیا جاتا ہے تا کہ اس میں سکر پیدا ہو جائے اور جب سکر پیدا ہو جائے تب اس کو استعمال کیا جائے۔

کل شراب اسکر فهو حرام

حدیث باب کا مفہوم: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار میں نشہ آور نبیذ پینا کہ بالفعل آدمی پر نشہ طاری ہو جائے حرام ہے، اور جمہور کہتے ہیں کہ جو بھی چیز بالقوۃ نشہ آور ہو وہ حرام ہے، اس کی تھوڑی مقدار پینا بھی حرام ہے خواہ بالفعل نشہ ہو یا نہ ہو۔

نبیذ پینے پر امام صاحب کی دلیل: ابو داؤد میں حدیث ہے چمڑے کی مشک میں بنائی ہوئی نبیذ جس کا منہ باندھا گیا ہو پیو، پھر اگر وہ اٹھے یعنی اس میں جوش پیدا ہو جائے اور نشہ پیدا ہو جائے تو اس کو پانی سے توڑو، یعنی اس میں ٹھنڈا پانی ملا کر اس کا نشہ اور جوش ختم کر دو اور اگر وہ تم کو تھکا دے یعنی پانی پلانے کے بعد بھی جوش ختم نہ ہو تو اس میں نبیذ کو پھینک دو، اس حدیث میں نبیذ میں نشہ پیدا ہونے کے بعد بھی اس کو پینے کی اجازت ہے البتہ اسکی احتیاط لازم ہے کہ خود پینے والا اس مقدار میں نہ پیئے کہ نشہ میں مست ہو جائے، طحاوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ نبیذ میں نشہ ہو گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اسکے نشہ کو پانی سے توڑو، اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبیذ کی غیر مسکر مقدار جائز ہے۔

نبیذ کی حرمت پر جمہور وامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

جواب: حدیث باب میں حرمت کی علت سکر ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نبیذ کا اس مقدار میں پینا جو سکر یعنی نشہ آور ہو حرام ہے، اور جو مقدار نشہ آور نہ ہو اس مقدار میں پینے کی گنجائش ہے۔

اشکال: اسکا مطلب یہ ہے کہ خمر یعنی شراب بھی اگر تھوڑی مقدار میں پی جائے اور نشہ آور نہ ہو تو وہ بھی حرام ہے؟

جواب: نہیں قطعی نہیں، چوں کہ خمر یعنی شراب کی حرمت قطعی ہے، اس لئے اس کی ادنی سے ادنی تر مقدار بھی حرام ہی ہے، اور حرمت کی ذات میں داخل ہے، لہٰذا اس کی حرمت نشہ ہونے پر موقوف نہیں ہے۔

سوال: جب نبیذ تھوڑی مقدار میں پینا جائز ہے اور احناف کے پاس جواز کے دلائل بھی ہیں تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے عدم جواز کے قول پر فتویٰ کیوں دیتے ہیں اور یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہر نشہ آور شراب مطلقاً حرام ہے۔

جواب: فتوی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ملت کے مصالح کے پیش نظر ہے، چوں کہ نشیلی چیزوں میں یہ خاصیت ہے کہ ان کا تھوڑا زیادہ کی دعوت دیتا ہے، اور جب چسکا پڑ جاتا ہے تو آدمی تھوڑے پر رکتا بھی نہیں ہے، اس لئے مصلحتاً امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ (تحفۃ الالمعی:)

فائدہ: البتع: بکسر الباء وسکون التاءَ، باء کے زبر اور تاء کے سکون کے ساتھ شہد سے جو شراب بنائی جاتی ہے اسکو بتع کہتے ہیں۔ (کشف الباری: ۲۸۹/۱۱)

شراب پینے پر وعید

{۳۴۷۳} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْأٰخِرَةِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۷/۲، باب بیان ان کل مسکر خمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۲۰۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز شراب ہے اور نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، اور جس شخص نے دنیا میں شراب پی پھر وہ اس

حال میں مرا کہ ہمیشہ شراب پیتا رہا اور توبہ نہیں کی تو اس کو آخرت میں شراب پینے کو نہیں ملے گی۔ (مسلم)

تشریح: شراب درحقیقت ایک بہت بڑی لعنت ہے، اسکے قریب بھی نہ جانا چاہئے، اور اگر کسی نے اسکو پینے کا جرم عظیم کا ارتکاب کرلیا ہو، تو اسکو فوری طور پر اس گناہ سے باز آ کر، باری تعالیٰ سے پختہ توبہ کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص اس کے برخلاف شراب کا عادی بنا رہا اور اسکو مرتے دم تک ترک نہ کیا اور توبہ نہیں کی تو ایسا شخص آخرت میں شراب طہور کی لذت سے محروم کر دیا جائے گا، اس کو جنت کی شراب پینے کو نہیں ملے گی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز نشہ آور ہو وہ شراب کے حکم میں ہے۔

وکل مسکر حرام: ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو آدمی نبیذ پی کر مدہوش ہو جائے اس پر حد جاری کی جائے گی، اور مدہوش ہونے کی قید لگانے کے لئے نبیذ میں ہی ہے اور شراب کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد جاری ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے، اور اس پر حد جاری کی جائے گی، دلیل ان کی یہ حدیث ہے، "**وکل مسکر خمر وکل مسکر حرام، ومن شرب الخمر فی الدنیا فمات وھو یدمنھا**" اور جس نے دنیا میں شراب پی اور اس کا عادی رہا یعنی ایسا نہیں کہ کسی موقعہ پر پی لی اور اسکا عادی نہ تھا اور پھر مرگیا تو اس کیلئے وہ وعید نہیں ہے جو آگے آرہی ہے بلکہ یہ وعید اس کے لئے جو اس کا پابند تھا، اور مرگیا اس حال میں کہ "**لم یتب عنھا**" شراب پینے سے توبہ نہیں کی "**لم یشربھا فی الآخرۃ**" آخرت میں اس کو شراب طہور پینا نصیب نہ ہوگا، لیکن یہ وعید اس وقت ہے جب کہ شراب کو حلال سمجھ کر پیتا رہا ہو تو ظاہر ہے کہ حرام کو حلال سمجھنا سبب کفر ہے اور کافر کے لئے جنت کہاں اور وہ شراب جنت کے علاوہ ہے کہاں اور یا پھر یہ حدیث شدید درجہ کی وعید اور زجر پر محمول ہے نہایہ میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا اس لئے کہ خمر جنت کے مشروبات میں سے ہے، پس جب وہ آخرت میں اس کو نہ پیئے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت میں داخل ہی نہ ہوگا، اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ وہ جنت میں تو داخل ہوگا لیکن وہاں اس کا پینا اس کیلئے حرام ہوگا یا یہ کہ وہ اس سے وہاں محروم رکھا جائے گا، اس لئے کہ وہ جنت کے مشروبات میں کا نہایت عمدہ مشروب ہوگا تو دنیا میں اس کے پینے کا گناہ کرنے والا آخرت اور جنت میں اس سے محروم رکھا جائے گا اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں اس سے اس کی خواہش کو بھلا دیا جائے گا، پس

عدم خواہش کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہے گا، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کافر نہیں ہے، تو جنت میں بہر حال داخل ہوگا خواہ دخول اولی ہو یا دخول بعد از سزا ہو تو جنت تو "**فیھا ماتشتھیہ الانفس**" کی جگہ ہے یعنی وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کا دل چاہے گا اور جس کی خواہش ہوگی اور بعض نے یہ کہا کہ وہ اس کی لذت کو یاد رکھنے کے باوجود اس کی خواہش نہ کرے گا، اور یہ اس کا عظیم نقصان ہوگا، کہ وہ جنت کی اشرف واعز نعمت سے محروم ہوگا، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی نظیر معتزلہ کا رؤیت سے محروم ہونا ہے اقوال اور بھی ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۲/ ۴، شرح الطیبی: ۲۰۵/ ۷)

شرابی کے لئے سخت سزا کا ذکر

{۳۴۷۴} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَالَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهٗ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اِنَّ عَلَى اللهِ عَهْداً لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يُسْقِيَهٗ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۷/۲، باب بیان ان کل مسکر خمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۲۰۰۲۔

حل لغات: الذرۃ: مکئی (غلہ) مکئی کا دانہ، **الطینۃ:** گارے کا ایک حصہ، ایک خاص مقدار جو ہاتھ وغیرہ میں بیک وقت اٹھائی جائے، **الخبال:** خرابی، ہلاکت، اہل جہنم، **العصارۃ:** عرق، جوس، خلاصہ، نچوڑ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمن سے ایک صاحب آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں دریافت کیا جو کہ سرزمین یمن پر پی جاتی تھی، مکئی سے تیار ہوتی تھی اور اس کو "**مرز**" کہا جاتا تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا وہ نشہ آور ہوتی

ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، بلاشبہ یہ اللہ کا عہد ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز پیئے گا اللہ تعالیٰ اس کو "طینۃ الخبال" سے پلائیں گے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! "طینۃ الخبال" کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جہنمیوں کا پسینہ ہے، یا جہنمیوں کا خون پیپ ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں شراب اور وہ مشروبات جو نشہ آور ہوں، ان کے پینے پر سخت وعید کا ذکر ہے، کسی بھی چیز سے تیار شدہ مشروب اگر سکر پیدا کرتا ہے تو مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس کو پینا حرام ہے، قلیل مقدار میں پیا جائے یا کثیر مقدار میں پیا جائے، جو شخص اس کا عادی ہوگا، اس کو جہنم میں رہنا ہوگا، اور جہنمیوں کے خون پیپ کو پینا ہوگا۔

نبیذ کی ممانعت

{۳۴۷۵} **وَعَنْ** اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنْ خَلِیْطِ التَّمَرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّبِیْبِ وَالتَّمَرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّھْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ انْتَبِذُوْا کُلَّ وَاحِدٍ عَلٰی حِدَۃٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۶۴، باب کراھیۃ انتباذ التمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۹۸۸۔

حل لغات: **التمر:** خشک کھجور چھوہارا، **البسر:** نیم پختہ گدر کھجور، **الخلیط:** مختلف چیزوں کا مجموعہ معجون مرکب، **الزھو:** رنگ دار کھجور جو پکنے کے قریب ہو، **انتبذ التمر:** شراب بنانا، **الزبیب:** خشک انگور منقی۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خشک کھجور اور کچی کھجور ملانے سے منع فرمایا ہے، اور کشمش و خشک کھجور ملانے سے منع فرمایا اور کم پکی کھجور اور تر کھجور ملانے سے منع فرمایا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بناؤ۔ (مسلم)

تشریح: دو طرح کے کھجور یا دو طرح کے پھل کی نبیذ بنا کر نہ پینا چاہئے، اس لئے کہ دو طرح

کے پھلوں کو جب پانی میں نبیذ بنانے کے لئے ڈالا جائے گا، تو اس میں بہت جلد سکر پیدا ہوگا، اور نشہ آور نبیذ کا پینا چوں کہ ممنوع ہے، اس لئے دو پھلوں کو ملا کر نبیذ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، ایک پھل یا ایک طرح کی کھجور پانی میں ڈالی جائے گی، تو اس میں جلد نشہ نہ پیدا ہوگا، لہٰذا یہ میٹھے پانی کے مانند ہوگا، اور اس کا پینا جائز ہوگا، چوں کہ ممانعت کی علت نشہ پیدا ہونے کا امکان ہے۔

نهى عن خليط التمر: سے آخر تک قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**خلط**" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو میں سے ایک کا اثر تغیر دوسرے میں جلد منتقل ہو کر دوسرے کو فاسد کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ فساد ظاہر نہیں ہوتا، جس کے نتیجہ میں آدمی اس حرام کو پی لیتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسی نبیذ خلط جو دو سے مل کر بنے وہ حرام ہے خواہ اس میں نشہ نہ پیدا ہوا ہو، اور ان کی دلیل اسی حدیث کا ظاہر ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ نشہ آور نہ ہو تو حرام نہیں ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۲/۴)

شراب کا سرکہ بنانا

{۳۴۷۶} **وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ یُتَّخَذُ خَلًّا فَقَالَ لَا۔ (رواہ مسلم)**

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۳/۲، باب تحریم الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۹۸۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا گیا جس کا سرکہ بنالیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرکہ کے استعمال سے منع فرمایا ہے کہ جو شراب سے بنا ہوا یا شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کی ماہیت بدل کر تیار کیا گیا ہو یہ ممانعت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتاً ارشاد فرمائی ہے، اس لئے کہ شراب کی حرمت نازل ہوئے مختصر عرصہ

گذرا تھا، کہ آپ سے یہ سوال کرلیا گیا سرکہ کا استعمال جائز ہونے کے باوجود شراب کی ماہیت بدلنے سے تیار شدہ سرکہ کی ممانعت کا مقصد یہی تھا کہ کہیں لوگ اس طریقہ سے پھر سے شراب کی طرف مائل نہ ہوجائیں، اب ایسے سرکے کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں آراء مختلف ہیں۔

سئل عن الخمر تتخذ خلا فقال لا: شراب میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے اور پھر اس کو استعمال کیا جائے، تو یہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔

شراب کا سرکہ اور اختلاف ائمہ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور لیث رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورہ ترکیبوں سے شراب کا سرکہ بنالینا اور اس کو استعمال کرنا حلال وجائز ہے، اور اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایتیں ہیں ان کی اصح روایت میں ان کا مسلک اس کی حرمت کا ہے، چنانچہ اگر اس نے اس طرح اس کو سرکہ بنالیا تو گنہگار ہوگا لیکن وہ پاک ہوگا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب میں اس کو سرکہ بنانے کے لئے اگر کوئی چیز ڈالی تو وہ ہمیشہ کے لئے ناپاک ہوگئی اب وہ کبھی اور کسی طرح پاک نہ ہوگی البتہ دھوپ میں رکھ کر بنانے کے سلسلہ میں ان کے دو اقوال ہیں ان میں اصح قول اس کے پاک ہوجانے کا ہے۔ (شرح الطیبی: ۲۰۷/۷، ہدایہ: ۴۸۳/۴)

اشکال وجواب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ودیگر جن حضرات نے جواز کا قول کیا ہے جب کہ زیر تشریح حدیث میں آنحضرت ﷺ نے **"لا"** فرمایا یعنی کسی چیز کے ذریعہ شراب کو سرکہ بنانا جائز نہیں اس طرح وہ حلال نہ ہوگی اس طرح امام صاحب کا مسلک حدیث کے خلاف ہے اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ اس وقت چونکہ شراب کی حرمت کو ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا اس لئے تحریم کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں اس کی چاہت موجود تھی، تو مذکورہ ترکیب سے شراب کو سرکہ بنانے میں آنحضرت ﷺ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اسی کی راہ سے شیطان کا دخل ہوسکتا ہے، اور یہی ترکیب شراب تک پہنچا دینے کا سبب بن سکتی ہے اس لئے مصلحتاً آنحضرت ﷺ نے اس وقت اس سے بھی منع فرمادیا اور تحریم شراب پر زیادہ وقت گذرنے کے بعد یہ خوف وخطرہ باقی نہیں رہا اس لئے کہ اس کے جواب کا قول

کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "نعم الادام الخل" یعنی بہترین سالن سرکہ ہے اس سے بھی جواز کے قول کی تائید ہو رہی ہے نیز صاحب ہدایہ نے ایک روایت میں یہ بھی نقل کیا ہے، "خیر خلکم خل خمر کم" یعنی تمہارا بہترین سرکہ تمہاری شراب کا سرکہ ہے، بیہقی نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے واللہ اعلم۔ (ہدایہ: ۴۸۳/۴، مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۳/۴)

شراب کا دوا کے طور پر استعمال کرنا

{۳۴۷۷} وَعَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۳/۲، باب تحریم التداوی بالخمر، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۱۹۸۴۔

ترجمہ: حضرت وائل حضرمی سے روایت ہے کہ بلاشبہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے شراب کے بارے میں دریافت کیا آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمادیا، اس پر طارق نے عرض کیا کہ ہم اس کو دواء کے طور پر استعمال کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شراب پینا حرام ہے اور دواء کے طور پر بھی اس کے پینے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی ماہر طبیب کسی مرض کا علاج صرف شراب ہی کو بتائے تو جان بچانے کی غرض سے اس کے استعمال کی گنجائش ہے، لیکن چوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ بیماری ہے اس لئے احتیاط کا تقاضہ بہر حال یہی ہے کہ مرض میں بھی اس ام الخبائث کے ذریعہ علاج نہ کیا جائے اگر لقمہ حلق میں اٹک گیا ہے اور لقمہ کو حلق سے نیچے اتارنے کے لئے پانی میسر نہیں ہے صرف شراب ہی موجود ہے تو اتنی مقدار میں شراب پینے کی اجازت ہے، جس سے لقمہ حلق سے نیچے اتر جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۳/۴)

حرام چیزوں سے دوا کرنا

کسی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ بھی ہے اور تفصیل طلب بھی ہے، مختصراً نقل کیا جاتا ہے اگر مریض کی حالت اضطرار کی ہے تو چند شرائط کے ساتھ حرام دواء کرنے کی گنجائش ہے۔

(۱)......جان بچانے کے لئے کوئی جائز صورت نہ ہو۔

(۲)......جان کا خطرہ موہوم نہیں بلکہ یقینی ہو۔

(۳)......حرام کے استعمال سے جان بچنے کی تجویز کسی معتمد طبیب کی ہو۔

اگر اضطراری نہیں ہے بلکہ ضرورت شدیدہ ہے مثلاً جان کا خطرہ تو نہیں ہے لیکن شدید تکلیف رہتی ہو تو حرام سے علاج کرنے میں اختلاف ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تداوی بالحرام مطلقاً ناجائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تداوی بالحرام جائز ہے، البتہ تداوی بالمسکر جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام صاحب مطلقاً جواز کے قائل ہیں، البتہ امام طحاوی (کا مسلک یہ ہے کہ شراب کے علاوہ باقی تمام حرام داواؤں سے علاج جائز ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تداوی بالحرام کے علاوہ سے اگر شفا ممکن نہ ہو تو علاج جائز ہے، اسی پر حنفیہ کے یہاں فتویٰ ہے۔

حرام ہونے کی دلیل: (۱) حدیث باب ہے، (۲) "ان اللہ لم یجعل شفاء کم فی حرام" اللہ نے حرام میں شفا نہیں رکھی ہے۔

جواز کی دلیل: (۱) اہل عرینہ کا واقعہ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب پینے کی اجازت دی تھی، (تفصیل کیلئے عالمی حدیث دیکھیں۔

(۲) عرفجہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی تھی، ان کی ناک ایک جنگ میں کٹ گئی تھی۔(ہدایہ:۴/۴۵۷)

بہر حال سب سے زیادہ ممانعت جس چیز سے علاج کی ہے وہ شراب سے علاج کی ہے، لہٰذا بہتر اور احوط یہی ہے کہ شراب سے علاج کرنے کرانے سے احتیاط برتی جائے۔

{الفصل الثانی}

شرابی کی نماز قبول نہیں ہوتی

{۳۴۷۸} عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلْ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ۔ (رواہ الترمذی) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۸/۲، نسائی شریف: ۲۸۲/۲، ابن ماجہ: ۲۴۲، باب ماجاء فی شارب الخمر کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۸۶۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے شراب پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، اور اگر وہ دوبارہ شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ پھر اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کریں گے، پھر اگر سہ

بارہ شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، پھر اگر وہ چوتھی مرتبہ شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کریں گے، اور اس کو پیپ کی نہر سے پلائیں گے۔ (ترمذی) نسائی، ابن ماجہ اور درامی نے اس روایت کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

تشریح: شراب پینے والا اگر شراب پیتا ہے تو اس کی نحوست سے اس کا باطن سیاہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی عبادت قابل قبول نہیں ہوتی اور جو شخص اس جرم پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے توبہ کی توفیق سلب کر لیتے ہیں اس کو گناہ پر ندامت ہی نہیں ہوتی ہے، اور بالفرض اگر توبہ کرتا بھی ہے تو اس میں اخلاص وصدق کے فقدان کی وجہ سے وہ شرف قبولیت نہیں پاتی۔

من شرب الخمر: یعنی شراب پی اور اس سے توبہ نہیں کی، "**لم یقبل اللہ لہ صلوۃ**" یہ تنوین کے ساتھ ہے اور "**اربعین صباحا**" یہ ظرف ہے مشکوۃ کے ایک نسخہ میں اضافت کے ساتھ صلوۃ بلا تنوین ہے، صاحب مظاہر حق نے غالباً اس کو اختیار کیا ہے اور صلوۃ بلا تنوین لکھ کر ترجمہ یہ کیا ہے، نہیں قبول کرتا اللہ تعالیٰ اس کی نماز چالیس دن، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مطلب لکھا ہے یعنی وہ مناجات کی لذت نہیں پائے گا، جو درحقیقت عبادت کا مغز ہے، اور نہ وہ حضور قلب پائے گا، جو عبادت کی روح ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی نماز کی کوئی حیثیت نہ ہوگی اگرچہ اس نماز سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور خاص طور پر نماز کے قبول نہ ہونے کا ذکر حدیث پاک کے اندر اس لئے ہوا کہ نماز ہی شراب کی حرمت کا سبب ہے نیز اس لئے بھی کہ نماز ام العبادات ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے اور شراب ام الخبائث ہے اور یہ دار قطنی کی ایک روایت سے ثابت ہے اور اشرف نے یہ کہا کہ ذکر میں نماز کو اس لئے خاص کیا کہ نماز عبادت بدنیہ میں سب سے افضل عبادت ہے پس جب وہ قبول نہ ہوگی تو اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دیگر عبادات بھی قبول نہ ہوں گی، اور مظہر نے یہ کہا کہ اس قسم کی وعید زجر وتوبیخ پر مبنی ہوتی ہیں اور اگر نماز اپنی تمام شرائط کے ساتھ ادا کی جائے تو فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ فاسق کی نماز کا ثواب صالح کی نماز کے برابر نہیں ہوتا، اور نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ ہر طاعت کے دو

اعتبار ہوتے ہیں ایک ادا کرنے والے سے قضاء کا ساقط ہوجانا اور دوسرا اس پر ثواب کا مرتب ہونا اور حدیث پاک میں ترتب ثواب کے عدم کو عدم قبول صلوۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لم یقبل اللہ لہ صلوۃ اربعین صباحا: میں صباح کے معنی تو صبح کے اور دن کے ابتدائی حصہ کے ہیں لیکن مراد یہاں ایک دن کے چوبیس گھنٹے ہیں اور چالیس دن کی قید غالباً اس لئے ہے کہ چالیس دن تک شراب کے پینے کا اثر اس کے قلب پر رہتا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے کہ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ جس آدمی نے چالیس دن اللہ کے لئے خلوص اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب اور اس کی زبان سے حکمت کے چشمے ظاہر فرماتا ہے اور ایک حدیث یہ ہے کہ "**ومن حفظ علی امتی اربعین حدیثاً بعثہ اللہ فقیھا**" جو شخص میری امت پر چالیس احادیث محفوظ کردے اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ بنا کر اٹھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ**۔"

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ چالیس کے عدد کو طاعت یا معصیت کی طرف انسان کو پھیر دینے میں تاثیر بلیغ ہے اور اسی لئے کہا گیا کہ جو آدمی چالیس سال کا ہوجائے اور اس کا خیر شر پر غالب نہ آئے تو اس کا مرجانا اس کے زندہ رہنے سے بہتر ہے۔ "**فان عاد الرابعۃ**" یعنی چوتھی مرتبہ شراب پینے کی طرف رجوع کیا، "**لم یقبل اللہ لہ صلوۃ اربعین صباحا فان تاب لم یتب اللہ علیہ**" چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ توبہ کرے گا تو اللہ اس کی توبہ بھی قبول نہیں فرمائیں گے۔ یہ وعید اور زجر وشدید میں مبالغہ کے طور پر ہے اس لئے کہ حدیث میں فرمایا گیا: "**ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ**" یعنی جو آدمی استغفار کرے اس کو جمنے اور اڑنے والا نہیں کہا جائے گا خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے اور استغفار کرے، علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس آدمی نے زبان سے توبہ کی اور دل میں پھر اسی گناہ کے کرنے کا ارادہ ہے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی، اس پر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں کہتا ہوں یہ توبہ ہے ہی نہیں، "**قد صدق**" توجیہ کے لئے اقوال اور بھی ہیں۔

وسقاہ من نھر الخبال: مطلب یہ کہ جہنم والوں کی پیپ کی اتنی کثرت ہوگی کہ وہ نہر کی طرح

بہے گی اور اللہ تعالیٰ اس کو اسی جہنمیوں کی پیپ کی نہر سے پلائے گا "**اعاذنا اللہ**" تین مرتبہ توبہ کا توڑنا یہ غالباً اللہ کے غضب کا سبب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ توبہ کو تین مرتبہ توڑ کر گناہ کرنا یہ اس کے چوتھی مرتبہ توبہ کے عدم صحت کا سبب ہوا یعنی حقیقی توبہ ہی نصیب نہ ہو بلکہ صرف زبان سے توبہ توبہ کرے اور قلب میں حقیقت توبہ موجود نہ ہو۔ کہ وہ حقیقی توبہ ہی نہیں جس کو قبول کیا جائے۔

ایک اشکال: اگر یہ کہا جائے کہ یہ ثابت شدہ و مسلم ہے کہ مرتد کفر کے اعتبار سے کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائے اس کی توبہ بہر حال قبول ہے تو پھر چوتھی مرتبہ توڑ کر شراب پینے والے کی توبہ کے قبول نہ ہونے کے کیا معنیٰ ہوں گے؟

حل: لن تقبل توبتھم: کا مطلب کفر پر موت کا ہونا ہے اس لئے کہ توبہ اس کی ہی قبول نہیں ہوتی جو کفر پر مرتا ہے اور حدیث کے مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص تیسری مرتبہ اپنی توبہ پر قائم نہ رہا تو اس پر اس کا خوف ہے کہ وہ اس چوتھی مرتبہ توبہ کے باوجود اسی معصیت پر انتقال کرے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۳/۴، انوار المصابیح: ۶۱۵/۶)

سوال: شرابی کی بالخصوص نماز ہی کیوں قبول نہیں ہوتی ہے؟

جواب: نماز کی اہمیت کی وجہ سے اس کو ذکر کیا ہے، ورنہ تمام عبادات کا یہی معاملہ ہے، پھر خصوصاً اس کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ نماز ام العبادات ہے اور شراب ام الخبائث ہے۔

محدث العصر حضرت مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ جس طرح صاف برتن پر قلعی کھلتی ہے، اور میلے برتن پر نہیں ہوتی، اسی طرح نیکوکاری کی حالت میں عبادت سودمند ہوتی ہے، اور نفس کے گندہ ہونے کی حالت میں نفع بخش نہیں ہوتی، پس جب آدمی کسی معصیت پر مثلاً شراب پینے پر اقدام کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بے باکی و دلیری دکھاتا ہے اور اس کا نفس رذیل حالت میں غوطہ زن ہوتا ہے تو بہیمیت کا ملکیت پر غلبہ ہو جاتا ہے، اور نفس کی حالت بگڑ جاتی ہے، اور بدکاری کی حالت نیکوکاری کی ضد اور اسکے منافی ہے اس لئے جس طرح نیکوکاری کی حالت میں نماز وغیرہ عبادات سودمند ہوتی ہیں اور دوسری نیکیوں کا شوق پیدا کرتی ہیں اسی طرح تلویث نفس کی حالت میں اثر نہیں کرتی ہیں، اور جب تک نفس کی یہ حالت رہتی ہے یہی صورتحال باقی رہتی ہے، اور نفس کی یہ کیفیت بہت دنوں تک

(چالیس دن تک) باقی رہتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ نمازوں کے اثر سے یہ حالت بدل جاتی ہے، اور نماز نفع بخش ہونے لگتی ہے، البتہ اگر بندہ گناہ سے توبہ کرلے تو جلد گناہ کا اثر زائل ہوجاتا ہے اور نماز قبول ہونے لگتی ہے اور بار بار توبہ کرنا اور گناہ کی طرف لوٹنا ایک کھیل ہے یا کھیل کا شائبہ ہے، اس لئے چوتھی مرتبہ میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (تحفۃ الالمعی: فیض المشکوۃ: ۶/۵۰۹)

قلیل شراب بھی حرام ہے

{۳۴۷۹} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ترمذی شریف: ۸/۲، باب ماجاء اسکر کثیره، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۱۸۶۵، ابوداؤد شریف: ۵۱۸/۱، باب النهی عن المسکر، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۳۶۸۱، ابن ماجه ۲۴۲، باب ما اسکر کثیره، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۳۳۹۳۔

حل لغات: **الکثیر:** بہت زیادہ، **القلیل:** تھوڑا، کم۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لانے والی ہو، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مشروب ایسا ہو کہ اس کو زیادہ پیا جائے تو نشہ آئے اور کم پیا جائے تو نشہ نہ آئے جیسے بعض انواع کے نبیذ ہوتے ہیں، تو اس کی تھوڑی مقدار یہ سوچ کر پینا کہ اس سے نشہ نہیں آتا جائز نہیں جس طرح زیادہ پینا حرام ہے اسی طرح تھوڑی پینا بھی حرام ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۵۱۱، انوار المصابیح: ۶/۶۱۷)

ما اسکر کثیره فقلیله حرام: جس شراب کی زیادہ مقدار سے نشہ آئے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، بعض فقہاء مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسکر نبیذ کی تھوڑی مقدار پینا جائز ہے،

وہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سد ذرائع کی قبیل ہے سے اور واقعی حرمت بیان کرنا مقصود نہیں ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ تھوڑی مقدار پر عموماً آدمی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ تھوڑی مقدار کثیر مقدار بن جاتی ہے اور آدمی مدہوش ہو جاتا ہے، اس لئے تھوڑی مقدار جائز ہے لیکن اس سے احتیاطاً منع کر دیا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ ممانعت حقیقی ہے نشہ کی مقدار سے کم پینا بھی واقعۃً حرام ہے، حنفیہ کے یہاں بھی فتویٰ اسی پر ہے۔

ایضاً

{۳۴۸۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْکَرَ مِنْهُ الْفَرْقُ فَمِلْأُ الْکَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

حوالہ: احمد: ۱۳۱/۶، ترمذی شریف: ۸/۲، باب ماجاء اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۸۶۶، ابوداؤد شریف: ۵۱۹/۲، باب النهی عن المسکر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۶۸۱۔

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایک فرق مدہوش کرے اس کا چلو بھی حرام ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: جس شراب کی کثیر مقدار پینے سے نشہ آتا ہو اس کی تھوڑی مقدار اگرچہ نشہ آور نہ ہو لیکن حرام ہے۔

ما اسکر منه الفرق: فرق ایک پیمانہ ہے جس میں سو رطل آتا ہے، رطل کا خود وزن کیا ہے؟ اس میں اقوال بہت زیادہ ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ مختلف مقامات کے رطل مختلف اوزان کے ہوتے ہیں، مشہور قول یہ ہے کہ رطل تین سو اٹھانوے گرام ۳۴ ملی لیٹر کا ہوتا ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سو رطل اور چلو بھر یہ کثیر و قلیل کی تعبیر ہے، تحدید مراد نہیں ہے مقصود یہی ہے کہ جس شراب کی کثیر مقدار سے

نشہ ہو جائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، جو لوگ تھوڑی مقدار کو جائز کہتے ہیں جب کہ نشہ آور نہ ہو، اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں حرام سے مراد "**مفضی الی الحرام**" ہے کیوں کہ اگر تھوڑی مقدار نشہ آور چیز تفریح طبع کی غرض سے پی جائے گی، تو وہ تھوڑی مقدار کثیر مقدار کا باعث ثابت ہوگی، پس یہ تھوڑی مقدار کا پینا حرام کا سبب بنے گا، اور جو چیز حرام کا سبب بنے وہ خود بھی حرام ہوتی ہے اور اگر تھوڑی مقدار میں اس غرض سے پی جائے کہ نشاط پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بہتر طور پر ہو جائے تو اس نیت سے پینا حرام نہیں بنے گا، لہٰذا یہ پینا جائز ہے۔ (**الکوکب**) جمہور کے نزدیک مطلقاً پینا حرام ہے اور یہ حرمت حقیقی ہے۔ (تقریر حضرت شیخ قدس سرہ)

تحقیق فرق: یہ فا کے فتحہ کے ساتھ ہے اور راء ساکن ہے اور کبھی فتحہ بھی اس پر ہوتا ہے یہ مدینہ طیبہ کا مشہور ایک پیمانے کا نام ہے جس میں سولہ رطل آتا ہے صاحب مظاہر حق نے اس کا وزن آٹھ سیر لکھا ہے اور نہایہ میں ہے الفرق فتحہ کے ساتھ وہ ایسا پیمانہ ہے جس میں سولہ سیر آتا ہے ایک رطل ۳ر سوا اٹھانوے گرام ۳۴ ملی لیٹر کا ہوتا ہے۔

واضح: رہے کہ یہ رطل کا وزن ہر جگہ یکساں نہیں ہے بلکہ مختلف مقامات کے رطل مختلف اوزان کے ہوتے ہیں اور غالباً اسی وجہ سے اس کے وزن کی تعیین میں ایک درجن کے قریب اقوال ہیں۔ "**فملء الکف منه حرام**" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**الفرق**" اور "**ملء الکف**" قلیل وکثیر کی بیان کی تعبیریں ہیں اس سے مقصود کی مقدار کی تعیین نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۲، شرح الطیبی: ۷/۲۰۹)

گیہوں کی شراب کا ذکر

{۳۴۸۱} وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْراً وَمِنَ الزَّبِيبِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْراً۔ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹، باب ما جاء فی الحبوب التی یتخذ منها الخمر،

کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۱۸۷۲، ابو داؤد شریف: ۵۱۷/۲، باب الخمر مما ھی، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۶۷۶، ابن ماجہ: ۲۴۲، باب مایکون منہ الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۳۷۹۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ گیہوں سے شراب بنتی ہے، جو سے شراب بنتی ہے کھجور سے شراب بنتی ہے، انگور سے شراب بنتی ہے، اور شہد سے شراب بنتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: مذکورہ بالا پانچ چیزوں سے عموماً شراب بنتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان کے علاوہ چیزوں سے شراب نہیں بنتی ہے، بس اتنی چیزوں سے شراب بنتی ہے، چوں کہ بالعموم ان چیزوں سے شراب بنتی ہے اس لئے ان کا ذکر ہے، حصر مراد نہیں ہے۔

ان من الحنطة خمراً: بلاشبہ گیہوں سے خمر بنتی ہے، **"خمر"** کی حرمت قطعی اور یقینی ہے اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انگور کے علاوہ چیزوں سے جو شراب بنتی ہے وہ بھی خمر ہے، لہٰذا حدیث کی رو سے گیہوں اور جو اور شہد وغیرہ سے تیار شدہ مشروب بھی حرام قطعی ہے، اور اسکے حلال سمجھنے والے کو کافر سمجھا جائے گا، حالانکہ حنفیہ اسکے قائل نہیں وہ انگور کی کچی شراب کو خمر کہتے ہیں اور بقیہ شرابوں پر خمر کا اطلاق نہیں کرتے ہیں، تو یہ حدیث بظاہر احناف کے مذہب کے خلاف ہے، احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر مذکورہ تمام اشیاء پر لغۃً وعرفاً خمر کا اطلاق ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز ان چیزوں کا نام لے لے کر یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ یہ خمر ہیں اور یہ بھی خمر ہے اور یہ بھی خمر ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہل لسان تھے، وہ آپ کی صراحت کے بغیر سمجھ جاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم بیان کر رہے ہیں کہ ان چیزوں کی شراب بھی خمر کے حکم میں ہے، اور حنفیہ اس کی علت سکر بیان کرتے ہیں کہ نشہ آئیگا تو خمر والی سزا ملے گی۔

(فیض المشکوۃ: ۵۱۲/۶، مستفاد از الدر المنضود: ۶/۲۵)

شراب بیچنے کی ممانعت

{۳۳۸۲} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِیَتِیْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَۃُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْہُ وَقُلْتُ اِنَّہٗ لِیَتِیْمٍ فَقَالَ اَھْرِیْقُوْہُ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۳۹، باب ماجاء فی النھی للیتیم، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۶۳۔

حل لغات: اھراق الماء: گرانا، اس کی اصل "اراق اراقۃ" ہے ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے اور "ھراق" کی اصل "ھریق دحرج" کے وزن پر ہے اور اسی وجہ سے مضارع میں "یھریقہ" کی ہا کو فتحہ دیا جاتا ہے جیسے "یدحرجہ" میں دال کو اور امر کا صیغہ "ھرق" کی اصل "یھریق" ہے "دحرج" کے وزن پر یاء کو کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے اس کو نقل کرکے ماقبل کو دیدیا اب التقاء ساکنین ہوا اور اسکی وجہ سے ہاء گرگئی تثنیہ کا صیغہ "ھریقا" اور جمع کا "ھریقوا" اور کبھی ہاء اور ہمزہ دونوں کو جمع کردیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "اھراقہ یھریقہ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی، جب سورہ مائدہ نازل ہوئی، تو میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اور میں نے عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کو بہادو۔ (ترمذی)

تشریح: عندنا خمر لیتیم: ہمارے پاس یتیم کی شراب حرمت کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے سے حفاظت کے لئے رکھی تھی، "فلما نزلت المائدۃ" جب سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، شراب کی حرمت سے متعلق قرآن کریم میں چار آیات نازل ہوئی ہیں۔

(۱)......سورہ بقرہ کی آیت "یسئلونك عن الخمر الخ" اس میں شراب سے پیدا ہونے والے مفاسد اور گناہوں کا ذکر ہے، لیکن صراحتاً اس کو ممنوع قرار نہیں دیا ہے۔

(۲)......سورہ نساء کی آیت "یا ایھا الذین آمنو لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ" اس میں صرف اوقات نماز میں شراب سے منع کیا گیا ہے باقی اوقات میں اجازت باقی رہی، چنانچہ آیت کے نازل ہونے کے بعد اعلان ہوتا تھا کہ نشے کی حالت میں کوئی نماز میں شریک نہ ہو۔

(۳/۴)......سورہ مائدہ کی وہ آیات جن کا یہاں حدیث میں ذکر ہے،"ان الخمر والمیسر الخ"۔ اس میں صراحت کے ساتھ مطلقاً شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، "وقلت انه لیتیم"۔ صحابی رسول نے یتیم کی شراب کا حکم اس لئے دریافت کیا کہ از خود اس کو بہانے میں یتیم کا مال ضائع کرنا شمار نہ ہو۔

اہریقوہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بہادو، معلوم ہوا کہ شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے، اگر اس کو بیچنے کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کو بہانے کے لئے نہ کہتے یہ بھی معلوم ہوا کہ شراب کو بہانا مال ضائع کرنا نہیں ہے۔(مرقاۃ المفاتیح:۱۱۳/۴)

اشکال: شراب کو محفوظ کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کا سرکہ بنانے کی اجازت عطا فرماتے، لیکن آنحضرت ﷺ نے سرکہ بنانے کی اجازت نہیں دی، معلوم ہوا کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے، پھر احناف شراب کا سرکہ بنانا کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟

جواب: شراب کا حکم نازل ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا، اس لئے کسی بھی بہانے شراب رہنے کی صورت میں شراب نوشی کا اندیشہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے سرکہ بنانے کی غرض سے بھی محفوظ کرنے کی اجازت نہیں دی، اور رہا یہاں تک کہ شراب سے سرکہ بنانے کے جواز کا معاملہ ہے۔ (مزید تفصیل ما قبل میں گذر چکی ہے)"فارجع الیه لو شئت"

شراب کے بارے میں شدت

{۳۴۸۳} وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِنِّیْ اِشْتَرَیْتُ خَمْرًا لِاَیْتَامٍ فِیْ حِجْرِیْ فَقَالَ اَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاکْسِرِ الدِّنَانَ۔ (رواہ الترمذی) وَضَعَّفَهٗ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ اَنَّهٗ سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَیْتَامٍ وَرِثُوْا خَمْرًا قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ اَفَلَا اَجْعَلُهَا خَلًّا قَالَ لَا۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۴۲، باب ما جاء فی بیع الخمر، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۹۳، ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۷، باب العنب یعصر الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۶۷۵۔

حل لغات: الحجر: رکاوٹ فی حجرہ، فلاں اس کی حفاظت میں ہے، "الدنان: یہ جمع ہے الدن کی مٹکا مٹی کا برتن جو زمین پر بلا گڈھے کے ٹک نہ سکے۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے شراب خریدی ہے فرمایا کہ شراب بہادو، اور مٹکے توڑ دو۔ (ترمذی) ترمذی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان یتیموں کے بارے میں پوچھا جن کی وراثت میں شراب ملی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب بہادو، انہوں نے عرض کیا کہ کیا سرکہ نہ بنالوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔

تشریح: شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس کے پینے کی طرح اس بیچنا بھی حرام ہوگیا، لہٰذا یتیموں کی شراب کا بہانا ان کا مال ضائع کرنا نہیں ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کی شراب بہانے کا حکم فرمایا تاکہ شراب کی نفرت دلوں میں راسخ ہوجائے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کو توڑ ڈالنے کا حکم فرمایا جن کو شراب کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اسی مقصد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ بنانے کی بھی ممانعت فرمائی۔

اشتریت خمراً: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یتیم بچوں کے مال سے ان کے لئے شراب خرید رکھی تھی، حرمت شراب کا حکم نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہانے کا حکم فرمایا، کیونکہ شراب مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں ہے، لہٰذا اس کا بیچنا حرام ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "**لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرھا، ومعتصرھا، وشاربھا وحاملھا والمحمولۃ الیھا وساقیھا وبائعھا، واکل ثمنھا، والمشتری لھا، والمشتراۃ لہ**" (ترمذی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے شراب کے متعلق سے دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، (۱) شراب نچوڑنے والے پر مراد شراب بنانے والا (۲) شراب بنوانے والے پر، (۳) شراب پینے والے پر (۴) شراب اٹھانے والے پر (۵) جس کیلئے شراب اٹھا کر لائی جارہی ہے۔ (۶) شراب پلانے والے پر (۷) شراب بیچنے والے پر (۸) شراب کا پیسہ کھانے والے پر (۹) شراب خریدنے والے پر (۱۰) جس کیلئے شراب خریدی جارہی ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۲۴)

واکسر الدنان: شراب کے برتن توڑنے کی ممانعت شراب کی نفرت دل میں بٹھانے کی غرض سے تھی، یا پھر وہ برتن مراد ہیں جن میں شراب سرایت کرگئی تھی۔

قال لا: چونکہ شراب کا سرکہ بنانے کی اجازت اس وقت طلب کی گئی، جبکہ دلوں مین شراب کی نفرت پورے طور پر بیٹھی نہیں تھی، اس لئے اجازت نہیں دی، تاکہ کسی بھی بہانے سے شراب گھر میں موجود نہ رہے، اور لوگ پھر سے اس برائی میں بتلا نہ ہوں، ہمارے امام صاحب کے نزدیک فی نفسہ شراب سے سرکہ بنانے کی اجازت ہے، بعض ائمہ کا اختلاف ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۲۱۰، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۵)

{الفصل الثالث}

تمام نشہ آور مشروبات کی حرمت

{۳۴۸۴} عَنْ أُمِّ سَلْمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَتْ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۹، باب ماجاء فی السکر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۶۸۶۔

حل لغات: اسکر الشرب، بے ہوش کردینا نشہ ہونا، مدہوش بنادینا، افتر الداءُ، کمزور کرنا، مضمحل کردینا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ لانے والی اور فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: جس مشروب سے بھی نشہ آسکتا ہو یا عقل میں خلل پڑ سکتا ہو، اس مشروب کو پینا قطعاً حرام ہے۔

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کل مسکر ومفتر: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کچی انگور کی شراب کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، اور باقی شہد اور جو وغیرہ کی نبیذ اس مقدار میں پینا کہ نشہ آجائے حرام ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو مشروب بھی نشہ آور ہو اس کی ادنیٰ ترین مقدار پینا بھی حرام ہے، "**مفتر**" وہ چیز استعمال کرنا جو فتور پیدا کردے ممنوع ہے، فتور نشہ کی ابتداء ہے، اس میں اعضاء کے اندر سستی ڈھیلا پن اور غنودگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اسی سے بعض لوگوں نے بھنگ اور ان جیسی دیگر اشیاء کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ اس سے عقل زائل ہوتی ہے، اور جسم کے دیگر اعضاء میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۲۸، شرح الطیبی: ۲۱۲/، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۵)

شراب ہر حال میں حرام ہے

{۳۴۸۵} **وَعَنْ** دَيْلَمٍ الْحِمْيَرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى أَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ قَاتِلُوْهُمْ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۸، باب ماجاء فی السکر، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۳۶۸۳۔

حل لغات: عالجه الامر: کسی کام کو انجام دینے کی کوشش کرنا، **الشدید:** سخت، مضبوط، طاقت ور، **القمح:** گیہوں **تقوی**، مضبوط ہونا طاقتور ہونا، قوی ہونا، **قاتله: مقاتلة**، جنگ کرنا، لڑائی کرنا، مزاحمت کرنا۔

ترجمہ: حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سرد علاقے میں رہتے ہیں اور ہم وہاں شدید محنت کے کام انجام دیتے ہیں اور ہم اس گیہوں سے شراب بناتے ہیں جس کے ذریعہ سے اپنے کاموں کے لئے طاقت پیدا کرتے ہیں اور اپنے علاقے کی سردی پر قابو پاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا کہ اس سے بچو، میں نے کہا کہ لوگ اسکو چھوڑنے والے نہیں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگ شراب نہ چھوڑیں، تو تم لوگ ان سے جنگ کرو۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چاہے جتنی سخت ضرورت ہو شراب پینے کی گنجائش نہیں ہے، جولوگ شراب کو نہ چھوڑیں اور اس کو حلال جان کر پئیں اور منع کرنے کے باوجود نہ آئیں ان سے قتال کرنا چاہئے۔

انا بارض باردة: ہم سرد زمین کے رہنے والے ہیں، بظاہر یمن کا علاقہ مراد ہے، "**فاجتنبوه**" شراب پینے کی رخصت ہرگز نہیں ہے، یہاں بھی حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ مراد وہ مقدار ہے، جو نشہ آور ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۴، شرح الطیبی: ۷/۲۱۲)

شراب اور جوئے کی ممانعت

{۳۴۸۶} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۹، باب النهي عن المسكر، کتاب الاشربة، حدیث نمبر: ۳۶۸۵۔

حل لغات: **الميسر:** جوا، **الكوبة**، سارنگی جیسا آلہ موسیقی، **نردبه:** شطرنج، وغیرہ، **الغبيراء:** مکئی کی شراب۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

شراب، جوا طبلہ اور جو کی نبیذ سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (ابو دؤد)

تشریح: اس حدیث میں چار چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔

(۱)......شراب کی حرمت کی تفصیلات ما قبل میں گذر چکی ہیں۔

(۲)......جوا حرام ہے، شراب کی طرح جوئے میں بھی فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے، اور دسیوں سماجی و اجتماعی نقصانات ہیں اس لئے یہ حرام ہے۔

(۳)......طبلہ، نقارہ، بربطہ یہ سب ممنوع اور حرام ہیں۔

(۴)......مکئی سے بنی ہوئی شراب جس کو عموماً حبشی لوگ بناتے تھے، عام شرابوں طرح حرام ہے، مزید وضاحت کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو چیز بھی نشہ لانے والی ہے وہ حرام ہے۔

الخمر: شراب کے جہاں بہت سے مفاسد ہیں وہاں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہے جس سے وہ بھلے اور برے میں تمیز کرتا ہے، شراب کی حرمت کے احکام بتدریجی طور پر نازل ہوئے ہیں اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، اور اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی، **"المیسر"** لغت میں میسر کے معنی تقسیم کے ہیں، یا سر تقسیم کرنے والے کو کہا جاتا ہے، جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے، جن میں ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا، بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے تھے، جب کہ بعض محروم رہتے تھے، محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنا پڑتی تھی، گوشت سب فقراء میں تقسیم ہوتا تھا، جوا کھیلنے والے اس میں سے استعمال نہ کرتے تھے، اس خاص جوئے میں فقراء کا فائدہ بھی تھا اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت کا اظہار بھی تھا، اس لئے اس کھیل کو باعث فخر سمجھتے تھے، جو اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس کہتے تھے، تقسیم کی مناسبت سے جوا کو میسر کہتے ہیں صحابہ و تابعین اس بات پر متفق ہیں کہ **"میسر"** میں جوے کی تمام صورتیں داخل ہیں اور سب حرام ہیں۔ (معارف القرآن جلد اول)

الکوبۃ: اسکے مختلف معنی نقل ہوئے ہیں بربطہ، طبلہ، شطرنج وغیرہ ابو داؤد کی روایت میں کوبۃ کی تفسیر **"طبل"** سے موجود ہے، **"والغبیراء"** مکئی کی شراب اسکو **"سکرکہ"** بھی کہتے ہیں یہ حرمت میں **"خمر"** کے مانند ہے، امام صاحب کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اتنی مقدار میں پی جائے کہ نشہ آجائے، تب

یہ "**خمر**" کے حکم میں ہے۔"**کل مسکر**" اس کی وضاحت ماقبل میں گذر چکی ہے۔
(مرقاۃ الفاتیح: ۱۱۵/۴، التعلیق الصبیح: ۱۹۱/۴)

شراب کے عادی پر وعید

{۳۴۸۷} **وَعَنْهُ** عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَلَا قَمَّارٌ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ۔ (رواہ الدارمی) وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا وَلَدُ زِنْيَةٍ بَدَلَ قَمَّارٍ۔

حوالہ: دارمی: ۱۵۳/۲، باب فی مدمن الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۰۹۳۔

حل لغات: **عق اباہٗ:** نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت انجام نہ دینا، **ادمن الشراب:** شراب وغیرہ کا عادی و پابند ہونا، **الزنیۃ:** بدکارہ، **ابن زنیۃ:** حرامی کا لڑکا، بدکار عورت کا لڑکا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کا نافرمان جنت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ جوا کھیلنے والا، نہ احسان جتانے والا، اور نہ ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل ہوگا۔ (دارمی) اور دارمی کی ایک روایت میں "**قمار**" کی جگہ، "**ولدزنا**" کا تذکرہ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں چند اللہ کے نافرمانوں کا ذکر ہے، یہ اپنے گناہوں کی بدولت جنت سے محروم ہوں گے۔

(۱)...... والدین کا نافرمان، والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، والدین کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے، لہٰذا والدین کا نافرمان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، یہ دنیا و آخرت دونوں جہان میں محروم ہوگا۔

(۲)...... ہر قسم کا جوا قمار ہے اور یہ حرام ہے اس کا عادی بھی جہنمی ہے۔

(۳)...... غریبوں اور فقیروں کو دے کر احسان جتانا بہت بڑا گناہ ہے، اس عمل قبیح کا مرتکب بھی جنت سے محروم ہوگا۔

(۴)......شراب کا عادی جنت میں نہ جائے گا۔

بعض احادیث میں ''ولدزنا'' کا جو ذکر ہے وہ تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ زنا سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے، اس میں بچہ کا کوئی قصور نہیں، حرام کاری کا ارتکاب تو ان لوگوں نے کیا ہے، جو اسکے وجود میں آنے کا ذریعہ بنے ہیں۔

لا یدخل الجنة: جنت میں داخل نہ ہوگا یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے یا یہ مراد ہے کہ جنت میں سابقین اولین کے ساتھ دخول نصیب نہ ہوگا۔

عاق: والدین کا نافرمان چوں کہ انسان کے وجود میں آنے کا ظاہری سبب والدین ہیں، اسلئے اشراک باللہ کے بعد سب سے بڑا جرم والدین کی نافرمانی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر اپنی عبادت کے معاً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک اور انکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔''قمار'' جوا کھیلنے والا جنت میں نہ جائے گا،''قمار'' کہتے ہیں جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے کہ جس کے وجود و عدم دونوں جانبین مساوی ہوں، اور اسی بنا پر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبین بھی برابر ہوں، قمار کی ہزارہا قسمیں رائج ہو چکی ہیں، سب حرام ہیں اور اس کا مرتکب بہت بڑا گنہگار ہے، **"منان"** صدقہ کرنے کے بعد احسان جتانے والا، جو شخص صدقہ کرنے کے بعد احسان جتائے گا، اس سے صدقہ کالعدم ہو کر باطل ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو ثواب کے بجائے عذاب جھیلنا ہوگا، **"ولا مدمن خمر"**۔ شراب کا عادی بھی جنت سے محروم ہوگا، شراب کے عادی شخص کی بہت بڑی محرومی یہ ہے کہ اس سے توبہ کی توفیق بھی چھین لی جاتی ہے، **"ولدزنية"** ولدزنا جنت سے اس معنیٰ کرکے محروم ہوگا کہ اس کو باپ کی سرپرستی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے برے اعمال کی عادت پڑے گی، جو اس کے لئے محرومی کا سبب بنے گا، بذات خود زنا سے پیدا ہونے میں لڑکے کا کوئی قصور نہیں ہے، لہٰذا خالی اس سبب کی بنا پر جنت سے محروم نہ ہوگا۔

(فیض المشکوۃ:۵۱۶/۶، مرقاۃ المفاتیح:۱۱۶/۴، التعلیق الصبیح:۱۹۱/۴)

شراب چھوڑنے پر بشارت

{۳۴۸۸} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللہَ تَعَالیٰ بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ وَھُدًی لِلْعَالَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاھِلِیَّةِ وَحَلَفَ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِیْ لَا یَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِیْ جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُهُ مِنَ الصَّدِیْدِ مِثْلَھَا وَلَا یَتْرُکُھَا مِنْ مَخَافَتِیْ اِلَّا سَقَیْتُهُ مِنْ حِیَاضِ الْقُدُسِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد:۵/۲۵۷۔

حل لغات: محق: **الشیٔ محقاً**، زائل کرنا، برباد کرنا، **المعازف:** یہ جمع ہے، **المعزف:** کی باجہ ساز، آلہ موسیقی سارنگی وغیرہ، **والمزامیر:** یہ جمع ہے **المزمار،** کی بانسری یا اس جیسا منہ سے بجائے جانے والا باجا بین، بینڈ۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور سارے جہاں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے مجھ کو میرے رب بزرگ و برتر نے باجوں، بانسریوں، بتوں صلیبوں، اور جاہلیت کے کام مٹانے کیلئے بھیجا ہے، اور میرے رب بزرگ و برتر نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ میری عزت کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ ایک گھونٹ شراب بھی پیئے گا تو اسکو اسی کے بقدر پیپ پلاؤں گا، اور جو بندہ اس کو میرے ڈر سے چھوڑ دے گا، تو میں اس کو پاک حوضوں سے پلاؤں گا۔ (احمد)

تشریح: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل عالم کے لئے باعث رحمت اور باعث ہدایت ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے گانے بجانے اور لہو ولعب کے آلات سے امت کو روکنے کی ہدایت دی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے ان چیزوں سے روکا، بتوں کی پوجا پاٹ غیر قوموں کی علامات ونشانات اختیار کرنے سے منع فرمایا، خصوصاً صلیب کا نشان جس کو عیسائی اپنے لئے لازم سمجھتے ہیں اس کو

اختیار کرنے سے منع فرمایا، جاہلانہ رسوم ورواج مثلاً نوحہ، ماتم اور دیگر خرافات پر سختی سے روک لگائی، اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے شرابیوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سخت وعید ہے وہ بھی بیان فرمائی ہے، جو شخص دنیا میں جس مقدار میں شراب پیئے گا، آخرت میں اس کو اتنی ہی مقدار میں جہنمیوں کی پیپ پینا ہوگی اور اگر کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے خوف سے اس سے باز رہے گا تو اللہ تعالیٰ پاکیزہ حوضوں میں سے اس کو شراب طہور پلائیں گے۔

سوال: کیا ٹائی پہننا حرام ہے کیونکہ یہ اغیار کی مشابہت ہے؟

جواب: اس بارے میں حضرت مفتی تقی صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے طبقات میں یہ بات مشہور ہے کہ ٹائی در حقیقت صلیب تھی، عیسائی لوگ صلیب لٹکایا کرتے تھے، اب ٹائی کو صلیب کا متبادل بنالیا گیا ہے، کافی تلاش کے بعد اب تک اس بات کی دلیل اور اس کا ماخذ نہیں ملا ہے، لہٰذا جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو نصاریٰ کا شعار قرار دے کر حرام قرار دینے سے توقف لسانی کرتا ہوں۔ (درس ترمذی)

حقیقت صلیب

والصلب: صاد اور لام کو ضمہ یہ صلیب کی جمع ہے جس کے معنی لغت میں علاوہ دیگر معنوں کے سولی دیا ہوا سولی پر چڑھایا ہوا ہے، کے ہیں اور یہاں پر جو معنی مراد ہیں اس کی تعیین صاحب مظاہر حق نے یہ کی ہے کہ سولی سے مراد وہ صلیبی نشان ہے جو عیسائیوں کے یہاں ایک مقدس علامت اور قومی و مذہبی نشان ہے، یعنی ایک خط دوسرے خط کو کاٹتا ہے یہ دراصل اس سولی کا نشان ہے جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چڑھایا گیا تھا اسی مناسبت سے عیسائی اس نشان کو بہت مقدس اور بابرکت سمجھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ انکے مرد وعورت اس نشان کو مختلف صورتوں میں اپنے جسم پر آویزاں رکھتے ہیں بلکہ اپنی تمام چیزوں پر بھی یہ نشان بناتے ہیں اس سے ان کا مقصد حصول برکت بھی ہوتا ہے اور اس واقعہ کی حسرت ناکی اور غمگینی کو یاد رکھنا بھی ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔

(مظاہر حق مع تخریج: ۴/۴۹۹)

تین لوگوں پر جنت حرام ہے

{۳۴۸۹} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُ وَالدَّیُّوْثُ الَّذِیْ یُقِرُّ فِیْ اَهْلِهِ الْخُبْثَ۔ (رواہ احمد والنسائی)

حوالہ: احمد: ۲/۶۹، نسائی شریف: ۲/۲۷۵، باب المنان بما اعطی، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ۲۵۶۲۔

حل لغات: **المدمن، العاق:** پہلے گذرگئی ہیں، **الدیوث**، وہ آدمی جسکو اپنے اہل خانہ کے سلسلہ میں غیرت وحمیت نہ ہو، بھڑوا، اپنے اہل وعیال کی دلالی کرنے الا، **واقر الشیٔ بالمکان:** قائم وثابت کرنا، برقرار رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے، (۱) ہمیشہ شراب پینے والا (۲) ماں باپ کا نافرمان (۳) وہ بے حیا شخص جو اپنے گھر میں خباثت کو برقرار رکھتا ہے۔ (احمد، نسائی)

تشریح: تین طرح کے لوگ جنت میں داخل نہ ہو پائیں گے، ان میں سے دو شراب کے عادی اور والدین کے نافرمان کا ذکر ما قبل میں گذر چکا، تیسرا شخص وہ ہے جو دیوث ہو، یہ شخص اپنے اہل وعیال کو بے حیائی اور بدکاری کے مواقع فراہم کرنے والا ہوا اور ان کو زنا اور اسباب زنا میں ملوث دیکھنے کے بجائے اس سے باز رکھنے کے اس کام کے کرتے رہنے کے مواقع دے یہ شخص حد درجہ بے ضمیر و بے حیاء ہے، اس کے اندر غیرت وحمیت کی کوئی رمق نہیں لہٰذا جنت کے دروازے اس پر بھی بند ہیں۔ مراد دخول اولی ہے مطلب یہ ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اشخاص ثلثہ جنت سے محروم ہیں

{۳۴۹۰} وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی

اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الرَّحِمِ وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد: ۳۹۹/۴۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔(۱) ہمیشہ شراب پینے والا (۲) رشتہ توڑنے والا (۳) جادو کی تصدیق کرنے والا۔(احمد)

تشریح: اس حدیث میں بھی تین طرح کے لوگوں کے لئے سخت وعید یعنی جنت سے محرومی کا ذکر ہے، (۱) ہمیشہ شراب پینے والا یعنی شراب کا عادی رسیا، (۲) رشتے ناطے توڑنے والا، گذشتہ حدیث میں والدین کے نافرمان کا ذکر تھا، اس میں رشتے ناطے قطع کرنے والے کا ذکر ہے، کیوں کہ یہ عام ہے اس میں والدین کا نافرمان بھی داخل ہے، (۳) جو شخص سحر کو مؤثر بالذات مانتا ہو وہ بھی جنت سے محروم ہوگا۔

قاطع الرحم: رحم سے آدمی کی قرابت ورشتہ داری مراد ہے، خواہ اصول یعنی باپ دادا کی طرف سے ہو، خواہ فروغ یعنی اولاد کی طرف سے ہو، لہٰذا رحم سے وہ تمام رشتہ دار مراد ہوں گے جن سے نسب کا تعلق ہو خواہ وہ محرم ہوں یا نہ ہوں، بعض نے رحم سے صرف محارم مراد لئے ہیں، یہ ضعیف قول ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۷/۴)

صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، قطع رحمی کا مطلب ہے رشتہ ناطے کی بنا پر جو حقوق ہیں ان کو پامال کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور یہی کمال صلہ رحمی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، "**صل من قطعك**" جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، بہر حال حدیث باب سے معلوم ہوا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں دخول اولی سے محروم ہے، یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی گندگی کے ساتھ آدمی جنت میں نہیں جائے گا، البتہ سزا پا کر پاک ہونے کے بعد جنت میں داخلہ نصیب ہوگا، اور اگر قطع رحمی حلال سمجھ کر سحر کو مؤثر بالذات سمجھ کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی تمام قسموں کو جائز سمجھتا ہے، تو وہ کافر ہے، لہٰذا اس پر ہمیشہ کے لئے جنت کے

دروازے بند ہیں، اور اگر کوئی حرام سمجھ کر اس کو اختیار کرتا ہے تو یہ فسق ہے، لہٰذا گناہ کی سزا جھیل کر جنت میں میں جانا نصیب ہوگا، دخول اولی سے محرومی ہوگی۔

شرابی کے عادی کا خطرناک انجام

{۳۴۹۱} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللهَ تَعَالٰى كَعَابِدِ وَثَنٍ۔ (رواہ احمد) وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ وَقَالَ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيْخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ۔

حوالہ: احمد: ۱/ ۲۷۲، ابن ماجہ: ۲۴۲، باب مدمن الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۳۳۷۵، بیہقی فی شعب الایمان: ۱۲ / ۵ / ۱۳، باب فی المطاعم والشارب، حدیث نمبر: ۵۵۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ شراب پینے والا اگر مرگیا، (شرابی ہونے کی حالت میں) تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا، جیسے کہ بت کی پوجا کرنے والا (احمد) ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، جبکہ بیہقی نے محمد بن عبید اللہ سے ان کے والد کے واسطے سے نقل کی ہے، اور کہا کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں محمد بن عبید اللہ عن ابیہ کی سند سے روایت نقل کی ہے۔

تشریح: ان مات: یعنی اپنی ہمیشگی شراب نوشی کے ساتھ اگر مرگیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے، "ان" بمعنی "اذا" ہو "لقی اللہ تعالیٰ" یعنی وہ اللہ سے ملے گا، اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے اور اس کی یہ ملاقات "کعابد وثن" بت پرست کی سی ملاقات ہوگی اور ظاہر ہے بت پرست سے اللہ کا غصہ کتنا شدید ہے وہ معلوم ہے البتہ یہ زجر شدید اور وعید کے طور پر ہی فرمایا گیا ہے اس کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ "فی الشعب الایمان عن محمد بن عبید اللہ" یہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ **فی التاریخ عن محمد عبد اللہ** یہ مکبرہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۷/ ۱۱۷/ ۴، شرح الطیبی: ۲۱۵/ ۷، تعلیق: ۱۹۲/ ۴)

شراب نوشی شرک کی طرح ہے

{۳۴۹۲} **وَعَنْ** اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ مَا اُبَالِیْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ ھٰذِہٖ السَّارِیَۃَ دُوْنَ اللّٰہِ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۱/۲۸۱، بیھقی فی شعب الایمان: ۸/۳۱۴، باب ذکر الروایات المغلظات فی شرب الخمر، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۵۶۶۳۔

حل لغات: السارية: ستون، کھمبا، شہتیر، بانس، پول،

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا ہوں کہ شراب پیوں، یا اللہ کے علاوہ اس ستون کی عبادت کروں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: دون اللہ: یہ حال مؤکدہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر ان کی عبادت کرنے لگ جاؤں مطلب یہ کہ شراب پینا اتنا برا ہے کہ اگر میں اس کو پیوں تو پھر بت پرست بلکہ اس سے بے جان و بے حقیقت کھمبے کو پوجوں ان دونوں میں فرق نہیں، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی ان دونوں معاملہ میں برابری کرنے میں مجھے کوئی پرواہ نہیں، اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حدیث کا جملہ "**کعابد وثن**" سے زیادہ بلیغ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۷/۱۱۷/۴، شرح الطیبی: ۷/۲۱۵)

{کتاب الامارۃ والقضاء}

امارت وقضاء کا بیان

اس باب کے تحت ساٹھ (۵۹) احادیث مبارکہ ذکر کی گئی ہیں، جن میں اطاعت امیر کی تلقین، بغاوت امیر سے گریز، تفریق ڈالنے والے امیر سے مقابلہ، بغیر طلب عہدۂ قضاء کا ملنا اللہ کی مدد کا سبب ہے حاکم سے رعایا کے بارے میں باز پرس، رعایا پر ظلم کا گناہ، امام عادل کے لئے نور کے منبر، عورت کی حکومت پر وعید، ظالم حاکم کی تائید کا گناہ اور ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا بڑا جہاد ہے وغیرہ احکامات سے متعلق روایتیں بیان کی گئی ہیں۔ (فیض المشکوۃ:۷/۱۰)

یہاں چند امور قابل ذکر ہیں

(۱)......اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲)......امارۃ اور قضاء دونوں کو یکجا ذکر کرنے کی وجہ یعنی ان دونوں کے درمیان مناسبت (۳)......امارۃ اور قضا، ہر ایک کے معنی (۴)......قضا اور احکام میں فرق (۵)......قاضی اور امیر میں فرق (۶)......قاضی اور مفتی میں فرق (۷)......کون عہدہ کا طالب ہے؟ (۸)......کس کو قاضی بنایا جائے؟ (۹)......امیر و حاکم بنانے کا طریقہ (۱۰)......امیر و حاکم بنانے کی شورائی سنت کس نے جاری کی؟ (۱۱)...... امراء کے ساتھ معاملات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی ہدایات مہمہ (۱۲)......اس کتاب **(الامارۃ والقضاء)** سے متعلق چند آیات مبارکہ۔

{۱}......ماقبل سے مناسبت

اس کتاب کی مناسبت کتاب الحدود (جو اس سے پہلے مذکور رہے) سے اس طور پر ہے کہ حد جمع ہے حدود کی اور حد کہا جاتا ہے ایسی سزا جس کو شریعت نے برائے حق اللہ مقرر و متعین کیا ہے اور حق اللہ

نافذ کرنے کے لئے بلاشبہ قاضی وحاکم کی ضرورت ہے اسلئے کتاب الحدود کے بعد کتاب الامارۃ والقضا کو ذکر کیا گیا ہے۔(مستفاد الدر المنضود:۴۴۰/۵)

{۲}...... یکجا ذکر کرنے کی وجہ

منصف رحمۃ اللہ علیہ نے امارت وقضاء دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، جس کی وجہ ان کے طرز سے معلوم ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اس "**کتاب الامارۃ والقضاء**" کے تحت امارۃ اور قضاء دونوں طرح کی حدیثیں ذکر کیں ان کے اس صنیع سے امارۃ اور قضاء کو یکجا جمع کرنے کی لم معلوم ہوئی وہ یہ کہ دونوں (حاکم وقاضی) کا فعل مشترک ہے یعنی مقرر کردہ سزائے شریعت کو نافذ کرنے میں دونوں مشترک ہیں کیونکہ نافذ کرنے کے لئے حاکم کے حکم کی ضرورت ہے اور اس حکم کو نافذ کرنے کے لئے قاضی کی بھی ضرورت ہے اور ایک ہی سزا میں گویا، (حاکم وقاضی) دونوں مشترک ہیں اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امارۃ وقضاء کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔(مستفاد الدر المنضود:۴۴۰/۵)

{۳}...... امارۃ وقضا کے معنی

امارۃ: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ سرداری اور حکمرانی کے معنی ہیں اور فتحہ کے ساتھ علامت کے معنی ہیں اور "**قضاء**" کے معنی حکم کے ہیں یہاں مراد شرعی عدالت ہے، یعنی حکومت کی طرف سے کسی پر ذمہ داری دینا تاکہ وہ لوگوں کے مخاصمت میں فیصلہ کرے۔(درس مشکوۃ:۱۰۱/۳)

فائدہ: اسلام میں نظام حکومت کے یہ دو بنیادی ستون ہیں۔

(۱)......قاضی، جماعت مسلمین کے لئے کسی امیر یا خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ بعض مصلحتیں ایسی ہیں جو خلیفہ کے وجود کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔

(۱)......وہ مصلحتیں جو نظام مملکت سے تعلق رکھتی ہیں یعنی اگر مسلمان پر دشمن حملہ آور ہو اور انکو زیر کرنا چاہے تو اس کو ہٹانا، مظلوم سے ظالم کو روکنا، مقدمات کے فیصلے کرنا، مملکت کو افتراق وانتشار سے بچانا۔

(۲)......وہ مصلحتیں جو ملت سے تعلق رکھتی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ دین اسلام کو دوسرے ادیان پر

رفعت و بلندی حاصل ہے اور یہ شان اسی وقت بلند رہ سکتی ہے جب مسلمانوں کا کوئی خلیفہ وامیر ہو اور وہ دو کام کرے۔

اول: اس شخص کو سخت سرزنش کرے جو ملت سے نکل آئے اور ایسے کام کرنے لگے جو صریح حرام ہیں جیسے سودی لین دین، زنا، شراب اور چوری وغیرہ یا وہ کام چھوڑ دے جو قطعی فرض ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ۔

دوم: دوسرے ادیان والوں کو زیر کرے اور ان سے جزیہ وصول کرے کہ وہ بذات خود ذلت سے دیں، اگر جماعت مسلمین کے لئے ایسا خلیفہ نہ ہوگا تو سب مساوی ہو جائیں گے، ایک فریق پر فوقیت ظاہر نہیں ہوگی اور سرکشوں کو لگام دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

قاضی: کا ہونا بھی ضروری ہے لوگوں کے درمیان کثرت سے نزاعات پیش آتے ہیں، جو سخت ضرر رساں ہوتے ہیں اس سے آپس میں بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے، آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں حقوق کی پامالی کا رجحان بڑھتا ہے، اور یہ چیز انسان کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ آدمی کسی دین کی پیروی نہ کرے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر علاقہ میں ایسے حضرات مقرر کئے جائیں جو حق کے ساتھ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں اور طاقت کے ذریعہ لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ ان فیصلوں کو مانیں اور تسلیم کریں وہ فیصلے ان کی مرضی کے موافق ہوں یا مخالف چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے خود مدینہ میں بحیثیت قاضی کے فیصلے کئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور قاضیوں کو ہدایات دیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء و مسلمانوں کا مسلسل اس پر عمل رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکیمانہ مزاج مبارک یہ ہے کہ جہاں بھی انسانوں کا آپس میں دوطرفہ حقوق کا تعلق ہوتا ہے وہاں ہر جانب کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور اپنے حقوق کی وصولیابی میں رواداری سے کام لے، اس حکمت بالغہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانبین میں ادائیگی حقوق کا اہتمام اور آپس میں محبت وانس کی خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے معاشرہ امن وامان اور اصلاح کا گہوارہ بن جاتا ہے، اس کے برعکس شر پسند اور فساد انگیز لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر جانب کو اکساتے ہیں کہ تمہارے حقوق غصب ہو رہے ہیں جس کے نتیجہ میں ہر شخص یہ بھول جاتا ہے کہ مجھے

بھی کسی کے کچھ حقوق ادا کرنے ہیں اپنے چند حقوق کی خود تجویز کردہ فہرست لے کر ہر شخص دوسرے سے برسرپیکار ہوتا ہے، مگر اس طریق کار سے کسی کو حقوق تو کیا ملتے پورا معاشرہ بدامنی و خانہ جنگی کا شکار ہوجاتا ہے، باہمی کشمکش اور طبقاتی جنگوں کی فضاء پیدا ہوجاتی ہے۔

سلطان امیر وقت اور عوام محکومین میں بھی دوطرفہ حقوق کا نہایت نازک تعلق ہوتا ہے، یہاں بھی حضور اکرم ﷺ کا وہی حکیمانہ انداز ہے کہ امراء و سلاطین کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عوام کے حقوق کا پورا لحاظ رکھیں، اگر عوام کی طرف سے تکالیف کا سامنا ہو تو شاہی حلم کا مظاہرہ کریں دوسری طرف عوام کو یہ فرمایا کہ جائز امور کی حد تک امراء کی مکمل اطاعت کی جائے، اگر ان کی طرف سے ناگوار حالات پیش آئیں تو صبر و تحمل سے کام لیں، تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی دونوں طرف سے آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات کا پاس رکھا گیا ہے، تو قوموں میں خوشحالیاں پیدا ہوئی ہیں، اور ان اصولوں کو چھوڑ کر کسی نے بدامنی اور شر و فساد کے علاوہ اور کچھ نہیں کمایا۔

اس باب میں آنحضرت ﷺ کی وہ احادیث زیادہ تر پیش کی گئی ہیں جن میں عوام کے ذمہ امراء کے حقوق بیان ہوئے ہیں، امراء کے ذمہ عوام کے حقوق سے متعلقہ احادیث دوسرے مقامات پر ذکر ہوئی ہیں ان میں سے کافی احادیث آئندہ "باب ما على الولاة من التيسير" میں بھی آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (فیض المشکوۃ: ۱۲/ ۷)

{۴}......قضا اور احکام میں فرق

قضا اور احکام دونوں کا حاصل ایک ہی ہے صرف تعبیر کا فرق ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ابواب الاحکام قائم کیا اس لئے کہ احکام سے مراد ترمذی میں احکام قاضی ہیں، لہٰذا دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا۔ (الدر المنضود: ۴۴۰/ ۵)

{۵}......قاضی اور امیر میں فرق

الامیر یامر بالشئ والقاضی یقضی بالظاہر: یعنی حکم کا تعلق امیر سے ہے اور قضا کا تعلق قاضی سے ہے۔

{۶}......قاضی اور مفتی میں فرق

مفتی کہتے ہیں ایسے شخص کو جو فتوؤں کے جواب دے مسلمانوں کی جانب سے اس میں متعین کرنا ضروری نہیں، قاضی وہ شخص ہے جس کو مسلمان یا بادشاہ یا امیر المؤمنین نے احکام شریعت نافذ کرنے کیلئے متعین کیا ہو۔ (مآرب الطلبہ: ۱۷۳)

{۷}......کون عہدہ کا طالب ہے؟

کون عہدہ کا طالب ہے اور کس کو زبردستی ذمہ داری سونپی گئی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں دنیا میں کوئی شخص اس کا اقراری نہیں کہ وہ عہدہ چاہتا ہے، الیکشن میں بھی یہ قانون ہے کہ کوئی امیدوار خود امیدوار نہیں بن سکتا، لوگ اس کی سفارش کرتے ہیں مگر ہر شخص حقیقت حال سے واقف ہے کہ وہ سفارشی اس کے ایجنٹ ہوتے ہیں اور امیدواران کے ذریعہ اپنے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔

لیکن اگر واقعی کوئی شخص ایسا ہو جس کو زبردستی عہدہ سونپا گیا ہو اور وہ عہدہ کا قطعاً طالب نہ ہو تو لوگ ضرور اس کا تعاون کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتے ہیں اور عہدہ کے طالب کی کوئی مدد نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۲۵۰/ ۴، تکملہ: ۲۲۹/ ۹)

فائدہ: لیکن اس زمانہ میں اگر عہدہ کا طالب کوئی نہ ہو تو کسی کو عہدہ کی ذمہ داری نہیں سونپی جائے گی خاص طور سے علماء کو کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عہدہ صرف عوام (کالج یونیورسٹی میں پڑھنے والے) کا کام ہے، اور علماء کا کام صرف مسجد میں امامت کرنا اور مدرسہ میں پڑھنا پڑھانا اور مروجہ تبلیغ کا کام کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول و مصروف رہنا حالانکہ یہ شریعت کی منشا کے خلاف ہے شریعت کا

تقاضا یہ ہے کہ کوئی عالم یا شریعت کا علم رکھنے والا حکومت کرے اور لوگوں میں حکم الٰہی نافذ کرے کیونکہ حضور ﷺ کی مدنی زندگی پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امامت بھی فرمائی، مدرسہ میں بھی پڑھایا (جو اصحاب صفہ کے نام سے مشہور رہے) اور دین کی اشاعت بھی کی اور حکومت بھی کی (جو عنوان نمبر ۳/ فائدہ میں گذر چکی ہے) اس لئے اس زمانے میں عہدہ کا طالب ہونے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا جبکہ اخلاص وخدمت خلق اور حکم الٰہی کو نافذ کرنے کا ارادہ ہو کیونکہ عہدہ کے بغیر حکم الٰہی نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی: ۲۵۰/۴)

{۸}......کس کو قاضی بنایا جائے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں "**لانه لا ینظر لنفسه فکیف ینظر لغیرہ**" یعنی جو کہ اپنے نفس کی بھلائی کی رعایت نہیں کرتا وہ دوسروں کی کیا رعایت کرے گا، لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر فاسق تجربہ کار ہو کر کنٹرول پاور رکھتا ہو تو اسکو قاضی بنانا جائز ہوگا، بلکہ جاہل آدمی اگر تجربہ کار وفادار ہو کر "**اقامة الحدود وسد الثغور وتجهیز الجیوش وقهر المحاربین واقطاع الطریق**" پر قادر ہو تو اس جاہل کی قضاء بھی جائز ہے، "**لانه یقضی بفتوی غیرہ ومقصود القضاء یحصل له وهو ایصال الحق الی مستحقه کما ذکر فی الهدایة:۱۱۶/۳، والمرقاۃ:۲۰۱، تنظیم الاشتات:۲/۲، مجموعه:۸۴۳)**

{۹}......امیر وحاکم بنانے کی شورائی سنت کس نے جاری کی؟

امیر وخلیفۃ المسلمین اور صدر مقرر کرنے کا وہ طریقہ ہے جسکو خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ ابولؤلؤ المجوسی کے ایک عظیم سازش کے ماتحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارنے کے بعد تین دن تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ رہے اسی اثناء میں فرمایا: "**فان عجل بی امر فالخلافة شوری بین هؤلاء الستة الذین توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو عنهم راض**" (رواہ مسلم) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے کچھ پہلے فرمایا کہ اگر میری شہادت جلد واقع ہو جائے تو انتخاب خلیفہ

کا معاملہ چھ حضرات صحابہ کرام کے مشورہ کے سپرد رہے گا جن حضرات سے حضور اکرم ﷺ اپنی وفات تک خصوصی طور پر راضی تھے یعنی صحابی ہونے کے اعتبار سے تو تمام صحابہ کرام پر راضی تھے ان چھ حضرات پر ہر ایک خلیفہ ہونے کے جو قابل ہیں اس اعتبار سے بھی ان چھ حضرات پر راضی تھے، وہ چھ حضرات یعنی عثمان، وعلی زبیر وطلحہ عبد الرحمن بن عوف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ہیں، چنانچہ ان چھ حضرات کے مشورہ سے عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ (تنظیم الاشتات: ۸۴۳/ ۲،تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۲۷)

فائدہ: بہر حال مشورہ کے ماتحت جب خلیفہ یا صدر منتخب ہو جائے تو وہ صدر اور امیر اپنی مملکت سے ہر ہر شعبہ کے لئے لائق وفائق دیندار وامانتدار تجربہ کار لوگوں کو منتخب کر کے لائے، چنانچہ قضاء کے لئے اس انتخاب کے ماتحت قاضی مقرر کیا جائے گا۔ (تنظیم الاشتات: ۸۴۳/ ۲،تکملہ: ۹/۲۲۸)

{۱۰}......امراء کے ساتھ معاملات کے بارے میں آنحضور ﷺ کی ہدایت مہمہ

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اب ارباب حل وعقد جو معدود ومحدود ہوتے ہیں ان کے مشورہ سے انتخاب خلیفہ وامیر وصدر کے شورائی سنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا، "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین**" میری سنت کو اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑلو۔ کافروں نے جو ہر کس وناکس سے ووٹ لے کر جمہوری طریقہ رائج کیا ہے بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وہ انگریزی بدعت ہے۔ (تنظیم الاشتات: ۸۴۳/ ۲)

{۱۱}......اس کتاب کے متعلق چند ہدایات

آنحضرت ﷺ نے امراء کے ساتھ معاملات کے بارے میں جو ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

(۱)......امیر کی امارت جب شرعی طریقے سے نافذ ہو جائے تو جائز اوراموریں اس کی اطاعت ضروری

ہے، البتہ ناجائز بات کا حکم دے تو اس کی بات ماننا جائز نہیں، جائز امور میں اطاعت امیر کے لازم ہونے پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع نقل فرمایا ہے۔

(۲)......جب کسی امیر میں شرائط امارت موجود ہوں اور اس کی امارت متحقق ہو جائے تو اس کی امارت سے بغاوت یا منازعت جائز نہیں، البتہ اس کی طرف سے "**کفر بواح**" سامنے آجائے تو اب منازعت جائز ہے، "**بواح**" سے مراد ظاہر ہے، یعنی کھلم کھلا اسکی حکومت سے اسلام کا نقصان ہو رہا ہو اور کفر کا فائدہ۔

(۳)......امیر کی طرف سے اگر ظلم کے ناگوار واقعات پیش آئیں تو بھی جائز امور کی اطاعت کر کے اس کا حق اداء کرتے رہو، اور اپنے حقوق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

(۴)......جب تک امیر اسلام کے اہم احکام نماز وغیرہ کا پابند رہے، مگر اس سے معاصی کا ظہور بھی ہو جاتا ہو تو بھی جائز امور میں اس کی اطاعت کرتے رہنے میں ہی امن وامان قائم رہنے کی توقع ہے۔

(۵)......امیر کی طرف سے اگر خلاف شرع قبیح حرکات سرزد ہوں تو قلبی طور پر اس کو برا سمجھنا، مناسب انداز میں اس کی اصلاح کی تدابیر سوچتے رہنا ضروری ہے، جو شخص قلباً یا عملاً اس کی ان حرکات میں شریک ہوگا اس سے بھی عند اللہ مواخذہ ہوگا۔

(۶)......بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کسی امیر وامام کا مقرر کرنا فرض اور ضروری ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ اسلامی فرائض واحکام کچھ تو ایسے ہیں جو انفرادی طور پر کئے جاسکتے ہیں، مثلاً نماز روزہ حج وغیرہ، بہت سے قطعی احکام ایسے بھی ہیں جن کو کوئی فرد واحد یا غیر منظم جماعت ادا نہیں کرسکتی، ان کے لئے ایک با اقتدار حکومت ضروری ہے، مثلاً اقامت حدود شرعیہ، جہا، سرحدوں کی حفاظت وغیرہ، عقلی طور پر ایسے فرائض کی ادائیگی کے لئے "**نصب امام**" کا ضروری ہونا واضح ہے، اور شرعی طور پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "**من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ**"۔ [جو شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت کی ذمہ داری نہیں تھی تو وہ جہالت کی موت مرا] جیسے ارشادات سے بھی نصب امام کی تاکید معلوم ہوتی ہے، اور صحابہ کرام کا اجماعی عمل بھی اس کی ضرورت پر شاہد ہے۔

(اشرف التوضیح: ۲/۵۶۰)

لیکن نصب امام کی فرضیت کو معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ شریعت کا یہ مسلمہ اصول بھی ذہن میں رہنا چاہیئے کہ اسلام کے تمام احکام قدرت واستطاعت کے ساتھ مقید ہیں، قرآن کریم کی آیت "**لا یکلف الله نفساً الا وسعها**"۔ [اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا] (سورۃ البقرہ) سے اصول ماخوذ ہے، لہٰذا جب اسلامی امیر مقرر نہ ہو، مگر مسلمانوں کو قدرت ہے کہ وہ فتنہ وفساد کے بغیر اس مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو ان کو چاہیئے کہ اس کی کوشش کریں، لیکن جب تک کامیابی کے نمایاں آثار نہ ہوں بلکہ مسلمانوں میں قتل وخونریزی اور فتنہ وفساد واقع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے موقعہ پر مسلمانوں کو چاہیئے کہ افراد سازی اور امداد وقوت پر حسب استطاعت اپنی کوششیں جاری رکھیں تا کہ نصب امام کے لئے فضا ہموار ہو سکے۔

(۷)......ایک امام کی امارت پر جب بیعت تام ہو جائے اور اس میں ولایت کی اہلیت بھی ہو تو دوسرے کے لئے مطالبہ بیعت کرنا یا دوسرے کی امارت پر بیعت کرنا جائز نہیں، اگر دوسری بیعت ہو بھی جائے تو وہ معتبر نہیں ہوگی، اور بعض روایات میں جو دوسرے خلیفہ کو قتل کر دینا کا حکم ہے یا تو اس سے مراد ابطال بیعت ہے یا مطلب یہ ہے کہ جب بغیر قتل کے اس کا شر دفع نہ ہو سکتا ہو تو قتل کی اجازت ہے۔

(۸)......امارت کا خود مطالبہ کرنا مستحسن نہیں ہے۔

(۹)......حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ عورت کی ولایت وامارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ (اشرف التوضیح: ۵۶۱/۲)

{۱۲}......اس کتاب (کتاب الامارۃ والقضاء) کے متعلق چند آیتیں

قال الله تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ

صاحب اختیار ہوں ان کی بھی ۔(سورۃ النساء آیت:۵۹)

وقال تعالىٰ: وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ط إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقین جانو اللہ تم کو جس چیز کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے ۔(سورۃ النساء آیت:۵۸)

وقال تعالىٰ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ "بے شک اللہ تعالیٰ انصاف، کا احسان کا، اور رشتہ داروں کو ان کے حقوق دینے کا حکم دیتا ہے ۔(سورۃ النحل، آیت:۹۰)

وقال تعالىٰ: وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو ۔(سورۃ الانعام، آیت:۱۵۲)

وقال تعالىٰ: يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی ۔(سورۃ ص، آیت:۲۶)

وقال تعالىٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو! اللہ کی خاطر گواہی دینے والے چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ۔

(سورۃ النساء:۱۳۵)

وقال تعالىٰ: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ ظالم ہیں ۔(سورۃ المائدہ، آیت:۴۵)

وقال تعالىٰ: ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل وتدلوبها الى الحكام لتأكلوا فريقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ ہو ۔(سورۃ البقرہ)

{الفصل الاول}

امیر کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے

{۳۴۹۳} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذَالِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۱۵، باب مایقاتل من وراء الامام یتقی به، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۹۵۷، مسلم شریف: ۲/۱۲۴، باب وجوب طاعة الامراء کتاب الامارة، حدیث نمبر: ۱۸۳۵۔

ان الحدیث مشتملة علی خمس بحوث: الاول تحقیق الالفاظ، والثانی الترجمة، الثالث مطلب الحدیث، والرابع تشریح کلمات الحدیث، الخامس الفائدة المهمة۔

حل لغات: جنة: ڈھال، ڈھانکنے کی چیز، ذریعہ حفاظت، جیسے کہتے ہیں، **"الصوم جنة"** روزہ خواہشات نفسانی سے بچنے کا ذریعہ ہے، (ج) **جنن: وراء** کسی کی آنکھ سے اوجھل، پیچھے ہو یا آگے، قرآن کریم میں **"من ورائه جهنم"** اس کے آگے (سامنے) دوزخ ہے، **سواء:** قرآن کریم میں ہے، **"فمن ابتغی رواء ذالك"** پس جو اس کے سوا چاہے، **"یتقی: اتقی بالشئ:** کسی چیز کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرنا، **(افتعال) الله:** خدا کا خوف دل میں رکھنا سزا کے ڈر سے اس کی منع کی ہوئی چیز سے بچنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے

میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور جو امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت میری اطاعت کرتا ہے، اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے، اور بلاشبہ امام ڈھال ہے، اس کے پیچھے رہ کر لڑا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے بچا جاتا ہے، تو اگر امام نے اللہ سے ڈرنے کا حکم کیا اور انصاف کیا، تو بیشک اس کے ذریعہ سے اس کو اجر ملے گا، اور اگر اس کے سواء کیا تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر المؤمنین کی اطاعت کی بھی ترغیب دی گئی ہے، اور امیر کی نافرمانی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم رہے اور ان میں افتراق وانتشار کی صورت پیدا نہ ہو۔

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مواقع پر اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل اللہ ہی کی اطاعت کہلائے گی۔

ومن یطع الامیر فقد اطاعنی: امیر سے مراد "اولی الامر" ہیں، یعنی وہ شخص جس کے ہاتھ میں کسی چیز کا انتظام ہو، اس میں علماء وفقہاء بھی شامل ہیں اور وہ حکام بھی شامل ہیں، جو نظام حکومت کو چلاتے ہیں، ان کی اطاعت بھی لازم ہے، لیکن اگر شریعت کے خلاف حکم دیں تو پھر اطاعت نہیں، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔

لا طاعۃ فی معصیۃ: گناہ کے کام میں فرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔

ومن یعص الامیر فقد عصانی: امیر کی نافرمانی حضور ﷺ کی نافرمانی ہے اور یہ سخت گناہ کا عمل ہے، مسلم شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک چھوٹا سا دستہ روانہ فرمایا اور ایک انصاری شخص کو ان لوگوں کا امیر مقرر کیا، اور آنحضرت ﷺ نے تمام لوگوں کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ اپنے امیر کی بات سننا اور ماننا، لوگوں کی کسی حرکت سے امیر ناراض ہو گئے تو امیر نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایندھن کی لکڑیاں اکٹھی کرو، جب لکڑیاں جمع ہو گئیں، تو انہوں نے اس کے جلانے کا حکم کیا، جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو لوگوں کو مخاطب

کر کے کہا کہ کیا تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے میری بات ماننے اور قبول کرنے کی تاکید نہیں فرمائی تھی؟ لوگوں نے کہا کہ بے شک حضور ﷺ نے تاکید فرمائی تھی، تو اس انصاری امیر نے کہا کہ تم لوگ اس آگ میں داخل ہو جاؤ، تو ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ ہم نے آگ سے بچنے کے لئے ہی تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اختیار کی ہے اسلئے ہم آگ میں داخل نہیں ہو سکتے اسی طرح گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ امیر صاحب کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا ادھر آگ بھی بجھ گئی جب یہ جماعت واپس آئی اور حضور اکرم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر نکل نہیں پاتے یعنی ہمیشہ آگ ہی میں رہتے، بلاشبہ نیک کام میں اطاعت لازم ہے کسی معصیت اور نافرمانی کے کام میں امیر کی اطاعت جائز نہیں اور آگ میں داخل ہونے کا حکم خود ناجائز تھا۔

انما الامام جنة: امام مسلمانوں کیلئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح ڈھال کے ذریعہ سے دشمن کے حملہ سے بچا جاتا ہے اسی طرح امام کے ذریعہ سے بھی دشمن کے حملوں سے حفاظت حاصل ہوتی ہے، صلح یا قتال کے جو بھی معاہدے ہوتے ہیں ان کا تعلق براہ راست امام سے ہوتا ہے عوام سے نہیں ہوتا ہے، لہٰذا عوام کو امام کے فیصلوں کا اتباع کرنا چاہئے۔

یقاتل به من ورائه: مشرکین کے ساتھ قتال میں امام ہی کی رائے چلتی ہیں، لہٰذا لوگوں کو اسی کی رائے پر چلنا چاہئے، اپنی مرضی امام پر تھوپنا نہیں چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۳/ ۷، مرقاۃ: ۱۱۱/ ۴)

فان امر بتقوی الله: اس جز میں ائمہ کو اس بات کی ترغیب ہے کہ وہ فیصلوں میں انصاف سے کام لیں اور رعایا کو شریعت کی اتباع کی تاکید کریں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو شخص عدل اور انصاف قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کو ہرگز منصب قبول نہیں کرنا چاہئے، ایک موقع پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے کسی جگہ کا حاکم مقرر کئے جانے کی درخواست کی، تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: "**یا اباذر! انك ضعيف وانها امانة وانها يوم القيامة خزي وندامة الا من اخذ بحقها وادى الذي عليه فيها**"۔ اے ابوذر! آپ کمزور شخص ہیں، اور عہدہ ایک امانت ہے، جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت

ورسوائی ہوگی، سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا کردیا ہو۔

فان له بذالک اجرا: جو شخص حکم شرع کے مطابق فیصلے کرے گا اس کے لئے اجر عظیم ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ بروز قیامت امام عادل کو اللہ کے عرش کا سایہ عطا ہوگا، ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام عادل اللہ کا محبوب اور قریب ترین انسان ہے، جب کہ ظالم اللہ کی رحمت وعنایت سے دور ہے۔

وان قال بغیره: اور اگر عدل وانصاف کے خلاف کیا، قول یہاں فعل کے معنی میں ہے، بعض شراح کی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں **"قال"** امر کے معنی میں ہے، یعنی کسی نے غیر عادلانہ فیصلہ کیا۔ (فتح الباری)

فان علیه منه: غلط فیصلہ کا عذاب اور وبال غلط فیصلہ کرنے والے پر ہوگا، صاحب تکملہ فتح الملہم فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر امام غیر منصفانہ فیصلہ کرے تو بھی اس کے خلاف بغاوت سے گریز کرنا چاہئے، جیسا کہ فرمان ہے: **"لا تخرجوا علیه فانه سیؤثم بترك العدل فی الآخرة"** امام کے خلاف خروج نہ کرو بے شک وہ گنہگار ہوگا آخرت میں ترک عدل کی بنا پر۔

(تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۷۶)

فائده: امام کے ذریعہ سے مسلمانوں کی قوت واجتماع ہوتا ہے اور امام جمیع امور میں بمنزلہ ڈھال کے ہے صرف قتال کو اہمیت کے پیش نظر ذکر کیا، لہٰذا ہر امر میں اس کی اطاعت ضروری ہے سوائے معصیت کے، **"لانه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"** [خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں] مباح امور میں امیر کی اطاعت لازم ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی" حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنو!! اور اطاعت کرو، اگر حبشی غلام کو تم پر حاکم بنادیا جائے۔ نیز فرمایا **"السمع والطاعة علی المرأ المسلم فیما احب وکره مالم یامر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة"** مسلمان مرد پر ہر پسند اور ناپسند چیز میں سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے، جب تک وہ (حاکم) کسی معصیت کا حکم نہ کرے، پس جب وہ کسی معصیت کا حکم

کرے تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت کرنا ہے لیکن اگر وہ نافرمانی کرے تو اس کو سمجھائے، اسکے خلاف بغاوت نہ کرے، کیونکہ بغاوت سے جان و مال کا بڑا نقصان اور فتنہ عظیم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "**والفتنة اشد من القتل**" آنحضرت ﷺ نے بار بار تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ "**الا من ولی علیه وال فراٰه یاتی شیئا من معصیة الله فلیکره ما یاتی من معصیة الله ولا ینزع یدا من طاعة**" خبردار! جس شخص پر کوئی والی مقرر کیا جائے اور وہ اسکو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھے تو وہ اس معصیت کو ناپسند کرے، مگر اسکی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ (رواہ مسلم، درس مشکوۃ: ۱۰۱/۳)

البتہ اگر امیر یا صدر کھلم کھلا قرآن وسنت کی مخالفت کرنے لگے اور سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ (فتح الملہم: ۲۶۷/۹)

ناک کٹے امیر کی اطاعت

{۳۴۹۴} **وَعَنْ** اُمِّ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۱۹/۱، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۳۹۸۔

ان الحدیث تشتمل علی ست ابحاث: الاول تحقیق الالفاظ، الثانی ترجمۃ الحدیث، الثالث مراد الحدیث، الرابع تشریح کلمات الحدیث، الخامس توضیح الحدیث، السادس اشکال مع جواب۔

حل لغات: **امر:** یہاں مجہول ہے، **امر: تفعیل، فلانا،** امیر مقرر کرنا، حاکم بنانا، **عبد:** غلام، محکوم، (ج) **عبید، وعبد، مجدع:** ناک کٹا ہوا، **جدع: (تفعیل) فلانا جدعاً:** بددعا کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ تجھے عیب دار کرے، **یقود، قاد: (ن) قیادۃ الامۃ:** قیادت کرنا، رہنمائی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم پر کوئی ایسا شخص حاکم مقرر کیا جائے جو غلام ہو اور اسکے کان ناک کٹے ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق تم پر حکومت کرے، تو تم اس کی بات سنو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ (مسلم)

تشریح: ان امر علیکم عبد مجدع: اس جز سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حاکم خواہ کیسا بھی کمترین، بدصورت اور بدشکل ہو، اس کی اطاعت لازم ہے، البتہ اگر گناہ کا حکم کرے تو اطاعت نہیں کی جائیگی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی "**اولی الامر منکم**" کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر حاکم کسی مباح کام کا حکم کرے تو وہ مباح کام واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر وہ کسی مباح کام سے روک دے تو وہ مباح کام ناجائز ہو جاتا ہے، معلوم ہوا کہ مباح امور میں قانون کی پابندی لازم ہے۔ (مرقاۃ: ۱۱۸/ ۴، فیض المشکوۃ: ۱۴/ ۷)

یہ غلام کا تذکرہ بطور مبالغہ ہے اس کی نظیر وہ روایت ہے کہ جس میں ہے کہ جس شخص نے چڑیا کے گھونسلے کے برابر مسجد بنائی، حالانکہ کوئی مسجد چڑیا کے گھونسلے کے برابر نہیں ہوتی مگر مقصد مبالغہ ہے، یا پھر غلام سے مراد نائب سلطان یا کسی علاقے کا حاکم وگورنر مراد ہے، یا خلیفہ اکبر کا نائب مراد ہے ورنہ غلام امیر وامام نہیں ہوسکتا اور تمام احادیث میں نکٹا اور کنکٹا بطور حقارت وخواری کہا گیا ہے۔

(مظاہر حق مع تخریج: ۵۰۳/ ۴، مرقاۃ: ۱۱۸/ ۴)

اشکال: حدیث میں **عبد مجدع** یعنی کان کٹے غلام کی اطاعت کی تاکید ہے، کیا غلام امیر بن سکتا ہے؟

جواب: تفصیلات اگلی حدیث کے تحت نقل کی جائیں گی، یہاں مختصراً اتنا سمجھ لیا جائے گا کہ منشائے حدیث یہ ہے کہ اگر زور زبردستی کر کے نااہل شخص بھی حاکم بن جائے تو وہ کتنا بھی نااہل ہو، اس کی مباحات میں اطاعت کی جائے گی، اور جو شریعت کے مطابق اس کے فیصلے ہوں گے ان پر عمل کیا جائے گا، یا پھر یہاں امیر سے امیر کا نائب اور اس کا قائم مقام مراد ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۵/ ۷)

حبشی غلام امیر کی اطاعت

{۳۴۹۵} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبْشِیٌّ کَاَنَّ رَأْسَہٗ زَبِیْبَۃٌ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۵۷، باب السمع والطاعۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۴۲۔

حل لغات: استعمل: (استفعال) حاکم بنانا، کسی سے کام لینا، زبیبۃ: کشمش کا دانہ، الزبیب: خشک انگور، منقی۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو، خواہ ایسے حبشی غلام کو تم پر حاکم مقرر کر دیا جائے جس کا سر گویا منقی کی طرح ہو۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی غیر معتدل بدوضع اور رو بدہیئت غلام بھی حاکم مقرر کر دیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرنا چاہئے، کیوں کہ مخالفت کرنا مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنا ہے، مسلمانوں کی وحدت باقی رکھنے کے لئے امیر کی اطاعت بہرحال لازم ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۷/۱۵، شرح الطیبی: ۷/۱۸۰)

اسمعوا: یعنی حاکم کی بات کو سنو "**واطیعوا**" یعنی فرمانبرداری کرو اس کے حکم ونہی کی مگر اسی وقت تک جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ کرے۔ "**وان استعمل علیکم عبد حبشی**" حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۲۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت یا سلطان وقت نے اپنے ماتحت کسی حبشی وغیرہ کو عامل (گورنر وغیرہ) بنا دیا جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس امر کی صراحت بھی ہے، تو وہ صحیح ہے باقی امام اکبر خلیفہ وقت یا سلطان اعظم کے لئے شرعاً یہی بات ہے کہ وہ قریش ہو، "**الائمہ من القریش**"۔ اور طرابلس نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ قریشی ہونا اور طرابلس کے علاوہ کسی کی نقل نہیں ملی، پھر فرمایا: کہ

درحقیقت یہ مسئلہ علم فقہ کا تھا کہ کون امام اکبر ہو کون نہ ہو، مگر اس کو علم کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، اور وہیں اس کے احکام ذکر کرنے لگے ہیں۔ (انوار الباری:۱۵۱/ ۱۳)

کان راسه زبيبة: سر منقی کے مانند ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ سر چھوٹا ہو یا جگہ جگہ سے منقی کی طرح پچکا ہوا ہو، یہاں غیر معتدل ہونے میں منقی سے تشبیہ دی گئی ہے، اور یہ سب کچھ امیر کی اطاعت میں مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے۔ (فیض المشکوۃ:۱۵/ ۷، مرقاۃ:۱۱۸/ ۴، عمدۃ القاری: ۲۲۴/ ۱۲)

سوال: کیا غلام وہ بھی حبشی ہو امیر بن سکتا ہے؟

جواب: حافظ نے اس کا تفصیلی جواب نقل کیا ہے، (۱) تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غلام کو امیر بنانا درست نہیں ہے، البتہ اگر زور زبردستی وہ امیر مقرر ہو گیا تو اس کی اتباع کی جائے گی۔

(۲) یہاں غلام سے مراد وہ غلام ہے جو آزاد ہونے سے پہلے غلام تھا، یعنی امیر تو آزادی کے بعد بنا ہے۔

(۳) یہاں مراد وہ غلام ہے جس کو امیر المؤمنین نے کسی شہر کا حاکم مقرر کیا ہو، ظاہر بات ہے کہ غلام امیر المؤمنین تو مقرر نہیں کیا جا سکتا لیکن امیر المؤمنین اس کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کر سکتا ہے، ایسی صورت میں اس غلام کی اتباع لازم ہوگی۔ (فتح الباری:۱۶۰، فیض المشکوۃ:۱۵/ ۷)

فائدہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: یہاں حبشی کی امارت کا ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ جب وہ قابل اطاعت ہے تو اس کی امامت میں نماز بھی درست ہوگی، اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ سلاطین اسلام اگر ظلم بھی کریں تو انکی مخالفت کا جھنڈا نہ اٹھانا چاہئے، کیونکہ مخالفت کے نتیجہ میں اس سے بھی بدترین حالات پیش آسکتے ہیں۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ جب عبد حبشی کی اطاعت ضروری ہے جبکہ ظاہر ہے وہ قہر و غلبہ ہی کے ذریعہ حاکم و والی بنا ہوگا، کیونکہ اصل استحقاق امامت عظمی تو قریش کے لئے ہے تو اس کی اقتدا بھی درست ہونی چاہئے، مگر ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد کیا ہے اور کہا کہ یہاں مراد امام اکبر نہیں، بلکہ وہ ہے جو اس کے ماتحت کی عہدہ پر مسلط ہو گیا ہو۔ (انوار الباری:۱۰۱/ ۱۳)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ ایسے مسلط و متغلب کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ جمعہ، جماعات عید و جہاد کو قائم رکھے، مقصد یہ ہے کہ جب کسی کو تمہارا حاکم بنا دیا جائے تو اس کی

اطاعت بہرحال کرو، اگر چہ وہ کوئی حقیر اور کم درجہ کا آدمی ہو۔(انوارالمصابیح:۶۲۶/۶)

گناہ کے سوا حاکم کی اطاعت لازم ہے

{۳۴۹۶} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۵۷/۲، باب السمع والطاعۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۴۴، مسلم شریف: ۱۲۵/۲، باب وجوب طاعۃ الامراء، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۳۹۔

حل لغات: حق الامر: لازم وضروری ہونا، لحق علیك ان تفعل کذا: مناسب و جائز ہونا جیسے، یحق لک ان تفعل کذا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ+ نے فرمایا: مسلمان شخص کے لئے سننا اور ماننا لازم ہے ان چیزوں میں بھی جن کو وہ پسند کرے اور ان چیزوں میں بھی جن کو وہ ناپسند کرتا ہے، جب تک کہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے اور جب گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا چاہئے اور نہ ماننا چاہئے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کا حکم جب تک شریعت کے خلاف نہ ہو، اس کی اتباع لازم ہے اور اگر شریعت کے خلاف ہے، تو حکم شرع کے خلاف نہ کسی کی بات سنی جائے اور نہ اس پر عمل کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف فرمان ہے: "لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" پروردگار کی نافرمانی کر کے کسی کی اتباع جائز نہیں ہے۔

فیما احب اوکرہ: حاکم کی بات مرضی کے موافق ہو یا مخالف ہو بہرصورت ماننا چاہئے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں "فیما احب او کرہ" کے الفاظ ہیں، "مالم یؤمر بمعصیۃ" یہ جز ان سابقہ احادیث کے لئے قید ہے، جہاں مطلقاً امیر کی اطاعت کی تاکید ہے، اس سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ

امیر کی اطاعت اس وقت ہے جب اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو، "**فاذا امر بمعصیة**" جب امیر گناہ کا حکم کرے تو اس کا اتباع حرام ہے۔ (مسند احمد: ۲۱۲/۳) میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "**لا طاعة لمن لم یطع الله**" اس طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "**لا طاعة لمن عصی الله**"۔ اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری: ۲۲۵/۱۲)

حاکم کے حکم کو سننا اور ماننا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ خلاف طبع حکم دے یا موافق طبع البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ حکم گناہ کا نہ ہو اگر گناہ کا حکم کرے تو اس کی اطاعت لازم نہیں لیکن امام سے اس کا لڑنا جائز نہیں۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۵۰۴/۴، تکملہ: ۲۶۵/۹)

سوال: امیر معصیت کا حکم کرتا ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: مخالفت پر قادر شخص کو مخالفت کرنا چاہئے، اس پر اس کو ثواب ملے گا اور قدرت کے باوجود مدافعت نہ کرنے پر گنہگار ہوگا، جو شخص مخالفت پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے اس سرزمین سے ہجرت ضروری ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۶/۷، فتح الباری: ۱۵۳/۱۳)

فقط نیکی میں اطاعت ضروری ہے

{۳۴۹۷} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: **بخاری شریف: ۱۰۷۸/۲، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد، کتاب الاخبار الاحاد، حدیث نمبر: ۷۲۵۷، مسلم شریف: ۱۲۵/۲، باب وجوب طاعة الامراء، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۰۔**

حل لغات: **المعروف:** بھلائی، احسان، سلوک، نیکی ہر وہ فعل جس کی خوبی عقلاً و شرعاً ثابت ہو۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ کے کام میں اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف نیک کام میں کی جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شخصیت چاہے جتنی بڑی ہو اور کیسا ہی کوئی حاکم طاقت ور ہو اگر وہ کوئی ایسا کام کرنے کے لئے کہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو اس کی اطاعت جائز نہیں جو کام جائز اور شریعت کے موافق ہو اطاعت صرف اسی میں کی جا سکتی ہے۔

لاطاعۃ فی معصیۃ: امیر نافرمانی کا حکم کرے تو اس کی اطاعت نہ کی جائے، ابن ماجہ کی روایت سے یہ تفصیل سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علقمہ بن مجزز رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا سریہ سے فراغت کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے میر حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے جلدی گھر جانے کی اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت عطا کر دی، اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن حذافہ کی امارت میں روانہ ہونے والوں میں میں بھی شامل تھا، راستہ میں ایک جگہ رفقاء نے کھانے پکانے کے لئے آگ جلائی امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ بڑی ظریف الطبع شخصیت کے مالک تھے، چنانچہ انہوں نے اس موقع پر ساتھیوں سے کہا کہ "**الیس علیکم السمع والطاعۃ**" کیا امیر کی بات سننا اور ماننا تم پر لازم نہیں ہے؟ سب نے عرض کیا: "**بلی**" بالکل لازم ہے تو امیر نے فرمایا کہ کیا میں جس بات کا حکم کروں گا تو لوگ اس کو مان لوگے؟ لوگوں نے کہا کہ "**نعم**" ہاں مان لیں گے، تب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم لوگوں کو اس بات کا بھی حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ اس آگ میں کود جاؤ، جب لوگ کودنے کے لئے تیار ہو گئے تو اور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اگر میں نے ان کو روکا نہیں تو یہ اطاعت امیر کی بنیاد پر آگ میں کود جائیں گے، تو انہوں نے کہا: "**امسکوا علی انفسکم فانما کنت امزح معکم**" رک جاؤ میں تو تم لوگوں سے مذاق کر رہا تھا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ پہنچے تو اس واقعہ کا ذکر آنحضرت ﷺ کے سامنے ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "**من امرکم منھم بمعصیۃ اللہ فلا تطیعوہ**" اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی تم کو حکم کرے تو اس کی اتباع مت کرو۔

(فیض المشکوۃ: ۱۶/۷، تکملہ فتح الملہم: ۳۳۱/۳)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ کوئی حاکم یا کوئی بادشاہ ایسا حکم کرے جس میں اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو اس حاکم یا بادشاہ کی اطاعت جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ذمہ دار لوگ اس حاکم اور بادشاہ کو سمجھائیں کہ

وہ اپنا حکم واپس لیلے اور آئندہ خلاف شرع چیز کا حکم نہ کرے اور اگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو خوبصورتی کے ساتھ اس کو معزول کر کے کسی نیک وصالح پابند شرع کو حاکم مقرر کریں یہی حکم ہر باعظمت شخصیت کے لئے بھی ہے۔

حکام سے ان کے معاملے میں جھگڑا نہ کریں

{۳۴۹۸} **وَعَنْ** عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ عَلىٰ اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلىٰ اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلىٰ اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلىٰ اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۶۹/۲، باب کیف یبایع الامام الناس، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۹۹، مسلم شریف: ۱۲۵/۲، باب وجوب طاعۃ الامراء، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۷۰۹۔

حل لغات: العسر: تنگ دستی، بدحالی، **عسر: (س) عسراً:** دشوار ہونا، مشکل ہونا، **الیسر:** آسانی، سہولت، مالی وسعت، فراخی، **یسر: (س) الشیء یسراً:** آسان ہونا، **المنشط نشط (س) نشاطاً فی العمل:** کام کو خوش گواری اور مستعدی سے انجام دینا، **الاثرۃ:** قدر ومنزلت، **لومۃ: ملامت، لام: (ن)** ملامت کرنا، **لائم:** ملامت کرنے والا، **(ن) لوم: ولائمون، بواحاً:** ظاہر، **باح (ن) بوحاً:** ظاہر ہونا، برہان قاطع اور واضح دلیل، ثبوت، **(ج) براھین۔**

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی بیعت کی ہر بات سنیں گے، اور ہر بات مانیں گے خواہ تنگ دستی ہو یا فراخی، خواہ وہ بات پسند ہو یا ناپسند ہو، (اور خواہ ہم پر ترجیح دی جائے) اور اس بات کی بیعت کی کہ امیر کی امارت کے سلسلہ میں جھگڑا نہیں کریں گے، اور حق بات کہیں گے چاہے جہاں کہیں بھی ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت

کرنے والے کی ملامت سے ڈریں گے نہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ اہل حکومت سے حکومت کے سلسلہ میں جھگڑا نہیں کریں گے، مگر یہ کہ تم صاف وصریح طور پر کفر کو دیکھ لو، جس میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امیر کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے اس کے خلاف بغاوت کرنا اسکے احکام سے انحراف کرنا اور اس کی معزلی کی کوشش کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، ہاں اگر امیر خلاف شرع احکام جاری کرے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اسی طرح اگر امیر نے کفریہ عقائد اختیار کر لئے، یا کفریہ اعمال کا ارتکاب کرنے لگا تو حتی الوسع اس کی مخالفت بھی کی جائے گی اور اس کی معزولی کے لئے جدو جہد بھی کی جائے گی۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۱۷، شرح الطیبی: ۷/۱۸۰)

بایعنا: یعنی ہم نے عہد کیا "فی العسر والیسر" تحقیق اوپر گذر چکی "والمنشط والمکرہ" دونوں میم مفتوح یا تو مصدر میمی ہیں اور یا ظرف زمان یا ظرف مکان تینوں شکلوں میں معنی درست ہیں دونوں مفعل کے وزن پر ہیں نشاط اور کراہتہ سے ظرف مکان ہیں یعنی ان چیزوں میں جن کو نشاط ہو یا کراہت یعنی خوشی ہو یا ناخوشی سمع وطاعت سے دریغ نہیں کریں گے اور ظرف زمان بھی ہو سکتے ہیں اور معنی ظاہر ہیں۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۲۸)

وعلی اثرۃ علینا: آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ اور اس کے معاً بعد مہاجرین کو ان کی ذکاوت وذہانت کی وجہ سے عموماً بڑے عہدے ملے، جب کہ انصار میں سے بیشتر کاشتکار تھے، اس لئے ملکی مناصب ان کے حصہ میں کم آئے، لیکن بعد کے زمانے میں صلاحیت پیدا ہونے کے باوجود بلا سبب کے غیر انصار کو انصار پر ترجیح دی گئی، آنحضرت ﷺ نے اس کی بہت پہلے پیشین گوئی بھی فرمائی تھی، بخاری میں حدیث ہے: "**انکم سترون بعدی اثرۃ وامور اتنکرونھا**" تم میرے بعد ترجیح دیکھو گے اور معاملات دیکھو گے جنہیں تم پسند نہیں کرو گے۔ (بخاری شریف: ۲/۱۰۴۵)

اسی طرح ایک موقع پر ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ: "**یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا تستعملنی کما استعملت فلانا قال ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض**" اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھی فلاں شخص کے مانند عامل بنا دیجئے،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم لوگ ترجیحی سلوک دیکھو گے، اس وقت صبر کرنا یہاں تک مجھ سے حوض پر آملو۔ (بخاری: ۱/۵۳۵)

آنحضرت ﷺ کی تعلیم یہی ہے کہ اگر امیر کی طرف سے حق تلفی کی جارہی ہے تو بھی اس کیخلاف بغاوت نہ کی جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**ادوا الیهم حقهم وسلوا الله حقكم**" امیر اگر تمہارے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کررہا ہے تو بھی تم اس کا حق ادا کرو، یعنی اس کی اطاعت کرو، اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

الاان تروا کفرا بواحاً: اگر امیر فاسق ہے تو بھی اس کی اطاعت کی جائے گی، البتہ فاسق کو ابتداء امیر بنانا جائز نہیں ہے بنانے کے بعد اس کی اتباع لازم ہے، البتہ اگر امیر سے کفر وشرک سرزد ہو تو پھر مخالفت ضروری ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۱۷۱، عمدۃ القاری: ۱۲/۲/۱۷)

لا ننازع: یعنی نہ ہم امارت طلب کریں گے اور نہ ہم امیر کو معزول کریں گے اور نہ اس سے لڑیں گے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام سے کفر صریح کا ارتکاب دیکھو تو اسکو معزول کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس وقت معزول کرنا واجب ہے، اس کی فرمانبرداری لازم نہیں باقی فسق وفجور کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں امام معزول نہیں ہوتا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں معزول ہوجاتا ہے، اسی طرح قاضی اور امیر کا یہی حکم ہے۔

اصل اختلاف: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فاسق حکومت وولایت کا حقدار ہی نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فاسق ولی وحاکم بن سکتا ہے چنانچہ فاسق باپ اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کرسکتا ہے۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۴/۵۰۵، مرقاۃ: ۴/۱۱۹)

فائدہ: یہی باتیں اسلام کی ہیں اور جو مسلمان دنیا ساز خوشامد باز حق بات کا چھپانے والا دنیا داروں کی ملامت سے ڈرنے والا ہو وہ پورا مؤمن نہیں ہے، بلکہ اس میں کفار کی خصلتیں موجود ہیں اس کو چاہئے کہ ان بری خصلتوں سے توبہ کرے اور راست بازی جرأت اور بہادری اور حق گوئی اور وفاداری اختیار کرے۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۳/۱۳۳)

اطاعت بقدر استطاعت ہے

{۳۴۹۹} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۶۹/۲، باب کیف یبایع الامام الناس: کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۲۰۲، مسلم شریف: ۱۳۱/۲، باب البیعۃ علی السمع، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے فرماتے تھے کہ جس چیز کی تمہارے اندر طاقت وقوت ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ بیعت کے وقت ہم تو کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یوں کہو اپنی طاقت کے مطابق، کہ جتنی ہمارے اندر طاقت ہے اپنی طاقت کے مطابق سنیں گے، اور اطاعت کریں گے۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے امیر کی اطاعت کی جائے، جو چیز طاقت وقوت سے باہر ہے شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا ہے، لہٰذا امیر کی جانب سے اگر کوئی ایسا حکم ملتا ہے جو طاقت سے باہر ہے تو اس میں اتباع لازم نہیں ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۸/۷، شرح الطیبی: ۱۸۲/۷)

یقول لنا فیما استطعتم: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر کمال شفقت ومحبت کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت بھی بقدر استطاعت فرمانبرداری کی بات ارشاد فرمائی تھی کہ بیعت کے عموم میں تکلیف مالا یطاق شامل نہ ہو۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان دوسرے انسان کو کسی ایسی بات کا التزام کرتے ہوئے دیکھے جو اس کے بس سے باہر ہو تو مناسب ہے کہ کرنے والے سے کہے کہ "**لا تلتزم ما لا تطیق**" اس

چیز کا التزام مت کرو، جو تمہارے لئے ممکن نہیں جو چیز تمہاری طاقت سے باہر ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔
(تکملہ فتح الملہم:۳/۳۸۱، عمدة القاری:۲/۱۷۲، فیض المشکوٰة:۷/۱۸)

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امیر ایسے فعل کا حکم دے جو انجام دینا دشوار ہو تو وہ فعل انجام دینا اس محکوم پر لازم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی استطاعت سے زائد کوئی فعل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ "**لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا**" اللہ تعالیٰ کسی بھی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔ (سورہ بقرہ، آیت:۲۸۶، مرقاة:۴/۱۱۹)

جماعت سے علیحدگی پر مذمت

{۳۵۰۰} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰى مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ فَاِنَّهُ لَيْسَ اَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ اِلَّا مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: **بخاری شریف:۲/۱۰۵۷، باب السمع والطاعۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر:۷۱۴۳، مسلم شریف:۲/۱۲۸، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر:۱۸۴۹۔**

حل لغات: **یفارق:(مفاعلت)** جدا ہونا، **شبر:** بالشت، **(ج) اشبار۔**

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص امیر کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو اس کو صبر کرنا چاہئے، اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت کے بقدر بھی جدا ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ امیر کی اطاعت دل چاہے یا نہ چاہے بہر صورت لازم ہے، کسی مسلمان کیلئے اپنے امیر کی اطاعت سے نکلنا جائز نہیں ہے، اطاعت سے انحراف کا مطلب ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنا ہے، ایسا شخص سخت گنہگار ہو کر مرے گا۔

(فیض المشکوٰة:۷/۱۹، شرح الطیبی:۷/۱۸۲)

اطاعت امیر سے نکل گیا اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوا اور اس نے اجماع کی مخالفت کی اور اسی حالت میں اس کی موت ہوگئی تو اس کی موت اہل جاہلیت کی موت ہے اسلئے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی دین سے بے خبر اور امیر کی اطاعت سے بیزار اور امام کی ہدایات پر عمل سے لاپرواہ ہوتے تھے پس ان لوگوں کی حالت اہل جاہلیت کی حالت کے عین مطابق ہے اس لئے امیر کی مخالفت کو جاہلیت سے تشبیہ دی ہے۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۵۰۶/ ۴، عمدۃ القاری: ۲۲۵/ ۱۲)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت المسلمین سے علیحدہ ہونا جائز نہیں ہے اگر چہ امیر المسلمین کی طرف سے کیسی ہی کوئی ناگواری محسوس ہو ورنہ موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

(مستفاد از صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۴۰/ ۳)

امیر کی بغاوت اور عصبیت جاہلیت

{۳۵۰۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَأْيَةٍ عُمِيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْ يَدْعُوْ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْيَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقُتِلَ فَقَتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلٰى اُمَّتِیْ بِسَيْفِهٖ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشٰی مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِیْ لِذِیْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ فَلَيْسَ مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۲۷/۲/۲۸، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۸۔

حل لغات: عمیة: اندھا پن، عمی (س) عمیٔ، اندھا ہونا، یتحاشی: تفاعل، عن شیٔ، کنارہ کش ہونا، بچنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا جو شخص اطاعت سے نکل گیا، اور جماعت سے علاحدہ ہوگیا اور پھر وہ اسی حالت میں مرگیا تو وہ

جاہلیت کی موت مرا اور جو شخص گمراہی کے جھنڈے کے نیچے اس حال میں لڑا کہ تعصب کی وجہ سے غصہ ہوتا ہے یا تعصب کی بنیاد پر دعوت دیتا ہے پھر وہ قتل کر دیا گیا، تو وہ جاہلیت پر قتل ہوا، اور جس شخص نے میری امت کے خلاف تلوار اٹھائی، اور وہ اس کے ذریعہ سے امت کے اچھے اور برے لوگوں کو مارتا ہے، اور ان کے مؤمن ہونے کی پرواہ نہیں کرتا ہے اور نہ عہد والے کے عہد کو پورا کرتا ہے، تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور نہ میں اس سے ہوں۔ (مسلم)

تحقیق الفاظ: رایۃ: یہ الف کے ساتھ ہے جس کے معنی علم، جھنڈا کے ہیں، **عمیۃ:** عین کو کسرہ ہے اور ضمہ کی بھی ایک لغت ہے میم مشدد ہے اس کے بعد یاء مشدد بھی ہے معنی کبر اور ضلال کے ہیں، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عین کے کسرہ اور اس کے ضمہ اور تشدید اور میم و یاء کی تشدید کیساتھ دو لغتیں ہیں اور یہ وہ امیر اعمی ہے جس کی وجہ معلوم نہ ہو۔ **"لعصبیۃ"** فرقہ پرستی اور بیجا حمایت وغیرت قومی کی وجہ سے **"او ینصر" "بالفعل"** مار کے قتل کے ذریعہ مدد کرتا ہے، **"بسیفہ"** ضروری نہیں کہ تلوار ہی ہو بلکہ قتل کے کسی بھی آلہ کے ساتھ خروج کرے۔ **"ولا یتحاشا من مؤمنہا"** یعنی کسی مؤمن کے مؤمن ہونے کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ (انوار المصابیح: ۱/۶۳۱/۶، تکملہ: ۹/۲۸۶)

تشریح: اس حدیث میں چند لوگوں کی سخت مذمت اور ان کے حق میں شدید وعید کا ذکر ہے۔

(۱)......جو شخص امیر کی اطاعت و فرمانبرداری سے گریز کر کے، امیر کے حکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرے، اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچائے اور بلا توبہ کئے مرے تو وہ زمانہ جاہلیت کے عمل پر مرنے والا شمار ہوگا۔

(۲)......حق و ناحق کی تمیز کے بغیر خاندانی یا وطنی عصبیت کی بنا پر جنگ کرنے والا سخت ترین گنہگار ہوگا۔

(۳)......مسلمانوں پر تلوار اٹھانے والا اور قتل مؤمن پر جرأت کرنے والا اسی طرح عہد کو توڑنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے بہت دور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔

من خرج من الطاعۃ: امیر المؤمنین سے بغاوت کر کے جماعت مسلمین سے علاحدہ ہونے والا

"**مات میتة جاهلیة**" امیر کی اطاعت سے نکلنے والا زمانہ جاہلیت میں گمراہی پر مرنے والیکے مانند ہے، یہ بات آنحضرت ﷺ نے بطور زجر وتوبیخ کے فرمائی ہے "**تحت رایة عمیة**" وہ معاملہ جس کی وجہ معلوم نہ ہو، اس میں ہر وہ قتال داخل ہے جس میں حق واضح نہ ہو۔

یغضب لعصبیة: اس بات کو فراموش کر کے حق کس طرف ہے، محض اپنے قبیلے یا اپنے وطن یا اپنی زبان کی بنیاد پر غضبناک ہو، اعلاء کلمۃ اللہ کو پس پشت ڈالدے گا۔

او یدعو الی عصبیة: فرقہ پرستی کی بنیاد پر دوسرے کو بھی عصبیت کی دعوت دے۔

فقتلة جاہلیة: زمانہ جاہلیت میں لوگ حق کی بنیاد پر نہیں بلکہ عصبیت کی بنیاد پر مرتے اور مارتے تھے، اگر کوئی مسلمان ہو کر اسی بنیاد پر قتال کرتا ہے اور قتل ہوتا ہے تو وہ زمانہ جاہلیت کے عمل پر مرنے والا شمار ہوگا۔

ومن خرج علی امتی بسیفه: کسی مسلمان پر تلوار اٹھانا یا دوسرے ہتھیار سے حملہ آور ہونا سخت ترین گناہ ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**لجهنم سبعة ابواب باب منها لمن سل السیف علی امتی او قال علی امة محمد**" جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ اس کے لئے ہے، جس نے تلوار سونتی میری امت پر یا آنحضرت ﷺ کی امت پر۔

یضرب برہا وفاجرہا: امت کے کسی بھی فرد پر تلوار اٹھانا جرم عظیم ہے، پھر نیک و بد کی تمیز کے بغیر ایک طرف سے قتل کرنا یہ اس جرم کی شناعت میں مزید اضافہ کا باعث ہے۔

ولا یتحاشی: مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا قتل بھی کرتا ہے اور اس پر اس کو کوئی رنج وغم بھی نہیں ہوتا ہے، ایسا شخص بہت بد بخت ہوتا ہے۔

فلیس منا: آنحضرت ﷺ نے اس کے افعال سے اپنی برأت کا اظہار فرمایا ہے، یہاں یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ حقیقتاً امت سے خارج ہو گیا۔ (تکملۃ فتح الملہم: ۳/۳۴۵، فیض المشکوۃ: ۷/۲۰)

اچھے اور برے حاکم کی علامات

{۳۵۰۲} وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ

اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ لَا مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ إِلَّا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَأْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِيْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۹، باب خیار الائمۃ، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۶۶۔

حل لغات: **شرار:** برا، خراب، بد اخلاق، واحد، **شر: ننابذ: (مفاعلت) فلاناً:** کسی سے اختلاف یا بغض کی بنا پر ترک تعلق کرنا۔

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اماموں میں سے وہ امام سب سے بہتر ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں، تم ان کے لئے دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعا کرتے ہیں، اور تمہارے اماموں میں وہ سب سے بدتر ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، اور تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایسی صورت میں ہم ان سے تعلق نہ توڑ لیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں، نہیں: جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں، خبر دار! جس شخص پر کوئی حاکم مقرر کیا گیا، پھر وہ حاکم کا کوئی ایسا عمل دیکھتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہو، تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ گناہ کے عمل کو برا سمجھے، لیکن اس کی فرماں برداری سے کنارہ کش ہرگز نہ ہوئے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اچھے برے حکام کی پہچان ذکر کی گئی ہے، بہترین حکام وہ ہیں جن کے عدل وانصاف اور دین داری کی بنیاد پر لوگ ان سے محبت کریں، ان کے حق میں دعاء خیر کریں، اسی طرح وہ بھی خلق خدا سے محبت وہمدردی کا برتاؤ کریں ان کے لئے دعاء کریں اس کے بالمقابل وہ حکام

نہایت بد بخت ہیں جن کی ناانصافی اور بد طینتی کی بنا پر لوگ ان سے نفرت کریں، ان کو برا بھلا کہیں اور یہ ائمہ بھی خلق خدا سے اظہار نفرت کریں اور ان کو ملامت کریں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر امام گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے تو بھی اس کی حکم عدولی نہ کی جائے، لیکن اگر وہ نماز ترک کرتا ہے تو جس طرح کفر کی بنیاد پر اس کے خلاف بغاوت جائز ہے، اسی طرح ترک صلوۃ پر بھی بغاوت جائز ہے، اس سے نماز کی اہمیت اور ترک نماز کی شدید قباحت خوب اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔

خیار ائمتکم: بہترین امام کی پہچان یہ ہے کہ وہ لوگوں کا محبوب ہو، لیکن لوگوں کی محبت کی بنیاد اغراض نفسانی کی تکمیل پر نہ ہو، بلکہ امام کی امن پسندی اور حق وانصاف کے قیام کی بنا پر ہو، اور دین ہی کی بنیاد پر امام بھی لوگوں سے محبت کرتا ہو۔

وتصلون علیہم ویصلون علیکم: اس جز کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱) امام لوگوں کے حق میں دعاء خیر کرتا ہو اور لوگ امام کے حق میں دعاء خیر کرتے ہیں۔

(۲) امام کی وفات ہو تو لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، اور لوگوں میں سے کسی کی موت ہو جائے تو امام ان پر نماز پڑھے، گویا زندگی میں محبت کا معاملہ کیا جائے اور مرنے پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی جائے اور ایک دوسرے کو بھلائی سے یاد کیا جائے۔

وشرار ائمتکم: امام کی بد عملی کی بنا پر لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں اور وہ لوگوں سے نفرت کرتا ہو۔

وتلعنونہم: امام لوگوں کے لئے بدعا کرتا ہو اور لوگ امام کے لئے بدعاء کرتے ہوں۔

افلا ننابذہم: یعنی امام کے فسق کے بنا پر اس کو معزول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قال لا: آنحضرت ﷺ نے امام کے خلاف وبغاوت کرنے اور اس کو معزول کرنے سے منع فرمایا۔

ما اقاموا فیکم الصلوۃ: چون کہ نماز دین کی بنیاد ہے، اس لئے نماز ترک کرنے والا دین کے ستون کو ڈھانے والا ہے، لہٰذا تارک صلوۃ امام سے بغاوت جائز ہے۔

فیکرہ: امام کے فسق وفجور کے باوجود اس کی اطاعت لازم ہے، البتہ امام جن گناہوں میں مبتلا

ہے،ان گناہوں سے اظہار بیزاری ضروری ہے۔(فیض المشکوۃ:۲۱/۷،تکملہ فتح الملہم:۹/۲۹۵)

لا ما اقاموا: یعنی اگر حاکم نماز ترک کر دے تو پھر اس کی اطاعت ترک کرنا جائز ہے،جس طرح کہ حاکم اگر صریح کفر کا مرتکب ہو جائے تو اس سے عہد و فرمانبرداری ختم کر کے اس کو معزول کیا جا سکتا ہے، گویا ترک نماز اس بارے میں کفر کی طرح ہے،کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور ایمان وکفر کے درمیان فرق کرنے والی ہے،جبکہ دیگر گناہ ایسے نہیں۔اس روایت میں نماز چھوڑنے پر بڑی تشدید وتہدید ہے۔

(مظاہر حق مع تخریج:۴/۵۰۸،مرقاۃ:۴/۱۲۱)

حاکم کی بدعملی پر اس سے لڑائی کرنا

{۳۵۰۳} **وَعَنْ** اُمِّ سَلْمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا اَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَاصَلُّوْا اَلَا مَا صَلُّوْا اَيْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَاَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲/۱۲۸،باب وجوب الانکار،کتاب الامارۃ،حدیث نمبر:۱۸۵۴۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایسے لوگ حاکم مقرر ہوں گے،جن کی بعض باتیں تم اچھی دیکھو گے اور بعض بری،تو جس شخص نے ان کی بری بات پر نکیر کی اس نے اپنا حق ادا کر دیا،اور جس نے برا سمجھا وہ گناہ سے محفوظ رہا،اس کے برخلاف جو شخص ان کی بری بات پر راضی رہا اور ان کی موافقت کی صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آنحضرت+ نے فرمایا کہ نہیں!جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں،نہیں!جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے نکیر کی۔(مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حاکم کو خلاف شرع عمل کرتے دیکھے اور وہ اس کو برملا ٹوکنے پر قادر بھی ہو تو مداہنت سے کام نہ لینا چاہیے،بلکہ اس کو ٹوکنا چاہیے۔جس شخص نے ٹوک

دیا تو حاکم اس برائی سے رکے یا نہ رکے، لیکن ٹوکنے والے نے بہر حال اپنی ذمہ داری ادا کر دی، اگر کوئی ایسا شخص ہے جو حاکم کو ٹوک نہیں سکتا، تو اس کو چاہئے کہ وہ حاکم کے برے عمل کو دل سے برا سمجھے اور اس کے برے عمل میں اس کی موافقت نہ کرے، یہ شخص بھی گناہ وعتاب میں پڑنے سے بچ جائے گا، لیکن جو شخص قدرت کے باوجود حاکم کو اس کی غلطی پر ٹوکے گا نہیں، یا حاکم کے غلط عمل میں اس کا ساتھ دے گا، وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۸/۵۰۹، مرقاۃ: ۴/۱۲۱)

یکون علیکم امرای: یعنی آئندہ مسلمانوں پر ایسے حکام مقرر ہوں گے، جو بعض اچھے کام کریں گے تو بعض برے کام بھی انجام دیں گے۔

فمن انکر فقد بریٔ: تو جس شخص نے حکام کی بات پر نکیر کی، نکیر کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ سے یا زبان سے بقدر طاقت اس کی مخالفت کی، تو اس نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی اور وہ شخص مداہنت اور نفاق سے محفوظ رہا۔

ومن کرہ فقد سلم: جو شخص حاکم کے سامنے اس کے برے عمل کی نکیر پر قدرت نہیں رکھتا، لیکن دل سے برا سمجھتا ہے تو وہ بھی اس گناہ اور اس کے وبال سے محفوظ رہا۔

ولکن من رضی وتابع: وہ شخص حکام کے گناہوں کو گناہ نہ سمجھے، یا اس کے برے عمل میں اتباع کرے، تو وہ شخص ہلاک ہوگا اور اپنا دین برباد کرلے گا۔

قالوا افلا نقاتلهم: کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم ان سے قتال کریں، یعنی ان کے خلاف خروج کریں اور ان کی اتباع سے گریز کریں۔

الا ماصلوا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تک حکام نماز پڑھیں ان سے قتال کرنے اور ان کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کرو، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اس حاکم کو معزول کرنے کی کوشش کی جائیگی جس سے صراحتاً کفر ثابت ہوا ہو، اسی طرح اس حاکم کو بھی معزول کرنے کی کوشش کی جائے گی جس نے ترک صلاۃ کی عادت بنالی ہو، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں نماز بول کر اسلام مراد لیا گیا ہے، چونکہ اس زمانہ میں اسلام کیلئے نماز لازم تھی، اس لئے لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے۔

ای من کرہ بقلبه وانکر بقلبه: اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی نے حاکم کی کسی

خلاف شرع بات پر زبان سے نکیر تو کی لیکن اس کی برائی کو دل سے برا نہیں جانا تو محض زبانی نکیر سے وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے والا قرار نہیں پائے گا۔

ومن کرہ فقد سلم: بقول شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ "فمن انکر فقد بریٔ" کی تفسیر ہے جبکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "فمن انکر فقد بری" کو تفسیر اور "ومن کرہ" کو مفسر بنایا ہے۔ واللہ اعلم۔

(مظاہر حق: ۵۰۹/ ۴، مرقاۃ: ۱۲۱/ ۴)

حق نہ ملنے پر بھی اتباع اور صبر لازم ہے

{۳۵۰۴} **وَعَنْ** عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَۃً وَّاُمُوْرًا تُنْکِرُوْنَھَا قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَدُّوْا اِلَیْھِمْ حَقَّھُمْ وَاسْئَلُوْا اللّٰہَ حَقَّکُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴۵/۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۷۰۵۲، مسلم شریف: ۱۲۶/۲، باب وجوب الوفاء، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۳۔

تحقیق الالفاظ: اثرہ: راجح قول کے مطابق یہ ہے کہ ہمزہ اور ثاء کو فتحہ ہے۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد تم لوگ ترجیحی سلوک دیکھو گے، اور کچھ ایسے کام دیکھو گے جن کو تم برا سمجھو گے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ان کے حق کو ان کی طرف ادا کرو، اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ اگر حکام صلاحیت والے پر غیر صلاحیت والے کو ترجیح دیں، تو صلاحیت والے کو بغاوت نہ کرنا چاہئے، امیر کی

اطاعت سے منہ نہیں موڑنا چاہئے، بلکہ امیر کی اطاعت کرتے رہنا چاہئے اوراپنے حق کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے۔(فیض المشکوۃ:۲۳/۷،فتح الباری:۸/۱۳)

سترون بعدی اثرۃ: میرے بعد تم ترجیحی سلوک دیکھوگے،حضرات انصار کے اندر اہم ملکی نظام کی اس وقت مہاجرین کے مقابلہ میں صلاحیت کم تھی،ایک انصاری نے آنحضرت+ سے شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہ "**استعملت فلاناً ولم تستعملنی**" آنحضرت ﷺ نے فلاں شخص کو عامل بنادیا اور مجھ کو عامل نہیں بنایا،ان صاحب نے آنحضرت ﷺ سے صدقہ کا یا کسی شہر کا عامل بنائے جانے کی درخواست کی تھی،اس پر آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔شارح مسلم کے حوالے سے صاحب تکملہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے انصاری کا یہ مطالبہ طلب امارت کے سلسلہ میں ممانعت وارد ہونے سے پہلے کا ہو،یا بعد کا ہو مگر ان صاحب تک ممانعت والی حدیث نہ پہنچی ہو۔(فیض المشکوۃ)

وامورا تنکرونہا: اور کچھ دوسری چیزیں بھی دیکھوگے جن کو تم اچھا نہ سمجھوگے۔

قالو نماذا تامرنا: یعنی جب ایسی صورت ہوگی تو آپ ہم کو کس عمل کا حکم فرماتے ہیں۔

قال ادوا الیہم حقہم: یعنی ان کا حق جو انکی اطاعت ہے اس کو تم ادا کرو یعنی ان کی اطاعت کرتے رہو۔

وسلوا اللہ حقکم: تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے حقوق دلوادے علامہ طیبی نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ان سے لڑنا نہیں اوران کے حقوق یعنی سمع واطاعت کو جاری رکھنا اوراللہ تعالیٰ سے اس کا فضل اوراس سے اپنے حقوق مانگنا اورمعاملہ اللہ کے حوالے کردینا اسلئے کہ "**ان اللہ لایضیع اجر المحسنین**" بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے ہیں۔

(انوارالمصابیح:۶/۶۳۵،مرقاۃ:۴/۱۲۲)

تم اپنی طرف سے حکام کا حق ادا کرو،یعنی تم ان کی اطاعت کرواوران کے مددگار رہواوراگروہ تمہارے حق میں قصور کریں تو صبر کرواوراللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کروکہ وہ تمہیں بدلہ عنایت فرمائے۔

سوال: آنحضرت ﷺ نے طلب امارت پر سخت نکیر کیوں نہیں فرمائی؟

جواب: آنحضرت ﷺ نے محسوس کیا کہ اس کی طلب عہدے کی ہوس کی بنا پر نہیں ہے،

بلکہ بے صبری کی بنا پر ہے، اس کو ترجیحی سلوک کی بنا پر صبر نہ ہو سکا، چنانچہ سوال کر بیٹھا۔

سوال: اگر کوئی آدمی یہ محسوس کر رہا ہے کہ حاکم نے بلا وجہ دوسرے کو میرے اوپر ترجیح دی ہے تو حاکم کا فریضہ کیا ہے؟

جواب: حاکم کو چاہئے کہ بلا وجہ کسی کو ترجیح نہ دے، اور اگر کسی سبب سے ترجیح دی ہے، جو کہ واضح نہیں ہے، جس کی بنیاد پر شکایت پیدا ہو رہی ہے، تو سبب ترجیح کی وضاحت کر کے شکایت کا ازالہ کر دینا چاہئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب رکھ کر بہت سے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ان کو ترجیح دیتے تھے، لوگوں کو شکایت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ سورۃ النصر کے نزول کا مقصد کیا تھا؟ سب نے کہا کہ اس میں اسلام کے غلبہ کی اطلاع دی گئی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سورت کے نزول کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع دی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی یہی سمجھتا ہوں، اس واقعہ کے ذریعہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی برتری ثابت ہوگئی، اور ان کو ترجیح حاصل ہونے کا سبب بھی واضح ہو گیا، جس کی وجہ سے لوگوں کی شکایت دور ہوگئی۔

سوال: کیا انصار پر مہاجرین کی ترجیح بلا وجہ تھی؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح بہت سی مصلحتوں پر مبنی تھی، اسی کی وضاحت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی کہ میرے بعد تم سے ترجیحی سلوک کیا جائیگا، یعنی میرا ترجیحی سلوک تو حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اس کے باوجود تم سے صبر نہ ہو سکا اور فرمائش کر دی، جبکہ میرے بعد تم سے بلا سبب کے ترجیحی سلوک کیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود میں تم کو صبر کرنے کی تلقین کرتا ہوں، اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خلافت غیر انصار میں ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسی پیشین گوئی فرمائی تھی ویسا ہی ہوا۔ (تکملہ فتح الملہم: ۳۳۹/ ۳، فیض المشکوۃ: ۲۳/ ۷، فتح الباری: ۹/ ۱۳)

عوام اپنی ذمہ داری ادا کریں

{۳۵۰۵} وَعَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُعْفِيُّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا اُمَرَاءُ يَسْئَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۷، باب فی طاعة الامرائ، کتاب الا مارة، حدیث نمبر: ۱۸۵۶۔

حل لغات: ارأیت: مجھکو بتاؤ تو سہی، **حمله الشیٔ و الامر:** کسی پر کوئی چیز لادنا یا ذمہ داری ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلا بتائے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو اپنے حق کا ہم سے مطالبہ کریں اور ہمارا حق خود ادا نہ کریں، تو ایسی صورت میں آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو، بلاشبہ ان کے اوپر وہ ہے جس کی ان کو ذمہ داری دی گئی ہے، اور تمہارے اوپر وہ ہے جس کی تم کو ذمہ داری دی گئی ہے۔ (مسلم)

تشریح: ہر ایک پر وہ چیز واجب ہے جس کی اسے تکلیف دی گئی ہے، پس ہر ایک کو اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کے کچھ حقوق ہیں اور فرائض ہیں، مثلاً اس کا حق یہ ہے کہ عوام اس کی اطاعت کریں، اور اس کے فرائض میں سے یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرے، اسی طرح عوام کے بھی بعض حقوق اور بعض فرائض ہیں، جو حاکم کے حقوق ہیں وہ عوام کے فرائض ہیں، اور جو حاکم کے فرائض ہیں وہ عوام کے حقوق ہیں، اگر ہر طبقہ اپنے فرائض کی ایمانداری سے ادائیگی کرے تو دوسرے کے حقوق تو خود بخود ادا ہوں گے، لیکن ہر فریق کو اس بات کی شکایت رہتی ہے

کہ دوسرا فریق اس کے حقوق غصب کر رہا ہے، اپنے فرائض کی طرف نگاہ نہیں جاتی ہے، اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دی ہے کہ ہر فریق اپنے فرائض کی ادائیگی کو مقدم رکھے، حدیث باب میں سائل کا تعلق چوں کہ عوام سے تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے زور دے کر یہ بات فرمائی ہے کہ اگر حکام اپنے فرائض سے غفلت برتیں اور عوم کے حقوق ادا نہ بھی کریں تو بھی عوام کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت کرنا چاہئے، بلکہ حاکم کی اطاعت وفرمانبرداری ضرور کرنا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۲۴، تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۸۳)

ارایت، ای اخبرنی: یسئلوناحقھم، یعنی "یطلبونا" معنی اپنے حق یعنی اطاعت وخدمت کا مطالبہ کریں، "**یمنعوناحقنا**" یعنی حکام ہمارے حقوق ادا نہ کریں ہمارے درمیان عدل وانصاف نہ کریں، ہم کو مال غنیمت سے محروم کریں، "**فماتامرنا**" یہ شرط کی جزاء ہے یعنی ان حالات میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں "**قال اسمعوا**" احکام سنو یہ ظاہری اطاعت ہے، "**واطیعوا**" حکم کے مطابق عمل کرو یہ باطنی فرماں برداری ہے، "**فانما علیھم ما حملوا**" حکام کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ عدل کریں عوام کے حقوق ادا کریں اور رعایا کے ذمہ حکام کی اطاعت وفرمانبرداری اور ظلم ومصیبت پر صبر کرنا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۳۶۳، فیض المشکوۃ: ۷/۲۴)

حدیث پاک کا یہ حکم قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے: "**قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ**" (ان سے) کہو کہ: اللہ کا حکم مانو اور رسول کے فرماں بردار بنو، پھر بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو رسول پر اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے، اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو، اگر تم ان کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کا فرض اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں۔ (سورہ النور، آیت: ۵۴، فتح الباری: ۱۳/۹)

فائدہ: ہر ایک پر وہ چیز واجب ہے جسکا وہ ذمہ دار بنایا گیا اس سے تجاوز جائز نہیں اگر امراء اپنی ذمہ داری نہ نبھائیں گے تو اس کا وبال اور اس کا گناہ ان پر ہوگا، اور تم اپنی ذمہ داری نبھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر فضل فرمائے گا، حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات وہدایات کا یہ خاص پہلو ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

ہر طبقہ کو اپنے فرائض یعنی دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی بھرپور ترغیب دی ہے، ماتحتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم بہر حال اطاعت کرو، تو حاکموں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اپنے ماتحتوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرو، شر وفساد کی بنیاد یہ ہے کہ ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے اور اپنے فرائض سے جان چرا رہا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۵/۷، تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۸۳)

امام کی بغاوت پر وعید

{۳۵۰۶} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۸، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۵۱۔

حل لغات: خلع: (ف) الشیئ: اتارنا، کھینچنا، نکالنا، الحجۃ: دلیل، برہان، (ج) حجج، المیتۃ: مرنے کی حالت، مات فلان میتۃ رضیۃ: فلاں اچھی موت مرا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کہ جس شخص نے فرمانبرداری سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا، اور اسکے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی، اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہیں ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت کے مانند ہوگی۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث پاک میں اس شخص کے لئے سخت وعید ہے جو امام کی نافرمانی کرنے والا ہو، امام کی اطاعت سے کنارہ کش ہو کر بلا توبہ مرنے والا دربار خداوندی میں کسی قسم کی معذرت نہ کر سکے گا، اور وہ سخت سزا سے دوچار ہوگا اسی طرح امام سے بیعت نہ کرنیوالا یا بیعت کر کے بیعت توڑنے والا بھی زمانہ جاہلیت کا عمل انجام دینے والا ہے، اس لئے کہ دور جاہلیت میں لوگ من مانی

زندگی گذارتے تھے، دوراسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے ایسا عمل کرنے والا زمانہ جاہلیت کے عمل پر مرنے والا شمار ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۲۵/۷، تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۸۹)

من خلع یدا من طاعة: امیر کی اطاعت سے انکار کرنا، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوں کہ معاہدہ کے وقت فریقین کا ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا رواج پا گیا ہے، اور بیعت کے وجود میں آنے کی یہ علامت بن گئی ہے اس بنیاد پر نقض عہد کو ہاتھ کھینچ لینے سے تعبیر فرمایا ہے۔ "**ولا حجة له**" اپنی اس بدعملی پر اس کے پاس معذرت کے لئے کچھ نہ ہوگا، "**ومن مات ولیس فی عنقه**" امام برحق سے بغاوت کر کے بلا توبہ مرجائے، "**مات میتة جاهلیة**" اس کی موت جاہلیت پر مرنے والوں کے مانند ہوگی۔

یعنی دور جاہلیت میں چونکہ یہی مقام تھا ہر شخص آزاد اور من مانی زندگی گذارنے کا خوگر تھا، اپنے کسی بھی فعل میں وہ اپنے کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا تھا، اس لئے اس کے دل میں جو آتا وہ کرتا، اسی کی تشبیہ کے ساتھ فرمایا گیا کہ اس شخص کی موت بھی اس دور جاہلیت والوں کی موت جیسی ہوگی۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۳/۷، تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۹۰)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور بغیر امام کے رہنا خوب نہیں ہے اسی طرح امام کی اطاعت بھی لازم ہے اور امام کی نافرمانی و بغاوت کی اجازت نہیں، ورنہ موت جاہلیت کی موت ہوگی، پس اپنے خاتمہ بالخیر کرنے کے لئے اور اس وعید سے بچنے کی لئے کسی کو بھی جو مستحق ہو اپنا امام مقرر کرلیں اور اس سے بیعت کرلیں اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کریں بغاوت ہرگز نہ کریں اور اگر کسی امام کا تقرر نہ کرسکیں تو کم از کم اس کوتاہی پر توبہ واستغفار کرتے رہیں۔
(صحیح مسلم مع شرح نووی: ۵/۱۴۰)

امیر کو خدا تعالیٰ کے آگے جواب دینا ہے

{۳۵۰۷} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُوْاِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ

خَلَفَهُ نَبِيٌّ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوْا بَيْعَةَ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۹۱، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۴۵۵، مسلم شریف: ۲/۱۲۶، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلفاء، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۲۔

حل لغات: تسوس: (ن) سیاسۃ القوم، لوگوں پر حکومت کرنا، لوگوں کے معاملات کا انتظام کرنا، **استرعاھم:** (ف) رعیاً الشيء: نگرانی کرنا، حفاظت کرنا، **فوا:** وفی یفی سے یہ امر کا صیغہ ہے معنی **اوفوا** کے ہیں، عہد پورا کرنا، حق ادا کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر ان کے انبیاء علیہم السلام حکومت کرتے تھے، جب ایک نبی وفات پا جاتے تو دوسرے نبی اس کے قائم مقام ہو جاتے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بہت زیادہ ہوں گے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت کے لئے ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس سے بیعت کرلو اس کی اطاعت کو لازم پکڑلو، اس کے بعد جو خلیفہ پہلے ہو اس کا حق ادا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ انہوں نے رعایا کا حق کیسے ادا کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ قائم فرمایا، اللہ تعالیٰ ایک کے بعد ایک نبی کو بھیجتے اور لوگ ان کا اتباع کرتے اور بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے سیاسی امور بھی انجام دیتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے ہوں گے اور خلفاء کی اطاعت امت پر لازم ہوگی اگر بیک وقت ایک سے زائد لوگ امارت کے دعویدار ہوں تو جس امیر سے پہلے بیعت کرلی ہے اسی کی اتباع کرنا چاہئے، بلاوجہ امیر اول کی بیعت توڑ کر دوسرے کی

امارت تسلیم نہ کرنا چاہئے، امیر کی اطاعت کرتے وقت اس بات کو نظر انداز کر دینا چاہئے، کہ وہ میرا کتنا حق ادا کر رہا ہے، رعایا کے حقوق کی ادائیگی امیر کی ذمہ داری ہے، اس سے غفلت کرنے پر اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ فرمائیں گے۔

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء: عوام کو پیش آنے والے امور انبیاء کرام سنبھالتے تھے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ بنو اسرائیل میں جب بگاڑ پیدا ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو بھیج دیتے تھے وہ پیغمبر اصلاح فرماتے تھے، اور دین میں جو تحریف ہوتی اس کا ازالہ فرماتے تھے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیاست کا تعلق دینی امور کی اصلاح سے تھا دنیوی امور سے کوئی تعلق نہیں تھا، جب کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سیاست سے معروف سیاست مراد لی ہے جو کہ دینی اور دنیوی دونوں طرح کے امور کو شامل ہوتی ہے اور راجح وہی ہے جو نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مراد لی ہے۔

لا نبی بعدی: [میرے بعد کوئی نبی نہیں] یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر طرح کی نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر اور کذاب ہے۔

وسیکون خلفاء فیکثرون: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ تو بند ہو گیا، لیکن خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ رعایا کے لئے امیر کی ضرورت لازمی شیٔ ہے، وہی ان کے امور اچھی طرح نمٹائے گا اور ظالم سے مظلوم کو انصاف دلائے گا۔

فما تامرنا: جب خلفاء کی کثرت ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

فوا ببیعة الاول فالاول: جو امیر پہلے مقرر ہوا پہلے اس کی اتباع کرو، پھر اس امیر کی اتباع کرو، جو اسکے بعد مقرر ہوا اسی ترتیب سے اتباع کرو، اور اگر ایک ہی وقت میں چند لوگ خلافت کے دعویدار ہوں تو جس سے پہلے بیعت کر لی اس کی بیعت پوری کرنا چاہئے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک وقت میں دارالاسلام کے دو خلیفہ ہوں یہ بات جائز نہیں خواہ دارالاسلام وسیع ہو یا تنگ ہو۔

اعطوہم حقہم: اپنے امراء کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، وہ جو کریں گے اس کا اللہ ان

سے حساب لیگا، رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کرنا ان خلفاء کی ذمہ داری ہے، اس کی بابت اللہ تعالیٰ ان سے جواب طلب کریں گے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "**کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته**" [تم سب ذمہ دار ہو اور تم میں ہر ایک سے اپنی اپنی ذمہ داری سے متعلق سوال کیا جائے گا]۔

(فتح الباری: ۸، فیض المشکوٰۃ: ۲۵/۷، شرح الطیبی: ۱۸۷/۷)

خلیفہ کی موجودگی میں خلافت کے دعویدار کی سزا

{۳۵۰۸} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوْا الْاٰخِرَ مِنْھُمَا۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۲۸/۲، باب اذا بویع لخلیفتین، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۵۳۔

حل لغات: بویع بالخلافة: کسی کو تسلیم کرنا کسی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنا، **الآخر:** مقابل اول، آخری پچھلا حصہ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو خلفاء کی بیعت کی جائے تو ان میں سے بعد والے کو قتل کردو۔ (مسلم)

تشریح: بویع لخلیفتین: ایک شخص پہلے سے خلیفہ مقرر ہے، اس کی موجودگی میں اسلامی شیرازہ کے انتشار کی غرض سے دوسرے شخص کی خلافت کی بیعت کی جائے، یہ جائز نہیں ہے "**فاقتلوا الآخر منهما**" پہلی خلافت کے ہوتے ہوئے جس شخص نے خلافت کی دعویداری کی وہ درحقیقت باغی ہے اس لئے اس کی سزا قتل ہے، لیکن قتل اس وقت کیا جائے گا، جب کہ وہ فتنہ بغیر قتل کئے دبے نہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتل سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس سے بیعت کی ہے وہ بیعت توڑ دیں، لیکن اگر نقض بیعت سے معاملہ ختم نہ ہو تو مدعی خلافت کا قتل جائز ہوگا۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ قتل سے بعض لوگوں نے مقاتلہ مراد لیا ہے، مختلف شارحین نے اس سے اور معنی مراد لیئے ہیں،

کتاب الارشاد میں امام الحرمین نے فرمایا: **قال اصحابنا لا یجوز عقدها لشخصین قال وعندی لا یجوز عقدها**۔ (تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۹۲)

فاقتلوا: یعنی ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرا کوئی شخص خلافت کا مدعی ہو اور لوگ اس کی بیعت کرنے لگیں تو دوسرے کے ساتھ لڑو تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے یا پھر قتل ہو جائے، اس لئے کہ وہ باغی ہے۔ (۲) بعض نے کہا کہ قتل سے مراد اس کی بیعت کو باطل کرنا ہے، اور کمزور کرنا ہے۔

امت میں تفرقہ پیدا کرنیوالے کی سزا

{۳۵۰۹} **وَعَنْ عَرْفَجَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ سَيَكُوْنُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ۔ (رواہ مسلم)**

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۲۸۹، باب حکم من فرق امر المسلمین، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۵۲۔

حل لغات: ھنات: جمع، ھنۃ، مصیبت، **الامر:** حکم فرمانا وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ عنقریب یکے بعد دیگرے فسادات رونما ہوں گے، تو جس شخص نے اس امت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ کیا، جبکہ امت متفق ہو تو اس کو تلوار سے مار دو وہ چاہے جو بھی ہو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امت کا اتحاد فرد واحد سے بہت مقدم ہے، لہٰذا اگر کسی کی ذات سے امت میں انتشار پیدا ہو رہا ہو اور اس کو قتل کرنے کی صورت میں امت تفریق سے بچ سکتی ہو تو اختلاف کا سبب بننے والے شخص کو قتل کر دینا چاہئے۔

عن عرفجۃ: یہ حضرت عرفجہ ابن سعد رضی اللہ عنہ ہیں ان سے ان کے بیٹے طرفہ نے روایت کی ہے، **"یقول انہ"** ضمیر شان کی ہے، **"سیکون ھنات وھنات"** مطلب یہ ہے کہ حصول اقتدار کی بنیاد پر طرح طرح کے فسادات وجود میں آئیں گے، نسائی کی روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات منبر پر

خطبہ دیتے وقت فرمائی۔

فمن اراد ان یفرق ہٰذہ الامۃ و ہی جمیع: امت کسی ایک امام پر متفق ہو، اور اس امام کو معزول کرنے کی کوئی شرعی وجہ بھی نہ ہو اور وہ اس منصب کا اہل بھی ہو، اس کے باوجود کوئی شخص امت میں افتراق پیدا کرنے کے لئے اس امام کے خلاف سازش کرے تو یہ شخص لائق قتل ہے پہلے اس کو سمجھایا جائے، اور اس کو فتنہ کرنے سے روکا جائے رک جائے تو ٹھیک ہے لیکن اگر رکے نہیں اور یہ محسوس کیا جائے کہ اس کو قتل کرنے ہی سے فتنہ دبے گا تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

کائنا من کان: متفقہ امام کے خلاف شورش کرنے والا کتنے بڑے رتبہ والا شخص کیوں نہ ہو، بلکہ وہ منتخب امام سے زیادہ باصلاحیت کیوں نہ ہو، فتنہ کو دبانے کے لئے اور امت کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

ایضاً

{۳۵۱۰} وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْيُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۲۸/۲، باب حکم من فرق امر المسلمین، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۵۲۔

حل لغات: شق یشق: (ن) پھاڑنا، پھوٹ ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص تمہارے پاس اس حال میں آئے کہ تمہارا معاملہ کسی ایک شخص پر متفق ہے اور وہ شخص تمہاری لاٹھی پھاڑنا چاہتا ہے، یا تمہاری اجتماعیت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہے، تو تم اس کو قتل کر دو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت بہت بڑی نعمت ہے، جو

شخص اہل متفقہ امام کی مخالفت کرکے مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اور سمجھانے سے بھی وہ شخص باز نہ آئے اور امت کے اندر انتشار کا سخت اندیشہ ہو تو اس کو قتل کردینا چاہئے، تاکہ قوم مسلم انتشار سے بچ جائے۔

من اتاکم: امامت کا دعویدار ہو کر تمہارے پاس آئے۔

وامرکم جمیع علی رجل واحد: اس کی آمد سے پہلے تم لوگ کسی اہل شخص کی امامت پر متفق ہو۔

لابد ان یشق: اپنی خلافت کی دعویداری اس غرض سے کر رہا ہے، تاکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے، اور ان کی اجتماعیت ختم ہو جائے۔

فاقتلوہ: ایسے فتنہ پرور شخص کو قتل کر دیا جائے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ پہلے سے منصب امامت پر فائز شخص اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والا ہو، اور اس کو معزول کرنے کی کوئی شرعی وجہ نہ ہو۔ (فیض المشکوۃ:۲۹/ ۷، مرقاۃ: ۱۲۴/ ۴)

ان یشق عصاکم: یعنی تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے سے کنایہ ہے، گویا لوگوں کی اجتماعیت کو ایک لاٹھی قرار دیا ہے، اور جدائی اور تفریق کو لاٹھی پھاڑنے کی طرح قرار دیا ہے۔ اس سیاس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لاٹھی جب تک صحیح وسالم ہے تو مفید اور کارآمد ہے اور جب لاٹھی کو چیر دیا جائے اس کی افادیت جاتی رہتی ہے پس یہی مثال امت کے اتحاد وانتشار کی ہے۔

او یفرق: یہ راوی کا شک ہے کہ حضور ﷺ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا' یا دوسرا اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہی جملے ارشاد فرمائے ہوں پہلے سے مراد دنیا کی تفریق لی جائے اور دوسرے سے دینی تفریق مراد لی جائے۔ (مظاہر حق: ۵۱۳/ ۴)

پہلے خلیفہ کی بیعت کو پختہ رکھو

{۳۵۱۱} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَایَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاہُ صَفْقَۃَ یَدِہٖ وَثَمَرَۃَ قَلْبِہٖ

فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ اٰخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْأٰخِرِ۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۶، باب وجوب الوفاء، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی سے بیعت کی، پھر اس کو اپنے ہاتھ کا صفقہ اور اپنے دل کا ثمرہ دے دیا، تو اس کی فرمانبرداری بھی کرنا چاہئے جہاں تک ہو سکے، پھر اگر کوئی دوسرا شخص آئے جو کہ اس سے جھگڑا کرے تو دوسرے کی گردن مار دو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خلوص دل کے ساتھ امیر وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد حتی الامکان اس کی اتباع کرنا چاہئے، اور اس کی مخالفت سے گریز کرنا چاہئے، اور اگر کوئی شخص امیر وقت سے بغاوت کر کے مدعی خلافت ہوتا ہے اور وہ سمجھانے بجھانے سے مانتا نہیں ہے، تو لوگوں کو چاہئے کہ فتنہ ختم کرنے کی غرض سے مدعی خلافت کو قتل کر دیں۔

فاعطاہ صفقۃ یدہ: **صفقہ**، ایک مرتبہ تالی بجانا، معاملہ کے وقت یا بیعت کے وقت ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے، اس کو بھی **صفقہ** کہتے ہیں، یہاں مطلب یہ ہے کہ امیر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر ظاہری طور پر امیر کی اطاعت کا عہد کرنا ہے، **"وثمرۃ قلبہ"** دل سے بھی حاکم کی اطاعت کا عہد کرنا۔

فلیطعہ ان استطاع: جب ظاہری اور باطنی طور پر امیر کی اطاعت کا عہد کر لیا تو اب حتی الامکان عملی طور پر بھی امیر کی اطاعت کرنا چاہئے۔

فان جاء اٰخر: اہل امام کے خلاف کوئی شخص مدعی خلافت ہو کر آئے، اور اپنی بیعت کی لوگوں کو دعوت دے تو لوگوں کو چاہئے کہ اس کے کہنے میں نہ آئیں، کیوں کہ اس سے مسلمانوں کے درمیان انتشار ہوگا، بلکہ اس کو دعویٰ خلافت سے روکیں اگر نہ رکے اور اس کے قتل کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس کو قتل کر دیا جائے، قتل کی صورت میں قاتل پر ضمان نہ ہوگا، اس لئے کہ مقتول خود ظالم ہے اپنے قتل کیلئے تعدی کرنے والا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۲۹، تکملۃ فتح الملہم: ۹/۲۷۷)

عہدہ طلب کرنے کی ممانعت

{۳۵۱۲} **وَعَنْ** عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۵۸/۲، باب من لم یسأل الامارۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۴۶، مسلم شریف: ۱۲۰/۲، باب النھی عن طلب الامارۃ، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۶۵۲۔

حل لغات: وکل الیھا الامر: کوئی معاملہ کسی کو سونپ کر بے فکر ہو جانا، کسی معاملہ میں کسی کو مختار بنا دینا۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حکومت طلب مت کرنا، اس لئے کہ اگر مانگنے پر تم کو حکومت دی گئی تو وہ تمہارے ہی سپرد رہے گی، اور اگر تمہیں بغیر مانگے دی گئی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عہدہ ومنصب طلب کرنا حرص کی دلیل ہے، اس لئے از خود عہدہ طلب نہ کرنا چاہئے، طلب پر جس کو عہدہ ملتا ہے وہ نصرت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ عہدے کی ذمہ داری ٹھیک طور پر ادا نہیں کر پاتا، اور مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف جس شخص کو بغیر طلب کے عہدہ ومنصب تفویض کیا جاتا ہے اس کے ساتھ نصرت الٰہی شامل ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ اپنی ذمہ داری بخوبی بنھاتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۲۹/۷، عمدۃ القاری: ۲۲۶/۱۲)

لاتسال الامارۃ: عہدہ ومنصب طلب مت کرو، یعنی اس بات کی کوشش مت کرو کہ تمہیں امارت مل جائے۔

فانک ان اعطیتھا عن مسئلۃ وکلت الیھا: جس کو طلب پر عہدہ ملے گا، اس کو اسی

عہدے کے حوالے کر دیا جائیگا، یعنی اس کام کی انجام دہی میں نصرت الٰہی میسر نہیں آئے گی، کیوں کہ عہدہ طلب کرنا نفس پر اعتماد کرنے کو مقتضی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کو ملتی ہے جو اپنے فقر اور اپنی کمزوری کا اظہار کرتا ہے، اسی لئے آنحضرت ﷺ دعا فرماتے تھے: "**لاتکلنی الی نفسی**" اے اللہ مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ فرمائے۔

وان اعطیتہا عن غیر مسئلۃ اعنت علیہا: اور اگر عہدہ ومنصب بغیر طلب کے ملے گا، تو ذمہ داری کی ادائیگی میں نصرت الٰہی شامل ہوگی، ترمذی میں روایت ہے کہ۔

ومن اجبر علیہ ینزل علیہ ملک یسددہ: جس کو عہدہ قضا قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتہ اتارتے ہیں، جو اس کو سیدھا رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ اس شخص کو عہدہ نہیں عطا فرماتے تھے جو از خود عہدہ طلب کرتا تھا، مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عہدہ طلب کیا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "**انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ**" ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو خود اس کا طلبگار ہو۔

(فیض المشکوۃ: ۲۹/۷، عمدۃ القاری: ۲۲۶/۱۲)

سوال: جب عہدہ طلب کرنے کی ممانعت ہے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے "**اجعلنی علی خزائن الارض**" مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، کہہ کر عہدہ کیوں طلب کیا؟

جواب: بعض وجوہات سے عہدہ طلب کرنا جائز ہے، مثلاً عہدے کے لئے کوئی مناسب آدمی میسر نہیں ہے اور آدمی حب جاہ اور حب مال سے بے نیاز ہو کر خلوص دل سے یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اس خدمت کو بہتر طور پر انجام دے سکوں گا اور اس میں عوام کا فائدہ ہوگا، تو اس صورت میں عہدہ طلب کرنا ممنوع نہیں ہے چونکہ یہ عہدہ طلب کرنا کسی بڑائی یا کسی حرص وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مقصود خدمت خلق ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بھی یہی مقصد تھا۔ (عمدۃ القاری: ۲۲۷/۱۲)

وکلت: تو امارت کے حوالہ کر دیا جائے گا تا کہ تو اس کے معاملات کو ادا کرے اور امارت مشکل چیز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا ہے اور اگر بلا سوال ملے گی تو اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہوگا اور توفیق بخشے گا جس سے تم عدالت واہتمام کر سکو گے۔ (مظاہر حق: ۵۱۳/۴)

عہدے کے حریص کیلئے وعید

{۳۵۱۳} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَی الْاِمَارَةِ وَسَتَکُوْنَ نَدَامَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۵۸/۲، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۴۸۔

حل لغات: حرص: (ض، س) علی: لالچ کرنا خواہش کرنا، بدنیتی، ندم: (س) پشیمان ہونا، نادم ہونا، ارضع: (افعال) دودھ پلانا، المرضع: والمرضعۃ: دودھ پلانے والی دایہ، رضاعی ماں، فطم الرضیع: (ض) بچہ کا دودھ چھڑانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ حکومت کی حرص کروگے، اور یہ چیز قیامت کے دن باعث ندامت ہوگی، پس کیا ہی بہتر ہے دودھ پلانے والی، اور بہت بری ہے دودھ چھڑانیوالی۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عہدہ ومنصب کی حرص بہت مذموم شیَٔ ہے، جس کے اندر عہدے کی حرص ہوتی ہے وہ عہدے کے حصول کے لئے اور عہدے کو برقرار رکھنے کے لئے طرح طرح کی بدعملیاں کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں آخرت میں سخت رسوائی کا سامنا ہوگا، اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عہدہ ملنے سے خوشی ہوتی ہے تو عہدہ جانے سے غم ہوتا ہے لہٰذا ایسی لذت کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا جس کا انجام غم کی صورت میں سامنے آئے بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۳۰/۷)

فنعم المرضعۃ وبئست الفاطمۃ: ان دونوں مقام پر مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذم محذوف ہیں اور وہ دونوں جگہ امارت ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے، "**فنعم الامارۃ المرضعۃ**" [دودھ دینے والی امارت بہت اچھی ہے] اور "**بئس الامارۃ الفاطمۃ**" [دودھ چھڑانے والی امارت بہت بری ہے] (انوار المصابیح: ۶/۶۴۳)

ستحرصون علی الامارۃ: آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ آنے والے زمانے میں مسلمان بھی عہدے ومنصب کے حریص ہوجائیں گے۔

وستکون ندامۃ یوم القیامۃ: [اور عنقریب قیامت کے دن ندامت ہوگی] مطلب یہ ہے کہ عہدہ ومنصب پر فائز ہونے کے بعد آدمی عموماً ناانصافی کرتا ہے، خاص طور پر عہدے کا حریص تو عہدہ کا بہت ناجائز استعمال کرتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جب محاسبہ فرمائیں گے، تو جواب سے عاجز ہوکر شرمندہ ہوگا، اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق حکومت کرے گا، تو اس کے لئے شادمانی ومسرت کی بات ہوگی، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ امام عادل عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ پائے گا۔

فنعم المرضعۃ: آنحضرت ﷺ نے عہدے ومنصب کو بہترین مرضعہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ جس طرح دودھ پینے والے بچہ کو دودھ پلانے والی سے فوری لذت ونفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح عہدے دار کو اپنے عہدے سے لذت نصیب ہوتی ہے۔

بئست الفاطمۃ: آنحضرت ﷺ نے عہدے کو بدترین دودھ چھڑانے والی بھی فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دودھ چھڑانے والی جب دودھ چھڑاتی ہے تو بچہ کو دشواری ہوتی ہے، اسی طرح عہدہ دار سے جب عہدہ چھوٹتا ہے تو اس کو بھی سخت رنج ہوتا ہے۔

اس روایت میں سربراہی کو دودھ پلانے والی عورت سے تشبیہ دی اور انقطاع سرداری کو دودھ چھڑانے والی عورت سے مشابہت دی، یعنی سرداری آتے ہوئے تو بہت اچھی لگتی ہے جیسا دودھ پلانے والی عورت اور جب سرداری ختم ہوتی ہے، خواہ مرنے کی وجہ سے یا عہدہ چھوٹنے کی وجہ سے تو دودھ چھڑانے والی عورت کی طرح بری لگتی ہے، پس عقل مند کو لائق نہیں کہ لذات کے درپے ہو جس کا انجام حسرت وندامت ہو۔ (مظاہر حق ۵۱۳/۴)

اشکال: **نعم** مذکر اور **بئست** مؤنث کیوں استعمال کیا گیا؟

جواب: مظہر نے فرمایا کہ لفظ **نعم** اور **بئس** کے فاعل اگر مؤنث ہوں تو ان دونوں فعلوں میں علامت تانیث کا لگانا اور نہ لگانا دونوں جائز ہیں، چنانچہ یہاں چونکہ امارت فاعل مؤنث ہے اسلئے **نعم** میں تو علامت تانیث نہیں لگائی گئی اور **بئست** میں لگائی گئی تاکہ دونوں لغتوں پر عمل ہوجائے اور ساتھ ہی

عبارت میں تفنن بھی پیدا ہو جائے۔

اشکال: نعم کو مؤنث استعمال نہ کرنے کی کیا جہ ہے؟

جواب: اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ مرضعۃ استعارہ ہے امارت جو مؤنث غیر حقیقی اسلئے **نعم** کو مذکر لایا گیا ہے۔ (شرح الطیبی: ۱۹۱/۷)

فائدہ: مذکورہ حدیث میں امارت کو سبب ندامت قرار دی گئی یہ اسوقت جبکہ اس کے حقوق ادا نہ کر سکے اور محاسبہ کے وقت جواب سے عاجز ہو جائے اور دوسری حدیث میں کہا گیا کہ خود طلب نہ کرو، ہاں اگر دیکھے کہ دوسروں کے حوالہ کرنے سے امور مسلمین میں بگاڑ ہوگا، تو طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اولیٰ ہے مگر نیت صحیح ہونا چاہئے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا، "**اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم**" (سورۃ یوسف) یوسف نے کہا کہ: آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجئے یقین رکھئے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے (اور) میں (اس کام) پورا علم رکھتا ہوں۔ مگر اخلاص بہت مشکل ہے، اسلئے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے۔ (درس مشکوۃ: ۱۰۱/۳)

منصب امانت الٰہی ہے

{۳۵۱۴} **وَعَنْ** اَبِیْ ذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِیْفٌ وَاِنَّهَا اَمَانَةٌ وَاِنَّهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَیْهِ فِیْهَا وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَهٗ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاكَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَی اثْنَیْنِ وَلَا تَوَلَّیَنَّ مَالَ یَتِیْمٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۲۱/۲، باب کراھۃ الامارۃ، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۲۵۔

حل لغات: استعملہ: عامل، حاکم، بنانا کسی سے کام لینا، **منکب: جمع، مناکب:** مونڈھا، جانب، گوشہ، **لاتامرن:** یہ اصل میں تت أمرن ہے ایک تاء کو یہاں حذف کیا گیا معنی ہرگز تم امارت قبول

نہ کرو۔ **ولا تولین:** یہاں بھی ایک تاء حذف کی گئی ہے یعنی ذمہ داری اور ولایت قبول نہ کرو۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ مجھ کو حاکم نہیں بنائیں گے؟ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارا، پھر فرمایا کہ اے ابو ذر رضی اللہ عنہ تم کمزور ہو، اور بلاشبہ حکومت ایک امانت ہے، اور بلاشبہ یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا ذریعہ بنے گی، سوائے اس شخص کے جس نے حکومت اس کے حق کے ساتھ حاصل کی، اور حکومت کی وجہ سے جو اس پر ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ذر! بے شک میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں اور بے شک میں تمہارے لے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کے نگراں بننا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ از خود عہدہ ہرگز طلب نہ کرنا چاہئے، اور اگر سپرد کیا جائے تو بھی اس صورت میں قبول کیا جائے جب اس عہدے کا حق ادا کرنے کی سکت اپنے اندر محسوس ہو، ورنہ انکار کر دینا چاہئے، اس لئے کہ منصب ملنے کی صورت میں بہت سے لوگوں کے حقوق وابستہ ہو جاتے ہیں، جن کی ادائیگی نہ کر سکنے کی بنا پر قیامت کے دن سخت ندامت کا سامنا ہوگا، اسی لئے اسلاف کا عموماً یہی طریقہ رہا ہے کہ حتی الامکان عہدہ قبول کرنے سے معذرت ہی کی، البتہ جس نے عہدہ ملنے کے بعد اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کی اس کے لئے نجات بھی ہے اور بشارتیں بھی ہیں۔

ألا تستعملنی: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کو کسی جگہ کا حاکم یا صدقات وصول کرنے کا عامل مقرر کر دیا جائے۔

فضرب بیدہ علی منکبی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت وشفقت کی بنا پر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر دھپ لگائی، "**انك ضعیف**" [تم ضعیف اور کمزور آدمی ہو] یعنی امارت کی مصالح اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے کا تمہارے اندر تحمل نہیں ہے۔

انها امانة: عہدہ ومنصب خدا تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، اس کے بعد بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

وانہا یوم القیامۃ خزی وندامۃ: عہدے ومنصب کی بنا پر قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی ہوگی، یہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو اس عہدے کا اہل نہ ہو، یا اہل تو ہو لیکن ممکن انصاف نہ کرتا ہو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلیل وخوار کریں گے اور وہ اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہوگا، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عہدہ قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث اصل عظیم ہے، چوں کہ عہدہ قبول کرنے میں بڑے خطرات ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، علماء نے بھی اس سے روکا ہے، بعض اسلاف کو عہدہ پیش کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا، انکار کے نتیجہ میں سخت سزائیں دی گئیں، انہوں نے سزائیں برداشت کیں، لیکن عہدہ قبول نہیں کیا۔

الامن اخذہا بحقہا [مگر وہ شخص جو اس کو اس کے حق کے ساتھ قبول کرے] یعنی جس شخص کے اندر منصب کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی صلاحیت ہے اس نے بغیر طلب کے عہدہ قبول کیا اور پھر عدل وانصاف قائم کیا تو اس کو قیامت کے دن رسوائی نہیں ہوگی، بلکہ بہت سی احادیث میں ایسے شخص کی فضیلت مذکور ہے، مثلاً۔

سبعۃ یظلہم اللہ: سات طرح کے لوگ عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے، ان سات میں: ایک امام عادل بھی ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اشکال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف امیر بلکہ امیر الامراء تھے پھر اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا میں اپنے لئے جو پسند کرتا ہوں تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں، لائق اشکال ہے؟

جواب: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو عہدہ قبول کرنے سے منع فرمانا ان کے ضعف کی وجہ سے تھا، وہ ضعف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدہ قبول کیا، گویا مقصود یہ تھا کہ اگر بالفرض میں اپنے اندر ضعف محسوس کرتا تو میں بھی عہدہ قبول نہ کرتا، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امارت اور تولیت من جانب اللہ ملی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب سے نہیں ملی تھی۔

لا تامرن علی اثنین: دو آدمیوں کا امیر بنایا جائے تو بھی امارت قبول نہ کرنا، کیوں کہ عدل وانصاف قائم کرنا دشوار امر ہے، اس لئے یہ ذمہ داری گلے نہ پڑے تو بہتر ہے۔

ولا تولین مال یتیم: یتیم کے مال کی نگرانی بھی قبول مت کرو، کیوں کہ اس میں بھی خطرات ہیں ذرا سی غفلت سے آدمی وبال کا شکار ہوتا ہے۔ (فیض المشکوۃ:۳۱/۷، شرح الطیبی: ۱۹۲/۷)

فائدہ: نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث سے یہ فائدہ نکلتا ہے کہ حتی المقدور حکومت سے پرہیز کرنا چاہئے اور جس سے نہ ہو سکے اس کو قبول نہ کرنا چاہئے البتہ جو کر سکے اور انصاف کا یقین ہو وہ قبول کرے پھر اگر انصاف کرے اور سب کے حق ادا کرے تو اس کا ثواب بھی بڑا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی:۱۲۱/۳)

طالب کو ہم عہدہ نہیں دیتے

{۳۵۱۵} **وَعَنْ** اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِيْ عَمِّيْ فَقَالَ اَحَدُهُمَا يَا رَسُوْلَ اللهِ اَمِّرْنَا عَلٰى بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللهُ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّيْ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۵۸/۲، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۴۹، مسلم شریف: ۱۲۰/۲، باب النھی عن طلب الامارۃ، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۷۳۳۔

حل لغات: دخل علیه: کسی سے اس کے پاس جا کر ملاقات کرنا، **ولی:** حاکم مقرر کرنا، **استعمله:** امیر بنانا، حاکم بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے دو لڑکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے حاکم بنایا ہے اس میں سے کچھ حصہ کا ہمیں امیر مقرر کر دیجئے، دوسرے نے بھی اسی جیسی بات کہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہم اس کام پر اس شخص کو

حاکم نہیں بناتے ہیں، جو اس کو طلب کرتا ہے، اور نہ کسی ایسے کو جو اس کی حرص کرتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم اس کو اپنے کام پر حاکم مقرر نہیں کرتے ہیں جو اس کا طلب گار ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: چونکہ عہدہ طلب کرنا حب جاہ کی دلیل ہے، اور ایسے شخص کو اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے سلسلے میں نصرت الٰہی سے محرومی ہوتی ہے چونکہ اندیشہ ہے کہ ایسا شخص خیانت کا مرتکب ہو جائے اور اپنے اقرباء پر بھی بلا استحقاق خرچ کرے جو اس کے اور اس کے اقرباء کے لئے وبال آخرت کا ذریعہ بن جائے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جو از خود عہدہ طلب کرتا آنحضرت ﷺ اس کو عہدہ عطا نہیں فرماتے تھے، کیونکہ اس کو عہدہ نہ دینے میں ہی اس کا اور اس سے متعلق لوگوں کا حقیقی فائدہ وابستہ ہوتا تھا۔

واللہ لا نولی: عہدہ طلب کرنا حرص کی علامت ہے، لہٰذا حریص کو محروم کرنا ہی مناسب ہے، صاحب تکملہ لکھتے ہیں کہ اگر شرعی ضابطہ کے مطابق انتخاب ہو رہا ہے، تو انتخاب میں از خود امیدوار ہونا یا اپنے امیدوار بنائے جانے کے لئے لوگوں سے کہنا سننا اور اپنے حق میں ووٹ ڈلوانے کا طالب عموماً خائن ہوتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان اخونکم عندنا من طلبہ" (ابو دؤاد) عہدہ کو طلب کرنے والا تم میں سب سے بڑا خائن ہے۔

البتہ بعض احوال میں طلب عہدہ جائز بھی ہے جس کی تفصیل ما قبل میں گذر چکی ہے۔

(مظاہر حق: ۵۱۵/ ۴، عمدۃ القاری: ۲۲۷/ ۱۲)

فائدہ: یہ ایک ایسا عمدہ قاعدہ ہے کہ اگر اس پر اس زمانہ کے حکام عمل کریں تو ہزاروں خرابیوں سے محفوظ رہیں اکثر منصب وعہدہ کی وہی لوگ درخواست کرتے ہیں جن کو عاقبت کا بالکل ڈر نہیں ہوتا اور رشوتیں لینا اور خلق اللہ کو ستانا ان کا مقصد ہوتا ہے پس مناسب یہی ہے کہ ان کو عہدہ نہ دیا جائے۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۲۰/ ۳)

عہدے سے نفرت

{۳۵۱۶} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ اَشَدَّهُمْ کَرَاهِیَةً لِهٰذَا الْاَمْرِ حَتّٰی یَقَعَ فِیْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۵۰۷، باب علامات النبوۃ، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۵۸۸، مسلم شریف: ۲/۳۰۷، باب خیار الناس، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۵۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم لوگوں میں سب سے بہتر ان لوگوں کو پاؤ گے جو عہدے کو ناپسند کرنے میں سب سے زیادہ سخت ہوں گے، یہاں تک کہ وہ اس میں جا پڑے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ بہت اچھے اور نیک ہوتے ہیں جو عہدہ طلب کرنا تو در کنار عہدہ قبول کرنے سے بھی اظہار نفرت کرتے ہیں، لیکن ان کی خیریت اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ عہدے سے بچتے رہتے ہیں، جہاں وہ عہدے کی لالچ میں پڑتے ہیں ان کی نیکی وتقویٰ کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۳۲/۷، مرقاۃ: ۱۲۶/۴)

تجدون من خیر الناس: حکومت وسیاست سے دور رہنے والا نیکی وتقوی پر باقی رہتا ہے، اس کے اندر حب مال اور حب جاہ پیدا نہیں ہوتی ہے، لیکن جب منصب کے چکر میں پڑ جاتا ہے تو اس کے اندر سے خیریت رخصت ہونے لگتی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **"من ولی القضاء قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین"**

جس کو عہدہ قضاء سونپا گیا یا فرمایا جو لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا وہ درحقیقت بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

کیونکہ عہدے کی بنا پر جو ذمہ داری ہے اس کو ادا کرنا سخت دشوار ہوتا ہے، اور ادا نہ کرنے کی

صورت میں سخت وعید کا مصداق بنتا ہے، حدیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی ذکر کیا ہے کہ منصب سے نفرت میں بہتری اس وقت تک ہے کہ جب تک عہدہ سپرد نہ کیا جائے، جب لوگ اس کی صلاحیت کی بنیاد پر عہدہ دے دیں تو عہدہ قبول کرنے سے نصرت الٰہی حاصل ہوگی ایسی صورت میں منصب کے ساتھ اس کے لئے بھلائی مقدر ہوگی۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۳۳، مرقاۃ: ۴/۱۲۶)

فائدہ: طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: جو شخص حکومت وسیادت سے سخت نفرت کرنے والا ہوا سکو تم بہترین شخص پاؤ گے، یہاں تک کہ اگر وہ اپنی اس نفرت پر قائم نہ رہ سکا اور حکومت کی طلب میں مبتلا ہوگیا تو اس وقت وہ لوگوں میں بدترین ہوگا بہترین نہ رہے گا۔ الا یہ کہ اس کی نفرت وکراہت کے باوجود لوگ اسکو زبردستی کوئی عہدہ سپرد کریں اس لئے کہ ایسی حالت میں وہ نصرت الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔

(شرح الطیبی: ۷/۱۹۲)

ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے سلسلہ میں سوال ہوگا

{۳۵۱۷} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ هُوَ مَسْؤُلٌ عَنْ رِعَيَّتِهِ وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَّةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُلَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُلٌ عَنْهُ اَلا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۵۷، باب قول اللہ تعالیٰ "اطیعوا اللہ" کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۳۸، مسلم شریف: ۲/۱۲۲، باب فضیلۃ الامام، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۲۹۔

حل لغات: الراعی: چرواہا، نگراں، حاکم، محافظ، جاسوس، **المسؤل:** جواب دہ، ذمہ دار، **الرعیۃ:** زیر حفاظت، مویشی، عوام الناس جو کسی حاکم یا منتظم کے ماتحت ہو اور وہ ان کے معاملات کی

دیکھ بھال اور انتظام وانصرام کرتا ہو پبلک، رعایا، محکوم لوگ، ماتحت، جماعت۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: خبردار! تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، امام لوگوں پر نگراں ہے، لہٰذا اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، لہٰذا اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی نگراں ہے لہٰذا اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا، اور آدمی کا غلام اپنے مالک کا نگہبان ہے، چنانچہ اس سے اس کے مال کے متعلق کے دریافت کیا جائے گا، الغرض تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص چرواہا ہے، اور ہر شخص سے قیامت کے دن اس کے ریوڑ کے بارے میں باز پرس ہوگی، اس ضابطہ کے بیان کے بعد آنحضرت ﷺ نے ضابطہ کی وضاحت کے لئے چند مثالیں ذکر کی ہیں، اس کے بعد آخیر میں پھر ضابطہ بیان کیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مذکورہ جزئیات کا تذکرہ ضابطہ کی وضاحت کے لئے ہے ایسا نہیں ہے کہ یہ ضابطہ مذکورہ جزئیات میں ہی محدود ہے، چنانچہ وہ شخص جو تنہا ہو نہ اس کی بیوی ہو اور نہ خادم ہو اور نہ اولاد ہو نہ کوئی اور اس کے زیر کفالت ہو وہ بھی اس ضابطہ کے عموم میں داخل ہے، اس لئے کہ وہ اپنے جسم کے اعضاء اور اپنے حواس کا نگہبان ہے، چنانچہ قیامت کے دن اس کو اپنے اعضاء وغیرہ کے متعلق جواب دینا ہوگا، کہ ان کو درست استعمال کیا یا نہیں؟ یہ حدیث نہایت اہم ہے، لہٰذا ہر بڑے کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۳۳/۷، شرح الطیبی: ۱۹۳/۷)

الا کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته: راعی چرواہے کو کہتے ہیں رعیت ریوڑ کو کہتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ جس طرح چرواہا ریوڑ کا نگہبان ہوتا ہے، ریوڑ کی حفاظت اور اس کے ساتھ بہتر سلوک چرواہے کی ذمہ داری ہوتی ہے، اسی طرح تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت کا نگہبان ہے، ہر شخص سے اس بارے میں باز پرس ہوگی، مثلاً امیر عوام کا چرواہا ہے اور عوام ریوڑ ہے، امیر سے عوام کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کے حقوق ادا کئے کہ نہیں؟ آدمی اپنے گھر والوں کا چرواہا ہے، اس سے گھر والوں کے بارے میں

سوال ہوگا،عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے، چنانچہ اس سے اس کی بابت سوال ہوگا،غلام اور نوکر آقاء کے مال کے ذمہ دار ہیں، لہٰذا ان سے اس بارے میں دریافت کیا جائے گا،حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس حدیث کی تشریح میں ذکر کیا ہے کہ۔

فاعدو للمسالۃ جوابا: تم لوگ سوال کا جواب تیار کرلو،لوگوں نے دریافت کیا کہ۔

وماجوابہا: اسکا جواب کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اعمال البر: نیک اعمال،مقصود یہ ہے کہ ماتحتوں کے ساتھ عدل وانصاف کروتو جواب آسان ہو جائیگا،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

مامن راع الایسأل یوم القیامۃ اقام امر اللہ ام اضاعہ: ہر چرواہے سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری دی تھی اس کو ادا کیا یا اس سے غفلت برتی۔

(فتح الباری: ۱۶/۰)

علماء فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اعضاء وحواس پر نگراں ہے،اس سے ان کے احوال دریافت کئے جائیں گے کہ ان کو کہاں استعمال کیا اور کس طرح استعمال کیا اور اس کو روایت میں ظاہر ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا۔(عمدۃ القاری: ۱۲/۱۲۱،مظاہر حق: ۴/۵۱۶)

فائدہ: یہاں تک کہ جو شخص مجرد ہے،(تنہا) وہ بھی حاکم ہے،اپنے نوکروں اور غلام اور لونڈیوں کا اگر مالدار ہے،اور جو مفلس ہے تو حاکم ہے اپنے نفس اور اپنے اعضاء کا۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی: ۳/۱۲۳)

ماتحت پر ظلم کرنے والے کیلئے وعید

{۳۵۱۸} وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ وَالٍ يَلِيْ رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۵۹، باب من استرعی رعیۃ، کتاب الاحکام،

حدیث نمبر: ۱۵۱۷، مسلم شریف: ۲/۱۲۲، باب فضیلۃ الامام العادل، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۲۔

حل لغات: ولی البلد: کسی شہر یا ملک پر اقتدار حاصل کرنا، حاکم بننا، **ھو وال:** وہ حاکم ہے، غش صاحبہ غشا: دھوکہ دینا، دل میں چھپی ہوئی بات کے برعکس ظاہر کرنا، **وھو غاش ای خائن۔**

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: جو حاکم مسلمان رعایا پر حکومت کرتا ہے اور وہ اس حال میں مرتا ہے کہ وہ رعایا کے حق میں خیانت کرنے والا تھا، تو اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں ان حاکموں کے حق میں شدید وعید ہے، جو اپنے ماتحتوں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں، ان کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کرتے ہیں، اور ان کے خیر خواہ ہونے کے بجائے بدخواہ ہوتے ہیں۔

وہو غاش لہم: امارت اس لئے عطا ہوتی ہے کہ ماتحت لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے، اور امیر ان کے مصالح کا خیال کرے، بجائے خیر خواہی کے امیر ان کو دھوکا دے، ان کے ساتھ ناانصافی کرے، تو اللہ کی طرف سے ایسے امیر کو سخت سزا ملے گی۔

الا حرم اللہ علیہ الجنۃ: [مگر اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جنت کو حرام کر دیا] یعنی ایسے امیر کو جنت میں داخلہ نہیں ملے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۳۴، عمدۃ القاری: ۱۲/۲۲۷)

حرم اللہ: یعنی اول نجات پانے والوں کے ساتھ اس کا جنت میں داخلہ حرام کر دیا جائیگا، (۱) یا یہ خیانت اور ظلم کو حلال سمجھنے والا مراد ہے، (۳) یا بطور زجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔
(عمدۃ القاری: ۱۲/۲۲۷)

فائدہ: یہ حدیث معقل بن یسار نے عبید اللہ بن زیاد سے مرتے وقت بیان کی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عبید اللہ بن زیاد کو یہ حدیث فائدہ نہ دیگی، پھر انہوں نے خیال کیا کہ حدیث کا چھپانا بہترین نہیں اور نیک بات کو بتلا دینا ضروری ہے اگر چہ وہ مانے یا نہ مانے اس وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی میں بیان نہ کی کہ ایسا نہ ہو اس حدیث سے ایک فساد پھیلے لوگ عبید اللہ بن زیاد کو برا جان کر اس کی اطاعت سے پھر

جاویں یا عبید اللہ بن زیاد معقل رضی اللہ عنہ کو ایذا پہنچاوے کیونکہ وہ مردود ظالم اور جابر تھا، اور اس نے اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت نہیں کی تو اور کسی کو اس سے کیا توقع تھی۔

رعیت کے حقوق میں خیانت کرنے سے مراد یہ ہے کہ حاکم پر اپنی رعیت کے دین اور دنیا دونوں کی اصلاح ضروری ہے، پھر اگر اس نے لوگوں کا دین خراب کیا اور کسی قسم کی ناانصافی کی یا ان کی حق تلفی کی تو اس نے اپنے فرض منصبی میں خیانت کی اب وہ جہنمی ہوا، اگر اس کام کو حلال جانتا تھا، تو ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم ہوا، ورنہ اول مرحلہ میں جب اور جنتی جنت میں جاویں گے یہ جانے سے محروم رہے گا۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱/۲۳۹)

ظالم حاکم کو جنت کی خوشبو سے محرومی ہوگی

{۳۵۱۹} **وَعَنْه** قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۵۸، باب من استرعی رعیۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۵۱، مسلم شریف: ۲/۱۲۲، باب فضیلۃ الامام العادل، کتاب الامارۃ۔

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رعایا کی نگہبانی کی ذمہ داری عطا کی، پھر اس نے خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہیں کی، تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی اس شخص کے لئے سخت وعید ہے جو حکومت کی ذمہ داری تو قبول کرلے، لیکن پھر اس کا حق ادا نہ کرے، حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ رعایا کے حقوق ادا کرے، انکے درمیان عدل وانصاف کرے، ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، جو حاکم اپنے فرض سے غفلت کریگا، اور رعایا کے حق میں بدخواہ ہوگا، اس کو جنت تو کیا جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی۔

(فیض المشکوۃ: ۷/۳۴، شرح الطیبی: ۷/۱۹۴)

لم یجد رائحۃ الجنۃ: ظالم حکمراں کو جنت کی خوشبو میسر نہیں آئے گی، طبرانی میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بات مزید نقل ہوئی ہے کہ۔

وعرفہا یوجد یوم القیامۃ من مسیرۃ سبعین عاماً: قیامت کے دن جنت کی خوشبو ستر برس کی راہ سے محسوس ہوگی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظالم حاکم جنت سے بہت دور ہوگا، یہ حدیث یا تو زجرو توبیخ پر محمول ہے یا پھر اس شخص کے لئے ہے جو حلال سمجھ کر رعایا پر ظلم کرے، یا مطلب یہ ہے کہ صلحاء کے ساتھ جنت میں دخول اولی سے محرومی ہوگی، اور اگر رعایا پر حلال سمجھ کر ظلم کرے گا تو کبھی بھی جنت جانا نصیب نہیں ہوگا۔

(شرح الطیبی: ۷/۱۹۴)

ظالم حکمراں بدترین حکمراں ہیں

{۳۵۲۰} وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَۃُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۲، باب فضیلۃ الامام العادل، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۳۰۔

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ بدترین حاکم ظلم کرنے والے حاکم ہیں۔ (مسلم)

تشریح: **عن عائذ:** یہ عوذ سے اسم فاعل ہے یہ مدنی صحابی ہیں اور بیعت رضوان کے شرکاء میں سے ہیں اور انہوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کی ایک جماعت نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے، "**الرعاء**" راء کے کسرہ کے ساتھ ہے واحد "**راع**" جس کے معنی چرواہا، امیر، حاکم، وغیرہ کے ہیں۔ "**الحطمۃ**" حاء کو ضمہ اور طاء کو فتحہ ہے حاطم سے مبالغہ کا صیغہ ہے وہ حاکم ہے جو رعایا پر خوب ظلم کرتا ہے اور آزمائشوں میں ان پر رحم نہیں کرتا وہ فی الطبع حریص ہوتا ہے، بے درد ظالم چرواہا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاکم اور سلطان کے لئے راعی کا لفظ استعارتاً اختیار کیا گیا تو اسی

کے مناسبت سے مستعار منہ یعنی صفت حطم سے جسکے معنی توڑنے کے ہیں حطمۃ کو اس کے تابع کیا گیا ہے۔

(انوار المصابیح:۸/۶۴۴،مرقاۃ:۸/۱۲۸/۴)

ان شر الرعاء الحطمۃ: بلاشبہ بدترین حاکم انتہائی ظلم کرنے والے حاکم ہیں جن کے اندر رحم کا خانہ ہی نہیں ان کی فطرت ہی میں ظلم وتشدد رکھا ہوا ہے، پس جس طرح مخلوق پر رحم کھانے والے اور مہربان بہترین حاکم ہیں اسی طرح مخلوق پر ظلم کرنے والے بدترین حاکم ہوں گے۔(مرقاۃ:۸/۱۲۸/۴)

مہربان حاکم کیلئے آپ ﷺ کی دعا

{۳۵۲۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ۔ (روہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲/۱۲۲، باب فضیلۃ الامام العادل، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر:۱۸۲۸۔

حل لغات: شق علی فلان: مشقت میں ڈالنا کسی کے لئے دشواری اور مشقت پیدا کرنا، **رفق بہ ولہ:** کسی کے ساتھ نرمی برتنا رحم کرنا، مہربانی کرنا، **ولی البلد:** کسی شہر یا ملک پر اقتدار حاصل کرنا، حاکم بننا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! جس شخص کو میری امت کے معاملات میں سے کسی معاملہ کا حاکم بنایا گیا پھر اس نے امت کو مشقت میں ڈال دیا، تو آپ اس کو مشقت میں ڈال دیجئے، اور جس شخص کو میری امت کے کسی معاملہ کا حاکم بنایا گیا، پھر اس نے امت کے حق میں نرمی کی تو آپ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرمایئے۔(مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حکمراں کو رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے ظلم وزیادتی سے بچنا چاہئے جو حاکم رعایا کے ساتھ جیسا برتاؤ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی ہے کہ اے اللہ جو حاکم امت پر

سختی کریں آپ اس پر سختی کیجئے، اور جو نرمی کرے آپ اس کے ساتھ نرمی فرمائیے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا اللہ کے یہاں یقینا مقبول ہے اسلئے ظالم حکمراں دنیا میں بھی انکا انجام عبرتناک ہوتا ہے اور آخرت میں تو اپنے کئے کی سزا پائیں گے ہی چنانچہ بخاری میں حدیث ہے۔

من یشاقق یشاقق اللہ یوم القیامۃ: جو لوگوں پر سختی کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر سختی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح عادل حاکم سے محبت کرتے ہیں اسی طرح ظالم حاکم سے نفرت بھی کرتے ہیں ترمذی میں روایت ہے۔

ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ وادناھم منہ مجلساً امام عادل وابغض الناس الی اللہ وابعدھم منہ مجلسا امام جائر

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اللہ تعالیٰ سے مجلس کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب انصاف پسند حاکم ہوگا، جب کہ قیامت کے دن اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور مجلس کے اعتبار سے سب سے زیادہ دور ظالم بادشاہ ہوگا۔

دنیا میں ظالم حکمراں رعایا کے ساتھ جو برتاؤ کرے گا وہ قیامت میں خود اسی برتاؤ کا مستحق ہوگا۔

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"مامن والی یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ وحاجتہ ومسکنتہ"

جو حاکم اپنا دروازہ حاجت مندوں، غریبوں اور محتاجوں کے لئے بند کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت، حاجت، اور مسکنت کے سلسلہ میں آسمان کے دروازے بند کرلیتے ہیں۔

پس مہربان حاکم دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا مستحق ہوتا ہے اور ظالم حکمراں دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کے غصے اور ناراضگی کا مستحق ہوتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۳۶، شرح الطیبی: ۷/۱۹۵، تکملۃ فتح الملہم: ۹/۲۵۰)

انصاف والے نور کے منبروں پر ہوں گے

{۳۵۲۲} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ وَالَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۱، باب فضیلۃ الامیر العادل، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۲۷۔

حل لغات: قسط فلان قسطاً: انصاف کرنا، **منبر:** جمع، **منابر**، منبر، اجتماع عامہ کا مقام، عام مباحثوں کی جگہ، فورم، اسٹیج، پلیٹ فارم، **وماولوا:** واؤ کو فتحہ اور لام کو ضمہ اور واؤ بلا تشدید کے ہے یہ اصل میں ولیوا، بروزن **علموا:** تھا یا پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے ما قبل کی حرکت کو سلب کرنے کے بعد اس کو ما قبل یعنی لام کو دیدیا اب یاء اور واؤ میں التقاء ساکنین ہونے کی وجہ سے یا گرگئی، **ولوا:** ہوگیا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے، جو کہ رحمٰن کے دائیں طرف ہوں گے، اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، جو لوگ اپنے فیصلوں، اپنے گھر والوں اور ان معاملات میں انصاف کرتے ہیں جو ان کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں انصاف پسند حاکم کی عزت افزائی اور بلند رتبہ کا ذکر ہے، اس عظیم مقام کو ہر شخص پا سکتا ہے، اس لئے کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز پر تسلط حاصل ہے، حتیٰ کہ جو شخص بالکل محتاج ہے، اس کے پاس بھی اعضائے جسمیہ تو ہیں ہی ان پر اللہ تعالیٰ نے اس کو اقتدار دیا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ انصاف کرے اور ان کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ ان کو جائز مقاصد میں استعمال کرے اور ناجائز امور میں استعمال سے بچائے، اللہ کی شان رحیمی سے امید ہے کہ ایسے شخص کو بھی حدیث میں مذکور عظیم رتبہ سے سرفراز کیا جائے گا، حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے زیر تصرف معاملات اور زیر نگیں افراد کے ساتھ

حتی الامکان عدل وانصاف کا معاملہ کرے۔ (فیض المشکوۃ: ۳۶/ ۷، شرح الطیبی: ۱۹۶/ ۷)

فائدہ: یعنی انصاف کچھ اس میں منحصر نہیں کہ آدمی کہیں کا حاکم یا قاضی ہو بلکہ اپنے بچوں اور بیبیوں اور کنبے والوں میں بھی انصاف کرنا چاہئے، اور ہر ایک کے حقوق موافق شریعت کے ادا کرنا چاہئے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اور ان کا بیان اوپر گذرا اور علماء کا اختلاف ایسی حدیثوں میں بیان ہو چکا۔

بعضوں نے یہ کہا ہے کہ ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تاویل کے لئے گفتگو نہیں کرتے اور ان کے معنی ہم نہیں جانتے لیکن ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ ان معنی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور یہی مذہب ہے جمہور سلف کا اور ایک طائفہ متکلمین کا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی تاویل کی جائے اور اکثر متکلمین کی یہی رائے ہے اور اسی بنا پر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مراد ان لوگوں کی داہنی طرف ہونے سے اچھی حالت اور بلند درجے پر ہونا ہے، **ابن عرف** نے کہا عرب کے لوگ کہتے ہیں وہ داہنی طرف سے آیا جب کہ وہ اچھی جانب سے آوے اور عرب اچھے کام اور احسان کو داہنی طرف سے منسوب کرتے ہیں اور برے کام کو بائیں طرف سے اور یمین ماخوذ ہے یمن سے جس کے معنی برکت کے ہیں اور یہ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں ہاتھ اس کے داہنے ہیں اس سے سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں وہ سب اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں اور ان میں تاویل یا تحریف جائز نہیں ہے، اور پروردگار کے ہاتھ ایسے ہیں جیسے اس کی ذات مبارک کے شایان شان ہیں اور ہاتھ سے نعمت یا قدرت کی تاویل کرنا معتزلہ اور قدریہ کا مذہب ہے **خذلھم اللہ تعالیٰ** اس صورت میں نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں محمول ہے ظاہر متعارف پر یعنی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کا سا نہیں اور یہ صحیح ہے بلاشبہ **"لیس کمثلہ شیء"** [کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے] یعنی جیسے اس کی ذات معظم ہماری ذات کی سی نہیں ہے کیونکہ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۳۲/ ۵)

امیر کے رفقاء

{۳۵۲۳} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَعَثَ اللّٰہُ مِنْ نَّبِیٍّ وَلَا اسْتُخْلِفَ مِنْ خَلِیْفَۃٍ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَحُضُّہٗ عَلَیْہِ وَبِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّہٗ عَلَیْہِ وَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۶۸/۲، باب بطانۃ الامام، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۹۸۔

حل لغات: **استخلفہ:** اپنا جانشین بنانا، قائم مقام بنانا، **البطانۃ:** استر، نیچے لگانے کا کپڑا، دل کی بات ہم مصاحب، ہم نشین، **عصمہ اللّٰہ فلانا عن الشر و الخطاء:** فتنہ یا خطا سے کسی کو بچانا، محفوظ رکھنا، **حضہ علی الامر:** کام کے لئے زور دینا، ابھارنا، اکسانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی نبی اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور جس شخص کو بھی خلیفہ بنایا جاتا ہے تو اس کے دو راز دار ضرور رہوتے ہیں، ایک تو انہیں نیکی کا حکم کرتا ہے، اور نیکی پر ابھارتا ہے اور دوسرا برائی کا حکم کرتا ہے اور برائی پر ان کو آمادہ کرتا ہے اور معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر نبی اور حاکم کے ساتھ دو باطنی رفیق رہے ہیں، جن میں سے ایک فرشتہ ہے جو نیک راہ دکھاتا ہے اور نیکی کی تلقین کرتا ہے، جب کہ دوسرا شیطان ہے وہ بری راہ دکھاتا ہے اور برائی پر ورغلاتا ہے حضرات انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا ان پر شیطان کا فریب قطعاً نہیں چلتا، ان کے علاوہ بھی بعض ایسے خوش نصیب افراد ہوتے ہیں جن کو اللہ نے شیطان کے فریب سے محفوظ رکھتا ہے، چنانچہ وہ شیطان کے ورغلانے میں بالکل نہیں آتے۔ (فیض المشکوۃ: ۳/۷، شرح الطیبی: ۱۹۸/۷)

من نبیی، ای نبیا، ولا استخلف من خلیفۃ: حاصل یہ کہ کوئی نبی یا اس کے بعد جو اس کا قائم مقام اور خلیفہ ہو وہ دو مختلف شخصوں سے خالی نہیں ہوتے یا دو قسم کی ایسی جماعتوں سے خالی نہیں ہوتے

جو اپنی رایوں میں ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں اور یہ بادشاہوں اور امراء میں مشاہد ہے کہ کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

والمعصوم من عصمه الله: انبیا کرام کو تو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہی ہے، چنانچہ ان سے گناہوں کا صدور ناممکن ہے، ان کے علاوہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر بہت سے امراء کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا۔ (فیض المشکوۃ: ۳/۷/۳۷، عمدۃ القاری: ۲۶۹/۱۲)

المعصوم: اس لفظ سے انبیاء علیہم السلام کے حالات کی طرف اشارہ ہے اسی طرح بعض خلفاء کہ جن کو اللہ تعالیٰ شیطان کی شرارتوں سے محفوظ رکھتا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بادشاہ کے وزیر ومشیر اور گہرے دوست مراد ہوں اور جو استر کی طرح اس سے جدا نہیں ہوتے اور نبی اور خلیفہ کے دو مختلف قسم کے لوگ مصاحب رہے ہیں، چنانچہ عام مشاہدہ ہے امراء وسلاطین کے مصاحبین میں دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں بعض صاحب الرائے اور نیک راہ دکھلانے والے ہوتے ہیں جبکہ بعض اس کے برعکس برائی کے پروردہ جو امراء کو غلط مشورے دیتے ہیں، یا دو جماعتیں مراد ہیں جو رائے میں ایک دوسرے سے باہم مختلف ہوتی ہیں اور اپنے اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر کلام کرتی ہیں اللہ تعالیٰ برے کلام کے اثرات سے جسکو چاہتا ہے محفوظ رکھتا ہے۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۴/۵۱۸، عمدۃ القاری: ۲۶۹/۱۲)

اشکال: اشکال یہ کیا جا سکتا ہے کہ حدیث میں آئے ہوئے لفظ **بطانة** ذکر کئے گئے معنی کے اعتبار سے بعض خلفاء میں تو متصور ہے لیکن انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کے حال سے یہ معنی منافی ہیں اس لئے کہ اس سے تو اللہ تعالیٰ عام مؤمنین کو بھی منع فرمایا ہے چہ جائیکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو فرمایا گیا ہے: "**لاتتخذوا بطانه من دونكم لا يالونكم خبالا**"۔ [اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے] (سورۃ آل عمران)

جواب: اس کا علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اشرف کے حوالہ سے یہ جواب دیا ہے کہ "**بطانتين**" میں سے ایک سے مراد فرشتہ ہے اور دوسرے سے شیطان اور اسکی تائید حدیث کے اس لفظ "**والمعصوم من عصمه الله**" سے ہوتی ہے اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے "**مامنكم من احد الا وقد وكل به قرينه من الجن وقرينه من الملائكة قالوا واياك**

یارسول اللہ قال وایای الا ان اللہ تعالیٰ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر" یہ حدیث ترجمہ وتشریح کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔ نیز اس مضمون کی تائید بعض دوسری حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۵۰، شرح الطیبی: ۷/۱۹۹)

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کوتوال نبوت

{۳۵۲۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْاَمِيْرِ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۵۹، باب الحاکم یحکم بالفعل، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۵۵۔

حل لغات: المنزلۃ: گھر، حیثیت، مرتبہ، مقام، پوزیشن، درجہ، **لہ منزلۃ عند الامیر:** امیر کے یہاں اس کی حیثیت ہے، **الشرط**، تشریح دیکھئے۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو وہی خدمت سپرد تھی جو خدمت حاکم کے یہاں کوتوال کے سپرد ہوتی ہے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوتوال کا منصب نہیں تھا، یہ تو بہت بعد میں ایجاد ہوا ہے لیکن جو ذمہ داری کوتوال کے سپرد کی جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ذمہ داری حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما رکھی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو صاحب الشرط نہیں فرمایا ہے بلکہ "**بمنزلۃ صاحب الشرط**" فرمایا ہے یعنی بطور تشبیہ کے یہ بات کہی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۳۹، شرح الطیبی: ۷/۱۹۹)

کان قیس ابن سعد: یہ قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ انصاری خزرجی ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں معزز ترین حضرات میں شمار تھا جنگ کے امور کے ماہر تھے، صاحب رائے اور فضلائے مدینہ میں تھے اپنی قوم خزرج کے شرفاء میں تھے، حضرت نبی

کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کی حیثیت آنحضرت ﷺ کے لئے ویسی ہوگئی جیسے امراء کے یہاں پولس افسر اور کوتوال کی ہوتی ہے، یعنی بیشتر اوقات یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر آنحضرت ﷺ کے احکام کو نافذ کرتے تھے، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ مصر کے گورنر تھے اور آخر تک یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے ۶۰ رہجری میں مدینہ طیبہ میں انکا انتقال ہوا رضی اللہ عنہ "**بمنزلة صاحب الشرط**" شین کو ضمہ اور راء کو فتحہ ہے، "**من الامیر**" علامہ توریشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**الشرط. شرطی**" کی جمع ہے، جسکے معنی پولس کے ہیں یہ وہ ہوتا ہے جو امور سیاسی میں حاکم کے آگے آگے رہتا ہے اسکو شرطی اسلئے کہتے ہیں کہ امراء نے اس کو اپنی پہچان کے لئے علامت بنالیا ہے امراء ان سے پہچانے جاتے ہیں آج بھی بڑے حکام کے آگے آگے پولس چلتی ہے جس کا سب کو مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶۵۱ / ۶، عمدۃ القاری: ۲۳۲ / ۱۲)

یعنی وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں احکام جاری کرنے کے لئے اسی طرح حاضر باش رہتے جیسے امراء کے ہاں کوتوال ہوتے ہیں۔ (مظاہر حق: ۵۱۸ / ۴، عمدۃ القاری: ۲۳۲ / ۱۲)

عورت کو امیر بنانے کی ممانعت

{۳۵۲۵} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَھْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ بِنْتَ کِسْرٰی قَالَ لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَاَۃً۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۵۹/۲، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۴۲۵۔

حل لغات: ملک فلانا الشیئ: مالک بنانا، **ولی فلانا الا مر**: کسی کام کا کسی کو منتظم بنانا، نگراں بنانا، **افلح**: بامراد و کامیاب ہونا، آخرت کی نیکی حاصل کرنا قرآن کریم میں ہے، **"قد افلح المؤمنون"**۔ [ان ایمان والوں نے یقینا فلاح پالی ہے] (سورۃ المؤمنون)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ ایران

والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی، جو اپنے امور سلطنت ایک عورت کے سپرد کردے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدث کا حاصل یہ ہے کہ امارت وحکومت سنبھالنا مردوں کا کام ہے، مرد ہی اس کے مستحق ہیں، اور مرد ہی ان امور کو ٹھیک طرح انجام دے سکتے ہیں، عورت کو ملکی اقتدار سپرد کرنے کا مطلب اس پر ظلم کرنا ہے، چونکہ وہ اس کی اہل نہیں، اس لئے طرح طرح کے فتنے وجود میں آئیں گے، اور جس قوم کی عورت سربراہ ہوگی وہ قوم مصیبتوں کا شکار ہوگی۔ (فیض المشکوۃ: ۴۰/ ۷، مرقاۃ: ۱۳۰/ ۴)

لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ: تشدید لام کے ساتھ ہے، علامہ قاری نے فرمایا: "ای **فوضوا امرہم ای امر ملکھم امـراۃ**" جو قوم اپنے معاملات عورت کے سپرد کردے وہ کامیاب نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ شرح السنہ میں ہے، عورت اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ اس کو قاضی یا امام بنایا جائے اسلئے کہ یہ دونوں عہدیدار امور مسلمین کے لئے خروج کے محتاج ہیں اور عورت میں اس کی صلاحیت نہیں نیز اس لئے بھی کہ عورت ناقصات عقل میں سے ہے اور امامت وقضاء ولایات کے کمال میں سے ہے اسلئے اسکی صلاحیت مردوں میں ہی کامل ہوگی۔

کسریٰ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ حاکم ہوا تھا، لیکن وہ زہر کھانے کی وجہ سے مرگیا، مرنے سے پہلے وہ بادشاہت کے حصول کی لالچ میں اپنے بھائیوں کو ختم کر چکا تھا، خود اس کے کوئی بیٹا نہیں تھا، چنانچہ اس کی ایک کمسن بیٹی تخت نشین ہوئی، پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد سخت انتشار ہوا، اور حکومت ایران کا نام ونشان مٹ گیا۔

اشکال: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس قوم نے عورت کو حاکم بنایا وہ کامیاب نہیں ہوسکتی، جب کہ ظاہری حقیقت یہ ہے کہ بہت سی عورتوں نے کامیاب حکمرانی کی ہے۔

جواب: شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں خالی دنیوی ترقی کا نام فلاح نہیں ہے، اسی وجہ سے کافر دنیا میں بہت ترقی کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے۔

لا یفلح الکافرون: کافر لوگ فلاح یاب نہیں ہونگے۔

فلاح کا تعلق دنیا وآخرت دونوں جہان کی کامیابی سے ہے، اور دونوں جہاں کی کامیابی عورت کی

حکمرانی میں نہیں مل سکتی۔

سوال: جب عورت امیر نہیں ہو سکتی تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امارت میں جنگ جمل میں کیوں حصہ لیا، اور انہیں امیر کیوں بنایا؟

جواب: جنگ جمل میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیادت ایک اتفاقی امر ہے، انھیں حکومت چلانے کے لئے منتخب نہیں کیا گیا تھا، بلکہ وہ ایک نہایت محترم شخصیت تھیں، وہ ثالثی کے ذریعہ مسلمانوں کے اختلاف کو ختم کرانا چاہتی تھیں، لیکن چند لوگوں کی سازش سے اتفاقیہ جنگ واقع ہوگئی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اس عمل پر آخیر عمر تک شرمندہ رہیں لہٰذا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطاء اجتہادی تھی۔

شبہ: قرآن میں ملکہ سباء کا ذکر ہے، وہ تو ایک ملک کی سربراہ تھیں اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ عورت حکومت کر سکتی ہے۔

جواب: ملکہ سباء کا تعلق ہماری شریعت سے نہیں ہے، لہٰذا اس کا عمل حجت نہیں ہوسکتا ہے، نیز ملکہ سباء مسلمان ہونے کے بعد اپنے ملک کی حکمراں رہیں کہ نہیں رہیں اس کی بھی کہیں صراحت نہیں ہے۔

سوال: کیا جمہوری ملک میں عورت حکومت میں شامل ہو سکتی ہے؟

جواب: جمہوری حکومت میں سربراہ اور دیگر ارکان کی حیثیت رکن شوری کی ہوتی ہے، والی سب لوگوں کا مشترکہ گروپ ہوتا ہے کوئی ایک شخص تنہا والی نہیں ہوتا لہٰذا جمہوری نظام میں عورت حکومت میں شامل ہو سکتی ہے، کیونکہ عورت اہل مشورہ تو ہے ہی، یہ بعض لوگوں کی رائے ہے، جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمہوری حکومت کا سربراہ صرف مشیر نہیں ہوتا، بلکہ کافی حد تک بااقتدار ہوتا ہے، اس لئے عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی، البتہ رکن ہو سکتی ہے۔

سوال: اگر عورت جبریہ طور پر، یا کسی اور دوسرے طریقے سے حکمراں بن گئی تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: عورت نے حکومت پر تسلط حاصل کرلیا تو اس کی حکومت نافذ ہوگی، اب جائز امور میں اس کی اطاعت واجب ہوگی، جس طرح فاسق شخص کو نماز میں امام بنانا جائز نہیں، لیکن جب امام بن گیا تو اس کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی ہو جائے گی۔ (فیض المشکوۃ:۴۰/۷)

فائدہ: شریعت اسلامیہ نے عورت کو سربراہ بنانے سے سختی سے روکا ہے، چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ۔

اذا کان امرائکم شرارکم واغنیائکم بخلائکم وامورکم الی نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها۔ (ترمذی)

جب تمہارے حکام برے لوگ ہوں تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں، تو زمین کے اندر کا حصہ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔ (فیض المشکوۃ:۴۰/۷)

{الفصل الثانی}

اجتماعیت قائم رکھنے کی تلقین

{۳۵۲۶} **وَعَنِ** الْحَارِثِ الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَاِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مِنْ جُثٰى جَهَنَّمَ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ۔ (رواہ احمد والترمذی)

حوالہ: احمد:۳/۱۳۰، ترمذی شریف:۲/۱۱۴، باب ماجاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ، کتاب الادب حدیث نمبر:۲۹۶۳۔

حل لغات: **القید:** مقدار، فاصلہ، **بینهما قید رمح:** ان کے درمیان ایک نیزہ کا فاصلہ، **شبر:** چھنگلیا اور انگوٹھا کے درمیان کا فاصلہ، **خلع:** اتارنا، کپڑا جوتا وغیرہ نکالنا، **الربقة:** ایک پھندا، **راجع مراجعة:** رجوع کرنا، **دعا فلانا:** بلانا، پکارنا، آواز دینا، مدد چاہنا، **دعوی:** بلاوا، **الدعوی:** قول، **دعوی فلان:** فلاں آدمی کا یہ خیال ہے یا زعم ہے، **زعم:** گمان کرنا، یقین واعتقاد رکھنا۔

ترجمہ: حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں (۱) جماعت کے ساتھ رہنا (۲) امیر کی بات سننا، (۳) امیر کی فرمانبرداری کرنا (۴) ہجرت کرنا، (۵) اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

جو شخص ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے نکلا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے نکال دیا، الا یہ کہ وہ پھر سے واپس آجائے اور جس نے زمانہ جاہلیت کے پکارنے کی طرح پکارا وہ جہنمیوں کے گروہ میں سے ہے، اگر چہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور وہ یہ سمجھے کہ وہ مسلمان ہے۔ (احمد، ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے پانچ نہایت اہم باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔

(الف) جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا، مسلمانوں کی جماعت کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، اسلئے سواد اعظم سے کٹ کر زندگی نہ گذارنا چاہئے، اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

(ب) امیر کی بات غور سے سنی جائے یہ امیر کی ظاہری اطاعت ہے۔

(ج) امیر کی بات سن کر اس کی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے، یہی اصلی اور باطنی طاعت ہے۔

(د) اگر کسی ایسی جگہ ہو کہ وہاں شریعت پر عمل کرنے میں دشواری ہو اور ہجرت کی طاقت ہو تو ہجرت کرنا چاہئے۔

(ہ) علاء کلمۃ اللہ کی خاطر دشمنوں سے جہاد کرنا چاہئے اور دین پر اپنے کو جمانے کے لئے اپنے نفس اور خواہشات کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔

اس حدیث میں اس شخص کے لئے سخت وعید ہے جو اجتماعیت میں شگاف ڈالتا ہو، یہ شخص درحقیقت اسلام ہی سے نکل جاتا ہے۔

اس حدیث میں اس شخص کو جہنمی بھی قرار دیا گیا ہے، جو زمانہ جاہلیت کے رسوم ورواج کو اختیار کرے، یا زمانہ جاہلیت کے انداز پر حق ناحق کی تمیز کے بغیر محض خاندانی عصبیت کی بنیاد پر تعاون کرے یا تعاون طلب کرے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۴۱/۷، تحفۃ الاحوذی: ۱۶۲/۸)

عن الحارث الاشعری: صاحب مشکوۃ نے کہا کہ یہ حارث ابن حارث اشعری ہیں جنکا شمار شامی صحابہ میں ہے ان سے حدیث کی روایت ابوسلام وغیرہ نے کی ہے۔

بالجماعة: یعنی مسلمانوں کی جماعت کی اتباع، اور دین سے متعلق ان کے طریقہ پر عمل کا حکم کرتا ہوں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جماعت سے مراد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں نیز تبع تابعین میں کے سلف صالحین بھی اس میں شامل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں تم کو انکی سیرت کو مضبوطی سے تھامنے کا اور ان کے زمرہ میں شامل رہنے کا حکم کرتا ہوں۔

والسمع: یعنی کلمہ حق کا سننا خواہ امیر سے ہو، غریب سے ہو یا حاکم سے۔

الطاعة: یعنی امور شرعیہ میں امیر کی اطاعت، طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ "**طاعة**" سے مراد "**امتثال اوامر واجتناب عن النواهی**" ہے۔

والهجرة: یہ فتح مکہ سے پہلا حکم ہے یعنی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف منتقل ہونا اور دار الکفر سے دارالاسلام کے طرف منتقل ہونا اور دارالبدعۃ سے دارالسنۃ کی طرف منتقل ہونا اور معصیت سے توبہ کی طرف منتقل ہونا اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**المهاجر من هجر ما نهى الله عنه**" [کامل مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی تمام چیزوں کو چھوڑ دیا]

یعنی اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے کفار سے اور اپنے آپ کو شہوتوں سے روکنے اور لذت سے باز رہنے میں جد وجہد کرنا اور یہ شہوت پرست نفس انسان کے لئے کافر سے جہاد کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"**اعدیٰ عدوك نفسك التی بین جنبیك**" [تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے]

من خرج من الجماعة قید شبر: قید میں قاف کو کسرہ اور یاء ساکن ہے یعنی ایک بالشت کی مقدار اور مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اس سے علیحدگی اختیار کرے جس پر مسلمانوں کی جماعت ہے اور یہ علیحدگی خواہ معمولی اور بہت کم مقدار میں ہو۔

فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه: مطلب یہ کہ اس نے اسلام کے عہد کو توڑ دیا اور جماعت سے منحرف ہوگیا اور موافقت سے نکل گیا۔

الا ان یراجع: یہ مفاعلت سے ہے اور ربقہ اصل میں رسی کا وہ پھندا ہے جس کو جانور کے گلے میں اسکو روکے رکھنے کے لئے ڈالا جاتا ہے اسی کو اسلام کے لئے استعمال کیا گیا اور مطلب یہ کہ آدمی نے اسلام کے جن احکام کا اپنے آپ کو پابند اپنے قبول اسلام کے ذریعہ بنایا ہے اس نے اس پابندی کو ختم کر دیا۔

دعوی الجاہلیة: سے مراد جاہلیت کا طور وطریق ہے اگرچہ اقوال اور بھی ہیں لیکن دلائل کی روشنی میں اسی مراد کو انسب قرار دیا گیا ہے۔

فهو من جثی جهنم، جثی الجثوة: کی جمع ہے جسکے معنی مٹی کے ڈھیر، قبر لاش، پتھر کا ڈھیر، شعلہ انگارہ کے ہیں، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "**وهي الحجارة المجموعة**" اس کے معنی بتائے ہیں۔ (انوار المصابیح: ۶۵۳/ ۶، شرح الطیبی: ۲۱۱/ ۷، مظاہر حق مع تخریج: ۵۶۰/ ۴)

امیر کی توہین کی ممانعت

{۳۵۲۷} وَعَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِيْ بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ أَبُوْ بِلَالٍ أُنْظُرُوْا إِلٰى أَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرَةَ أُسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللّٰهُ۔ (رواه الترمذی) وقال هذا حديث حسن غريب۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۴۶/۲، باب کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۲۲۴۔

حل لغات: الرقاق: الرقیق: پتلا، جمع، ارقاء، مؤنث، رقیقة: جمع، رقاق۔

ترجمہ: حضرت زیاد بن کسیب عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے منبر کے نیچے تھا، جب کہ وہ خطبہ دے رہے تھے، اور ان کے اوپر باریک

کپڑے تھے، ابوبلال نے کہا کہ ہمارے امیر کو دیکھو یہ فاسقوں جیسے کپڑے پہنتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خاموش رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو زمین پر اللہ کے مقرر کردہ بادشاہ کی توہین کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کردیں گے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اپنے امیر کی ہرگز توہین نہ کرنا چاہئے، جو شخص اپنے امیر کی توہین کا مرتکب ہوگا خود ذلیل وخوار ہوگا، صحابی رسول حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ابوبلال نے اپنے امیر کے باریک کپڑے پہننے پر ملامت کی تو انہوں نے سختی سے روکا اور ان کو امیر کی توہین کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی وعید سنائی۔

(فیض المشکوۃ:۴۱/۷، شرح الطیبی:۲۰۲/۷، انوار المصابیح:۶۵۴/۶)

یلبس ثیاب: ایک احتمال یہ ہے کہ وہ کپڑے حرام ہوں گے جو ریشم وغیرہ کی قسم سے ہوں گے، مگر اس کی دلالت روایت میں نہیں صحابہ کرام ریشم کے کپڑے نہیں پہنتے تھے البتہ یہ کپڑے ابوبلال خارجی کے مزاج کے خلاف تھے، فتدبر، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے طعن وتشنیع سے انکو روکا اس لئے کہ وہ بات باعث فضیحت ہونے کی وجہ سے فتنہ وفساد کا باعث بن سکتی تھی، دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ ریشمی نہ تھے البتہ عادت کے خلاف باریک تھے، جو اہل تنعم وعیش پسند لوگوں کی عادت تھی یعنی وہ لباس زاہدوں کی طرز پر نہ تھا اس لئے اس نے فسق کی طرف نسبت کی، چنانچہ بعض نے کہا: **"من رق ثوبه رق دينه"** یہ صوفیا کا مقولہ ہے یعنی جس نے باریک لباس پہنا اس نے اپنے دین کو باریک کرلیا۔

(مظاہر حق مع تخریج:۵۲۱/۴، مرقاۃ:۱۳۰/۴)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں

{۳۵۲۸} وَعَنْ نَوَّاسِ ابْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ: ۱۰/۴۴، باب الطاعۃ فی المعروف، کتاب الامارۃ والقضاء۔

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کے کسی ایسے حکم کی اطاعت درست نہیں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ (شرح السنۃ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امیر کی اطاعت ناجائز امور میں نہیں کی جائے گی، مثلا شراب پینا حرام ہے، اب اگر امیر شراب پینے کے لئے کہے تو ہرگز امیر کی بات نہ مانی جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے کسی کی بات ماننا جائز نہیں ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۴۲، مرقاۃ: ۴/۱۳۱)

عن النواس: یہ واؤ کی تشدید کے ساتھ ہے جبکہ مظاہر حق میں مخفف لکھا ہوا ہے غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

ابن سمعان: سین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور میم کو فتحہ ہے جبکہ بعض نے سین کو فتحہ اور عین کا سکون بتایا ہے۔

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق: خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی نفی نہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ جس کام میں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو اس میں کسی کی فرمانبرداری کی جائے، حاصل یہ کہ اللہ کی کوئی مخلوق خواہ وہ امیر و حاکم ہو کسی گناہ کا حکم کرے تو اسکی فرمانبرداری کی اجازت نہیں، البتہ اگر جبراً اس سے کروایا جائے تو اس میں اس مجبور پر کوئی گناہ نہ ہوگا، "**رواہ فی شرح السنۃ**" یعنی صاحب مصباح علامہ بغوی نے اس کو اپنے سند سے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۵۵، مرقاۃ: ۴/۱۳۱)

امیر ظالم کی طوق پہنا کر پیشی ہوگی

{۳۵۲۹} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَمِیْرِ عَشَرَةٍ اِلَّا یُؤْتٰی بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَغْلُوْلًا حَتّٰی یَفُكَّ عَنْهُ الْعَدْلُ اَوْ یُوْبِقَهُ الْجَوْرُ۔ (رواہ الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۲/۲۱۳، باب فی التشدید فی الامارۃ، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۲۵۱۵۔

حل لغات: **غل فلانا:** ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالنا، گلے میں لوہے کا طوق ڈالنا، **فک الشیء:** کھولنا ڈھیلا کرنا، اجزاء الگ الگ کرنا، **او بقہ:** ہلاک کرنا، قید کرنا، ذلیل کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دس آدمیوں کا بھی امیر ہو وہ قیامت کے دن طوق پہنا کر لایا جائیگا، یہاں تک کہ اس کا انصاف اس کو چھڑا دیگا یا ظلم اسکو ہلاک کر دیگا۔ (دارمی)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امیر بڑا ہو یا چھوٹا دربار خداوندی میں اس کی حاضری کی صورت یہ ہوگی کہ اس کے گلے میں طوق پڑا ہوگا، پھر حساب وکتاب کے ذریعہ اگر ثابت ہو جائے گا، کہ یہ امیر انصاف پسند تھا تو اس کو نجات مل جائے گی، اس کے برخلاف اگر اس کا ظالم وجابر ہونا ثابت ہوا تو اس کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (شرح الطیبی: ۷/۲۰۳)

یوم القیامۃ مغلولا: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دنیا میں جیسے اپنے نفس کے ارادہ کے موافق اسکے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے جس طرح چاہتا تھا کرتا تھا جس طرح چاہتا خرچ کرتا اسکے برخلاف قیامت کے دن اسکو اس حالت میں لایا جائے گا، کہ اسکے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور گردن میں لٹکائے گئے ہوں گے۔ "**واللہ اعلم بالصواب**"

حتی یفک منہ العدل: یعنی اگر وہ عادل تھا اور اسکا یہی عدل اسکے گلے کے لوہے کے طوق کو اس سے الگ کرے گا۔

او یوبقہ: اور اگر ظالم تھا تو اسکا ظلم اسکو ہلاک کر دے گا۔ (انوار المصابیح: ۴/۶۵۵، مرقاۃ: ۴/۱۳۲)

فائدہ: حاکم کو ایک مرتبہ عدالت الٰہی میں طوق ڈال کر لایا جائے گا پھر تحقیق کے بعد اگر عادل ہوگا تو نجات پائے گا اور ظالم ہوگا تو ہلاک ہو جائے گا۔ (مظاہر حق: ۴/۵۲۱، مرقاۃ: ۴/۱۳۲)

امراء وحکام کی حسرت

{۳۵۳۰} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْاَمَرَاءِ وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ وَيْلٌ لِلْاُمَنَاءِ لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّ نَوَاصِيَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يَتَجَلْجَلُوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاَنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا عَمَلاً۔ (رواه فی شرح السنة) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ اَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يَتَذَبْذَبُوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَكُوْنُوْا عُمِّلُوْا عَلیٰ شَيْءٍ۔

حواله: بغوی، فی شرح السنة: ۱۰/۵۹، باب کراهية طلب الامارة والعمل به، کتاب الامارة والقضاء، حدیث نمبر: ۲۹۳۴، احمد: ۳۵۲/۲۔

حل لغات: **العرفاء: العریف،** کی جمع ہے، قوم کا سردار وغیرہ، **الويل:** نزول آفت، ہلاکت، بربادی اور تباہی کے معنی میں، **الناصية:** کی جمع، **نواصی:** پیشانی کے بال، **علق الشئ بالشئ:** اٹکانا، لٹکانا، جیسے، **علق الثوب علی المشعب:** کپڑا کھونٹی پر لٹکایا، **تجلجل:** گونجنا، آواز کے ساتھ حرکت کرنا، ایک شیٔ کا دوسری شیٔ کے ساتھ اس طرح آنا کہ آواز پیدا ہو، **ولی:** قریب ہونا، ملا ہوا ہونا، **الذوابة:** پیشانی کے بال، **تذبذب:** ہلنا، لہلہانا، **الثریا:** ثور کی شکل میں ستاروں کا مجموعہ، جھاڑ، فانوس۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حکام کے لئے ہلاکت ہے، سرداروں کے لئے ہلاکت ہے، اور امانت رکھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے، کچھ لوگ قیامت کے دن یہ آرزو کریں گے، کہ ان کی پیشانیوں کے بال ثریا سے لٹکے ہوتے اور وہ آسمان وزمین کے درمیان جھولتے رہتے، لیکن ان کو کسی کام کا ذمہ دار نہ بنایا جاتا۔ (شرح السنة) احمد کی روایت میں ہے کہ ان کے بال ثریا سے لٹکے ہوتے اور وہ زمین وآسمان کے درمیان ہلتے رہتے، لیکن انہیں کسی پر حاکم مقرر نہ کیا جاتا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو امیر یا حاکم اپنی ذمہ داری ادا نہیں کریگا، یا لوگوں

کے ساتھ عدل وانصاف کا رویہ اختیار نہیں کرے گا، اس پر قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا، وہ ان عذابوں کو دیکھ کر یہ آرزو وتمنا کرے گا کہ کاش مجھے دنیا میں کسی بھی چیز پر حاکم مقرر نہ کیا جاتا چاہے اس کے عوض میں مجھے دنیا کی زندگی کتنی ہی مشقت وتکلیف کے ساتھ کیوں نہ گذارنا پڑتی کم از کم یہاں کے عذاب سے تو دو چار نہ ہونا پڑتا، اس حسرت و یاس سے بچنے کی تدبیر یہی ہے کہ انسان دنیا میں اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے اور عدل وانصاف کو بہر صورت قائم کرے۔ (فیض المشکوۃ: ۴۳/۷)

ویل للامراء: یہ مبتداء خبر ہے جیسے "سلام علیك" دیگر مرقومہ معنوں کے علاوہ عذاب کی مشقت بھی مراد ہوسکتی ہے، اور بعض شارحین نے یہ کہا کہ جہنم کی ایک وادی ہے روایت میں بھی آیا کہ ویل جہنم کی ایسی وادی ہے کہ چالس (۴۰) سال تک اوپر سے گر کر نیچے جاتا رہا ہے لیکن اس کی سطح تک نہ پہنچے گا، "اعاذنا الله منه"

ویل للعرفاء: یہ عریف کی جمع ہے جو معنی میں فاعل کے ہے محلہ اور قبیلہ کے امور کا نگراں جس سے امیر ان کے احوال دریافت کرتا ہے۔

ویل للامناء: امین کی جمع ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو خراج اور صدقات و دیگر امور کا امیر انکو امین بناتا ہے اور پھر عام ہے ہر اس شخص کے لئے جس کے پاس کوئی شخص اپنی کوئی بات چیز امانت رکھے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "لیتمنین" میں لام قسم کا ہے اور تمنا طلب کرنا اس چیز کا جسکا حصول ممکن نہ ہو یعنی وہ قیامت کے دن یہ تمنا کریں گے کہ دنیا میں ان کے پاس کوئی عہدہ نہ ہوتا اور یہ کہ دنیا کی وہ عزت، حکومت اور سر بلندی انکو حاصل نہ ہوتی بلکہ وہ ذلیل ہوتے اور ان کے پیشانی کے بال ثریا سے لٹک رہے ہوتے اور وہ لہراتے حرکت کرتے اور لوگ اس کو دیکھتے اور دنیا میں انکی اس بے عزتی اور بے وقعتی کا مشاہدہ کرتے اور آج عذاب آخرت سے چھٹکارا مل جاتا لیکن اب اس تمنا کے پوری ہونے کا امکان ختم ہو چکا۔ واضح رہے کہ پیشانی کے بالوں کا لٹکا ہوا ہونا ذلت اور توہین کیلئے مثل کے طور پر مستعمل ہے۔

بالثریا: ان پانچ ستاروں کو جھرمٹ کو کہا جاتا ہے، جن کی روشنی کم ہے اور بلندی زیادہ ہے۔

نواصیھم: پیشانی کے بالوں سے لٹکانا یہ ذلت ورسوائی کی مثال ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن ذلت ورسوائی دیکھیں گے، حالانکہ وہ دنیا میں لوگوں پر سردار اور معزز تھے وہ ذلت دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ان کو وہ ریاست وعزت دنیاوالی حاصل نہ ہوتی بلکہ وہ ذلیل ہوتے اور بالوں کو بلندی میں باندھ کر انہیں لٹکایا جاتا اور ان کو تمام لوگ دیکھتے اور ان کی ذلت وخواری کو ملاحظہ کرتے یہ اس دنیاوی عزت وریاست سے بہتر ہوتا تاکہ آخرت کے عذاب اور ذلت ورسوائی سے نجات مل جاتی۔

(مظاہر حق: ۵۲۳/ ۴، مرقاۃ: ۱۳۳/ ۴)

فائدہ: غرض یہ ہے کہ حکومت وریاست سے جہاں تک ممکن ہو بچنے کی کوشش کرے اور مجبوراً اگر اختیار کرنا پڑے تو عدل وانصاف کی پوری پوری کوشش کرے اور ظلم وناانصافی سے پورے طور پر احتراز کرے اسلئے کہ سلطان عادل کا یہی بڑا مرتبہ ہے اور ظلم وناانصافی کا انجام وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔

وجہ حسرت

امراء وحکام کے حسرت وافسوس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت حاصل ہونے کے بعد عدل وانصاف کرنا ظلم وناانصافی سے بچنا انتہائی مشکل کام ہے اور ظلم وناانصافی عذاب آخرت کا ذریعہ ہے اسلئے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں یہ عہدے نہ ملتے اور تنگی وترشی کی زندگی گذار لیتے تو بہتر ہوتا۔

(مظاہر حق مع تخریج: ۵۲۳/ ۴)

لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسریٰ: واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ پرویز کے پاس نامہ مبارک روانہ فرمایا اور اس نے نامہ مبارک پھاڑا تو آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کے بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اللہ جل شانہ نے اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب یہ بنایا کہ خود پرویز کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کا دشمن بن گیا، شیرویہ اپنے باپ کی بیوی اپنی مادر ''شیریں'' پر عاشق ہوگیا تھا، اس کے لئے اس نے پرویز کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، پرویز کو جب اس منصوبہ کا پتہ چلا تو

اس نے اپنی الماری میں ایک ڈبیہ میں زہر رکھا اور اس میں لکھا "**الدواء النافع للجماع**" [جماع کے لئے نافع دوا] منصوبہ کے مطابق شیرویہ نے اپنے باپ پرویز کو قتل کیا اور شیرویہ تخت نشین ہوگیا، شیرویہ نے اپنے تمام بھائیوں کو بھی قتل کر دیا تاکہ کوئی ان میں سے کہیں اقتدار کا دعویٰ نہ کر دے، ایک دن اس نے پرویز کی الماری کھولی تو اس کی نظر اس ڈبیہ پر پڑی جس پر لکھا تھا "**الدواء النافع للجماع**" [جماع کے لئے نافع دوائی] چنانچہ اس نے طاقت کی دوائی سمجھ کر اس زہر کو کھایا اور ہلاک ہوگیا۔

اب ان کے خاندان میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا، جو تخت نشین ہوا اور لوگ چاہتے تھے کہ بادشاہت اسی خاندان میں رہے اس لئے لوگوں نے سلطنت شیرویہ کی بیٹی 'بوران' کے سپرد کی اور وہ ان کی بادشاہ بن گئی، روایت میں "**ملکوا علیھم بنت کسریٰ**" [انہوں نے اپنا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنالیا] سے یہی بوران مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**لن یفلح قوم ولو امرھم امراۃ**" وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کر دی ہو۔

عورت کی حکمرانی

اسلام عورت کو کاروبار سلطنت سنبھالنے اور چلانے کی اہل نہیں سمجھتا شریعت کے چاروں اصول، قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس عورت کی حکمرانی کی نفی کرتے ہیں۔

(۱)...... قرآن کریم کا ارشاد ہے: "**الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض**" (**النساء:۳۴**) مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے۔

حافظ ابن اکثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں اس آیت کے تحت تصریح کی ہے کہ سلطنت وحکومت کی سربراہی مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورت کی حکمرانی کے قائل بعض حضرات کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت قرآنیہ کا تعلق ازدواجی اور گھریلو زندگی سے ہے سلطنت وحکومت سے اسکا تعلق نہیں، آیت کا مقصد یہ ہے کہ

گھریلو اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر ہے، وہ گھر کا رئیس اور اہل خانہ کی کفالت کرنے والا ہے۔

لیکن اول تو آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس کو گھریلو اور خانگی زندگی کے ساتھ خاص کرتا ہو، دوسرے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے گھر کے محدود ماحول میں عورت کو محکوم، مرد کو حاکم عورت کو تابع، مرد کو متبوع، عورت کو مطیع، مرد کو نگراں قرار دیا ہے تو وہ قرآن مملکت کے وسیع پلیٹ فارم پر زمام حکومت عورت کے حوالہ کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔

(۲)...... سورہ احزاب آیت: ۳۳؍ میں ارشاد ہے، "**وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ**"

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو......

اس آیت میں عورت کو گھر میں رہنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ گھر کے اس چراغ کے لئے باہر کی آندھیاں مضر ہیں، آیت میں خطاب اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے ہے لیکن حکم تمام عورتوں کیلئے عام ہے کہ "**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد**" عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں۔ اب اگر حکمرانی اس کے حوالہ کی جائے تو وہ گھر میں کیونکہ رہ سکے گی؟

(۳)...... حدیث باب عورت کی حکمرانی کی صرحتاً نفی کرتی ہے، اس میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے، "**لن يفلح قوم ولوا امرهم امراة**" وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنی حکومت کا معاملہ عورت کے سپرد کردیا ہے۔

حدیث باب پر اعتراضات

عورت کی حکمرانی کے قائل بعض لوگوں نے اس حدیث پر دو اعتراض کئے ہیں:

پہلا اعتراض: یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، یہ روایت کا سہارا لیا گیا لیکن حدیث باب پر موضوع ہونے کا اعتراض وہی آدمی کرسکتا ہے جس کو اپنے من پسند نظریہ کے اثبات میں خوف خدا نہ رہا ہو، اس لئے کہ یہی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الفتن میں بھی ذکر کی ہے، بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ترمذی، نسائی، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ اور مسند احمد میں بھی صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے، محدثین میں سے

کسی نے بھی اس کو موضوع نہیں کہا، خیر القرون سے لیکر آج تک علماء اس سے استدلال کرتے رہے، مسائل کا استنباط کرتے رہے، اس کا پس منظر و پیش منظر بیان کرتے رہے، لیکن موضوع تو کجا اس کو ضعیف بھی کسی نے نہیں کہا۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی، صحابی رسول اللہ ﷺ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے بھی جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں تھی، لیکن چونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سن رکھی تھی اس لئے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دینے سے معذرت کی، اب ایک صحابی پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت غلط ثابت کرنے کے لئے محض وقتی سیاسی ضرورت کے پیش نظر اپنی طرف سے جھوٹی روایت گھڑی، ایک ایسی جرأت ہے جس پر استغفار پڑھ کر بھی دل مطمئن نہیں ہوتا، وقتی ضرورتوں کے تحت جھوٹی احادیث وضع کرنے کے الزام سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پاکباز قافلہ بھی نہ بچ سکے تو پھر دین اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔

دوسرا اعتراض: یہ کیا گیا کہ اس حدیث میں ہے کہ کوئی بھی قوم جس نے عورت کو سربراہ بنایا ہو فلاح نہیں پا سکتی، جبکہ تاریخ ہمارے سامنے ایسے لاتعداد واقعات پیش کر رہی ہے کہ جس میں کئی عورتیں اپنے اپنے ملک اور قوموں کی سربراہ ہوئیں اور ان کا دور اپنے وقت کا سنہرا دور تھا، روس کی ملکہ کیتھرائن،، ہالینڈ کی ملکہ ہلنیا، ملکہ جولیانہ، برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ اور راز بتھ سری لنکا کی مسز بندرانائیکے، اور انڈیا کی مسز اندرا گاندھی اپنے وقت کی کامیاب حکمراں تھیں، مسلمانوں میں مصر کے بادشاہ نجم الدین ایوب کی باندی **شجرة الدر**۔ ہندوستان کی ملکہ رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بیگمات بھوپال کی حکومتیں بڑی کامیاب رہیں اب یہ حدیث کہاں: جائے گی، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خاکم بدہن ہم یہ مان لیں کہ تاریخ نے قول رسول کی تردید کر دی؟

لیکن یہ اعتراض دراصل فلاح کے مفہوم سے جہالت پر مبنی ہے، اسلام کا نظریہ فلاح، مال و زر کی فروانی فتوحات کی کثرت اور سلطنت کا دبدبہ و شوکت نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے "**انه لا یفلح الکافرون**" بے شک کافر فلاح نہیں پائیں گے اگر فلاح کا مفہوم صرف دنیوی کامیابی تک محدود رکھا جائے پھر تو کافروں کی چمک دمک رکھنے والی مستحکم حکومتوں کی تاریخ سے نعوذ باللہ ان جیسی آیات کی

بھی تردید ہو جائے گی، حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں فلاح کا مفہوم دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی سے عبارت ہے، اب آپ بتائیں کہ ان عورتوں کے عہد حکومت میں وہ کونسی اخروی کامیابی نصیب ہوئی جس کی بنیاد پر یہ فرض کرلیا جائے کہ حدیث کو صحیح ماننے کی صورت میں نعوذ باللہ تاریخ سے اس کی تکذیب ہو جائے گی۔

دنیوی اعتبار سے بھی ان عورتوں کی حکومتوں کو کامیاب قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، رضیہ سلطانہ کے دور میں فتنہ وفساد برپا رہا، شجرۃ الدر ناجائز طور پر برسر اقتدار آئی تھی، اس کی حکومت کی اطلاع جب بغداد میں خلیفہ مستنصر باللہ کو ہوئی تو انہوں نے امراء مصر کے نام پیغام بھیجا کہ اگر مصر میں مرد حکمرانی کے لئے باقی نہیں رہا تو بغداد سے ہم مرد بھیج دیتے ہیں، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور شجرۃ الدر تینوں کا انجام قتل ہوا، عورت کی حکمرانی کی نفی کرنے والی چوتھی دلیل حضور اکرم ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو امام ترمذی نے "**ابواب الفتن**" میں نقل کیا ہے، "**اذا کان امراء کم خیار کم واغنیائکم سمحائکم وامورکم شوریٰ بین نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها**"

جب تمہارے حکام تم میں سب سے بہتر ہوں تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے پائیں تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے اندر سے بہتر ہے، لیکن جب تمہارے حکام برے لوگ ہوں تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر کا حصہ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا، اللہ نے فتح دی، قاصد آنحضرت ﷺ کے پاس فتح کی خوشخبری لایا، تفصیلات بتاتے ہوئے اس نے یہ بات بتائی کہ دشمنوں کی قیادت ایک عورت کر رہی تھی، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**هلكت الرجال حين اطاعت النساء**" مرد جب عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق وتائید کی ہے، قرآن وحدیث کے بعد احکام اسلام کا دارومدار اجماع پر ہے، عورت کی حکمرانی کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے۔ جن مسائل پر علماء امت کا اجماع ہے ابن حزم نے ان تمام مسائل کو "**مراتب الاجماع**" کے نام سے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے، عورت کی سربراہی کے متعلق لکھتے ہیں۔

واتفقوا ان الا مارۃ لاتجوز لا مرأۃ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

چھٹی صدی کے مشہور عالم امام محی السنہ بغوی "شرح السنہ" میں لکھتے ہیں "**اتفقوا علی ان المراۃ لاتصلح ان تکون اماماً**" اس پر اتفاق ہے کہ عورت امام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں خلیفہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "**واجمعوا علی ان المراۃ لایجوز ان تکون اماماً**" اس پر اجماع ہے کہ عورت کا امام ہونا جائز نہیں۔امام الحرمین علامہ جوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**واجمعوا ان المراۃ لایجوز ان تکون اماماً**" اسلام کے سیاسی نظام پر لکھی جانے والی قدیم وجدید تمام کتابوں میں سربراہ ریاست کیلئے مرد ہونا ضروری قرار دیا ہے، جدید محققین میں سے ڈاکٹر محمد منیر عجلانی لکھتے ہیں: "**لانعرف بین المسلمین من اجاز خلافۃ المراۃ فالا جماع فی ھٰذہ المسئلۃ تام لم یشذ عنہ احد**" ڈاکٹر ابراہیم یوسف مصطفی لکھتے ہیں: "**مما اجمعت علیہ الامۃ علی ان المراۃ لایجوز لھا ان تلی ریاسۃ الدولۃ**" عبداللہ بن عمر میجی لکھتے ہیں: "**من شروط الامام ان یکون ذکرا ولا خلاف فی ذالک بین العلماء**" قرآن وحدیث اور اجماع کے بعد قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ جس شریعت میں نماز میں عورت کی امامت ناجائز قرار دی جہاد اس پر فرض نہیں کیا، بغیر محرم کے گھر سے سفر کرنا ممنوع قرار دیا ہے، گھر ہی میں رہنے کا حکم دیا، گواہی اس کی نصف قرار دی نان ونفقہ کی ذمہ داری باپ اور شوہر پر ڈالدی، وہ شریعت اس کمزور صنف کے کندھوں پر ریاست وحکومت کی سربراہی کی بھاری بھرکم ذمہ داری کا بوجھ کیسے ڈال سکتی ہے۔

نسوانی قیادت کے مجوزین کے دلائل: حکومت وسیاست میں وجود زن سے کائنات میں رنگ بھرنے کے لئے قائل حضرات نے عورت کی حکمرانی کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، ان کے اہم اور بڑے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)...... جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قیادت کی تھی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ نے ان کی زیر قیادت جنگ میں حصہ لیا تھا جس سے عوت کی قیادت وحکمرانی کا جواز معلوم ہوتا لیکن یہ کوئی وزنی دلیل نہیں ہے جنگ جمل اور اس کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ کرنے والا

ادنیٰ طالب علم بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ اس موقع پر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ حکومت وخلافت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ اس مہم کے لئے امارت وسیادت ان کے سپرد کی گئی تھی، واقعہ یہ ہوا تھا کہ امہات المؤمنین حج کے لئے گئی تھیں، پیچھے مدینہ طیبہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا افسوسناک حادثہ پیش آگیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہوگیا تھا، اس نازک موقع پر بعض اکابر صحابہ نے مکہ ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ ان کی محترم شخصیت اس وقت امت کے انتشار واختلاف کو ختم کرسکتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ مدینہ منورہ جاکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قصاص پر آمادہ کریں لیکن بعض صحابہ نے کہا کہ پہلے بصرہ جاکر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کرلینی چاہئے، اہل بصرہ کی حمایت حاصل ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے قصاص لینا آسان ہوجائے گا، اور وہ قصاص لینے پر آمادہ ہوجائیں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس مشورہ سے متاثر ہوکر بصرہ روانہ ہوئیں اور بعض اسلام دشمن عناصر کی سازش سے جنگ جمل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ یہاں یہ بات واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جن صحابہ نے بصرہ جانے کا مشورہ دیا ان کا مقصد امت کے انتشار سے بچانے کی ایک تدبیر تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خلیفہ یا امیر بنانا ان کا مقصد تو کجا ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا، اور نہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ خواہش تھی، چنانچہ بصرہ پر جب قعقاع بن حکیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو فرمانے لگیں: "**یابنی لاصلاح بین الناس**"۔ بیٹے! میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں۔

بعد میں وہ اپنے اس سفر پر اتنی نادم تھیں کہ جب یہ واقعہ یاد آتا تو رو رو کر ان کا آنچل بھیگ جاتا۔ جس واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ خلیفہ تھیں نہ حکمراں اور جس کے پیش آنے پر وہ اس درجہ نادم تھیں، اس کو نسوانی قیادت کے جواز پر کس طرح دلیل بنایا جاسکتا ہے، عورت کی حکمرانی کے جواز پر دوسرا استدلال ملکہ سبا بلقیس کے واقعہ سے کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں اس کی سلطنت وحکمرانی کا ذکر ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد بھی بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی حکمراں رہیں جس سے نسوانی قیادت کا جواز ملتا ہے، لیکن یہ استدلال بھی ضعیف ہے ملکہ سبا کا ایمان لانا تو قرآن کریم سے ثابت ہے، لیکن اس کے بعد کا کیا بنا؟ اس کی سلطنت کہاں گئی، اس سلسلے میں کوئی بھی صحیح روایت نہیں ہے، علامہ

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "لم یرد فیہ خبر صحیح" اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت وارد نہیں ہوئی، اور فرض کرلیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو حکومت پر برقرار رکھا تھا تو زیادہ سے زیادہ اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں نسوانی قیادت کا جواز ثابت ہوگا جو شریعت محمدی میں حجت نہیں، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں واقعہ بلقیس کے متعلق لکھتے ہیں:

اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا، اور دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں، عورت کی حکمرانی کے جواز پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتویٰ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جمہوری سلطنت اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ عورت جمہوری حکومت کی سربراہ بن سکتی ہے۔

عورت کی سربراہی کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رائے اوپر بیان القرآن کے حوالہ سے آچکی ہے جس میں انہوں نے صاف صاف فرمایا: ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، البتہ جمہوری حکومت کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اس کی سربراہ بن سکتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ سلطنت جمہوری میں والی صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والی حقیقی مجموع مشیروں کا ہے۔

لیکن بعد کے علماء نے حضرت تھانوی کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ جمہوری حکومت میں والی اور سربراہ کی حیثیت محض ایک رکن مشورہ کی ہے، موجودہ پارلیمانی نظام میں وزیراعظم محض مشیر یا رکن کے سرابرہ کی حیثیت محض ایک رکن مشورہ کی ہو وہاں عورت کی سربراہی کے لئے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے، اس کی وجہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔

حاصل یہ ہے کہ تمام علماء امت کی طرف سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کے قائل ہیں

کہ عورت کو اسلامی حکومت کی سربراہ بنانا جائز نہیں، البتہ اختلاف جمہوری حکومت کی حقیقت میں ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوری حکومت کے سربراہ کے بارے میں یہ سمجھا کہ وہ حقیقتاً سربراہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت محض مشیر کی ہوتی ہے، جب کہ باقی اہل فتویٰ علماء کہتے ہیں کہ جمہوری حکومت کا سربراہ محض مشیر نہیں ہوتا بلکہ کافی حد تک مختار اور با اقتدار ہوتا ہے، اس لئے اس کی سربراہ عورت نہیں بن سکتی۔

عورت کی حکمرانی کے جواز پر فقہ حنفی کی مشہور کتاب "البحر الرائق" میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے: "**امام سلطنتها فصحيحة، وقد ولى مصر امراة تسمى شجرة الدر، جارية الملك الصالح بن ايوب**" اس میں عورت کی حکومت و سلطنت کو صحیح کہا ہے جس سے عورت کی حکمرانی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبارت میں **"صحت"** سے مراد نفاذ ہے، مطلب یہ ہے کہ عورت کو حکمراں بنانا ناجائز ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے کسی طریقہ سے تسلط حاصل کرلیا تو اس کی حکومت نافذ ہوجائے گی، اور جائز امور میں اس کی اطاعت واجب ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی غلام ناجائز طریقہ سے تسلط حاصل کرلے تو اس کی حکومت نافذ ہوجائے گی حالانکہ حکمراں کے لئے آزاد ہونا متفق علیہ شرط ہے، حکمرانی کا جواز عدم جواز الگ چیز ہے اور حکمراں بننے کے بعد حکومت کا نفاذ اور عدم نفاذ دوسری چیز ہے، مذکورہ عبارت میں نفاذ مراد ہے جواز مراد نہیں، شریعت میں اس کی کئی مثالیں ہیں، مثلاً فاسق کو نماز میں امام بنانا جائز نہیں لیکن اگر کوئی فاسق امام بن گیا تو اس کی اقتدار میں نماز صحیح ہوجائے گی۔

(کشف الباری: ۸/۶۵۷، فتح الباری: ۸/۱۵۹)

چودھراہٹ دوزخ کا باعث ہے

{۳۵۳۱} وَعَنْ غَالِبٍ الْقَطَّانِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعِرَافَةَ حَقٌّ وَلاَ بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عُرَفَاءَ وَلٰكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲، باب فی العرافۃ، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث

نمبر:۲۹۳۴۔

حل لغات: عرف فلان القوم عرافۃ: کسی قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا، تدبیر وانتظام کرنا، **العرفاء:** یہ جمع ہے، **العریف:** کی قوم کا سردار، واقف کار، کسی چیز سے باخبر۔

ترجمہ: حضرت غالب قطان ایک شخص سے اور وہ شخص اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سرداری حق ہے، لوگوں کے لئے سرداروں کا ہونا ضروری ہے، لیکن سردار لوگ جہنم میں جائیں گے۔ (ابوداوٗد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان پیش آنے والے معاملات کو نپٹانے کے لئے اور دیگر ضرورتوں کے لئے سرداروں اور سربراہوں کا ہونا ضروری ہے، سردار نہ ہونگے تو مسائل کھڑے ہوں گے، لیکن اسی کے ساتھ یہ تلخ حقیقت بھی ہے کہ اکثر سردار سرداری کے نشہ میں طاقت کا غلط استعمال کرکے ظلم وزیادتی کریں گے، جس کے نتیجہ میں ان کا انجام جہنم کی آگ ہوگا۔

و عن الغالب القطان: قاف کو فتحہ اور طاء کو تشدید ہے یہ تابعی ہیں اور اصل نام اس طرح ہے: غالب ابن ابی غیلان ابن خطاف القطان البصری، انہوں نے بکر بن عبد اللہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ "**ان العرافۃ**" عین کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی مناسب تو یہ ہے کہ سرداری ہو اس لئے کہ قوم کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**حق**" یہاں پر "**المصلحۃ**" کی جگہ پر واقع ہوا ہے اور اس امر کی جگہ پر جس کی ضرورت لشکروں کے بھیجنے اور ان کے انتظامات میں ہوتی ہے، کہ لشکر کی ضروریات کیا ہوں گی، ان کی تعداد کیا ہوگی اور یہی معنی ہیں اگلے جملہ "**ولا بد للناس من العرفاء**" [لوگوں کیلئے عرفاء (امرائ) ضروری ہیں] کے "**ولکن العرفا فی النار**" [لیکن امراء جہنم میں جائیں گے] اس لئے کہ اس منصب کے فرائض صحیح طور پر بالعموم چودھری صاحبان انجام نہیں دیتے، لہٰذا ان کی یہ غفلت یا غیر منصفانہ طرز عمل ان کو جہنم میں لے جائے گا، چنانچہ "**العرفاء فی النار**" سے مراد وہ سردار ہیں جو احکام میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے ہیں اور سبھی عرفاء کے لئے آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا اس میں غالب کو کل کی جگہ پر اختیار کرنے کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے کام کریں گے جن کی وجہ سے جہنم کا داخلہ واجب ہو جائے گا۔ (انوار المصابیح: ۵۶۸/۶، بذل المجہود: ۱۱۳/۱۰)

ابو داؤد شریف میں ایک دوسری حدیث میں موجود ہے کہ ایک نامعلوم الاسم صحابی کہتے ہیں کہ ہم اور ہماری قوم ایک چشمہ پر آباد تھے جب ان لوگوں کو اسلام کی خبر پہنچی تو صاحب الماء یعنی چشمہ پر جو قوم آباد تھی اس کے چودھری نے اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا کہ اگر تم سب اسلام لے آؤ تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا، اس پر وہ سب لوگ اسلام لے آئے اور اس چودھری نے سو اونٹ بھی ان پر تقسیم کر دیئے، لیکن پھر بعد میں اس کی رائے اپنے ہبہ سے رجوع کرنے کی ہوئی، تو رجوع سے پہلے اپنے بیٹے کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، اور اس بیٹے سے یہ بات کہی کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر یہ کہنا کہ میرے باپ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور پھر قوم کے اسلام لانے اور ان پر اونٹ تقسیم کرنے کا واقعہ ذکر کرنا اور یہ پوچھنا کہ اب اس کی رائے اس میں رجوع کی ہو رہی ہے تو کیا اس کے لئے رجوع کرنے کا حق ہے؟ اور کہا کہ آپ ﷺ اس کا جو بھی جواب دیں ہاں یا نہیں اس کو سنکر دوسری بات یہ دریافت کرنا کہ میرا باپ اب بوڑھا ہو گیا اور وہ ان چشمہ والوں کا عریف ہے، تو وہ آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ مجھ کو میرے باپ کی جگہ عریف بنا دیں، چنانچہ اس کا بیٹا ان سب باتوں کو لیکر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچا، اور اولاً اپنے باپ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا: "**علیکم وعلی ابیك السلام**"۔ [تم کو اور تمہارے باپ کو سلام]

رجوع الہبۃ کے جواز کی دلیل

اس کے بعد قوم کے اسلام لانے کا اور ان کو سو اونٹ دینے کا، اور پھر اس ہبہ میں رجوع کرنے کی بات اس نے حضور ﷺ سے عرض کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ اونٹ ان کو دینا چاہے دے، اور رجوع کرنا چاہے، تو رجوع کر سکتا ہے، پھر اگر وہ اسلام پر باقی رہتے ہیں ان کا اسلام ان کو مبارک ہو، اور اگر اسلام سے پھریں تو ان سے قتال کیا جائے، اس کے بعد اس نے عرافت کے بارے میں دریافت کیا، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عرافت برحق ہے، کوئی ناجائز چیز نہیں ہے بلکہ لوگوں کے لئے عرفاء کا ہونا ضروری بھی ہے، "**لکن العرفاء فی النار**"، لیکن یہ عریف لوگ جہنم میں جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ یہ چودھری لوگ جو ہوتے ہیں اپنی

چودھراہٹ میں عام طور پر لوگوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں۔ (الدر المنضود: ۱۰۳/۵)

فائدہ: چودھری کی ضرورت بھی ہے لیکن چودھریوں کی اکثریت دوزخ میں جائے گی، کیونکہ وہ اپنی ذمہ داری میں عدل سچائی اور انصاف سے کام نہیں لیتے ہیں اسلئے چودھراہٹ کے لئے ہر وقت ہلاکت کا خطرہ ہے، کیونکہ اس کی شرائط پر پورا اترنا مشکل ہے، پس عاقل کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس سے بچے اور معذرت کردے تاکہ فتنہ میں مبتلا ہو کر دوزخ کا ایندھن نہ بن جائے۔

(مظاہر حق مع تخریج: ۵۲۳/۴، بذل المجہود: ۱۱۳/۱۰)

بیوقوف حاکم سے پناہ طلب کرنا

{۳۵۳۲} **وَعَنْ** كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعِيْذُكَ بِاللهِ مِنْ اِمَارَةِ السُّفَهَاءِ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اُمَرَاءُ سَيَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرِدُوْا عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَاُولٰئِكَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ وَاُولٰئِكَ يَرِدُوْنَ عَلَيَّ الْحَوْضَ۔

(رواه الترمذی والنسائی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳۲/۱، باب ماذکر فی فضل الصلاۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۶۱۴، نسائی شریف: ۱۶۶/۲، باب ذکر الوعید لمن اعان الخ، کتاب البیعۃ، حدیث نمبر: ۴۲۰۷۔

حل لغات: الامارۃ: منصب، حاکم، امارت، حکومت، ریاست، السفھاء: جمع ہے، السفیہ: کی بے وقوف، اعاذہ باللہ: اللہ کی پناہ میں دینا۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں بیوقوف لوگوں کی سرداری سے تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، انہوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ اے

اللہ کے رسول ﷺ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ امراء ہوں گے جو لوگ ان کے پاس جائیں گے اور ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق کریں گے، اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کریں گے، تو وہ مجھ سے نہیں ہیں اور میں ان سے نہیں ہوں، اور وہ میرے حوض پر نہیں آئیں گے، اور جو لوگ نہ ان کے پاس جائیں نہ ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق کریں گے، اور نہ ان کے ظلم میں ان کی مدد کریں، تو یہ وہ لوگ ہیں جو میرے پاس حوض پر آئیں گے۔ (ترمذی، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جنہیں حکومت ملتی ہے تو وہ ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی سخت وعید ہے، جنہیں حاکموں کا قرب اور ان کی صحبت ملتی ہے، تو وہ بجائے صحیح مشورہ دینے کے اور عدل وانصاف پر ابھارنے کے، ظلم وستم میں ان کی تائید کرتے ہیں اور انکی ناانصافی کو فروغ دیتے ہیں، ایسے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس حوض کوثر پر حاضر ہونے سے محروم رہیں گے، انہیں نہ حوض کوثر کے پاس آنے دیا جائے گا، نہ کہ جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی۔ (فیض المشکوٰۃ: ۴۴/۷، شرح الطیبی: ۲۰۵/۷)

ابن عجرہ: عین کو ضمہ ہے انہوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی لیکن انتقال مدینہ طیبہ میں ۵۷ رہجری میں ہوا ان سے حضرات صحابہ وتابعین میں سے بہتوں نے حدیث کی روایت کی ہے رضی اللہ عنہ "**قال لی**" یعنی مجھ اکیلے کو کہا اور یا یہ تقدیر "**مخاطباً لی، اعیذك بالله من امارة السفهاء**" [میں تم کو بیقوفوں کی امارت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں] یعنی ان کے عمل سے اور یا ان کے پاس جانے سے اور یا ان سے ملنے سے۔

السفهای: وہ لوگ جو علم کے اعتبار سے جاہل اور عمل کے اعتبار سے کورے ہوں اور ایسا آدمی بیوقوف ہی ہوتا ہے "**قال**" اصل میں تو قلت ہونا چاہئے تھا لیکن قال کہا اس میں یا تو التفات ہے یا تجرید "**وماذاك يارسول الله؟**" یعنی بیوقوفوں کی امارت جس کا آنحضرت ﷺ نے ذکر فرمایا وہ کیا ہے؟ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں "**امارة السفهاء**" کے معنی کی طرف اشارہ ہے اور وہ ان کے ظلم اور جھوٹ پر مشتمل افعال ہیں۔

قال امراء سيكونون من بعدى: یعنی ایسے بیوقوف لوگ جو ظلم اور جھوٹ سے متصف

ہوں گے، اور میرے بعد دنیا میں آئیں گے۔

من دخل علیہم: [جو شخص ان پر داخل ہو] خواہ علماء ہوں یا ان کے علاوہ "**فصدقھم بکذبھم**" [ان کے پاس داخل ہو کر ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے یعنی ان کی ہر ہر بات میں ان کی ہاں میں ہاں ملائے]

"**واعانھم علی ظلمھم**" [ان کے ظلم پر ان کی مدد کرے] یعنی علماء سوء کا مثلاً یہ طرز عمل کہ ان کے حکم و فیصلہ کے موافق فتویٰ صادر کریں خواہ ان کا حکم ظلم وستم پر یا کذب پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو۔

فلیسوا منی: [وہ مجھ سے نہیں] یعنی وہ میری امت میں سے یا میرے متبعین میں سے نہیں ہیں۔

ولست منھم: [اور میں ان سے نہیں] یعنی میرے اور ان کے درمیان براءت ہے اور نقض ذمہ ہے میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

ولم یردو علی الحوض: [وہ میرے حوض پر بھی نہیں آسکیں گے] بھلا ایسوں کا آنحضرت ﷺ کے پاس حوض کوثر یا جنت کے حوض پر پہنچ سکنے کا کیا سوال ہے؟ اسی محرومی کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے۔ (انوار المصابیح: ۶۵۰/۶، شرح الطیبی: ۲۱۵/۷)

اس حدیث میں تین مضمون ہیں

پہلا مضمون: اس دنیا میں جو معنویات ہیں وہ برزخ میں، میدان حشر میں اور جنت وجہنم میں پیکر محسوس اختیار کریں گے، ان کی حقیقت کے مناسب جو صورت ہوگی اور وہ ان کو ملے گی، بزدلی خواب میں خرگوش کی شکل میں نظر آتی ہے اس لئے کہ وہی صورت بزدلی کے مناسب ہے، اور لالچ خواب میں کتے کی شکل میں نظر آتی ہے کیونکہ یہی صورت حرص کے زیادہ مناسب ہے، اسی طرح دنیا میں جو چیزیں معنویات ہیں وہ مناسب صورت میں دوسری دنیا میں ظاہر ہوں گی، چنانچہ حوض کوثر سنت نبوی کا پیکر محسوس ہوگا، اس دنیا میں جو سنت نبوی پر عمل پیرا ہوگا وہ حوض کوثر پر وارد ہوگا اور جو سنت نبوی سے منہ موڑتا ہے وہ حوض کوثر پر نہیں پہنچے گا، اور اگر پہنچنے کا ارادہ کرے گا تو فرشتے دھکا دے کر ہٹا دیں گے، اور پل صراط جو

جہنم کی پیٹھ پر بچھایا جائے گا صراط مستقیم کا پیکر محسوس ہے، جو شخص دنیا میں صراط مستقیم پر گامزن ہے وہ پل صراط پر سے آسانی سے گذر جائے گا، اور جو جتنا مضبوطی سے صراط مستقیم سے چمٹا رہے گا وہ اتنا ہی جلدی پل صراط سے گذر جائے گا، اور جس نے دنیا میں صراط مستقیم اختیار نہیں کی وہ پل صراط پر سے نہیں گذر سکے گا، آنکڑے اس کو پکڑ کر کھینچ لیں گے، اور جہنم میں پہنچا دیں گے، غرض اس دنیا میں جو معنویات ہیں اگلی دنیا میں وہ پیکر محسوس اختیار کریں گے، اس لئے ظالم حکام کی ہاں میں ہاں ملانا اور ان کی مدد کرنا چونکہ سنت نبوی کے خلاف ہے اس لئے ایسے لوگ حوض کوثر کے آب شیریں سے محروم رہیں گے۔

دوسرا مضمون: امراء سوء کی ان کے غلط احکام میں اور ان کے ظلم میں مدد (ہمنوائی) نہیں کرنی چاہئے یہ حوض کوثر پر پہنچنے کیلئے مانع ہے، اور اس کا مدار امراء کے پاس جانے نہ جانے پر نہیں ہے بلکہ ظلم میں ان کی مدد کرنے نہ کرنے پر ہے۔

تیسرا مضمون: "فلیسوا منی ولست منھم" ایک محاورہ ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص امراء کے غلط فیصلوں میں ان کی ہمنوائی کرتا ہے وہ میرا ہم مزاج نہیں، اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جب اللہ کے رسول کسی شخص سے ایسی بے تعلقی ظاہر کریں تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کہاں ہوسکتا ہے؟ (تحفۃ الالمعی: ۵۰۳/ ۲، شرح الطیبی: ۲۰۶/ ۷)

فائدہ: یہ لوگ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئیں گے یعنی حوض کوثر یا جنت میں اس میں نفی ایمان کے ساتھ درحقیقت ان کے اس فعل پر شدید وعید کی گئی ہے۔

بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے

{۳۵۳۳} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی) وَفِي رِوَايَةِ اَبِي دَاؤُدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطَانَ افْتُتِنَ وَمَا ازْدَادَ عَبْدٌ مِنَ السُّلْطَانِ دُنُوًّا اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللهِ بُعْداً۔

حوالہ: احمد: ۱/۳۵۷، ترمذی: ۲/۵۱، باب کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۲۵۶، نسائی: ۳/۱۷۴، باب امتناع الصید کتاب الصید والذبائح، حدیث نمبر: ۴۳۰۹، ابوداؤد، ۲/۳۹۵، باب فی امتناع الصید، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۲۸۵۹۔

حل لغات: سکن: (ن) سکوناً: رہنا، رہائش اختیار کرنا، **البادیۃ:** مؤنث ہے، "**البادی**" کھلا ہوا جنگل، (ج) **بواد، جفاً (ن) جفاءۃً:** سنگ دلی، بے رحمی، **غفل:** غافل ہونا، عدم توجہ اور قلت احتیاط کی وجہ سے بھول جانا، **افتتن:** فتنہ اور آزمائش میں ڈالنا، **دنا دنوا:** نزدیک ہونا قریب آنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جنگل میں سکونت اختیار کی سخت دل ہوگیا، اور جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوگیا اور جو بادشاہ کے پاس آنے لگا وہ فتنہ میں مبتلا ہوگیا۔ (احمد، ترمذی، نسائی) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو بادشاہ سے پورے طور پر وابستہ ہوگیا وہ فتنہ میں پڑگیا، اور بندہ جتنا زیادہ بادشاہ کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ سے دور ہوجاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں چند بہت اہم باتیں مذکور ہیں دیہات کے رہنے والے عموماً علماء کی صحبت سے دور رہتے ہیں جس کی بنا پر ان کے قلوب میں نور ایمانی کی کمی ہوتی ہے اور ان کے دل سخت ہوجاتے ہیں۔

جو لوگ شکار کو مقصد حیات بنالیتے ہیں اور تفریح طبع کے طور پر ہر دم شکار کی طلب میں لگے رہتے ہیں ایسے لوگ فرائض وسنن سے غفلت کی زندگی گذارنے کے عادی ہوجاتے ہیں۔

بلامقصد امراء کے دربار کی حاضری انسان کو خسارہ میں مبتلا کرتی ہے اور اس سے فتنے جنم لیتے ہیں کیونکہ حاضری دینے والا اگر بادشاہ کی غلط رائے کی موافقت کرے گا تو من جانب اللہ اس سے موخذہ ہوگا اور اگر مخالفت کرے گا تو ظالم بادشاہ کے عتاب کا شکار ہوگا، اسلئے بلامقصد کی حاضری سے گریز کرنا چاہئے، اور ضرورت پڑ جانے پر جایا جائے تو مداہنت سے گریز کیا جائے۔ دنیا کی ہوس کی خاطر امراء کے پاس آنے جانے والے کے دل سے آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی محبت نکل جاتی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۴۵، مرقاۃ: ۴/۱۳۴)

من سکن البادیۃ جفا: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ای جھل" کہا اور قاضی نے کہا: "جفا الرجل اذا غلظ قلبہ وقسا ولم یرق لبر وصلۃ رحم"۔ یعنی "جفا الرجل" جب کہتے ہیں جب آدمی کا قلب سخت ہو جائے اور بھلائی وصلہ رحمی کے لئے نرم نہ پڑے اور یہ صفت جنگل میں سکونت پذیر لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے کہ وہ اہل علم سے دور ہوتے ہیں اور لوگوں سے انکا ملنا جلنا بھی کم ہوتا ہے اسی لئے ان کی طبیعتیں مثل وحشی جانوروں کے ہو جاتی ہیں۔

ومن اتبع الصید: یعنی ہمیشہ شکار کے ہی چکر میں رہنے لگا اور یہ محض تفریح طبع اور صرف دلچسپی کی ہی غرض سے ہو، **"غفل"** یعنی طاعت، عبادت اور جمعہ وجماعت سے غافل ہوگیا اور نرمی اور جذبہ رحم سے دور ہوگیا یعنی جن بہائم وسباع کے شکار کے چکر میں رہا ان کی ہی خصلت اس میں پیدا ہوگئی۔

ومن اتی السلطان: یعنی بلا ضرورت اور جانے کی حاجت کے بغیر حاضری دینے کا طریقہ اختیار کیا۔

افتتن: یہ مجہول کا صیغہ ہے اس لئے کہ اس کی یہ حاضری دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ ہر صحیح وغیرہ صحیح پر بادشاہ کی موافقت کرے گا تو اس سے اس کا دین برباد ہوگا اور یا موافقت نہ کرکے روک ٹوک کا طریقہ اختیار کرے گا تو اس سے اس کے دنیاوی نقصان کا خطرہ ہوگا۔ "بمعناہ قال الطیبی"

ومن لزم: [اور جو شخص بادشاہ کو چمٹا رہا یعنی ہر وقت بادشاہ کے پاس آتا جاتا رہتا ہے، ضرورت اور بلا ضروت بادشاہ کے پاس جاتا رہتا ہے گویا ہر وقت بادشاہ کو چمٹا رہتا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہو کر رہے گا، فتنوں سے بچ نہیں سکتا۔

"**وما ازداد عبد من السلطان دنوا**" دال اور نون مضموم اور واؤ مشدد ہے "**ای قربا، الا ازداد من اللہ بعدا**" [یعنی جو شخص بادشاہ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے گا، اسلئے کہ وہ ہر ہر چیز میں بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملائے گا، ظلم میں معاصی میں اس کی مدد کرے گا، اور ان چیزوں کی وجہ سے یقینا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ دیلمی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

من ازداد علما ولم یزد فی الدنیا زھدا لم یزدد من اللہ الا بعدا۔

یعنی جس کا علم تو بڑھ گیا لیکن دنیا میں اس کا زہد نہیں بڑھا بلکہ خاصے علم کے باوجود دنیا سے مکمل دلچسپی باقی رہی تو یہ صورت حال ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ سے دوری میں زیادتی پیدا کرے گی۔

(انوار المصابیح: ۶۶۰/۶، مرقاۃ، ۱۳۴/۴)

فائدہ: بعض صحابہ کرام نے شکار کیا اور شکار کے مباح وحلال ہونے میں کلام نہیں، بلا مقصد اس میں مشغول ہونے کی ممانعت ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس کبھی شکار نہیں کیا مگر اس کی ممانعت بھی نہیں فرمائی۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۵۲۵/۴، شرح الطیبی: ۲۰۷/۷)

سوال: جنگل میں بسنے والے کا دل کیوں سخت ہو جاتا ہے؟

جواب: اس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) ایسا شخص علماء کی مجالس سے کٹ جاتا ہے۔

(۲) لوگوں سے اختلاط نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا مزاج نہیں بن پاتا ہے۔

(۳) حکام کی داروگیر سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے، ان اسباب کی بناء پر وحشی پن آجاتا ہے اور دل میں سختی سما جاتی ہے۔

(۴) لیکن اس سے دیہات یا جنگل میں بسنے والوں کی تحقیر مقصود نہیں ہے۔

عہدہ نہ ملنے میں نجات

{۳۵۳۴} **وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَفْلَحْتَ يَاقُدَيْمُ اِنْ مُتَّ وَلَمْ تَكُنْ اَمِيْرًا وَلَا كَاتِبًا وَلَا عَرِيْفًا۔ (رواہ ابوداؤد)**

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۰۷/۲، باب فی العرافۃ، کتاب الخراج الامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۳۷۔

حل لغات: **افلح:** بامراد، کامیاب ہونا، آخرت کی نعمت حاصل کرنا، **العریف:** قوم کا سردار،

واقف کار، کسی چیز سے باخبر۔

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کاندھے پر مار کر فرمایا اے قدیم! تم کامیاب ہو گئے اگر اس حال میں تمہارا انتقال ہوا کہ نہ تم امیر بنے، نہ منشی بنے اور نہ سردار بنے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص عہدوں سے اپنے آپ کو بچا کر اور گمنامی کی زندگی گذار کر اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ زیادہ حساب وکتاب نہیں ہوتا ہے اور اس کی جنت کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۴۲/ ۷، بذل المجھود: ۱۱۳/ ۱۰)

عن المقدام: میم کو کسرہ ہے "**بن معدیکرب**"، حضرت مقدام ابن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو کریم ہے اہل شام میں ان کا شمار ہے اور ان کی حدیث بھی اہل شام کی حدیث میں شمار ہوتی ہے ان سے بہت سے حضرات نے حدیث کی روایت کی ہے شام ۸۷ ؍ہجری میں انتقال فرمایا جب کہ ان کی عمر اس وقت اکیانوے سال تھی۔

ضرب ای یدیہ علی منکبیہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مارنا اظہار شفقت ومحبت کے بطور تھا، نیز ایک فائدہ یہ بھی کہ وہ ٹھیک سے متوجہ بھی ہو جائیں۔

ثم قال افلحت: یعنی تم حقیقی مقصود میں کامیاب رہو گے، "**یاقدیم**" یہ تصغیر مقدام ہے جس میں زائد حروف کو بطور ترخیم حذف فرما دیا ہے "**ان مت**" میم کو ضمہ ہے جب کہ کسرہ بھی جائز ہے، "**ان لم تکن امیراً**" اگر تم مرتے وقت نہ امیر ہو، "**ولا کاتبا**" یعنی اور نہ امیر کے منشی ہو، "**ولا عریفا**" اور نہ قوم کے سردار ہو اور اس میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے یعنی تم لوگوں کے درمیان معروف ومشہور آدمی نہ ہوئے، حدیث میں اشارہ ہے کہ گمنامی کی زندگی میں ہی راحت ہے اور شہرت آفت ہے، والی مکہ مکرمہ مولانا ابو عز بن برکات کا قول ہے: "**والسعید من لایعرفنا ولا نعرفہ**" یعنی نیک بخت ہے وہ شخص جو ہم کو نہ پہنچانتا ہو اور ہم اس کو نہ پہنچانتے ہوں۔ (انوار المصابیح: ۶۶۱/ ۶، بذل المجھود: ۱۱۳/ ۱۰)

فائدہ: اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے سرداری اور امارت کی ضرورت ہے کیونکہ اسکے بغیر زندگی کا نظام چلنا مشکل ہے اب سوال یہ ہے کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردار نہ بننے کو کیوں کامیاب فرمایا

حالانکہ اسکی ضرورت بھی ہے۔

جواب یہ ہے کہ عام طور پر امراء اور سردار اپنے مناصب کا غلط استعمال کر کے جہنم کا ایندھن بنتے ہیں اسلئے آنحضرت ﷺ نے اپنے فرمان سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ گمنامی راحت اور شہرت آفت ہے۔ (مستفاد مظاہر حق: ۵۲۵/ ۴، وفیض المشکوۃ: ۴۶/ ۷)

ناجائز ٹیکس وصول کرنیوالے حاکم کیلئے وعید

{۳۵۳۵} وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ يَعْنِي الَّذِي يُعَشِّرُ النَّاسَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والدارمی)

حوالہ: احمد: ۱۴۳/۴، دارمی: ۳۸۳/۱، باب کراھیۃ ان یکون الرجل عشارا، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ۱۶۶۶، ابوداؤد: ۴۰۸/۲، باب فی السعایۃ علی الصدقۃ، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۳۷۔

حل لغات: مکس: محصول، چنگی، (ج) **مکوس**۔ جو شہر میں داخلہ کے وقت لیا جاتا ہے، **عشر فلانا:** لوگوں سے دسواں حصہ لینا، **عشر القوم:** لوگوں سے ان کے مال کا دسواں حصہ لینا۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا یعنی وہ شخص جو ناجائز وصولی کرتا ہے۔ (احمد، دارمی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو لوگوں سے ناجائز ٹیکس وصول کرتے ہیں، مثلاً بعض لوگ تاجروں سے جبریہ ہفتہ وصول کرتے ہیں اسی طرح بعض لوگ چنگی کے نام پر بلاوجہ کی وصولی کرتے ہیں یہ کمائی ناجائز ہے، اسے کرنے والے جنت سے محروم ہوں گے، جس حاکم کے اشارے وایماء پر یہ عمل انجام دیا جائے گا وہ بھی سزا کا مستحق ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۴۶/ ۷)

عن عقبۃ بن عامر: یہ حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں مصر کے گورنر تھے ان سے پہلے گورنر عقبہ ابن ابوسفیان تھے بعد میں ان کو معزول کر دیا گیا تھا مصر ہی میں ان کا انتقال ہوا سن وفات ۵۸ ہجری ہے ان سے چند صحابہ نے اور بہت سے تابعین

نے حدیث کی روایت کی ہے۔

صاحب مکس: میم کو فتحہ ہے [ٹیک وصول کرنے والا] یعنی حضرت نبی کریم ﷺ نے اس لفظ سے اس شخص کو مراد لیا ہے جو تاجروں سے جب وہ گذرتے ہیں عشر کے نام پر جنگی وصول کرتا ہے۔

حکومت کا وہ اہل کار اور صدقہ وصول کرتا ہے یا ذمیوں سے وہ عشر وصول کرتا ہے جس پر ان سے مصالحت ہوئی ہے وہ محتسب ہے جب تک وہ زیادتی نہ کرے جب ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا نیز وہ بھی محتسب ہے جو غریبوں کے مال سے عشر وصول کرتا ہے اس وقت جب کہ وہ دارالسلام میں بحیثیت تاجر داخل ہوں اور ان کو امان حاصل ہو ان شرائط کے ساتھ جن کا کتب فقہ میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

(انوار المصابیح: ۶۶۲/ ۶، مرقاۃ: ۱۳۴/ ۴)

فائدہ: یہاں وہ ٹیکس مراد ہے جو خلاف شرع لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے، حکومت کی جانب سے جو صدقہ یا عشر وغیرہ وصول کیا تا ہے وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس عمل کو انجام دینے والے کے لئے بشارتیں بھی ہیں، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔

العامل على الصدقة بالحق كالغازى فى سبيل الله حتى يرجع الى بيته:
[حق کے ساتھ صدقہ وصول کرنے والا فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کے مثل ہے جب تک وہ اپنے گھر واپس آئے] مطلب یہ ہیکہ جس طرح مجاہدین کو سفر جہاد میں گھر لوٹنے تک برابر ثواب ملتا رہتا ہے، اسی طرح صدقہ وصول کرنے والے عاملین کو بھی گھر لوٹنے تک برابر ثواب ملتا رہتا ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۴۲/ ۷، شرح الطیبی: ۲۰۷/ ۷)

عادل حاکم کا قیامت کے دن مرتبہ

{۳۵۳۶} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَقْرَبَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَشَدَّھُمْ عَذَابًا

وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَاَبْعَدَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ التِّرمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۴۸، باب ماجاء فی الامام العادل، کتاب الاحکام حدیث نمبر: ۱۳۲۹۔

حل لغات: **المجلس:** نشست، نشست گاہ، سیٹ، عدالت وغیرہ، **جار عامہ،** زیادتی ظلم کرنا کسی کی حق تلفی کرنا، ناحق پریشان کرنا، **ھو جائر۔**

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مجلس کے اعتبار سے لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے قریب انصاف کرنے والا حاکم ہوگا، اور بلاشبہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا مستحق اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں میں مجلس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور ظالم حاکم ہوگا۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کو اپنے فیصلوں میں انصاف کرنا چاہئے، ظلم اور زیادتی سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ عادل حکمراں کو قیامت کے دن بڑی عزت حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ اس سے بے حد محبت کا اظہار فرما کر اس کو اپنے سے قریب کرلیں گے، جب کہ ظالم حاکم سے اظہار نفرت کرتے ہوئے اس کو اپنے سے دور کریں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۴۷، شرح الطیبی: ۷/۲۰۷)

فائدہ: امام عادل: امام عام ہے ہر عہدے دار کو یہ شامل ہے، "**ابغض**" ظالم حکمراں سے اللہ تعالیٰ کو سخت نفرت ہے، ترمذی میں حدیث ہے کہ۔

اللہ مع القاضی مالم یجر فاذا جاء تخلی عنہ ولزمہ الشیطان

جب تک قاضی ظلم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ رہتے ہیں اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے علاحدہ ہو جاتے ہیں اور شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ "**حدیث حسن غریب**" اس حدیث میں ایک راوی عطیہ ہیں جو کہ متکلم فیہ راوی ہیں، اس لئے یہ حدیث حسن ہے اور چوں کہ اس حدیث کی یہی ایک سند ہے اس لئے غریب ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۴۷، تحفۃ الالمعی: ۴/۲۵۷)

ظالم حاکم کے سامنے اظہار حق کی فضیلت

{۳۵۳۷} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ۔

حوالہ: ابوداؤد: ۲/۵۹۷، باب الامر والنہی، کتاب الملاحم، حدیث نمبر: ۴۳۴۴، ترمذی شریف: ۲/۴۰، باب ماجاء فی افضل الجہاد، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۱۷۳، ابن ماجہ: ۲۸۹، باب الامر بالمعروف، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۴۰۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) احمد اور نسائی نے اس روایت کو حضرت طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ظالم حاکم کو بقدر طاقت اس کے ظلم سے روکنا چاہئے، اس سلسلہ میں ہرگز مداہنت سے کام نہ لینا چاہئے، چوں کہ ظلم کو اس کے ظلم سے روکنا اور غلط فیصلوں پر نکیر کرنا بہت ہی جرائت مندانہ عمل ہے، اس میں جان و مال سب کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے اس کو بہترین جہاد سے تعبیر کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے اس کے برخلاف جو لوگ قدرت کے باوجود محض چاپلوسی کی بنا پر ظلم حاکم کو اس اس کے ظلم سے نہ روکیں گے اور اس کے معین ہوں گے، وہ جنت سے محروم ہوں گے، اور ان کے حوض کوثر پر آنے سے روک دیا جائے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۴۷)

عند سلطان جائر: یعنی جور و ستم اور ظلم و زیادتی والا بادشاہ۔ خطابی نے جو کہا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ افضل جہاد اسلئے ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں جہاد میں تو دشمن پر غلبہ کی امید بھی ہوتی ہے خواہ ایسا نہ ہو لیکن ظالم بادشاہ کے سامنے اس کی مرضی کے خلاف حق بات کہنے میں اس کا ظلم تقریباً یقینی ہوتا ہے اور اس

کے ظلم کے نتیجہ میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مظہر نے یہ کہا کہ یہ افضل اسلئے ہے کہ بادشاہ کا ظلم اس کی تمام رعایا پر عام ہوتا ہے کہ جو ایک جم غفیر ہے پس جب کوئی شخص حق کہہ کر بادشاہ کو ظلم سے روکے گا تو اس کا نفع اس پوری رعایا کو حاصل ہوگا جو اس ظالم بادشاہ کے ماتحت ہے اور شیخ ابو حامد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں فرمایا ہے کہ بادشاہ کو نصیحت و وعظ کے انداز میں امر بالمعروف تو ٹھیک ہے لیکن قہر و غصہ کے ساتھ انفرادی طور پر کسی کو کہنے کی اجازت نہیں اسلئے کہ اس سے فتنہ اور شر کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ **انتھی۔**

ظالم کو ظلم سے روکنے پر جہاں بشارت ہے، وہیں نہ روکنے پر سخت وعید بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" **ان الناس اذا راو الظالم فلم یاخذو علی یدیہ او شك ان یعمھم اللہ بعقاب**" جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں گے اور اس سے روکیں گے نہیں، تو یہ بات بہت ممکن ہے کہ غذاب سبھی پر آئے گا۔ (ابوداؤد، فیض المشکوۃ: ۴۸/ ۷، شرح الطیبی: ۲۰۸/ ۷)

اسی وجہ سے سلف کی عادت تھی کہ ہلاکت کا خوف کئے بغیر وہ بات کہہ دیتے تھے وہ جانتے تھے کہ یہ افضل جہاد ہے، اور اس میں ہلاک ہوجانا شہادت ہے۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۵۲۶/ ۴، شرح الطیبی: ۲۰۸/ ۷)

بادشاہ کا نیک وزیر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

{۳۵۳۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ اللهُ بِالْاَمِيْرِ خَيْراً جَعَلَ لَهُ وَزِيْرَ صِدْقٍ إِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهُ وَإِنْ ذَكَرَ اَعَانَهُ وَإِذَا اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ ذَالِكَ جَعَلَ لَهُ وَزِيْرَ سُوْءٍ إِنْ نَسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَإِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۰۷/۲، باب فی اتخاذ الوزیر، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۳۲، نسائی شریف: ۱۶۶/۲، باب وزیر الامام، کتاب البیعۃ، حدیث نمبر: ۴۲۰۴۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ

کسی امیر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے سچا وزیر مقرر فرما دیتے ہیں، چنانچہ امیر اگر بھولنے لگتا ہے تو وزیر اس کو یاد دلاتا ہے، اور اگر وہ کوئی بات کہتا ہے تو وزیر اس کی مدد کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کیلئے بھلائی کا ارادہ نہیں کرتے تو اس کے لئے برا وزیر مقرر فرما دیتے ہیں، چنانچہ امیر اگر بھولتا ہے تو وزیر اس کو یاد نہیں دلاتا ہے، اور اگر وہ کوئی بات کہتا ہے تو وزیر اس کی مدد نہیں کرتا ہے۔

(ابوداوَد، نسائی)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سچا اور نیک فطرت وزیر ملنا امیر کے لئے باعث سعادت ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ امیر کے لئے اللہ کی طرف سے خیر مقدر ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس امیر کو سچا اور مخلص وزیر عطا کیا، چنانچہ یہ وزیر امیر کو غافل نہیں ہونے دیتا، جوں ہی امیر حکم خداوندی کو فراموش کرتا ہے وزیر اس کو یاد دلاتا ہے جس کی بنا پر امیر کوتاہی سے بچا رہتا ہے، امیر جو بھی اچھے کام کرتا ہے وزیر اس کی معاونت کرتا ہے، اس کے برخلاف بدطینت اور چاپلوس وزیر کا ملنا امیر کے لئے باعث ہلاکت ہے، کیونکہ یہ وزیر اپنی اغراض کی بنا پر اپنے امیر کو کبھی بھی خلاف شرع باتوں پر ٹوکے گا نہیں، امیر ناراض نہ ہو اس لئے اس کے خلاف شرع فیصلوں کی بھی تائید کریگا، چنانچہ امیر بھی ہلاک ہو جائیگا اور وزیر بھی ہلاک ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۴۸/۷، شرح الطیبی: ۲۰۸/۷)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ جو حدیث میں وزیر صدق آیا ہے اس کی اصل وزیر صادق ہے اور صدق کہنے کی وجہ مبالغہ ہے یعنی ایسے راست باز کو وزیر بنائے ہیں جو مجسم صدق ہے اور اس طرف جو اضافت کی گئی ہے اس کا منشاء بھی مزید اختصاص کو ظاہر کرنا ہے اور صدق سے صرف صدق قول ہی مراد نہیں بلکہ افعال و اقوال دونوں میں صدق کا ہونا مراد لیا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶۶۴/۶)

امیر کا شکی ہونا فساد کا باعث ہے

{۳۵۳۹} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاَمِیْرَ اِذَا ابْتَغٰی الرِّیْبَةَ فِی النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ۔

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۶۷۰، باب فی النھی عن التجسس، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۸۸۹۔

حل لغات: **ابتغی:** خواہش کرنا، چاہنا، **الریبۃ:** گمان، شک، تہمت، **افسد الشیء:** بگاڑنا، خراب کرنا، بے وقعت و بے نتیجہ بنانا، ناکام بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بیشک حاکم جب لوگوں میں شکوک وشبہات تلاش کرنے لگے تو ان کو خراب کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کو اپنی رعایا کے سلسلہ میں خواہ مخواہ کے شکوک وشبہات پالنے سے گریز کرنا چاہئے، عوام پر اعتماد کرنے ہی سے ملک کا نظام صحیح چلے گا، اور رعایا بھی اپنے ملک وحکمراں کے تئیں وفادار رہے گی اس کے برخلاف بدگمانی سے دوریاں پیدا ہوں گی اور فتنہ وفساد پھوٹے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۹/ ۴۹/ ۷)

ان الامیر اذا ابتغی الریبۃ فی الناس افسدہم: اگر امیر لوگوں کی کھوج میں لگا رہتا ہے، عوام کے داخلی احوال جاننے اور ان کے عیوب پر مطلع ہونے کی فکر کرتا ہے، تو نظام ملک درہم برہم ہو جاتا ہے، ابوداؤد شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل ہوا ہے۔

انک اذا اتبعت عورات الناس افسدتھم او کدت ان تفسدھم فقال ابو الدرداء کلمۃ سمعھا معاویۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفعہ اللہ۔

اگر تم لوگوں کے پوشیدہ عیوب تلاش کرو گے، اور کھود کرید کرو گے تو ان کو خراب و برباد کرو گے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن رکھی تھی اور اس پر انہوں نے اپنے دور حکومت میں عمل کیا، چنانچہ اس سے ان کو خوب نفع حاصل ہوا۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں بھی اس مسئلہ کی وضاحت موجود ہے۔

اتی ابن مسعود فقیل ھذا فلان تقطر لحیتہ خمراً فقال عبد اللہ انا قد نھینا عن

التجسس ولکن ان یظهر لنا شیٔ ناخذبه

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ فلاں شخص کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے، اگر یہ مقدمہ ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس کا فیصلہ کریں گے۔ایک حدیث میں فرمایا گیا:

"من ستره اخاه المسلم ستره الله یوم القیامة"

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

"من ستر علی مؤمن عورة فکانما احیا میتاً"

جو شخص کسی مؤمن کے عیب کو چھپائے تو گویا اس نے مردہ کو زندہ کر دیا۔

اگر حاکم شک وشبہ سے معاملہ کرے اور عوام کے متعلق بدگمانی کرے اور اس کے مطابق ان پر مواخذہ کرے تو اس سے لوگوں کے حالات میں بگاڑ پیدا ہوگا اور زیادہ تباہی مچے گی۔

مقصود یہ ہے لوگوں کے عیوب اور احوال میں زیادہ تجسس نہ کیا جائے، دین میں ان کے عیوب کو چھپانے اور ان کے معاملہ میں عفو درگزر کا حکم ہے۔(فیض المشکوۃ: ۴۹/ ۷، مرقاۃ: ۵ / ۱۳۵ / ۴، مظاہر حق: ۷ / ۵۲ / ۴)

سوال: امیر کی کھود کرید سے فساد کیوں برپا ہوتا ہے؟

جواب: بعض لوگ چوری چھپے کوئی کام کر لیتے ہیں امیر صرف نظر کر لیتا ہے تو معاملہ دب جاتا ہے اور اگر خواہ مخواہ کی تفتیش میں الجھ کر معاملہ کو طول دیتا ہے، تو لوگوں کی جرات میں اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ کھلم کھلا وہی کام کرنے لگتے ہیں۔

سوال: کیا امیر ہر معاملہ میں صرف نظر کرلے اور مجرمین کو جرم کرنے کی کھلی چھوٹ دیدے؟

جواب: حدیث میں تجسس سے منع کیا گیا ہے، یعنی امیر از خود عیوب کی تلاش میں نہ رہے، اسلئے کہ جب عیوب کی تلاش میں رہے گا تو کوئی نہ کوئی جرم مل ہی جائیگا، جس پر وہ سزا دے گا، تو اس بنا پر فساد بڑھے گا، البتہ اگر امیر کے دربار میں جرم کا معاملہ خود بخود آتا ہے، تو مناسب تحقیق کے بعد فیصلہ کرنا امیر کی ذمہ داری ہے جیسے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہوا۔(فیض المشکوۃ: ۴۹/ ۷، شرح الطیبی: ۲۰۹/ ۷)

عیوب کی تلاش بگاڑ پیدا کرتی ہے

{۳۵۴۰} **وَعَنْ** مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّكَ اِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ۔

(رواه البیہقی فی شعب الایمان)

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۷/۱۰۷، باب فی الستر علی اصحاب القروف، حدیث نمبر: ۹۶۵۹۔

ترجمه: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم لوگوں کی چھپی ہوئی باتوں کی کھود کرید کروگے تو تم ان کو برباد کردوگے۔ (بیہقی)

تشریح: لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے بجائے ان سے صرف نظر کرنا چاہئے، ارشاد رب ہے، "**خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين**" [اے پیغمبر! درگذر کا رویہ اپناؤ، اور لوگوں کو نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو] (سورۃ الاعراف) عفوو درگذر کرنے سے بہت سے فتنے دب جاتے ہیں، جب کہ معائب تلاش کرکے ان پر ردوقدح کرنے سے بہت سے فتنے پھوٹتے ہیں۔ (۷/۵۰)

انک اذا اتبعت: اتبع: کے معنی کھوج لگانے کے بھی ہیں اور تتبع کے معنی بھی دیگر معانی کے علاوہ کھوج لگانے کے ہیں تو گویا "**اتبعت**" بمعنی "**تتبعت**" کے ہیں "**عورات الناس**" یعنی لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی کھوج لگائی اور ان کے عیوب کی پردہ دری کرنا چاہا تو۔

افسدتهم: تو تو نے ان کی دین و دنیا دونوں کی چوپٹ کردیا ناکام بنادیا۔ "**افسد**" کے معنی بگاڑنا، خراب کرنا، بے نفع و بے نتیجہ بنانا اور ناکام کرنا ہیں، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں **انت** کے ذریعہ حکم عام فرمایا اور پچھلی حدیث کے اندر امیر کی تخصیص کی ہے یہ دو طرز اسلئے اختیار کئے گئے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حکم امیر کیلئے خاص ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس حدیث کے مخاطب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں تو گویا ان کو اس لحاظ کیساتھ اس کا مخاطب بنایا کہ یہ آئندہ امیر ہونے والے ہیں تو پھر اس کو

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ کہا جائے گا، نہ کہ آنحضرت ﷺ کا عالم الغیب ہونا جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے، مزید تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔(انوارالمصابیح: ۶/۶۶۵)

امیر کے حق تلفی کرنے پر صبر کی تاکید

{۳۵۴۱} **وَعَنْ** اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ وَاَئِمَّۃٌ مِنْ بَعْدِیْ یَسْتَاْثِرُوْنَ بِھٰذَا الْفَیْئِ قُلْتُ اَمَا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ سَیْفِیْ عَلٰی عَاتِقِیْ ثُمَّ اَضْرِبُ بِہٖ حَتّٰی اَلْقَاکَ قَالَ اَوَلاَ اَدُلُّکَ عَلٰی خَیْرٍ مِنْ ذَالِکَ تَصْبِرُ حَتّٰی تَلْقَانِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۵۵، باب فی قتل الخوارج، کتاب السنۃ، حدیث نمبر: ۴۷۵۹۔

حل لغات: استاثر بہ: اپنے لئے خاص کرنا خود کو ترجیح دینا، **الفئی:** تشریح دیکھئے، **دل علیہ،** کسی بات کی رہنمائی کرنا بتانا، **دلہ علی الطریق:** راستہ بتانا کسی بات کا پتہ دینا۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب میرے بعد حکمراں اس فئے کے بارے میں دوسروں کو تم پر ترجیح دیں گے، میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ لوں گا، اور اس کے ساتھ لڑتا رہوں گا، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے جا ملوں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں؟ مجھ سے ملنے تک صبر سے کام لینا۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر امیر کسی شخص کے حقوق غصب کرلے تو امیر کے خلاف بغاوت کرکے اس کو مزا چکھانے کی کوشش کرنے کے بجائے صبر وضبط سے کام لینا چاہئے، تاکہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ وفساد نہ پھوٹے، جہاں تک امیر کا ظلم ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خود مواخذہ فرمالیں گے۔(فیض المشکوۃ: ۷/۵۰، شرح الطیبی: ۷/۲۱۵)

الفئ: ابن ہمام نے کہافَیٔ وہ مال ہے جو کفار سے بغیر قتال حاصل ہو جیسے خراج اور جزیہ اور قتال کے ذریعہ جو مال حاصل ہوتا ہے وہ مال غنیمت ہے اور مغرب میں ہے الفَیٔ ہمزہ کے ساتھ وہ مال ہے جو جنگ ختم ہو جانے اور ملک کے دارالاسلام ہو جانے کے بعد حاصل ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہوتا ہے ان پر تقسیم کیا جاتا ہے اور اس میں خمس ہوتا ہے۔

غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو دوران جنگ کفار سے حاصل ہوتا ہے اس میں خمس ہوتا ہے اور باقی سب مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوگا نفل وہ ہوتا ہے جو غازی کو اس کے حصہ سے زائد دیا جاتا ہے۔

حکم فَیٔ

اس مال کا حکم یہ ہے کہ اس میں تمام مسلمان شریک ہیں اور اس میں سے خمس نہیں لیا جاتا، البتہ غنیمت میں سے خمس لیا جاتا ہے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ (مظاہر حق: ۵۲۸/ ۴)

علماء کا قول: اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے امراء ہوں گے جو دونوں کو یعنی مال غنیمت اور مال فَیٔ کو اپنے لئے مخصوص کرلیں گے، مجاہدین اور عام مؤمنین کو اس میں سے کچھ نہیں دیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ بیت المال کے سلسلہ میں ظلم کرنے والے ہوں گے اور مسلمانوں کے حقوق نہیں دیں گے۔ (مظاہر حق: ۵۲۸)

الفصل الثالث

انصاف کرنے والے حاکم پر اللہ کی مہربانی

{۳۵۴۲} **عَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَنِ السَّابِقُوْنَ إِلىٰ ظِلِّ اللهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوْا اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ الَّذِيْنَ إِذَا أُعْطُوْا الْحَقَّ قَبِلُوْهُ وَإِذَا سُئِلُوْهُ بَذَلُوْهُ

وَحَكَمُوْا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِأَنْفُسِهِمْ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد: ۶/ ۶۹۔

حل لغات: عز: طاقتور ہونا، صاحب عزت ہونا، برتر ہونا، **جل:** بلند و برتر ہونا، **بذل:** خرچ کرنا، **بطیب:** خاطر دینا۔

ترجمہ: ام مؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ لوگ کہ جب ان کے سامنے حق کو پیش کیا جاتا ہے تو حق کو قبول کرتے ہیں، اور جب ان سے مانگا جاتا ہے تو دیتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں، جو فیصلہ وہ اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے نیک حکمرانوں کے تین اوصاف بیان کئے ہیں، جنہیں عادل و منصف حکمراں ہونے کی بنا پر عرش الٰہی کا قیامت کے دن سایہ نصیب ہوگا، جب کہ عرش الٰہی کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ میسر نہیں ہوگا۔

(۱)......جوں ہی ان کو حق بات سے مطلع کیا جائے گا وہ فوراً اس کو قبول کریں گے، حق کی قبولیت کی راہ میں اپنی انا کو دیوار نہیں بننے دیں گے، اور قبولیت حق میں خواہ ان کا ظاہری نقصان کیوں نہ ہو وہ نقصان گوارا کریں گے لیکن حق سے انحراف نہیں کریں گے۔

(۲)......جب ان سے حقدار اپنا حق مانگیں گے تو فوراً ان کا حق ادا کریں گے اس سلسلہ میں کسی قسم کی غفلت و کوتاہی اور ٹال مٹول سے کام نہیں لیں گے۔

(۳)......فیصلہ کرتے وقت مکمل انصاف کریں گے، اور جس طرح اپنے لئے آرام و سکون پسند کرتے ہیں اسی طرح اپنی رعایا کے لئے بھی چین و سکون اور وہ سب کچھ پسند کریں گے، جس کو اپنے لئے پسند کرتے ہوں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۵۱/ ۷، شرح الطیبی: ۲۱۱/ ۷)

جن امراء و حکام میں یہ تین اوصاف پائے جائیں گے عرش الٰہی کا سایہ بروز قیامت ان کو نصیب ہوگا۔

السابقون الی ظل الله: بہت جلد کن لوگوں کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔

(۱)**اعطوا الحق**" دو معنی ہیں (۱) حق دیا جاتا ہے (۲) کلمہ حق کہا جاتا ہے۔

قبلوہ: دو معنی ہیں (۱) اسکو قبول کر لیتے ہیں، (۲) فرماں برداری کرتے ہیں۔

(۲)**واذا سئلوہ**" دو معنی ہیں (۱) ان سے کوئی بات پوچھی جاتی ہے، (۲) ان سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے۔

بذلوہ: دو معنی ہیں (۱) پوچھی گئی بات کا جواب دیتے ہیں، یعنی چھپاتے نہیں ہیں (۲) مانگی گئی چیز بخوشی دیتے ہیں۔

(۳)**حکموا للناس**، فیصلہ کرنے میں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی تمام لوگوں کے لئے پسند کرتے ہیں امیری غریبی، عزت و ذلت کی بنیاد پر ان کے یہاں فیصلے نہیں ہوتے۔

(فیض المشکوۃ:۱۵/۷، مرقاۃ:۱۳۷/۷)

تین خطرناک چیزیں

{۳۵۴۳} **وَعَنْ** جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَلَثَةٌ اَخَافُ عَلَى اُمَّتِيْ الْاِسْتِسْقَاءُ بِالْاَنْوَاءِ وَحَيْفُ السُّلْطَانِ وَتَكْذِيْبٌ بِالْقَدَرِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد:۵/۹۰ا۔

حل لغات: انواء: علم نجوم کا بڑا ماہر، یہ اسم تفضیل ہے اس کا فعل نہیں آتا ہے، **حیف:** ظلم وستم، **حاف:** (ض) **حیفاً علیہ**، ظلم و زیادتی کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ+کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی امت پر تین باتوں سے ڈرتا ہوں (۱) چاند کی منازل سے بارش طلب کرنا، (۲) بادشاہ کا ظلم کرنا، (۳) تقدیر کا انکار کرنا۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں تین ایسی باتوں کا ذکر ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس بات کا خوف تھا کہ امت کے افراد ان سے دو چار ہو کر ہلاکت میں پڑیں گے۔

(۱) حقیقت یہ ہے کہ بارش برسانے والی ذات اللہ کی ہے اور بارش اسی کے حکم سے ہوتی ہے، لیکن امت کے لوگ باطل نظریہ قائم کر کے چاند کے برجوں کو اس کا سبب قرار دیں گے۔

(۲) ظالم بادشاہ ہوں گے، جن کی وجہ سے امت کے افراد پریشان ہونگے۔

(۳) اچھی اور بری تقدیر پر یقین رکھنا ایمان کا ایک جزء ہے، لیکن کچھ لوگ تقدیر کا انکار کر کے گمراہ ہوں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۵۲/۷، مرقاۃ: ۱۳۷/۴)

الانواء: نہایہ میں ہے کہ یہ اٹھائیس منزلیں ہیں ہر رات چاند ان میں سے ایک منزل میں ہوتا ہے اور دوسرا اس کے مقابل اسی وقت مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور یہ سب کی سب سال کے ختم ہونے پر ختم ہو جاتی ہیں عرب کے لوگ گمان کرتے تھے کہ منزل کے سقوط اور اس کے رقیب کے طلوع سے بارش ہوتی ہے اور وہ بارش کو اسی کی طرف منسوب کرتے تھے۔

الاستسقاء بالانواء: ستاروں کے ظہور سے بارش طلب کرنا، مشرکین عرب بارش کے نزول کا سبب چاند کی منازل کو قرار دیتے تھے، جب بارش ہوتی تو وہ کہتے کہ چاند کی فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی، یہ ایک غلط نظریہ ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ اسلامی تصور تو یہ ہے کہ اللہ کی ذات جب جہاں چاہتی ہے بارش کا نزول فرماتی ہے۔

وحیف السلطان: ظالم بادشاہوں کا ظلم وستم بہت ہی قبیح چیز ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس کی طرف سے بھی اندیشہ تھا۔

وتکذیب بالقدر: خیر وشر سب اللہ کے حکم سے مقدر ہوتا ہے اس لئے تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے، لیکن بعض لوگ تقدیر کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ سے الگ ہو کر گمراہ ہوئے، مثلاً کچھ لوگوں نے کہا کہ انسان اچھے اور برے اعمال کا خود خالق ہے تقدیر کوئی چیز نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

(فیض المشکوۃ: ۵۲/۷، شرح الطیبی: ۲۱۲/۷)

چھ دن کی تاکید کے بعد زرین نصیحت

{۳۵۴۴} وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَيَّامٍ اعْقِلْ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا يُقَالُ لَكَ بَعْدُ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ السَّابِعُ قَالَ أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فِي سِرِّ أَمْرِكَ وَعَلَانِيَتِهِ وَإِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ وَلَا تَسْأَلَنَّ أَحَدًا شَيْئًا وَإِنْ سَقَطَ سَوْطُكَ وَلَا تَقْبِضْ أَمَانَةً وَلَا تَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد: ۵/ ۱۸۱۔

حل لغات: عقل ضرب: سے **عقل الغلام:** سمجھ دار ہونا کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کے قابل ہوجانا، عقل آجانا کسی چیز کی حقیقت کو جاننا، **التقوی:** ڈر، عظمت وہیبت کا خوف، **تقوی اللّٰہ:** خوف خدا یعنی اس کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب، خدا کی اطاعت کے ذریعہ اس کی سزا سے احتراز، **اساء فلان:** برا یا غلط کام کرنا، برا کرنا، خراب کرنا، **احسن:** اچھا کرنا، اچھا کام کرنا، نیکی کرنا، **قبض الشئ:** ہاتھ سے پکڑنا، ہاتھ میں لینا، قبضہ میں لینا۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ روز تک مجھ سے فرمایا کہ بعد میں جو بات کہی جائے اس پر خوب غور کرنا، جب ساتواں دن ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ظاہری و باطنی ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اگر کوئی برا کام سرزد ہوجائے تو نیکی کرلینا، اور کسی سے کسی چیز کا بھی سوال مت کرنا، اگرچہ تمہارا کوڑا ہی گر پڑے اور کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھنا، اور دو آدمیوں کے درمیان فیصلے کے ذمہ دار مت بننا۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو چند نہایت قیمتی نصیحتیں کی ہیں جو شخص ان نصیحتوں پر عمل کرے گا دنیا وآخرت دونوں جہان میں کامیاب رہے گا۔

(۱)...... اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب سے واقف ہیں کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں، لہٰذا آدمی کو ہمہ وقت اور ہر عمل میں اللہ کے خوف کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

(۲)......اچھا عمل کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً نیکی کرنا چاہئے تا کہ نیکی کے نور سے گناہ کی ظلمت زائل ہو جائے۔

(۳)......سوال کرنا ذلت کی بات ہے، لہٰذا اپنی حاجات کے لئے کسی سے مدد طلب نہیں کرنا چاہئے، کتنا ہی چھوٹا کام کیوں نہ ہو، حتی الامکان خود کرنا چاہئے، دوسروں سے مدد لینے سے بچنا چاہئے۔

(۴)......کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا بہت بڑی ذمہ داری اٹھانا ہے، اس لئے کہ امانت میں خیانت بہت بڑا جرم ہے اور شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن ہے، ممکن ہے کہ وہ فریب میں مبتلا کر کے یہ جرم کرا دے، لہٰذا خواہ مخواہ کے لئے اپنے آپ کو اس ذمہ داری کا مکلف نہ بنانا چاہئے۔

(۵)......حکم بننا اور حاکم بننا بھی بڑی ذمہ داری کا عمل ہے، اس میں نقصان کا امکان زیادہ ہے، اس لئے حتی الامکان اس ذمہ داری کو لینے سے بھی بچنا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۵۲/ ۷، مرقاۃ: ۷/ ۱۳/ ۴)

ستۃ ایام: اس میں دو احتمالات ہیں پہلا یہ کہ یہ قول کا ظرف ہو اور مقول اگلا جملہ ہو اور معنی یہ کہ مجھ کو چھ دن تک برابر آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر خوب سمجھ لو اور یاد رکھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "**ستۃ ایام**" ظرف ہو عقل کا اور "**ما یقال**" جواب ہو سوال مقدر کا یعنی "**ای شیئ اعقل بستۃ ایام**" اور معنی یہ ہیں کہ چھ دن غور و فکر کر لو تو سوال کیا کہ چھ دن تک کس چیز پر غور و فکر کروں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو تم سے کہا جا رہا ہے، "**فلما کان یوم السابع**" چھ دن جب اسی حال میں گذر گئے اور ساتواں دن ہوا "**قال**" تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اوصیکم بتقوی اللہ فی سر امرک وعلانیتہ: میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے خوف کی تمہاری تمام امور میں خواہ وہ لوگوں کی نگاہ سے مخفی ہوں یا ظاہر ہوں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اسلئے کہ جو چیز لوگوں کی نظر سے مخفی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نظر سے تو وہ بھی مخفی نہیں۔ سب ظاہر ہی ظاہر ہے تو اسکی باز پرس سے بچنا کہاں ممکن ہے اس لئے ہر چیز میں تقویٰ اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے حفاظت ہو سکے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میری عمر کی قسم اگر کلمہ اولیٰ کا حق ادا کر دیا جائے تو ایسا جامع کلمہ ہے کہ یہی کافی ہو جائے آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کر لیں تو وہی ایک

آیت ان کے لئے کافی ہو جائے وہ آیت یہ ہے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب: (الأیۃ) اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہو گا۔

آنحضرت ﷺ مسلسل اس آیت کو پڑھتے رہے۔

ایک حدیث میں ہے "**اوصیکم بتقوی اللہ فانہ راس کل شیٔ**"

میں تم کو اللہ کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں اسلئے کہ ہر چیز کی جڑ ہے۔

واذا اسأت فاحسن: اور جب کسی برے فعل کا بتقاضائے بشریت ارتکاب ہو ہی جائے تو اس کے بعد نیکی کا کام کرلو کوئی عبادت کرلو تسبیح وتحمید کرلو اس لئے کہ "**ان الحسنات یذھبن السیأت**" یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ انسان شہوتوں اور حیوانی تقاضوں اور ملکی خصائل پر پیدا کیا گیا ہے تو جب بہیمت اور شہوتوں کا جوش پیدا ہوتا ہے، تو خصائل ملکیہ اس کا دفاع کرتیں ہیں اور اس کے جوش کو ٹھنڈا کر دیتی ہیں اور خصائل ملکیہ یہی طاعت وعبادت ہے آنحضرت ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "**اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا**" یعنی برائی کے بعد نیکی کرو تاکہ وہ نیکی برائی کو مٹا دے۔ "**وان سقط سوطک**" مطلب یہ ہے کہ اگر سواری پر سے تمہارا کوڑا گر جائے تو اس کو اٹھانے کا بھی کسی سے سوال مت کرو اس لئے کہ۔

ان السوال ذل: یعنی سوال ذلت ہے اور یہ صرف کریم وعزیز ذات سے ہی ہونا چاہئے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ دعا کیا کرتے تھے، "**اللھم کما صنت وجھی عن سجود غیرک فصن وجھی عن مسئلۃ غیرک**"

یعنی اے اللہ جس طرح آپ نے میرے چہرے کو اپنے غیر کے سجدہ سے بچایا اسی طرح میرے چہرے کو اپنے غیر سے سوال سے بھی بچا لیجئے۔

البتہ ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا: "**ان کنت لابد سائلا فاسئل الصالحین**" یعنی

اگر مانگنا ناگزیر ہی ہو جائے تو نیک اور اچھے لوگوں سے مانگ لیا کرو۔

ولا تقبض امانۃ: بلا ضرورت لوگوں کی امانتیں اپنے پاس مت رکھو کہ مبادا خیانت کا ارتکاب ہو جائے نیز اس میں تہمت لگنے کا بھی احتمال ہے یعنی بلا وجہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ مثلاً امانت کی رقم سے کاروبار کر رہے ہیں جب کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

ولا تقض بین اثنین: یعنی دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ کی ذمہ داری قبول مت کرو چہ جائے کہ اس سے زائد کے درمیان کا فیصلہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین: یعنی جس کو قاضی بنا دیا گیا تو سمجھ لو کہ اس کو بغیر چھری کے ہی ذبح کر دیا گیا۔ (انوار المصابیح: ۶۶۹/ ۶، شرح الطیبی: ۲۱۳/ ۷)

فائدہ: چونکہ امانت و فیصلہ بعض مرتبہ ضروری و مفید اور قرین مصلحت ہوا کرتا ہے اس لئے اس حدیث کے بارے میں شارحین نے کہا ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی کمزوری کی وجہ سے اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے میں دشواری کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہوگا چنانچہ فصل اول حدیث نمبر ۳۶۷۲ر میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان گذر چکا ہے۔

یا اباذر انی اراك ضعیفا وانی احب لك ما احب لنفسی۔ لا تأمرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم۔

اے ابو ذر! میں تم کو کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں بلا شبہ تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کا بھی امیر مت بننا اور کسی یتیم کا والی نہ بننا۔ اس نمبر کی حدیث پہلے اجزا کو بھی دیکھ لیا جائے۔

سرداری، ندامت، ملامت اور رسوائی

{۳۵۴۵} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہُ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَلِیْ اَمْرَ عَشَرَۃٍ فَمَا فَوْقَ ذَالِكَ اِلَّا اَتَی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ مَغْلُوْلًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَدُہٗ اِلٰی عُنُقِہٖ فَکَّہٗ بِرُّہٗ اَوْ اَوْبَقَہٗ اِثْمُہٗ اَوَّلُھَا

مَلَامَةٌ وَاَوْسَطُهَا نَدَامَةٌ وَآخِرُهَا خِزْيٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد: ۵/۲۶۷۔

حل لغات: ولی البلد: حاکم بننا، **عزوجل:** حدیث نمبر: ۳۶۱۱ کی تشریح دیکھئے، **غل فلاناً:** گلے میں طوق ڈالنا، **فک الشيء:** کھولنا، ڈھیلا کرنا، **اوبقه:** ہلاک کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی دس آدمیوں یا اس سے زیادہ لوگوں پر امیر بنے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس اس حال میں آئے کہ اس کی گردن میں طوق پڑا ہوگا، اس کا ہاتھ اس کی گردن سے لگا ہوا ہوگا، پھر اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی یا اس کا گناہ اس کو ہلاک کردے گا، حکومت واقتدار کی ابتداء ملامت ہے، اس کا درمیان ندامت ہے اور اس کا آخر قیامت کے دن رسوائی ہے۔

(احمد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حکومت واقتدار کے حصول کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرنا چاہئے اور عہدے ومناصب سے اپنے آپ کو حتی الامکان الگ رکھنا چاہئے، اس لئے کہ اس میں طرح طرح کی رسوائی، پشیمانی اور تنقید کا سامنا ہوتا ہے، دنیا میں بھی زیرنگیں لوگ الزمات کی بارش کرتے ہیں اور قیامت کے دن احکم الحاکمین کے یہاں بھی جواب دہی ہوگی، جس میں بہت کم ہی لوگ مواخذہ سے بچ سکیں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۵۴، شرح الطیبی: ۷/۲۱۴)

اولھا: یعنی امارت کی ابتداء "**ملامة**" امیر وحاکم بننے کے ساتھ ہی اس پر ملامت کی بوچھار شروع ہوجاتی ہے ایک تو مخالفین شروع ہی سے برائیاں کرنا کیچڑ اچھالنا شروع کرتے ہیں اور بدنام کرنے اور اسکو ناکام بنانے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں موافقین میں بھی جب کسی کا معاملہ یا مقدمہ پیش آتا ہے تو اس سے بھی مزید مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ فیصلے سب کے موافق تو ہو سکتے نہیں وہ تو بہرحال کسی کے موافق اور کسی کے مخالف ہوں گے اور جس کے مخالف ہوگا وہ پورا گروپ مخالف بن جاتا ہے اور مخالفت کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ تو گویا ہر فیصلہ میں مخالفین کی ایک جماعت تیار ہوجاتی ہے اور اس طرح ملامت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

واوسطہاندامۃ: [اور اس کا اوسط ندامت ہے] یعنی جب چاروں طرف سے ملامتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے مخالفین تو پھر مخالفین ہیں اپنے دوستوں کی طرف سے بھی جب مخالفتیں ہوتی ہیں اور آئے دن یہی سلسلہ ہوتا ہے اور آدمی ان سب چیزوں کو سوچتا ہے تو ندامت وشرمندگی ہوتی ہے۔

آخرہاخزی: [اس کا آخر ذلت ورسوائی ہے] یعنی امیر وحاکم سے بہت سے لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے بہت سے لوگوں پر ظلم وزیادتی ہوجاتی ہے اور صاحب حقوق لوگوں سے معافی تلافی بھی نہیں ہوتی اسلئے قیامت کے روز ان سب لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سزا بھگتنا پڑے گی، جس کی وجہ سے کتنی ذلت ورسوائی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ (انوار المصابیح: ۶۷۰/ ۶، مرقاۃ: ۱۳۸/ ۴)

امیر کو ناانصافی سے بچنے کی تلقین

{۳۵۴۶} وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا! فَاتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ قَالَ فَمَا زِلْتُ اَظُنُّ اَنِّيْ مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ابْتُلِيْتُ۔

(احمد)

حوالہ: احمد: ۴/ ۱۰۱۔

حل لغات: **ولی فلانا الامر:** کسی کام کا کسی کو منتظم بنانا، حاکم مقرر کرنا، کوئی کام سپرد کرنا، **ابتلاء:** آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاویہ! اگر تمہیں حکومت واقتدار حاصل ہو تو تم اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت سے میں برابر یہ سمجھتا تھا کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وجہ سے ضرور کسی معاملہ میں مبتلا کیا جاؤں گا، چنانچہ میں مبتلا کردیا گیا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی نصیحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمائی ہے وہ ہر امیر کے لئے نصیحت ہے اگر امیر دل میں خوف خدا بسالے اور عدل وانصاف سے فیصلے کرے تو اس کے

لئے بہت سی بشارتیں ہیں اس کو قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا اللہ تعالیٰ کا قرب میسر آئے گا اور بہت بلند مرتبہ سے سرفراز کیا جائے گا۔ (فیض المشکوۃ:۵۴/۷، مرقاۃ:۸/۱۳۸/۴)

بچوں کی حکومت سے پناہ مانگنے کی تلقین

{۳۵۴۷} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِیْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْیَانِ رَوَی الْاَحَادِیْثَ السِّتَّةَ۔ (اَحْمَدُ وَرَوَی الْبَیْهَقِیْ حَدِیْثَ مُعَاوِیَةَ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حوالہ: احمد: ۲/۳۲۶۔

حل لغات: الرأس: ہر چیز کا بالائی حصہ، ابتدائی حصہ، چوٹی، سر، سرا، دل، دماغ، سردار قوم، سربراہ وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر کی ابتداء کی پناہ مانگو اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگو، ان چھ حدیثوں کی احمد نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلائل النبوۃ میں نقل فرمایا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ابھرنے والے فتنوں سے پناہ طلب کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱) وہ فتنہ جو ۷۰ھ کی ابتداء میں رونما ہونے والا ہے۔

(۲) چھوٹے چھوٹے بچوں کو حکومت و اقتدار حوالے کر کے مسلمانوں کے امور کا ان کو ذمہ دار بنائے جانے کے فتنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدایت کی تھی کہ تم اللہ سے دعا کرو کہ اس فتنے میں تم لوگ ملوث نہ ہو۔ (فیض المشکوۃ:۵۵/۷، شرح الطیبی:۲۱۶/۷)

من راس السبعین: ستر سال کی ابتدائی سے مراد سن ہجری کی ساتویں دہائی ہے اس کی ابتداء ۶۱ رہجری سے ہوتی ہے ۶۰ رہجری کے آخر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، اور ان کے

انتقال سے حکومت پر سے صحابہ کرم رضوان اللہ علیہم اجمعین کا برکت والا سایہ ختم ہوگیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ نے زمام حکومت سنبھالی، ان کی حکومت کے قائم ہوتے ہی اسلام دشمن طاقتوں نے خاندان نبوت کا سہارا لے کر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جھوٹی عقیدت ظاہر کی اور بالآخر وہ عظیم سانحہ پیش آیا جس کو تاریخ میں حادثہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس زمانے میں دشمنوں کی سازش سے مسلمانوں میں خوب افتراق وانتشار پھیلا۔

وامارۃ الصبیان: [بچوں کی امارت سے اللہ کی پناہ طلب کرو] بچوں کی حکومت سے پناہ طلب کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی، اس سے مراد حکم بن مروان کی اولاد کی حکمرانی ہے، جس میں چھوٹی عمر کے لوگوں نے حکومت کی، اس دور میں بہت سے فتنے رونما ہوئے، خاص طور پر اس خاندان کے وفادار والی حجاج بن یوسف نے اپنے ابتدائی دور میں بہت ظلم کئے۔ (فیض المشکوۃ ۵۵/۷)

ستر سے ہجرت کے لحاظ سے ستر برس مراد ہیں اس میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ شامل ہے، جو وفات نبوت کے ساٹھویں سال میں شروع ہوا، (مگر یہ تاویل تب بن سکتی ہے کہ اگر زمانہ نبوت سے شروع کیا جائے، فتدبر) لڑکوں کی حکومت سے مراد بنو مروان کی حکومت ہے۔

(مظاہر حق: ۵۳۱/۴، مرقاۃ: ۱۳۸/۴)

جیسے اعمال ویسے حکمراں

{۳۵۴۸} وَعَنْ يَحْيَى ابْنِ هَاشِمٍ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذَالِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان: ۲۳/۶/۲۲، باب فی طاعۃ اولی الامر، حدیث نمبر: ۷۳۹۱۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن ہاشم حضرت یونس بن اسحاق سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جیسے ہوگے ویسے ہی تم پر امیر مقرر ہوں گے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امیر کی تقرری کا دارومدار عوام کے اعمال پر ہے، جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی امراء مقرر ہوں گے، اگر اعمال اچھے ہوں گے، تو حکام بھی اچھے ہوں گے، اور نیک نصیب ہونگے، جب کہ بدعملی کے نتیجہ میں برے حکام سے سابقہ پڑے گا۔ (فیض المشکوۃ:۵۵/۷)

عن ابی اسحاق عن ابیہ: صاحب مشکوۃ نے ان کا شمار صحابہ میں نہیں کیا تابعین کی فصل میں یہ فرمایا کہ وہ ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ سبیعی ہمدانی کوفی ہیں صحابہ میں سے حضرت علی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہما کو دیکھا ہے اور حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے حدیث سنی ہے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی ہے یہ مشہور تابعی ہیں کثیر الروایات ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۶۰ رہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹ رہجری میں انتقال فرمایا: "کما تکونون" یعنی تم جیسے ہوگے صالح اور نیک ہوگے یا شریر و بدعمل و بدکردار ہوگے "کذالك" اسی طرح اور اسی کے موافق "یومر" تم پر امیر مقرر کیا جائے گا، یہ باب تفعیل سے میم کی تشدید کے ساتھ ہے، "علیکم" تم پر، یعنی تمہارے حاکم وامیر کی حیثیت سے، جامع صغیر کی روایت میں یہ ہے "کما تکونون یولی علیکم"۔ (انوار المصابیح:۶۷۲/۶، مرقاۃ:۱۳۸/۴)

کما تکونون کذالک یؤمر علیکم: تمہارا عمل اچھا ہوگا تو حاکم اچھا ہوگا تمہارا عمل برا ہوگا تو حاکم بھی برا ہوگا اسی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اعمالکم عمالکم" یعنی تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں اب جس طرح کا حاکم چاہتے ہو، اس طرح کا عمل انجام دو، عوام یہ چاہیں کہ خدا کی مرضی کے خلاف زندگی گذاریں اور ان کو امیر نہایت متقی و پرہیزگار عادل ومنصف ملے، جو ان کے ساتھ بھر پور انصاف کرے ایسا بہت مشکل ہے، ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کما تکونوا یولی علیکم" جیسا عمل انجام دوگے ویسا ہی حاکم تم پر مقرر ہوگا۔ (فیض المشکوۃ:۵۶/۷، شرح الطیبی:۲۱۶/۷)

فائدہ: پس اگر عوام چاہتے ہیں کہ ہمارے حکمراں عادل اور نیک وصالح ہوں تو ضروری ہے کہ خود بھی نیک وصالح بننے کی کوشش کریں۔ اور اپنے اہل وعیال اور اپنے اہل قرابت اور دیگر لوگوں کو بھی نیک وصالح بنانے کی فکر کریں کوشش کریں محض شور مچانے سے کچھ نہیں ہوتا کہ ایسا ہو رہا ہے ویسا ہو رہا ہے۔

بادشاہ رعایا کا محافظ ہوتا ہے

{۳۵۴۹} **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ يَأْوِي إِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُومٍ مِنْ عِبَادِهٖ فَإِذَا عَدَلَ كَانَ لَهُ الْأَجْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ وَإِذَا جَارَ كَانَ عَلَيْهِ الْإِصْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ۔

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان: ۱۶/۶، باب فی طاعۃ اولی الامر، حدیث نمبر: ۷۳۶۹۔

حل لغات: جار: (ض) جورا علیه: ظلم کرنا، ستانا، **الاصر:** پختہ عہد، بوجھ، **آوی فلاناً:** اپنے پاس ٹھہرانا، پناہ دینا، **جار:** (ض) **جورا علیه:** ظلم کرنا، ستانا، **الاصر:** پختہ عہد، بوجھ، گناہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بادشاہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے، اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم بندہ بادشاہ کی پناہ لیتا ہے، چنانچہ جب وہ عدل کرتا ہے، تو اس کیلئے ثواب مقرر ہو جاتا ہے اور رعایا پر شکر گذاری لازم ہو جاتی ہے، اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس کے لئے گناہ لکھ دیا جاتا ہے اور رعایا کے لئے صبر کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بادشاہ رعایا کا محافظ ونگہبان ہوتا ہے، مظلوم ومجبور شخص انصاف کی فریاد لے کر بادشاہ ہی کے پاس آتا ہے، لہٰذا بادشاہ کو انصاف کرنا چاہئے، انصاف پسند بادشاہ کے لئے بہت اجر وثواب ہے، لیکن اگر کوئی بادشاہ اپنے فرائض سے کوتاہی کرتے ہوئے بجائے عدل وانصاف کے ظلم وزیادتی کرتا ہے تو اس کے لئے سخت گناہ اور ہلاکت مقرر کر دی جاتی ہے، رعایا کے ساتھ انصاف ہو یا ناانصافی ان کو بہر حال بادشاہ کے خلاف محاذ آرائی نہ کرنا چاہئے، بلکہ انصاف ملنے پر شکر کرنا چاہئے، جب کہ ناانصافی پر صبر کرنا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۵۶/۷، شرح الطیبی: ۲۱۶/۷)

ظل اللہ: اور ایک روایت میں ظل الرحمن ہے، "فی الارض" اس لئے کہ زمین پر ہی لوگوں سے تکلیف کو زائل کرتا ہے ایسے ہی جیسے سایہ سورج کی گرمی کی تکلیف کو زائل کرتا ہے، اور نہایہ میں یہ ہے کہ کبھی

"الظل" کے ذریعہ حفاظت وحمایت کی طرف کنایہ کیا جاتا ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مطلب بیان کیا کہ جس طرح لوگ سورج کی گرمی کی تکلیف سے سایہ ٹھنڈک سے راحت حاصل کرتے ہیں اسی طرح لوگ بادشاہ کے عدل وانصاف کی ٹھنڈک کے ذریعہ ظلم وستم کی گرمی سے راحت حاصل کرتے ہیں۔

یاوی الیه کل مظلوم من عباده: اس کا مفہوم علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے منقولہ بالا بیان کیا ہے اور ظل کی اضافت اللہ کی طرف یعنی اس کو اللہ کا سایہ کہنا یہ اس کی عزت کو بلند کرنے اور اس کے اعزاز کیلئے ہے ایسے ہی جیسے "**بیت الله یا ناقة الله**" میں ہے، نیز یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ یہ سایہ دوسرے سایوں جیسا نہیں ہے بلکہ اس کی ایک علیحدہ شان ہے اور اللہ کے ساتھ اس کو مزید اختصاص کا رتبہ حاصل ہے، اسلئے اللہ نے ہی اس کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے جو اللہ کے بندوں میں عدل واحسان کی بہاریں لاتا ہے اسی لئے ایسے عادل ومحسن بادشاہ کو عرش کا سایہ اس دن حاصل ہوگا جب اور کوئی سایہ ہی نہ ہوگا۔ "**فاذا عدل کان له الاجر**" یہ ایک عظیم عمل صالح ہے جس کا اجر اس کو ملنا ہی ہے۔

وعلی الرعیة الشکر: اور رعیت پر اللہ کے اس انعام اور اس کی نعمت پر شکر واجب ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا: "**لان شکرتم لازیدنکم**" [اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا]

واذا جار: اور ایک روایت میں "**او خاف او ظلم**" ہے معنی تینوں کلمات کے تقریباً یکساں ہیں یعنی ظلم کیا۔

کان علیه الاصر: ہمزہ مکسور ہے اس کے معنی بوجھ کے بھی ہیں اور گناہ کے بھی اور بوجھ کے ساتھ ترجمہ کیا جاسکتا ہے، حدیث میں اشارہ ہے کہ امام عادل اللہ کی نعمت ہے اور ظالم اللہ کا عذاب اور اس کی طرف سے مسلط کی ہوئی مشقت۔ (انوار المصابیح: ۶۷۳/۶، مرقاۃ: ۱۳۸/۸/۴)

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عادل بادشاہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جب کہ ظالم بادشاہ کا مسلط ہونا عذاب الٰہی ہے۔

ترقی کرنے والے حاکم کا رتبہ

{۳۵۵۰} **وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ**

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ رَفِيْقٌ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ۔

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان: ۶/۱۶، باب فی طاعۃ اولی الامر، حدیث نمبر: ۷۳۷۱۔

حل لغات: خرق: بے وقوف، خرق (س) خرقاً: بے وقوف ہونا، الرفیق: شفیق، ساتھی، دوست، محبوب، الخرق الخرقۃ: رائے کی کمزوری، نادان، بیوقوف، سختی تشریح دیکھئے۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بندوں میں مرتبہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک وہ امام ہوگا جو انصاف کرنے والا اور مہربان ہو، اور لوگوں میں سب سے برا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ کے اعتبار سے وہ امام ہوگا، جو ظالم اور سختی کرنے والا بیوقوف ہو۔

تشریح: انصاف اور نرمی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اوصاف ہیں، حاکموں کو اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ وہ خصوصیت سے ان اوصاف کو اختیار کریں اور مخلوق کے درمیان انصاف قائم کریں، ان کے ساتھ محبت ونرمی کا برتاؤ کریں، چنانچہ جو حکام ان ہدایات پر عمل کریں گے، ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بہت اعلیٰ اور ممتاز مقام عطا فرمائیں گے، جب کہ وہ حکام جو ان ہدایات کو پس پشت ڈال کر ظلم وزیادتی کو اپنا شیوہ اور بدخلقی و بدمزاجی کا اپنا معمول بنائیں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو قیامت کے دن ذلیل ورسوا فرمائیں اور ان کو نہایت حقیر جگہ میں رکھیں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۵۷)

امام عادل رفیق: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی اقارب واجانب سب کے ساتھ نرمی کرنے والا شریف وکمزور سب کے ساتھ مہربانی کرنے والا۔

وان شر الناس عند اللہ منزلۃ: پہلے جملے میں افضل عباد اللہ ہے تو دوسرے جملہ میں مقابلہ کے اعتبار سے "**شر عباد اللہ**" ہونا چاہئے لیکن بجائے اس کے "**شر الناس**" فرمایا۔ غالباً وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ کا بندہ ہونا انسان کا سب سے بڑا شرف ہے، جبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد کے ساتھ موسوم

کیا گیا جیسے "واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ" [میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں] وغیرہ، اسلئے ظالم وسخت امام وحاکم کو "من عباد اللہ" کی باعزت تعبیر سے محروم رکھا گیا واللہ اعلم۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۷۴)

جائر: کے ساتھ "خرق" کو ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ظلم کے ساتھ ساتھ بدخلقی بھی کرتا ہے۔ نرمی اور مہربانی بڑی بابرکت شئ ہے، جب کہ سختی اور بدخلقی منحوس چیز ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔

اذا اراد اللہ باھل بیت خیراً ادخل علیھم باب الرفق فان الرفق لم یکن فی شئ قط الا زانہ وان الخرق لم یکن فی شئ قط الا شانہ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں تو ان میں نرمی پیدا کر دیتے ہیں، اس لئے کہ نرمی جس چیز میں شامل ہوتی ہے اس میں نکھار آجاتا ہے اور جس چیز میں سختی داخل ہوتی ہے اور وہ چیز عیب دار ہو جاتی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۵۷، شرح الطیبی: ۷/۲۱۷)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ملخصاً

فرمایا کہ عادل کے ساتھ رفیق کو شامل کرنا "من باب التکمیل" ہے اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب امام کی توصیف عادل کے ساتھ کی تو آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ مجرد عدل کافی نہیں ہے اس لئے کہ عادل امام بھی کبھی ظالم اور سخت مزاج اکھڑ ہو سکتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس کو رفیق کے ذریعہ مکمل فرمادیا اور جائر کے ساتھ "خرق" کا اضافہ "من باب التتمیم" ہے اسلئے کہ ظلم وجفا صفت "خرق" کے ساتھ اس کے ظلم وستم کو اور بڑھانے والی صفت ہے۔

(انوار المصابیح: ۶/۶۷۴، مرقاۃ: ۴/۱۳۹)

مسلمان کو ڈرانا باعث زجر ہے

{۳۵۵۱} وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ إِلٰى أَخِيْهِ نَظْرَةً يُخِيْفُهٗ أَخَافَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَى الْأَحَادِيْثَ الْأَرْبَعَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ فِيْ حَدِيْثِ يَحْيٰى هٰذَا مُنْقَطِعٌ وَرِوَايَتُهٗ ضَعِيْفٌ۔

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان: ۶/ ۵۰، باب فی طاعۃ اولی الامر، حدیث نمبر: ۷۴۶۸۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے اپنے بھائی کو ایسے طور پر دیکھا کہ جس میں اس کو ڈرانا مقصود ہو، تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ڈرائیں گے، چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ اور یحییٰ کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ یہ حدیث منقطع ہے اور اس کی روایت ضعیف ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو کسی طور پر ستانا اور پریشان کرنا جائز نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کو گھورنا اور اسکو خوف زدہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ کریں گے، اور جس نوع سے اس نے اپنے بھائی کو پریشان کیا ہوگا اسکو بھی اسی نوع سے پریشانی اٹھانی پڑے گی۔ (فیض المشکوۃ: ۷/ ۵۷، مرقاۃ: ۱۴۱/ ۴)

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو اس باب میں لانا اسلئے ہے کہ جانا جائے جب صرف ڈرانے والی نظر سے آدمی اللہ کی عقوبت کا مستحق ہو جاتا ہے تو پھر اس کے آگے ظلم وستم کی عقوبت کا کیا حال ہوگا، اس کو سمجھنا دشوار نہیں ہے، اور اگر اس سے یہ اخذ کیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جس نے اپنے بھائی مسلمان کی طرف شفقت ومحبت کی نظر ڈالی تو یقینا ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر رحمت وعنایت کی نظر ڈالے گا، اور ایک حدیث میں مغفرت کی صراحت ہے فرمایا گیا ہے:

"**من نظر الی اخیه نظرة ود غفر الله له**" جو شخص اپنے بھائی کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔ "**وقال فی حدیث یحییٰ هٰذا منقطع**" حدیث منقطع اور حدیث مرسل محدثین کے نزدیک کبھی مترادف ہوتے ہیں، مشکوۃ میں مرسل حدیث کا حکم یہ لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم توقف ہے اور یہ اسلئے کہ یہ معلوم نہیں کہ آخر سند سے ساقط ہونے والا راوی ثقہ ہے یا

نہیں؟ اسلئے تابعی کبھی دوسرے تابعی سے حدیث روایت کرتا ہے اور تابعین میں ثقہ وغیر ثقہ دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہے یہ حضرات اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ تابعی نے آخر راوی کا نام کمال وثوق واعتماد کی بناء پر ذکر نہیں کیا اسلئے کہ اگر ان کے نزدیک وہ ثقہ نہ ہوتا تو اسکو ساقط نہ کرتے بلکہ ذکر کرتے تاکہ دوسرے ان کے متعلق فیصلہ کرلیں۔ (انوار المصابیح: ۶۷۴/۶)

نکتہ

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ انقطاع سے مراد یہاں ارسال ہے اس لئے کہ یہاں سے صحابی راوی ساقط ہوئے ہیں اور وہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں اسکا کوئی نقصان نہیں ہے اسلئے کہ حدیث مرسل جمہور کے نزدیک حجت ہے لیکن ضرر جو پہنچ رہا ہے مصنف کے قول "**وروایته ضعیف**" سے ہے یعنی یحییٰ کی روایت ضعیف نہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

(انوار المصابیح: ۶۷۵/۷، شرح الطیبی: ۲۱۸/۷)

حاکموں کے حاکم اللہ تعالیٰ ہیں

{۳۵۵۲} وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِیْ یَدِیْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَیْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّافَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَیْ اَكْفِیَكُمْ مُلُوْكَكُمْ۔

(رواہ ابونعیم فی الحلیة)

حواله: ابونعیم فی الحلیة: ۳۸۹/۲۔

حل لغات: النقمة: بدلہ، **نقم: (س) نقماً علیہ:** بدلہ لینا، ناراض ہونا، حسد کرنا، **فساموھم:(ن) الانسان ذلا:** ذلت وحقارت کا برتاؤ کرنا، **حول الشئ:** بدلنا، ایک حالت یا صفت سے دوسری حالت یا صفت میں لے جانا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا، **السخط السخط:** غصہ، ناراضگی، ناگواری، **سام الانسان ذلاً:** ذلت وحقارت کا برتاؤ کرنا، **سام الشئ:** بطور سزا یا بطور نتیجہ کے کوئی چیز دینا لازم کرنا، **التضرع الیہ:** انکساری کرنا گڑگڑانا اپنی لاچاری وبے بسی کا اظہار کرنا، رودھو کر مانگنا، **کفی کفاہ:** کفایت کرنا کافی ہونا، دوسری چیز سے بے نیاز کرنا، بسااوقات فاعل پر باء زائد لگائی جاتی ہے جیسے قرآن کریم میں ہے، **و کفی باللہ شھیداً:** یعنی اللہ کی شہادت بندے کے لئے کافی ہے، دوسرے کی شہادت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضے میں ہیں، بلاشبہ بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت وشفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، اور بلاشبہ بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو غصے اور سزا کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، چنانچہ وہ ان کو سخت عذاب دیتے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ اپنے آپ کو بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور گڑگڑانے میں مشغول کرو، تاکہ میں تم کو تمہارے بادشاہوں سے بے نیاز کر دوں، اس روایت کو ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کے ظلم کا تعلق بندوں کے اعمال سے وابستہ ہے، بندے اگر راہ راست پر رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ظالم ترین بادشاہ کے دل میں بھی ایسے افراد کی محبت ڈال دیتے ہیں چنانچہ وہ ان کو تکلیف دینے کے بجائے ان کی خدمت گذاری کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں اس کے برخلاف نافرمانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ظالم بادشاہ کو مسلط فرما دیتے ہیں جو وقتاً فوقتاً تکالیف میں مبتلا کرتا رہتا ہے، لہٰذا انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے حکمراں کے مظالم بیان کرنے کو مشغلہ نہ بنائیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں، اپنے مسائل کے حل کے لئے اللہ کے آگے گڑگڑائیں اللہ تعالیٰ ضرور کوئی نہ کوئی بہتر صورت مقدر فرمائیں گے۔ (فیض المشکوۃ:۵۸/۷، مرقاۃ:۱۴۱/۴)

ان اللہ تعالیٰ یقول: یہ حدیث قدسی ہے۔"اذا اطاعونی" بندوں کے اعمال کے اعتبار سے ہی ان پر حکام مقرر کئے جاتے ہیں، یعنی حاکموں کے عدل و انصاف اور ظلم وجبر کا تعلق براہ راست بندوں کے اعمال سے ہے، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "اعمالکم عمالکم" تمہارے اعمال ہی تمہارے عُمّال ہیں جیسے اعمال ویسے حاکم۔ مزید تحقیق کے لئے عالمی حدیث ۳/۱۷۷ دیکھیں۔

فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء: بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں اپنے آپ کو مصروف نہ کرو، بلکہ توبہ واستغفار اور اپنے آپ کو اللہ کی یاد میں اور اللہ کے آگے گڑگڑانے میں مصروف کرو، جو شخص اللہ سے مانگتا ہے اللہ اس کو ضرور عطا کرتا ہے، **"اکفیکم"** میں تمکو تمہارے بادشاہوں سے کفایت کرونگا یعنی میں تم کو تمہارے بادشاہوں سے بے نیاز کردوں گا۔ اللہ کے آگے جب آدمی گڑگڑائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو ظالم کے ظلم سے ضرور نجات عطا کریں گے، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا دین بھی بنائیں گے، اور دنیا میں بھی اس کو نوازیں گے۔ (مرقاۃ: ۷/۲۳۱)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ برابر یہ دعا کرتے تھے کہ: "اللھم کما صنت وجھی عن سجود غیرك فصن وجھی عن مسئلة غیرك" اے اللہ! جس طرح آپ نے میرے چہرے کو اپنے غیر کے سجدے سے محفوظ رکھا، اسی طرح میرے چہرے کو اپنے غیر کے سوال سے محفوظ رکھئے، بندہ کو چاہئے کہ اللہ سے مدد طلب کرے شکوہ شکایت سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۵۹)

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مقتبس یعنی ماخوذ ہے۔"**قل اللھم مالك الملك**" (الآیہ) [کہو کہ! اے اللہ! اے اقتدار کے مالک تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کردیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے]

عاجز کہتا ہے کہ یہ آیت بھی اللہ کا کلام ہے اور حدیث کا وہ جملہ بھی حدیث قدسی ہونے کی وجہ سے اللہ کا کلام ہے لہٰذا اس آیت سے اس کے مقتبس قرار دینے کی حاجت نہیں، **واللہ اعلم**۔

{باب ما علی الولاۃ من التیسیر}

یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ خلفاء پر آسانی کرنا واجب ہے

تشریح و تحقیق: "الولاۃ" یہ والی کی جمع ہے جو خلفاء اور امراء و حکام کو شامل ہے۔ "من" یہ بیانیہ ہے جو "ما" کی م کو ظاہر کر رہا ہے اور "علی" وجوب کے لئے ہے یعنی جو حکام پر واجب ہے یعنی امور میں آسانی پیدا کرنا اور رعایا پر سہولت کو پیش نظر رکھنا اور ان کے مقدموں میں سختی سے کام نہ لینا وغیرہ۔

اس باب کے تحت کل نو (۹) روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں امیروں و حاکموں کو اپنی رعایا کے ساتھ نرمی و شفقت کا معاملہ کرنا۔ طاعات و عبادات پر اجر و ثواب کی بشارت دینا، بندوں کا اللہ سے رشتہ و تعلق مضبوط کرنا، ان کو اللہ کی بخشش و عنایات کی امید دلانا، مایوسی و ناامیدی پیدا کرنے والی باتوں سے گریز کرنا، عہد شکنی سے بچنا، عہد شکنی پر ذلت و رسوائی اور لوگوں کی حاجت روائی پر اجر عظیم وغیر مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

{الفصل الاول}

حاکموں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

{۳۵۵۳} عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ اَحَداً مِنْ اَصْحَابِہٖ فِیْ بَعْضِ اَمْرِہٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۹۰۴، باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم یسروا ولا

تعسروا، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۱۲۴، مسلم شریف: ۸۲/۲، باب الامر بالتیسیر، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۱۷۳۲۔

حل لغات: بشر بکذا: کسی کوخوشخبری دینا، **نفر فلانا من الشيء:** تنفر کرنا، ڈرا کر دور کرنا، **یسر الشيء:** آسان کرنا، مثال میں اسی حدیث کو صاحب لغت نے پیش کیا، **عسر علیه:** کسی کے لئے تنگی پیدا کرنا کسی کو تنگی میں ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے کسی صحابی کو اپنے کسی کام پر روانہ فرماتے تو ان سے فرماتے کہ لوگوں کو خوش خبری سنانا متنفر نہ کرنا، آسانی پیدا کرنا، اور مشکل میں مبتلا مت کرنا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امور حکومت کے سلسلہ میں جب کسی شخص کو امیر بنا کر روانہ فرماتے تو ان کے اور عوام الناس کے نفع کے لئے چار قیمتی نصیحتیں فرماتے۔

(۱)......نیک کام پر ملنے والے اجر وثواب اور حاکم کی اتباع پر حاصل ہونے والے مقام ومرتبہ کو بیان کرنا، تاکہ لوگ ان بشارتوں کو سن کر نیک عمل پر جمیں اور حاکم کی اتباع کریں، اور ان کو خوشی وشادمانی میسر آئے۔

(۲)......عذاب الٰہی سے اتنا زیادہ مت ڈرا دینا کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو کر بد دل ہو جائیں۔

(۳)......جو بھی ان سے کام لینا یا جو حکم بھی ان پر جاری کرنا اس میں نرمی وآسانی کے پہلو کو اختیار کرنا۔

(۴)......ان کی استطاعت سے زیادہ کام لے کر یا ان پر جو مقدار واجب ہے اس سے زیادہ رقم وصول کر کے ان کو مشقت میں مبتلا کرنے سے گریز کرنا۔ (فیض المشکوۃ:۵۹/۷، تکملہ فتح الملہم: ۹/۲۲)

بشروا: خوش خبری دو، متنفر نہ کرو، آسانی کرو، سختی نہ کرو، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اسلام سے قریب کرنے کے لئے ہے چونکہ اخلاق حسنہ ہی کے ذریعہ لوگ قریب ہوتے ہیں اور دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور ابتداء میں شدت ترک کرنے کے سلسلہ میں ہے، کیونکہ جب کوئی چیز ابتداء میں محبوب ہو جاتی ہے تو پھر دل خود بخود اس کی طرف مائل رہتا ہے، اس کے برعکس اگر شروع میں وعیدیں سنا کر ڈرا دیا جائے گا تو دل میں محبت پیدا نہیں ہوگی۔

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پوری حدیث کا خلاصہ ذکر کیا ہے، کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ وعیدیں ہی مت سناؤ، بلکہ قرآن کریم کے اسلوب پر بشارت وانذار کو ساتھ رکھو، نصیحت کا انداز ایسا ہو کہ خوف وامید کی ملی جلی کیفیت پیدا ہو، کیوں کہ اگر خالی بشارتیں ہی سنائی جائیں گی تو رحمت کی امید کا سہارا لے کر بے خوف ہو جائے گا اور اگر ہمیشہ وعیدیں ہی سنائی گئیں تو بندہ خوفزدہ ہو کر رحمت الٰہی سے مایوس ہو جائے گا، اور یہ دونوں ہی کیفیتیں غیر مطلوب ہیں، اگر ایک طرف ارشاد خداوندی ہے۔ "**لا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون**"۔ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ (سورۃ الاعراف) تو دوسری طرف فرمان ہے۔

لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔

یقین جانو! اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ (سورۃ یوسف) مقصود یہ ہے کہ تعلیم وتبلیغ کے لئے حدیث میں درمیانی راہ اختیار کرنے کی تاکید ہے، صاحب تکملہ لکھتے ہیں جس طرح دوسروں کو متنفر کرنے کی ممانت ہے، اسی طرح خود انسان کی اپنی ذات کے لئے بھی یہ ممانعت ہے کہ وہ بہت زیادہ طویل طویل عبادات جن پر مداومت ناممکن ہو اور جس سے نفس انسانی سخت مشقت میں پڑ جائے، نہیں کرنا چاہئے تا کہ خود یہ انسان بھی طاعت سے متنفر نہ ہو جائے، ایسا عمل کرنا چاہئے، جس پر مداومت ہو سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ۔

کلفوا ما تطیقون: جتنا کر سکو اتنے کا اپنے آپ کو پابند کرو۔ (فیض المشکوۃ:۶۰/۷)

سوال: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**بشروا**" فرمایا دیا تو "**لا تنفروا**" کی ضرورت باقی نہیں رہی، اسی طرح جب "**یسروا**" فرمایا تو "**ولا تعسروا**" کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ ایک کے حکم سے دوسرے کی ممانعت خود بخود سمجھ میں آرہی ہے۔

جواب: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک دفعہ بشارت سنا دی تو حکم پر عمل ہو گیا اور پھر برابر متنفر کر رہا ہے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ حکم پر عمل نہیں کیا، اسی طرح ایک مرتبہ "**یسر**" کر کے کئی دفعہ "**عسر**" کیا تو بھی حکم پر عمل ہو گیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**لا تنفروا**" اور "**لا تعسروا**" فرما کر تمام احوال میں تعسیر اور تنفیر سے منع فرما دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دائمی طور پر آسانی کرنے

اور بشارت سنانے کی تاکید فرمائی ہے۔

سوال: "یسر" اور "عسر" تو ایک دوسرے کے مقابل ہیں لیکن "تبشیر" کے مقابل "تنفیر" نہیں ہے بلکہ "انذار" ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "انذار" نہ فرما کر "تنفیر" کیوں فرمایا؟

جواب: "انذار" اس لئے نہیں فرمایا کہ "انذار" خود "بشیر" میں داخل ہے کیونکہ انذار سے مقصود بھی دین پر جمانا ہوتا ہے جہاں یہ محسوس ہو کہ اس بندہ کو خوف خدا دلایا جائے تو طاعت پر جمے گا اور معاصی سے بچے گا وہاں "انذار" کے پہلو کو اختیار کیا جائے گا اور تنفیر کی ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے لئے دشواریاں کھڑی کر کے ان کو دین سے بدظن مت کرو، معلوم ہوا کہ بعض طبائع کے اعتبار سے "انذار، تبشیر" کا کام کرتا ہے، لہٰذا "انذار" کو "تبشیر" کا فرد مانا جائے گا، اس کا مقابل نہیں۔

(فیض: ۷/۶۰، تکملہ: ۹/۲۲)

تنبیہ: سختی نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی مداہنت اختیار کر لے اور جو بھی مفاسد عام ہوں ان سے اپنی آنکھ بند کر لے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دین پر لانے میں نرمی اختیار کرو، یعنی مقصود اصلی دین پر جمانا ہے، اس جمانے کے لئے حسن تدبیر یہ ہے کہ نرمی کا پہلو اختیار کرو، مداہنت بالکل الگ چیز ہے، اس لئے کہ اس میں دین پر جمانے کی کوئی کوشش ہی نہیں ہوتی ہے۔ (فیض: ۷/۶۰)

امیر کیلئے زریں ہدایات

{۳۵۵۴} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَکِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۰۴، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۱۵۲، مسلم شریف: ۲/۸۳، باب فی الامر بالتیسیر، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۷۳۴۔

حل لغات: یسر: تعسر نفر: کے لئے اس سے پہلے کی حدیث دیکھئے، سکن فلانا: سکون وآرام پہنچانا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کہ آسانی پیدا کرو، مشکل میں مبتلا مت کرو، سکون پہنچاؤ اور متنفر مت کرو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکموں کو اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ وہ عوام سے نرمی کا برتاؤ کریں، سختی سے اعراض کریں، ایسی باتوں کی طرف توجہ دلائیں جن سے ان کو سکون نصیب ہو، اور وہ دین پر جمیں اور ان باتوں سے اعراض کریں جن سے لوگ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ (فیض المشکوۃ:۶۱/۷، عمدۃ القاری:۱۶۷/۱۱)

یسروا: تمام امور میں آسانی اور نرمی ضرور کرنا چاہئے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

فأن الرفق لم یکن فی شیٔ قط الازانہ۔

نرمی جس چیز میں شامل ہوجاتی ہے اس میں نکھار آجاتا ہے۔

حاکم کی نرمی کی بنا پر لوگوں کو اسلام کے سلسلے میں قریب آنے کا موقع ملتا ہے۔

ولا تعسروا: اعمال میں سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے خاص طور پر ان لوگوں کے سلسلے میں جو نومسلم ہوں، اسی طرح وہ بچے جو قریب ہی زمانہ میں شریعت کے مکلف ہوئے ہوں، چونکہ ان کے دلوں میں عمل کا رسوخ پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح طاعات سے کنارہ کش ہونے کا امکان زیادہ ہے، لہٰذا حاکم کو قطعاً سختی نہ کرنا چاہئے۔

سکنوا: اللہ کے فضل اور اس کے عظیم ثواب اس کی بے پناہ عطا اور اس کی وسیع رحمت کو خوب بیان کرنا چاہئے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اچھے اعمال اختیار کرنے کا داعیہ پیدا ہو۔

لا تنفروا: بہت زیادہ بوجھل احکام کا حکم کرکے لوگوں کو دین سے بیزار مت کرو۔

(فیض:۶۱/۷)

فائدہ: دین کے معاملے میں اور دینی امور میں سختی اور خواہ مخواہ کی بے جا شدت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ جہاں شریعت نے گنجائش اور رخصت رکھی ہے اس سے استفادہ کرنا چاہئے اپنی ذات کے لئے تو بات الگ ہے۔

اگر کوئی صاحب عزیمت ہے اور اپنے مضبوط ایمان کی وجہ سے وہ اپنے لئے اونچا معیار قائم

کرتا ہے تو یہ الگ بات ہے لیکن عام لوگوں کے لئے شریعت کا وہی معیار قائم نہیں رکھا جاسکتا اسلئے کہ عام لوگ اس پر عمل نہیں کرسکیں گے۔ (کشف الباری: ۱۲/۳۹۵)

اختلاف کی ممانعت

{۳۵۵۵} **وَعَنْ** اَبِیْ بُرْدَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَدَّہٗ اَبَا مُوْسٰی وَمُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۲۶، باب مایکرہ من التنازع، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۳۰۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا حضرت موسی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں آسانی پیدا کرنا، اور سختی نہ پیدا کرنا، خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا اور تم دونوں باہم ایک دوسرے کے موافق رہنا اور اختلاف نہ کرنا۔

(بخاری)

تشریح: اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باتوں کی ہدایت فرمائی ہے، جن کی سابقہ دو احادیث میں ہدایت فرمائی ہے مزید یہ بات فرمائی ہے کہ جو بھی عمل انجام دینا اس میں اتحاد و اتفاق کو برقرار رکھنا باہم اختلاف نہ کرنا کیوں کہ اختلاف کی صورت میں تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا اور تمہارا پیغام ان کے لئے قابل قبول نہ ہو پائے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۶۱، عمدۃ القاری: ۱۱/۱۶۸)

وعن ابی بردۃ: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صحیح ابن ابی بردہ ہے، **"معاذا"** یہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ہیں **"ای الیمن"** عبارت سے حاصل تو یہ ہو رہا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے دادا ہیں لیکن واقعتا ایسا نہیں ہے، بلکہ ابوموسی ان کے والد صاحب ہیں اس لئے صحیح یہ ہے "**عن عبد اللہ ابن ابی بردۃ عن ابیہ قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم جدہ اباموسی**" اور "**جدہ**" کی ضمیر عبدہ کی طرف راجع ہو، بخاری کی روایت میں ایسا ہی ہے **"فقال"** یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

دونوں کو ایک ساتھ فرمایا اور یا الگ الگ دونوں سے یہی بات فرمائی، دونوں احتمالات کی گنجائش ہے۔

او تطاوعا، طاوع فیہ وعلیہ: کے معنی کسی بات میں کسی کا ہمنوا ہونا، ساتھ دینا، کسی شیَ کا دوسرے کے موافق ہونا، اور یہاں مطلب یہ ہے کہ تم دونوں ہر حکم اور ہر معاملہ میں باہم متفق رہنا۔

ولا تختلفا: کسی بھی معاملہ میں ایک دوسرے کا اختلاف نہ کرنا، طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احکام میں متفق رہنا ایسا نہ ہو کہ ایک کا حکم کچھ ہو اور دوسرے کا کچھ اور اسلئے کہ اس طرح ہر ایک کے متبعین کی الگ الگ جماعت ہو جائے گی، اور پھر اس طرح باہم منافرت کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۷۹، عمدۃ القاری: ۱۱/۱۶۸)

دھوکہ باز کیلئے دھوکے کا نشان قائم کیا جائیگا

{۳۵۵۶} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهٗ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۱۲، باب ما یدعی الناس بآبائھم، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۱۸۱، مسلم شریف: ۲/۸۳، باب تحریم الغدر، کتاب الجھاد: حدیث نمبر: ۱۷۳۵۔

حل لغات: غدر فلانا: کسی کے ساتھ بے وفائی کرنا، دھوکہ دینا، غداری کرنا، عہد شکنی کرنا، **نصب الشیٔ:** گاڑنا کھڑا کرنا، جھنڈا، پرچم جس میں بانس وغیرہ لگا ہو رایت سے چھوٹا، **الغدر:** کی مؤنث، **الغدۃ:** دھوکا، بے وفائی، خیانت۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بلاشبہ قیامت کے دن عہد توڑنے والے کے لئے ایک جھنڈا گاڑا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ باہمی معاہدات کا پاس ولحاظ رکھنا چاہئے عہد شکنی ایک

بہت بڑا جرم ہے، اس کی وجہ سے قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کو سخت شرمندگی کا سامنا ہوگا۔جس نے جتنا بڑا عہد توڑا ہوگا اتنا بڑا قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ درحقیقت فلاں بندہ کی فلاں عہد شکنی ہے۔

ان الغادر ینصب له لواء: غدر کے معنی دھوکہ بے وفائی اور فریب کے ہیں، یہاں مراد عہد شکنی ہے عہد شکنی کے اندر وہ معاہدات بھی داخل ہیں جو ایک انسان سے یا ایک جماعت دوسری جماعت سے کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کا حکم دیا ہے کہ۔

اوفوا بالعهد ان العهد كان مسؤلا۔

معاہدات پورے کرو، بلاشبہ معاہدات کے سلسلے میں باز پرس ہوگی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد شکنی کرنے والا قیامت میں تمام انسانوں کے بیچ میں رسوا کیا جائیگا۔(مرقاۃ:۱۴۲/۴)

سوال: جھنڈا کہاں لگایا جائے گا؟

جواب: اکثر روایات میں اس امر کی وضاحت موجود نہیں ہے عہد شکنی کرنے والے کو جھنڈا گاڑنے کی جو سزا دی جائے گی، اس کا محل کیا ہوگا؟ ہاں! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح ان الفاظ کے ساتھ آئی۔

لکل غادر لواء عند استه یوم القیامة۔[قیامت کے دن ہر بدعہدی کرنے والے کی سرین کے پاس جھنڈا ہوگا](۲/۸۳) کہ اس کا محل ومقام پشت (دبر) کے اوپر ہوگا۔

(کشف الباری:۴۲۷/۷)

سوال: عہد شکنی کرنے والے کے لئے جھنڈا کیوں گاڑا جائے گا؟

جواب: جھنڈے سے چونکہ شہرت بہت زیادہ ہوجاتی ہے، اس لئے دنیا میں بھی اس کو اختیار کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اسی کو اختیار کیا جائے گا۔(عمدۃ القاری:۲۰۱/۲۲)

سوال: قیامت کے دن کس نسبت سے پکارا جائے گا؟

جواب: مذکورہ حدیث میں "**هذه غدرة فلان بن فلان**"[یہ فلاں ابن فلاں کی بدعہدی ہے]

اس سے معلوم ہوا کہ جھنڈا لگانے کے بعد مزید رسوائی کے لئے یہ اعلان بھی ہوگا یہ فلاں ابن فلاں عہد شکنی کا نتیجہ ہے اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اولاد کو ان کے آباء کی نسبت سے پکارا جائے گا۔

جب کہ طبرانی کی ایک روایت، جو ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اولاد کو ماؤں کی نسبت سے پکارا جائے گا۔(المعجم الکبیر: ۸/۲۵۰، ومجمع الزوائد: ۳/۴۵)

اس تعارض کے دو جوابات ہیں

(۱) طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال درست نہیں اور مقابلہ میں صحیحین وغیرہم کی روایت ہے، پھر ابو داؤد وغیرہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں "نسبۃ الی الآباء" کی صراحت ہے۔

انکم تدعون یوم القیامۃ بأسمائکم، واسماء آبائکم، فاحسنوا اسمائکم۔

بلا شبہ تم کو تمہارے ناموں اور تمہارے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا اسلئے اپنے اچھے نام رکھو۔(۲/۶۷۶)

(۲) اگر نسبت "الی الامھات" والی روایت درست تسلیم بھی کرلی جائے تو حدیث باب میں ذکر کردہ امر اس عام سے خاص ہوگا، چنانچہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وان ثبت انھم یدعون بأمھاتھم فقد یخص ھٰذا من العموم۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر کتاب الادب میں مستقل ترجمہ بھی قائم کیا ہے۔

(کشف الباری: ۷/۴۳۰)

جیسا کہ باب: "مایدعی الناس بآبائھم" روز قیامت لوگوں کو ان کے باپوں کا نام لیکر بلا جائے گا۔

مایدعی: میں "ما" مصدریہ موصول حرفی ہے اور "یدعی" اس کا صلہ ہے دونوں ملکر "دعاء" مصدر کے معنی میں ہے، اور "الناس" مفعول بہ ہے، اور فاعل محذوف ہے "ای باب دعا الداعی الناس باسماء آبائھم یوم القیامۃ"۔ (ارشاد الساری: ۱۳/۱۸۴)

مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ **"فلان ابن فلان"** کہہ کر پکارا جائے گا شارح بخاری ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت میں عہد شکنی کرنے والے کے لئے جھنڈا ایام حج میں بلند کر دیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ یہ فلاں بن فلان کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے بہرحال امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ والد کی طرف نسبت کر کے قیامت کے دن نام پکارے جائیں گے، سنن ابی داؤد میں بھی ایک مرفوع روایت منقول ہے۔ (ابو داؤد: ۳۲۰/ ۲) یعنی قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے نام کے ساتھ پکارے جاؤ گے اسلئے اپنے نام اچھے رکھا کرو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **"وهو يقتضي حمل الاباء على من كان ينسب اليه في الدنيا لا على من هو في نفس الامر وهو المعتمد"** (فتح الباری: ۶۸۹/ ۱۰)

یعنی دنیا میں جس شخص کی طرف بیٹے ہونے کی حیثیت سے اس کی نسبت کی جاتی تھی، قیامت کے دن اسی کی طرف نسبت کر کے اس کو پکارا جائے گا، نفس الامر اور حقیقت میں وہ اس کا بیٹا ہے یا نہیں اسکو نہیں دیکھا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں ظاہر امر پر عمل ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری: ۲۰۱/ ۲۲، کشف الباری: ۴۵۵/ ۱۲)

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عرب کا قاعدہ تھا کہ مشورہ کرنے کے لئے بازار میں جھنڈا گاڑا کرتے تھے دغاباز وہی ہے، جو وعدہ کرے پھر پورا نہ کرے اور اس حدیث سے دغابازی کی حرمت نکلی خاص کر اس شخص کے لئے جو حاکم ہو کیونکہ اسکی دغابازی سے ہزاروں خلق اللہ کو نقصان پہنچتا ہے قاضی عیاض نے کہا کہ دونوں دغابازیاں مراد ہو سکتی ہیں ایک امام اور حاکم کی جو اس نے دی ہے اس کا حق ادا نہ کرے یعنی عدل وانصاف نہ کرے خلق اللہ کو آسائش اور راحت نہ دلوائے ان کے جان اور مال اور حق پر ناحق ستم کرے دوسرے رعیت کی امام کے ساتھ کہ وہ بیعت کو توڑ ڈالیں اور بلا وجہ شرعی اسکی مخالفت کریں۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۰/ ۵)

عہد شکنی کی رسوائی

{۳۵۵۷} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۵۲، باب اسم الغادر، کتاب الجزیہ، حدیث نمبر: ۳۱۸۶، مسلم شریف: ۲/۸۳، باب تحریم العهد، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۱۷۳۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ عہد شکنی بہت بری چیز ہے اللہ تعالیٰ عہد شکنی کرنے والے کو قیامت کے دن بہت زیادہ رسوا فرمائیں گے۔

لكل غادر لواء يوم القيامة: عہد شکنی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا گاڑا جائے گا، جس سے اس کی رسوائی مقصود ہوگی، اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ بازاروں کے اجتماعات میں وفاداری کی علامات کے طور پر سفید جھنڈا گاڑتے تھے، اور غداری کے علامت کی طور پر کالا جھنڈا نصب کرتے تھے، اس وجہ سے لوگ ایمانداری اور بدعہدی کو شناخت کر لیتے تھے، عہد پورا کرنے والے کی تعریف کرتے تھے، اور بدعہدی کرنے والے کی مذمت کرتے تھے، بدعہدی یوں تو حرام ہے ہی لیکن اگر یہ حاکم کی جانب سے ہوتی ہے تو اس کا ضرر بہت زیادہ متعدی ہوتا ہے، اس لئے یہ بدعہدی سب سے زیادہ قبیح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "**ولا غادر اعظم غدراً من امير عامة**" امیر عامہ کی بدعہدی سے بڑھ کر کوئی بدعہدی کرنے والا نہیں۔

"لكل غادر لواء" کے مختلف معانی ومطالب

قیامت والے دن عہد شکنی کو جو جھنڈا لگایا جائے گا اس کی وجہ کیا ہوگی؟

اس کے مختلف جوابات شراح حدیث نے بیان کئے ہیں:

(۱)......علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عہد شکنی کو برسر محشر رسوا کریں گے، دنیا میں اس نے جو بدعہدی کی تھی اس کے بیان کے لئے جھنڈا نصب کیا جائے گا کہ بدعہد

ہے اور اس سے یہ پہچانا جائیگا جس طرح کہ قائد لشکر اپنے جھنڈے سے پہچانا جاتا ہے۔

(۲)......علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا اس عہد شکن کے ساتھ اس قصد وارادے کے برخلاف عمل کیا جائے گا اس لئے کہ جھنڈا عموماً سر پر ہوتا ہے، لیکن اس کا جھنڈا نیچے ہوگا خوب فضیحت ہوگی و رسوائی ہوگی، کیونکہ آنکھیں غالباً جھنڈوں کی طرف اٹھتی ہیں، تو اس بدعہد کا فعل بھی قیامت کے دن اس امر کا باعث وسبب ہوگا کہ لوگوں کی نگاہی ان جھنڈوں پر مرکوز ہوں گی، جو اس بدعہد کیلئے نصب کئے گئے ہیں اس طرح اس کی خوب فضیحت و رسوائی ہوگی۔

(۳)......امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "**لکل غادر لواء**" ہر بدعہدی کرنے والے کے لئے جھنڈا ہوگا۔ کے اس جملے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو اس فعل کے ساتھ مخاطب کیا ہے جو خود بھی کرتے تھے چنانچہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ وفا کے لئے سفید جھنڈا اور بدعہدی کے لئے سیاہ جھنڈا بلند کرتے تھے یعنی یہ دونوں رنگ ان دونوں افعال پر دلالت کرتے تھے، تاکہ لوگ بدعہدی کے مرتکب کو لعنت ملامت کریں، اس کی مذمت کریں اس لئے حدیث کا مقتضا بھی یہی ہے کہ بدعہد کے ساتھ قیامت والے دن اسی طرح ہو کہ اس کا یہ فعل مشہور ہو جائے اور اہل محشر اس کی مذمت کریں، جہاں تک وفاداری کا تعلق ہے اس کی بابت کوئی حدیث تو وارد نہیں ہوئی، لیکن یہ بعید نہیں کہ اس کی مدح وتعریف کے لئے بھی اسی طرح ہو کہ جھنڈا بلند کیا جائے اور لوگ اس کی مدح کریں، خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "**لواؤ الحمد**" حمد کا جھنڈا کا ہونا ثابت ہو اس لئے "**لواء الوفاء**" وفا کے جھنڈا کا ہونا بھی بعید نہیں۔ (کشف الباری: ۴۲۸/۷)

حدیث سے مستنبط بعض فوائد

غدر عہد شکنی حرام ہے: مذکورہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ غدر حرام ہے، خصوصاً جب کہ اس کا مرتکب حاکم یا والی ہو، کیوں کہ اس کی عہد شکنی کا ضرر ونقصان متعدی ہوتا ہے، اور مخلوق خدا اس سے متاثر ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حاکم چوں کہ ایفائے عہد پر قادر رہوتا ہے، اس کے

لئے کوئی مانع نہیں ہوتا، اس لئے اس سے بدعہدی کا صدور سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مشہور تو یہ ہے کہ یہ حدیث اس حاکم ووالی کی مذمت میں وارد ہوئی ہے جو ان وعدوں کو پورا نہ کریں جو اس نے رعیت سے کئے، یا اپنی فوج سے یا اس ولایت وحکومت کے تقاضوں کو پورا نہ کرے، جن کا ذمہ اس نے لیا ہے۔

چنانچہ جب اس نے خیانت کی اور رعیت کے ساتھ نرمی ومہربانی کا سلوک روا نہ رکھا تو اس نے اپنے عہد ووعدوں کے ساتھ غداری کی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ کہا کہ حدیث کی مراد رعیت کو امام کی نافرمانی سے روکنا ہے چنانچہ رعیت کو روا نہیں کہ وہ امام کے خلاف خروج وبغاوت کرے اور اس کی نافرمانی کے درپے ہو، کیوں کہ اس پر بہت سے فتنے ابھر سکتے ہیں۔

پھر قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "**والصحیح الاول**"

لیکن حدیث کو کسی ایک معنی کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں ہے، جبکہ وہ دوسرے معانی کو بھی متحمل ہو، اس لئے حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ اس حدیث کو عموم پر حمل کرنے میں کیا مانع ہے؟ پھر راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں جس کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے، چنانچہ کتاب الفتن کی روایت میں یہ زیادتی بھی مروی ہے۔

"**وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ، وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم احداً منکم خلعہ، ولا بایع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ**" مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس آدمی (یزید بن معاویۃ) کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی شرط پر بیعت کی ہے اور میرے نزدیک اس سے بڑی کوئی عہد شکنی نہیں کہ ایک آدمی کے ہاتھ پر اللہ ورسول کی شرط پر بیعت کی جائے پھر اس سے لڑا بھی جائے اگر مجھے تم اہل خانہ وخدام میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہوگیا کہ اس نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی ہے یا اس معاملے میں ان کی بیعت اختیار نہیں کی تو میرے اور اس کے درمیان فیصلہ ہوگا یعنی میرا اور اس کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ اس لئے حدیث کو عموم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کشف الباری: ۴۲۹/۷)

امیر کی عہد شکنی کا بیان

{۳۵۵۸} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدْرِ غَدْرِہٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۸۳/۲، باب تحریم الغدر، کتاب الجہاد، حدیث نمبر:۱۷۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کیلئے ایک جھنڈا ہوگا جس کو اس کی عہد شکنی کے اعتبار سے بلند کیا جائے گا، خبردار کوئی شخص عہد شکنی کے اعتبار سے عوام کے امیر سے زیادہ عہد شکن نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ عہد شکنی کرنا نہایت سنگین جرم ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی سخت سزا ہوگی اور عہد شکن کو بدترین رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا، چونکہ امیر درحقیقت عوام کا پاسبان ہوتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ عوام کے ساتھ خیر خواہی کرے، اگر کوئی شخص امیر ہونے کے باوجود بدعہدی کرتا ہے تو یہ بدعہدی کی اعلیٰ قسم ہوئی اس لئے اس کی سزا بھی سخت ہوگی۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۶۳)

عند استہ: ہمزہ اصلی اور سین کے سکون کے ساتھ مراد پیٹھ پیچھے ہے "اِسْتٌ" کے معنی سرین کے ہیں "یوم القیامۃ" قیامت کے دن برسرعام اسکی دھوکہ بازی، عہد شکنی، اور غداری کو مشہور کرنے کے لئے یہ کیا جائے گا۔

عند استہ: کہنے کی چند وجوہ بیان کی گئی ہیں زیادہ پسندیدہ شکل یہ ہے کہ عزت واحترام کا علم سامنے گاڑا جاتا ہے اسلئے مناسب ہوا کہ ذلت کا یہ علم پیٹھ پیچھے ہو اور اس کی تعبیر کے لئے یہ الفاظ اپنائے ہے

شرح مسلم میں ہے کہ **لواء** وہ بڑا جھنڈا ہے جو صرف امیر لشکر کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں اور اسکو امیر لشکر اٹھاتا ہے البتہ وہی کبھی لشکر کے مقدم کے امیر کے حوالہ کر دیتا ہے، اہل لغت کی ایک جماعت نے **لواء** اور **رایۃ** کو مترادف بتایا ہے۔" **وفی روایۃ لکل غادر لواء یوم القیامۃ یرفع له بقدر غدرہ**" یعنی لمبا چوڑا ان میں اور بلندی میں اسکی عہد شکنی اور غداری کے مطابق ہوگا۔ "**الا**" یہ تنبیہ کے لئے ہے۔

ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامۃ۔ [اور امیر عامہ سے بڑھکر کوئی شخص بدعہدی کرنے والا نہیں]

مطلب یہ ہے کہ جو شخص امارت کا اہل نہ تھا اسکو عوام نے بلا اہل حل وعقد کے مشورہ کے امیر بنالیا وہ عوامی طاقت کی بنیاد پر امیر بن بیٹھا تو یہ اتنا بڑا غدار ہے کہ پھر کوئی اس سے بڑا غدار نہیں اور یہ سب سے بڑا عہد شکن ہے اسلئے کہ عہد مشروع کو توڑا ہے اس لئے کہ مشروع امارت اور ولایت خواص کے راستے سے ہوتی ہے ایسے امر کا مالک بن بیٹھا ہے جسکا وہ اہل نہیں اور جو اسکا اہل تھا اسکو اس نے روک دیا اور محروم کر دیا، اسکے مفہوم کے لئے ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس میں نہی ہو امام کے ساتھ غدر سے رعیت کے لئے۔ اللہ اعلم بالصواب۔

بقدر غدرتہ: کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں عہد شکنی کی جو مقدار ہوگی اسی کے بقدر جھنڈا بھی بلند ہوگا۔ (کشف الباری: ۷/۴۲۷، مرقاۃ: ۴/۱۴۳)

فائدہ: کیونکہ اس کی دغابازی سے ایک عالم کو نقصان پہنچتا ہے برخلاف غریب کی دغابازی کے اس سے ایک یا دو شخصوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ (مسلم مع شرح نووی: ۵/۱۱)

{الفصل الثانی}

عوام کی ضروریات پوری نہ کرنیوالے امیر کیلئے وعید

{۳۵۵۹} عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ لِمُعَاوِیَۃَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ وَلَّاہُ اللّٰہُ شَیْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِہِمْ وَخَلَّتِہِمْ وَفَقْرِہِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰہُ دُوْنَ حَاجَتِہٖ وَخَلَّتِہٖ وَفَقْرِہٖ فَجَعَلَ مُعَاوِیَۃُ رَجُلًا عَلٰی حَوَائِجِ النَّاسِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ وَلِاَحْمَدَ اَغْلَقَ اللّٰہُ لَہٗ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِہٖ وَحَاجَتِہٖ وَمَسْکَنَتِہٖ۔

حوالہ: ابوداؤد: ۲/ ۴۰۹، باب فیما یلزم الامام، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۴۸، ترمذی شریف: ۱/ ۲۴۸، باب ماجاء فی امام الرعیۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۳۲۔

حل لغات: احتجب: (افتعال) چھپ جانا، پردہ یا اوٹ میں ہوجانا، **خلۃ:** کشادگی، محتاجگی (ج) خلال۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن مرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو مسلمانوں کے کسی کام پر امیر مقرر کردیں پھر وہ شخص مسلمانوں کی ضروریات سے، ان کی درخواستوں سے اور ان کی غربت سے پردہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت اس کی درخواست اور اس کی غربت سے پردہ فرمالیں گے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو لوگوں کی ضروریات پر مقرر فرمادیا۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ایک روایت ترمذی کی اور مسند احمد کی یوں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس حاکم کی ضرورت، درخواست اور غربت پر

آسمان کے دروازوں کو بند فرمالیں گے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کے امور کا نگہبان بنائیں تو اسکو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کی تمام ضروریات کا خیال رکھے اور حتی الامکان انکے مسائل کو حل کرے، جو شخص امیر ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مسائل سے چشم پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے مسائل سے چشم پوشی کریں گے اور اس کی ضروریات پوری نہیں فرمائیں گے۔

ابن مرۃ: میم کو ضمہ اور راء پر تشدید ہے ان کی کنیت ابو مریم جہنی ہے اور ازدای بھی کہا جاتا ہے بیشتر غزوات میں شرکت کا شرف انکو حاصل ہوا بعد میں شام میں سکونت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں انتقال ہوا ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے، "**فاحتجب دون حاجتهم**" یعنی ان کی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلا ہی نہیں یا یہ کہ ان کی حاجتوں کے پورا کرنے سے چھپ رہا۔

وخلتهم: خاء کو فتحہ اور لام کو تشدید ہے، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "**عرض شكايتهم عليه**" یعنی اپنے آپ پر ان کی شکایات کے پیش ہونے سے چھپ رہا، "**وفقرهم**" یعنی ان کو حقیر جانتے ہوئے اور ان سے بے پردہ ہو کر انکی غربت سے اور ان کے سوالات سے اوٹ میں ہو گیا۔

احتجب الله دون حاجته وخلته وفقره: یعنی اللہ تعالیٰ روک دیتا ہے اور دور کر دیتا ہے ان چیزوں کو جن کی وہ خواہش کرتا ہے دنیاوی امور یا دینی امور سے تو پھر یہ ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے اس کی ضرورتوں کے پورا ہونے کی کوئی سبیل نہیں رہ جاتی، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاکم کے احتجاب سے مراد یہ ہے کہ وہ حاجت مندوں کو اپنے پاس آنے سے روک دے اور اللہ تعالیٰ کا احتجاب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبول نہ فرمائے۔ (مرقاۃ: ۴/۱۴۴، انوار المصابیح: ۶/۱۸۲)

دشمنان اسلام نے حضرت علی، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم پر فجر کی نماز میں قاتلانہ حملہ کا پروگرام بنایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس دن اتفاق سے فجر کی نماز میں نہیں آئے، ان کی جگہ جو آیا وہ شہید ہو گیا، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا، مگر اندھیرے میں وار اوچھا پڑا، خنجر پیٹ کے بجائے سرین کے گوشت میں لگا اور وہ بچ

گئے، اس واقعہ کے بعد انہوں نے سیکورٹی قائم کی، اب ہر شخص ان سے نہیں مل سکتا تھا، اس وقت حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو مذکورہ بالا حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی امام اپنا دروازہ حاجت مندوں، غریبوں اور محتاجوں کے ورے بھیڑ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت حاجت اور مسکنت کے ورے آسمانوں کے دروازے بھیڑ لیتے ہیں یعنی اس کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے، یہ حدیث سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو لوگوں کی ضرورتیں ان تک پہنچاتا تھا اس طرح لوگوں کی حاجتیں بھی امیر المؤمنین تک پہنچ گئیں اور زمانہ کے احوال کی بھی رعایت ہوگئی۔

(تحفۃ الالمعی: ۴/۲۵۸)

حاجت، خلت اور فقر کے درمیان فرق

حاجت اسکو کہتے ہیں کہ جس کی طرف آدمی توجہ دے، اس کی فکر کرے اور اس سے دلچسپی لے اگر چہ وہ حد ضرورت کو نہ پہنچے اس طور پر کہ اگر وہ شیئ اس کو حاصل نہ ہو تو اس کا کام بگڑ جائے گا اور ''خلۃ'' وہ شیئ ہے جو ایسے ہی یعنی اسکے حاصل نہ ہونے سے کام بگڑ جائے، حرج واقع ہو یہ ''خلل'' سے مشتق ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت حد اضطرار کو نہیں پہنچتی اس طرح کہ اگر وہ نہ ملے تو زندگی دوبھر ہو جائے اور فقر واضطرار وہ ہے جسکے بغیر زندگی کا باقی رہنا مشکل ہو یا ناممکن ہو یہ ''فقار'' سے ماخوذ ہے اسی لئے فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اظہر یہ ہے کہ یہ الفاظ متقارب ہیں یعنی قریب قریب معنی سب کے یکساں ہیں اور تاکید کے طور پر تینوں کا ذکر ہوا ہے شارحین کے اقوال اور بھی ہیں۔ **''فجعل معاویۃ رجلا علی حوائج الناس''** ان صحابی رسول اللہ ﷺ نے وعید سے خوف زدہ ہو کر لوگوں کی ضروریات کو دیکھنے اور انکو پورا کرنے کے لئے مستقل علیحدہ سے ایک آدمی مقرر کر دیا تاکہ مبادا امور مملکت کی مصروفیات کی وجہ سے کسی حاجت مند کو کوئی زحمت نہ ہو جائے۔

(انوار المصابیح: ۶/۶۲۸، شرح الطیبی: ۷/۲۲۳)

{الفصل الثالث}

رعایا کیلئے دروازے بند کرنے والا امیر

{۳۵۶۰} عَنْ اَبِی الشَّمَّاخِ الْاَزْدِیِّ ابْنِ عَمٍّ لَّهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَتٰی مُعَاوِیَةَ فَدَخَلَ عَلَیْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ وَلِیَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَیْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهٗ دُوْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوْ لِمَظْلُوْمٍ اَوْ ذِی الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهٗ اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ عِنْدَ حَاجَتِهٖ وَفَقْرِهٖ اَفْقَرَ مَا یَکُوْنُ اِلَیْهِ۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان: ۶/ ۲۱، باب فی طاعۃ اولی الامر، حدیث نمبر: ۷۳۸۴۔

حل لغات: دون: پیچھے، سامنے، **سار الرائد دون الجماعة:** راہبر جماعت کے آگے چلا، پچھلے، کم کم درجہ وغیرہ، **دخل علیه:** کسی سے اس کے پاس پہنچ کر ملاقات کرنا، **الحاجة:** ضرورت، ضرورت کی چیز، غربت، غرض، **الفقر:** تہی دستی، غربت محتاجی، ناداری۔

ترجمہ: حضرت ابوشماخ ازدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچازاد بھائی سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے جو کہ ایک صحابی تھے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا جائے، پھر وہ اپنے دروازے کو مسلمانوں، یا مظلوموں یا ضرورتمندوں کے سامنے بند کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر اسکی ضرورت ومحتاجگی کے وقت اپنی رحمت کے دروازے بند کرلے گا، جب کہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہت زیادہ محتاج ہوگا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو امیر رعایا کی ضروریات سے قدرت کے باوجود

صرف نظر کرتا ہے، حاجت مندوں اور مظلوموں کی فریادوں پر توجہ نہیں دیتا ہے، تو جب اس امیر کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے، اور وہ اللہ سے اپنی حاجت کی تکمیل کے لئے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو رد کر دیتے ہیں، نیز اگر وہ کسی انسان کے پاس اپنی ضرورت لے کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان کے لئے دل میں خیال ڈال دیتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری نہ کرنا بہتر ہے، چنانچہ وہ اپنی ضرورت کے وقت پریشان رہتا ہے، اور اس کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، اس لئے امیر کو چاہئے کہ وہ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتا رہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری فرمائیں اور اللہ کی نصرت اس کے شامل حال رہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶۵/۷، مرقاۃ: ۱۴۴/۴)

الازدی: ہمزہ مفتوح زاء ساکن ہے حضرت شماخ کا تذکرہ صاحب مشکوۃ نے نہیں کیا اور علامہ ابن حزم ظاہری کے رسالہ " **اسماء الصحابة الرواة** " میں بھی مجھے ان کا نام نہیں ملا، **من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم** " مشکوۃ کے ایک نسخہ میں **من اصحاب النبی صلی الله علی وسلم** " ہے۔ (انوار المصابیح: ۶۸۳/۶، مرقاۃ: ۱۴۴/۴)

امیروں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چار ہدایت

{۳۵۶۱} **وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا بَعَثَ عُمَّالَهُ شَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا تَرْكَبُوا بِرْذَوْنًا وَلَا تَأْكُلُوا نَقِيًّا وَلَا تَلْبَسُوا رَقِيقًا وَلَا تُغْلِقُوا أَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ۔ (رواهما البيهقي في شعب الايمان)**

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان: ۲۴/۶، باب فی طاعة اولی الامر، حدیث نمبر: ۷۳۹۴۔

حل لغات: البرذون: غیر عربی گھوڑا، ترکی گھوڑا، بار برداری کا مضبوط گھوڑا، ٹٹو، **النقی:** میدہ، صاف، خالص، **الرقیق:** نازک و لطیف، باریک واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے، **حل:** جائز و مباح ہونا، **العقوبة:** سزا، **شیع فلانا:** رخصت کرنا کسی کو رخصت کرنے کے لئے اس کے مکان تک جانا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ اپنے حکام کو روانہ فرماتے تو ان پر یہ شرط عائد کرتے کہ (۱) تم ترکی گھوڑے پر مت سوار ہونا، (۲) باریک آٹے کی روٹی مت کھانا، (۳) باریک لباس مت زیب تن کرنا، (۴) لوگوں کی ضرورتوں کے سامنے اپنے دروازے مت بند کرنا، اگر تم نے ان میں سے کچھ کیا تو تم پر سزا مباح ہو جائے گی، پھر ان کے ساتھ کچھ دور چل کر ان کو روانہ کرتے۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عاملوں کو بہت سخت ہدایات دیتے، تاکہ ان کے اندر فخر و غرور پیدا نہ ہو، وہ عیش کوشی اور فضول خرچی میں مبتلا نہ ہوں، اور ان کے دل سے عوام الناس کی خدمت کا جذبہ ختم نہ ہو، عاملوں کو ہدایت بھی دیتے تھے اور ان کے احوال سے برابر باخبر بھی رہتے تھے، جس عامل میں تھوڑی سی کوتاہی پاتے اس کو مناسب تنبیہ فرماتے۔

(فیض المشکوۃ: ۶۵/ ۷، مرقاۃ: ۴۴۵/ ۴)

برذونا: عاملوں کو ترکی گھوڑوں پر سوار ہونے سے اس لئے منع فرمایا تاکہ ان میں تفوق پیدا نہ ہو اور یہ چیز ان کے اندر کبر و غرور اور نخوت پیدا ہونے کا ذریعہ نہ بنے۔

ولا تاکلو نقیاً: بے حد باریک آٹا، جس کو میدہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا، تاکہ عاملوں میں فضول خرچی اور اسراف پروان نہ چڑھے۔

ولا تلبسوا رقیقاً: بہت باریک اور نرم و نازک لباس پہننے سے منع کیا، تاکہ عیش و عشرت کی عادت نہ پڑے۔

ولا تغلقوا ابوابکم: لوگوں کی ضرورتوں کے سامنے دروازے بند کرنے کی ممانعت فرمائی، یہ اس لئے فرمایا تاکہ جب لوگ عامل کے دروازے پر آئیں، تو وہ ان کی شکایات توجہ سے سن کر ان کا ازالہ کرے۔

حلت بکم العقوبۃ: یعنی اگر ان ممنوعہ چیزوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو سزا ملے گی، سزا سے مراد یا تو آخرت کی سزا ہے، یا پھر وہ سزا جو دنیا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملتی تھی۔

ثم یشیعھم: پھر ان کے ساتھ کچھ دور چل کر ان کو رخصت کرتے، جانے والے کو رخصت

کرنے کے لئے کچھ دور اس کے ساتھ چلنا مشایعت ہے، یہ مستحب ہے آنحضرت ﷺ کا بھی یہ معمول تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

مشی مع الغزاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بقیع الغرقد حین وجههم ثم قال انطلقوا علی اسم اللہ اللهم اعنهم۔

مجاہدین کو رخصت کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ بقیع غرقد تک ان کے ساتھ جاتے اور رخصت کرتے وقت ان سے فرماتے کہ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ پھر دعا کرتے، اے اللہ! ان کی مدد فرما۔ (فیض المشکوۃ: ۶۵/۷)

{باب العمل فی القضاء والخوف منه}

منصب قضا کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان

اس باب کے تحت ۱۳/روایتیں درج کی گئی ہیں، جن میں بحالت غصہ فیصلہ کرنے کی ممانعت، نئے معاملہ میں صحیح اجتہاد پر دوہرا اجر، غلطی پر اکہرا اجر، منصب قضا کی نازک ذمہ داری، عہدۂ قضا کی طلب پر وعید، صحیح فیصلہ پر جنت کی بشارت اور غلط فیصلہ پر جہنم کی وعید، فیصلہ میں اجتہاد کی اجازت، فریقین کی باتیں سن کر فیصلہ کرنے کی تاکید، حق فیصلہ کے ساتھ اللہ کی مدد ونصرت منصب قضاء کی نازک ذمہ داریوں کے سبب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس کے قبول کرنے سے معذرت فرمانا، اس باب میں منصب قضا سے متعلق یہ چند باتیں بھی بطور خاص ذکر گئی ہیں۔

(۱)......غصہ کے وقت کوئی فیصلہ نہ کیا جائے، اس لئے کہ غصہ حقیقت حال کی تہ تک پہنچنے میں غور وفکر کر کے صحیح فیصلہ صادر کرنے میں رکاوٹ ہے۔

(۲)......قاضی فیصلہ صادر کرنے میں اسلامی قانون، کتاب وسنت اور ان سے مستنبط مسائل فقہیہ اور اجتہاد کو رہنما بنائے۔

(۳)......منصب قضا چونکہ ایک اہم اور نازک ذمہ داری ہے اس لئے اس کے قبول کرنے سے ڈرنا اور بچنا چاہئے۔

{الفصل الاول}

غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت

{۳۵۶۲} عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۰۶۰، باب ھل یقضی القاضی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۵۸، مسلم شریف: ۲/۷۷، باب کراھۃ قضاء القاضی و ھو غضبان، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۷۔

حل لغات: العمل: ارادی فعل، کام، ہنر، مشغلہ، کارروائی، اقدام، عمل وغیرہ، **القضاء:** فیصلہ، ججمنٹ، قاضی کا منصب عدالتی حکم وغیرہ، **غضب علیہ:** کسی پر غصہ ہونا، ناراض ہونا، **ھو غضبان الحکم:** حاکم۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قاضی دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں ہرگز فیصلہ نہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قاضی کو چاہئے کہ خوب غور وفکر کے بعد فیصلہ کرے، غصہ کی حالت میں انسان غور وفکر نہیں کرپاتا جس کی وجہ سے ممکن ہے کہ قاضی صحیح فیصلہ نہ کر سکے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر قاضی نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کر دیا تو وہ کراہت کے ساتھ نافذ ہو جائے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۶۶)

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یقضین حکم بین اثنین وہو غضبان: راوی حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبید اللہ کرمان کے قاضی تھے، چنانچہ حضرت

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت لکھ کر بھیجی کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ مت کرنا، اور دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا، چوں کہ غصہ کی حالت میں قوت عاقلہ کمزور ہو جاتی ہے، اس لئے غلط فیصلے کا صدور بہت ممکن ہے، اس بنا پر غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا ممنوع ہے، بذل میں اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ فقہاء نے یہیں سے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ سخت بھوک اور سخت پیاس کے وقت بھی فیصلہ نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان صورتوں میں بھی فیصلے کے متاثر ہونے کا امکان ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جزئیہ پر بیہقی کے حوالے سے روایت بھی نقل فرمائی ہے۔

لا یقض القاضی الا وہو شبعان ریان: قاضی فیصلہ نہ کرے مگر اس حالت میں جبکہ وہ چھکا ہوا اور سیراب ہو۔ (فیض المشکوۃ:۶۶/ ۷، مرقاۃ:۱۴۵/ ۴)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدعی یا مدعی علیہ کی کسی بات پر قاضی کو غصہ آجاتا ہے اور کسی شخص پر قاضی غضبناک ہوتا ہے پس اس حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، غصہ میں دماغ کا ٹمپریچر ڈاؤن ہو جاتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

رفتہ رفتہ آدمی را کم تر سازد غضب
آب را چنداں کہ جوشانند کمتر شود

غصہ کرنے سے آدمی رفتہ رفتہ اوچھا ہو جاتا ہے، پانی کو جتنا جوش دیں گے کم ہوتا رہے گا۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ قوت عاقلہ کی کمزوری سے غصہ آتا ہے، اور غصہ سے قوت عاقلہ کمزور ہو جاتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، "بکرہ" کے معنی ہیں چرخی، جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو وہاں جو غلام مسلمان تھے وہ نکلنا چاہتے تھے، مگر چارہ نہیں تھا، اس وقت حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے قلعے سے بھاگنے کیلئے چرخی کا آئیڈیا پیش کیا تھا، اس لئے وہ ابو بکرہ چرخی والے مشہور ہو گئے، ان کے صاحبزادے عبید اللہ کرمان کے قاضی تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے صاحبزادے کو نصیحت لکھ کر بھیجی کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاکم دو شخصوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ (تحفۃ الالمعی:۱۵۹/ ۵، شرح الطیبی:۲۲۶/ ۷)

فائدہ: نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور یہ بھی حکم ہے جب کہ شدید بھوکا و پیاسا ہو، یا بہت پیٹ بھرا ہو یا رنج بہت ہو، یا خوشی بہت ہو کیونکہ ان حالتوں میں بھی فہم درست نہیں ہوتی اور دل اور طرف متوجہ ہوتا ہے تاہم ایسی حالت میں بھی اگر فیصلہ دیگا تو وہ فیصلہ درست ہو جائے گا کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حرہ کی نہر کا فیصلہ غصہ کی حالت میں فرمایا تھا حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایسے حکم کو جاری کرنا مکروہ ہے اگرچہ نافذ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی: ۷/۳۴۷/۴، مظاہر حق: ۵۳۸/۴)

درست اجتہاد پر دوہرے اجر کا استحقاق

{۳۵۶۳} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۹۲/۲، باب اجر الحاکم اذا اجتہد، کتاب الاعتصام بالسنۃ، حدیث نمبر: ۷۳۵۲، مسلم شریف: ۷۶/۲، باب بیان اجر الحاکم، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۶۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب حاکم نے فیصلہ کا ارادہ کیا، پھر اجتہاد کیا، پھر اس کا فیصلہ درست ہوا، تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب فیصلہ کا ارادہ کیا، پھر اجتہاد کیا، اس کے بعد فیصلہ میں غلطی ہوگئی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کو چاہئے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرے، لیکن اس کے پاس کوئی ایسا قضیہ آئے، جس کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی صراحت نہ ہو تو وہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں اجتہاد کرے، اجتہاد کے بعد فیصلہ صادر کرے گا تو وہ نافذ ہوگا، اب اگر اخروی اعتبار سے بھی اس کا فیصلہ درست ہوگا تو وہ اسکو دوہرا اجر ملے گا، صحیح فیصلہ کرنیکا، اجتہاد کرنے کا اور اگر اخروی اعتبار سے فیصلہ غلط ہے تو اس کو صرف ایک اجر ملے گا

یعنی اجتہاد کرنے کا۔ بالکل یہی معاملہ مسائل میں اجتہاد کرنے والے مجتہد کا ہے۔

(فیض المشکوۃ:٦٧/٧،شرح الطیبی:٢٢٦/٧)

عن عبد اللہ ابن عمرو: یہ واؤ کے ساتھ ہے "**اذا حکم الحاکم فاجتھد**"، اصل میں "**اذا اراد الحکم**" ہے اور اسی پر "**فاجتھد**" کا عطف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے "**اذا اراد الحکم الحاکم فاجتھد فاصاب**"، اجتہاد کرنے کے بعد فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا یعنی اسکا اجتہاد اللہ کے حکم کے موافق واقع ہو۔"**فلہ اجران**"، ایک اجر اجتہاد کا ہے اور دوسرا اجر درست فیصلہ کرنے کا ہے۔

واذا حکم فاجتہد فاخطا: مشکوۃ کے ایک نسخہ میں "**واخطا**"، ہے یعنی فا کے بجائے واؤ ہے، "**فلہ اجر واحد**" یعنی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کے لئے غور وفکر کرلیا اجتہاد کرلیا لیکن پھر بھی وہ اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ نہ کرسکا تو اسکو ایک اجر ملے گا اسلئے کہ حق کی طلب میں اس نے اجتہاد کیا ہے اور یہ اجتہاد عبادت ہے اور عبادت اجر سے خالی نہیں ہوتی ہے اور جو اس نے اجتہاد کے بعد خطا کی اس پر ثواب تو نہیں ملے گا لیکن اس خطا کا گناہ اس پر سے ساقط کردیا جائے گا، البتہ یہ واضح رہے یہ حکم اس مجتہد کے اجتہاد کا ہے جو اجتہاد کے واسطے جن علوم وامور کی شرط ہے ان سے واقف ہو اور وجوہ قیاس سے واقفیت رکھتا ہو اور جو خود ساختہ مجتہد ان سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور اجتہاد کی شرائط کو پورا نہ کرتا ہو وہ اناڑی ہے وہ اگر غلطی کرے گا تو معذور قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس پر گناہ کا بھی خوف ہے، اجتہاد کے سلسلہ کا یہ فرمان ان فروعی مسائل کا ہے جو مختلف وجوہ کا احتمال رکھتے ہوں نہ کہ وہ اصول جو ارکان شریعت ہیں اور بنیادی احکام ہیں جن کے اندر کسی احتمال کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ان کے اندر تاویل کا کوئی دخل ہے، پس اگر ان میں کسی نے خطا کی تو وہ معذور نہیں قرار دیا جائے گا، اور اسکا فیصلہ غیر نافذ اور مردود ہوگا۔

(انوار المصابیح:٦٨٦/٦،عمدۃ القاری:٦٨/١٢)

قاضی اگر آخرت میں برابر سرابر چھوٹ جائے تو بھی غنیمت ہے اور اس حدیث میں یہ ہے کہ قاضی کو ایک ثواب تو ہر حال میں ملتا ہے اور صحیح فیصلہ کرے تو ڈبل ثواب ملتا ہے، یہ ایک طرح کا تعارض ہے اس کا حل کہ جو معاملہ دو فریقوں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اس میں جب شریعت کسی بھی فریق سے مخاطب ہوتی ہے تو اس طرح خطاب کرتی ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اس کی ہے، چنانچہ قاضی سے خطاب کیا تو یہ

فرمایا کہ قاضی آخرت میں اگر برابر سرابر چھوٹ جائے تو بھی غنیمت ہے اور جب عوام سے خطاب کیا تو چونکہ عوام کا خیال یہ ہے کہ قاضی بہت سے فیصلے غلط کرتے ہیں اس لئے ان سے یہ کہا کہ اگر قاضی غلطی بھی کرے تو بھی ثواب کا مستحق ہے اور صحیح فیصلہ کرے تو ڈبل ثواب کا حقدار ہے، غرض قاضیوں سے منصب قضا کی اہمیت ونزاکت کے لحاظ سے خطاب کیا اور عوام سے ان کے احوال کے اعتبار سے خطاب کیا ہے، اس طرح ٹھنڈا اگرم مل کر اعتدال پیدا ہوگیا کہ کام بے شک بڑا نازک ہے مگر قاضی کا مرتبہ بھی سوا ہے، پس ہر شخص کو بے دھڑک قضا پر اقدام نہیں کرنا چاہئے اور عوام کو قضاۃ کے فیصلوں پر انگشت نمائی نہیں کرنی چاہئے۔

دوسری بات: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ میں حق ایک ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی بات مروی ہے، مثلاً: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہے، اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے ظاہر ہے کہ دونوں باتیں برحق نہیں ہوسکتیں، ان میں سے کوئی ایک حق ہے، اور جس مجتہد نے نفس الامری حق کو پالیا ہے اس کو ڈبل ثواب ملے گا اور جو اس کو چوک گیا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس نے بھی اپنی پوری طاقت صرف کردی ہے مگر اس کو ایک ثواب ملے گا، اور کس نے نفس الامری حق کو پایا ہے اور کون اس کو چوک گیا ہے؟ اس کا پتا آخرت میں چلے گا۔

تیسری بات: جو مجتہد نفس الامری حق کو چوک جاتا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں سب مجتہدین حق پر ہیں، البتہ آخرت میں ثواب پانے کے اعتبار سے تفاوت ہوگا، حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ نے ایک مثال دی تھی کہ کسی نے ریت میں سوئی رلا دی اور لوگوں سے کہا: سوئی ڈھونڈھو، جس کو ملے گی اسے دو روپے دوں گا، اور باقیوں کو بھی ایک ایک روپیہ دوں گا، اب ظاہر ہے کہ سوئی کسی ایک ہی کو ملے گی، کیونکہ سوئی ایک ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو نہ ملے اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل اجتہادیہ میں حق کو پوشیدہ کردیا ہے اور مجتہدین کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، پس جب مجتہدین حکم الٰہی کی تعمیل میں مصروف ہوں گے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کی نماز تو صحیح ہو اور کسی کی باطل؟ کسی کا عمل قبول ہو اور کسی کا رد؟ چنانچہ چاروں مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں کہ اہل سنت والجماعۃ کے تمام مجتہدین عمل کے اعتبار سے برحق ہیں۔

سوال: یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ امام نسفی کی مصفی سے اشباہ میں پھر وہاں سے درمختار کے

مقدمہ میں جو نقل کیا گیا ہے کہ "اذا سئلنا عن مذہبنا ومذہب مخالفنا: قلنا وجوبا: مذہبنا صواب یحتمل الخطا ومذہب مخالفنا یحتمل الصواب، واذا سئلنا عن معتقدنا معتقد خصومنا، قلنا وجوبا، الحق ما نحن علیہ الباطل ما علیہ خصومنا"۔ یعنی جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے فقہی مذہب کے بارے میں اور ہمارے مخالف کے فقہی مذہب کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب برحق ہے، مگر اس میں چوک کا احتمال ہے، اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے اور اس میں درستگی کا احتمال ہے اور جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے یعنی اہل السنۃ الجماعۃ کے عقیدوں کے بارے میں اور ہمارے مخالف یعنی گمراہ فرقوں کے عقیدوں کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر کہیں گے برحق وہ عقیدے ہیں جن پر ہم ہیں اور غلط وہ عقیدے ہیں جن پر ہمارے مخالف ہیں اس عبارت کا کیا مطلب ہے: آنحضرت ﷺ تو فرمارہے ہیں کہ فقہی اختلاف میں عمل کے اعتبار سے سب برحق ہیں؟

جواب: شامی میں ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ کے فقہی فتاوی سے نقل کیا ہے کہ "ان ذالك مبنی علی الضعیف"۔ یعنی یہ قول جس بنیاد پر متفرع ہے وہ ضعیف ہے پس یہ بات جو اس پر متفرع ہے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ تفصیل شامی میں ہے، اور حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ نے ایک موقع پر جبکہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد قاری طیب صاحب قدس سرہ کی کتاب "مسلك اعتدال"، اساتذہ دار العلوم دیوبند کی ایک دس نفری مجلس میں پڑھی جارہی تھی اور اس میں درمختار سے یہ بات نقل کی گئی تھی تو فرمایا تھا کہ یہ بات کلامی مسائل کے بارے میں صحیح ہے، فروعی مسائل کے بارے میں صحیح نہیں، ورنہ حنفی کی شافعی کے پیچھے یا اس کے برعکس نماز کیسے درست ہوگی؟ جب مقتدی اپنے امام کو غلطی پر سمجھ رہا ہے تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ (مرقاۃ: ۱۴۵/ ۴، تحفۃ الالمعی: ۲۵۲/ ۴)

مذاہب

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے یا صرف وہ مجتہد جس کا اجتہاد اللہ کے حکم کے موافق ہوا ہے اور دوسرا مخطی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے اسلئے کہ

دوسرے کا نام مخطی رکھا ہی گیا ہے اگر وہ بھی مصیب ہوتا ہے تو اسکا نام مخطی نہ ہوتا، اور یہ محمول اس پر ہوگا جس نے نص میں خطا کی ہے یا اس میں اجتہاد کیا ہے، جس میں اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں تھی، اور جسکا مسلک یہ ہے کہ مجتہد خواہ مصیب ہو یا مخطی مصیب ہے اسلئے کہ خطاء کرنے والے کے لئے بھی ایک اجر مقرر رہوا ہے اگر یہ مصیب نہ ہوتا تو اس کے لئے اجر نہ ہوتا لیکن یہ حکم اسی کے لئے ہے جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور جو خود ساختہ اناڑی مجتہد ہے اسکو نہ اجتہاد کا حق ہے اور نہ اسکا حکم نافذ ہوگا خواہ حکم اسکا موافق ہو یا نہ ہو اسلئے کہ اس کا درست فیصلہ کرنا امر اتفاقی ہے جسکا اعتبار نہیں ہے اور وہ اپنے تمام فیصلوں میں گنہگار ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جن امور میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا اجماع میں کوئی حکم موجود نہ ہو ان میں فیصلہ کے لئے قیاس کے علاوہ اور شکل نہیں ہے، لہٰذا جب مجتہد ایسے معاملہ میں اجتہاد کرتا ہے تو اسکا یہ اجتہاد قبلہ رخ کیلئے تحری کرنے والا جیسا ہوگا اور اسکو مصیب ہی کہا جائے گا چاہئے وہ اپنے اجتہاد میں خطاء ہی کرے، یعنی اسکا فیصلہ نافذ بھی ہوگا وہ مستحق اجر وثواب بھی ہوگا۔ (انوار المصابیح: ۶۸۶/ ۶، مرقاۃ: ۱۴۶/ ۴)

قول القاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جس مقام پر کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی حکم صراحۃً موجود نہ ہو تو وہاں قیاس کے علاوہ چارہ نہیں، اس موقع پر فکر اجتہاد کرنے والا قبلہ میں تحری کرنیوالے کی طرح ہوگا، جس طرح قبلہ معلوم نہ ہونے پر کوئی شخص تحری کرکے نماز پڑھے تو اسکی نماز درست ہو جاتی ہے اگر چہ تحری کے بعد اس کا رخ قبلہ کی جانب نہ بھی ہو اسی طرح اجتہاد کا حکم ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ جو حکم معلوم کرلیا جائے تو اسی پر عمل کیا جائے گا اگر چہ اجتہاد میں خطاء ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجتہد ہر حال میں مستحق اجر ہوتا ہے خواہ صواب کو پہنچے یا خطا کو۔

(مظاہر حق مع تخریج: ۵۳۹/ ۴)

فائدہ: نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مراد وہ حاکم ہے جو عالم ہو حکم کے لائق ہو اور جاہل کو حکم دینا درست نہیں اگر وہ حکم کرے تو گنہگار ہوگا، اگر چہ اسکا حکم اتفاقاً حق ہو جائے اور یہی حکم ہے مجتہد کا لیکن اختلاف ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے یا ایک مصیب ہے اور باقی مخطی ہیں لیکن مخطی کو بھی ایک ثواب اور اجر ہے

اس لئے کہ اس نے کوشش کی اور محنت کی حق کے حاصل کرنے میں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں جتنے علماء مجتہدین گذرے ہیں اور مجتہدین بہت گذرے ہیں چار ائمہ میں انحصار نہیں، اور آج بلکہ آئندہ بھی نئے مسائل میں اجتہاد جاری ہے، یہ سب مجتہدین اگر اہل سنت والجماعت کے عقائد پر ہیں تو وہ سب برحق ہیں جیسے امام شافعی، امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ کوفی، امام اجل احمد بن حنبل، امام داؤد ظاہری، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، امام اشہب، امام سحنون، امام ابن المبارک، امام ابن شبرمہ، امام ابن ابی لیلیٰ، امام وکیع، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام غزالی، امام طحاوی، امام ابوثور، امام ابن منذر، امام لیث بن سعد، امام ابن تیمیہ، امام ابن جریر طبری، امام شوکانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم ان سب کا یہی حکم ہے اور ان سب لوگوں کے لئے ہر ایک مسئلہ اختلافی میں اجر اور ثواب ہے گو ان سے خطا اور غلطی ہوئی ہو اور اس وجہ سے ہر ایک مجتہد اور امام کا احسان ماننا چاہئے کہ انہوں نے خدا کے واسطے دین میں کوشش کی اور ان کی برائی یا بدگوئی سے باز رہنا چاہئے راضی ہو اللہ ان سب بزرگوں سے آمین یارب العالمین۔ (شرح النووی: ۳۴۵/۵)

البتہ جو لوگ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد سے خارج ہیں جیسے: غیر مقلدین، مودودی اور شیعہ وغیرہ ان کے لئے یہ حکم نہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل چار مکاتب فکر کی پیروی کرنے والے ہی ہیں حضرت تھانوی قدس سرہ، نے "مأۃ دروس" میں اور علامہ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے حاشیہ میں اس کی صراحت کی ہے، کیونکہ حقانیت کا مدار اصول وعقائد پر ہے، فروعات پر نہیں، فروعات میں اختلاف تو دور صحابہ سے چلا آرہا ہے، جبکہ تمام صحابہ برحق ہیں، تفصیل میری کتاب "دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت" میں ہے۔

نکتہ: اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حق پانے والے کو دو اجر اور حق چوکنے والے کو ایک اجر ملتا ہے یہ بات صرف مجتہدین کے تعلق سے ہے، ان کے مقلدین کے تعلق سے نہیں ہے، مقلدین تو سب عمل کے اعتبار سے برحق ہیں پس سب کو یکساں ثواب ملے گا، البتہ ان کے ائمہ میں سے جس نے حق کو پالیا ہے اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور جو حق کو چوک گیا ہے اس کو اکہرا ثواب ملے گا، واللہ اعلم بالصواب۔ (تحفۃ الالمعی: ۲۵۴/۴)

{الفصل الثانی}

منصب قضا امتحان ہے

{۳۵۶۴} عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِیاً بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجة)

حواله: احمد: ۲/۲۲۰، ترمذی شریف: ۱/۲۴۷، باب ما جاء عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القاضی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۲۵، ابوداؤد شریف: ۲/۵۰۳، باب فی طلب القضا، کتاب الاقضیة، حدیث نمبر: ۳۵۷۲، ابن ماجه، ۱۶۷، باب فی ذکر القضاة، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۰۸۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عہدۂ قضا کا حصول بڑی آزمائش اور بہت الجھن کا ذریعہ ہے، اگر کوئی قاضی ناانصافی کرے گا تو دین برباد ہوگا، انصاف کرے گا تو ظاہر بات ہے اس صورت میں جس کے خلاف فیصلہ کرے گا وہ ہدف تنقید بنائے گا اور مستقل ملامت کرے گا اس کو ضبط کرنا بہت دشوار کام ہے، ضبط کرنے پر کہاں تک لوگوں سے جھگڑا کرے گا؟ (شرح الطیبی: ۷/۲۲۷، فیض المشکوۃ: ۷/۶۸)

من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین: عہدہ قضا قبول کرنے میں بہت سے خطرات ہیں، ان خطرات کو بیان کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی کہ جو قاضی بنا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوگیا، الکوکب الدری میں "**فقد ذبح بغیر سکین**" [بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا] کے معنی یہ لکھے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے مصیبتوں میں مبتلا ہوگیا، بغیر سکین سے اسی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ

جو ذبح سکین سے ہوتا ہے اس میں تھوڑی دیر کی مصیبت وتکلیف ہوتی ہے اور جب بغیر سکین کے ذبح کیا جائے گا تو اس کی مشقت بڑی طویل ہوگی، پھر اس مشقت دیرینہ وطویلہ کے بعد دو صورتیں ہیں۔

(۱) اپنی دینداری وانصاف کی وجہ سے کثرت ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۲) فیصلوں میں ظلم کر کے دنیا کے ساتھ آخرت کو بھی ڈبو دے گا۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے "**بغیر سکین**" کے معنی لکھے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ذبح سے حسی ہلاکت مراد نہیں، بلکہ ہلاکت معنوی یعنی دینی نقصان مراد ہے۔

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے "**فتح الودود**" حاشیہ ابو داؤد میں لکھا ہے کہ یہ جملہ صورتاً خبریہ ہے، لیکن لفظاً انشائیہ ہے، یعنی جس شخص کو قاضی بنا دیا جائے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر سے خواہشات نفسیہ کو ذبح کر ڈالے، اور اپنے نفس کو کچل دے، اس لئے کہ تب ہی وہ صحیح معنوں میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکتا ہے، او ریا یہ عہدۂ قضا کی مذمت ہے، کہ اس میں رغبت نہ کرنی چاہئے، اس لئے کہ اس میں بڑا خطرہ اور ہلاکت ہے۔ (مرقاۃ: ۱۴۶ / ۴، انوار المصابیح: ۶۸ / ۶)

اشکال: اس حدیث میں قاضی کے لئے سخت خطرہ کی بات ہے جس میں اشارہ ہے کہ عہدہ قبول نہ کیا جائے، جب کہ گذشتہ حدیث میں ہے کہ قاضی اگر اجتہاد میں غلطی کرے گا تو بھی اس کو ثواب ملے گا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ عہد قضا قبول کرنا چاہئے، دونوں میں بظاہر تعارض ہے؟

جواب: اصل میں قضاء کا تعلق دو فریقوں سے ہے، (۱) قاضی سے (۲) عوام سے، عوام قاضی کے فیصلوں پر نکیر نہ کریں اور لعن طعن نہ کریں اس لئے فرمایا کہ قاضی غلطی کرے گا تو بھی ثواب ہے، اور قاضی اپنی ذمہ داری سے غافل نہ ہو، اسلئے فرمایا کہ عہدہ قضا قبول کرنے کا مطلب اپنے کو بغیر چھری ذبح کرانا ہے، حاصل یہ ہے کہ پہلے فرمان کے اصل مخاطب عوام ہیں اور دوسرے کے قاضی ان فرامین کا مقصدہ یہ ہے کہ اعتدال قائم ہو۔ (انوار المصابیح: ۶۸ / ۶، مرقاۃ: ۱۴۶ / ۴)

طالب قضا اور مطلوب قضا کا فرق

{۳۵۶۵} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَی الْقَضَاءَ وَسَأَلَ وُکِلَ اِلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اُکْرِہَ عَلَیْہِ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَلَکًا یُسَدِّدُہٗ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/، باب ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۲۴، ابوداؤد شریف: ۲/۵۰۴، باب فی طلب القضاء، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۷۸، ابن ماجۃ: ۱۶۷، باب فی ذکر القضاۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۰۹۔

حل لغات: **ابتغی:** خواہش کرنا، چاہنا، **وکل فلانا الی رایہ:** کسی کو اسکی مرضی پر چھوڑ دینا، مدد نہ کرنا، **اکرھہ علی الامر:** کسی کام پر مجبور کرنا، **سدد الشیٔ:** سیدھا اور درست رکھنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے عہدۂ قضا کی خواہش کی اور اس کو طلب کیا، تو اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے، اور جس کو عہدہ قبول کرنے کیلئے مجبور کیا جاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو اتارتے ہیں جو اس کو درست رکھتا ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص عہدۂ قضا کا حریص ہوتا ہے، اور از خود اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے وہ عہدہ ملنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہو جاتا ہے، چنانچہ عامۃً اس کے فیصلے انصاف سے خالی ہوتے ہیں اور وہ خواہشات کا شکار ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو شخص عہدے کے حصول کے لئے کوشش نہیں کرتا، بلکہ اس کو اصرار کر کے عہدہ سپرد کیا جاتا ہے وہ نصرت الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور وہ راہ راست پر قائم رہتا ہے۔ (بذل المجہود: ۲۹۸/۱۱، فیض المشکوۃ: ۶۹/۷)

ومن اکرہ علیہ: یعنی اسکو اس منصب کے لئے مجبور کیا گیا اور اس اعتقاد کے ساتھ اسکو قاضی بنایا گیا کہ اس میں خیر ہے۔

انزل اللہ علیہ ملکا: اللہ تعالیٰ اس پر اپنا ایک فرشتہ نازل فرماتا ہے جسکی اسکو خبر نہیں ہوتی۔

یسددہ: جو اسکو سنبھالے رکھتا ہے اور درست و صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں "**ابتغی**" اور "**سئل**" دونوں کو جمع کیا گیا تاکہ اچھی طرح اس پر اسکی حرص کا اظہار ہو جائے اسلئے انسان کا نفس حکومت کی طرف ہوتا ہے اور لوگوں پر اپنی فوقیت پر خوش ہوتا ہے اسلئے جو آدمی اپنے آپ کو اس سے روک لے وہ آفات سے محفوظ رہے گا اور جس نے اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع کی اور قاضی صاحب بننے کے چکر میں پڑا وہ ہلاک ہوا اور جو آدمی اسکے لئے مجبور کیا گیا اس میں اگر چہ نفس کی خواہش کی تکمیل ہوتی ہے لیکن چونکہ اس میں اسکے حصول کے لئے اسکی سعی کا دخل نہیں ہے، تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی مدد ہوتی ہے اور اس طرح وہ صحیح فیصلہ کر کے ہلاکت سے محفوظ رہتا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۸۷)

من ابتغی القضاء و سال و کل الی نفسہ: یہاں عہد قضاء کے طلب کا ذکر ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر عہدہ کا یہی حکم ہے، کوئی بھی عہدہ خود نہ مانگنا چاہئے، مانگنے کی صورت میں کوئی اس کی مدد نہیں کرتا، اس لئے کہ ہر ایک یہ کہہ کر اپنا دامن چھڑا لیتا ہے کہ عہدہ کے حصول کا بہت شوق تھا، اب تم خود اس سے نپٹو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت نہیں ملتی، کیونکہ طلب کرنا اپنے نفس پر اعتماد کو ظاہر کرنا ہے، جب کہ نصرت الٰہی اظہار احتیاج پر حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص عہدہ طلب کرتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو عہدہ نہیں دیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف فرمان ہے۔

لن نستعمل علی عملنا من ارادہ: ہم اپنا عہدہ طلب کرنے والے کو نہیں دیتے۔ (ابو داؤد) "**ومن اکرہ علیہ**" جس کو زبردستی عہدہ سپرد کیا جاتا ہے تو ضرورت پڑنے پر ہر شخص اس کی مدد کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے، کیوں کہ لوگوں کے ہی اصرار پر اس نے عہدہ کو قبول کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ بھی فرشتے کے ذریعہ رہنمائی فرماتے ہیں وہ فرشتہ راہ راست سے ہٹنے نہیں دیتا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۶۹)

سوال: اگر کسی کو عہد طلب کرنے پر مل گیا تو اب وہ کیا کرے؟

جواب: عہدہ طلب کرنا مذموم ہے، لیکن جب حاصل ہو گیا تو اب انصاف سے کام لے اور طلب

کرنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے انصاف کرے گا تو اس کو نجات ملے گی، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔

من طلب قضاء المسلمين حتى يناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة ومن غلب جوره عدله فله النار۔

اگر کسی نے عہدہ قضا طلب کر کے حاصل کیا، پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب آگیا تو اس کے لئے جنت ہے اور جس کا ظلم اسکے انصاف پر غالب آگیا تو اس کیلئے جہنم ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۶۹/ ۷، شرح الطیبی: ۷/ ۲۲۷)

جنتی اور جہنمی قاضی کا ذکر

{۳۵۶۶} وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجة)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۵۰۳، باب فی القاضی یخطی، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۷۵، ابن ماجہ: ۱۶۷، باب الحاکم یجتہد، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۱۵۔

حل لغات: **القضاۃ:** یہ قاضی کی جمع ہے جسکے معنی معاملات کو نافذ کرنے والا اور طے کرنے والا، پورا کرنے والا، شریعت اسلامی کے مطابق لوگوں کے مقدمات و معاملات طے کرنے والا، قاضی حکومت کی جانب سے مقرر کردہ جج، حاکم، عدالت، مجسٹریٹ، **عرف الشیء:** کسی حاسہ کے ذریعہ جاننا پہنچاننا، شناخت کرنا، معلوم کرنا، **جار فی حکمہ:** غیر منصفانہ فیصلہ کرنا، غلط فیصلہ کرنا، **الجھل:** نادانی، ناواقفیت، بے خبری، بے وقوفی۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قاضی تین

طرح کے ہوتے ہیں، ایک طرح کے جنت میں ہوں گے اور دو طرح کے جہنمی ہوں گے، بہر حال جنتی وہ ہے جس نے حق کو پہچانا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا، اور ایک شخص وہ ہے جس نے حق کو پہچانا لیکن فیصلہ میں ظلم کیا تو وہ جہنمی ہے، اور ایک وہ شخص ہے جس نے ناواقفیت کی بنیاد پر فیصلہ کیا تو وہ بھی جہنمی ہے۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کو چاہئے حق تک پہنچنے کی کوشش کرے، پھر جس بات میں اس کو حق معلوم ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، ایسا قاضی اپنے منصب سے انصاف کرنے کی بنا پر جنت میں جائے گا، اور جو قاضی دیدہ و دانستہ ناانصافی کر کے ظلم و جور کا مرتکب ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اسی لئے وہ قاضی جو جہالت کی بنا پر ناانصافی کا مرتکب ہوگا وہ بھی جہنم میں جائے گا کیوں کہ اس نے حق تک پہنچنے میں کوتاہی کی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶۹/۷، مرقاۃ: ۱۴۶/۴)

یعنی قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک قسم تو جنت میں جائے گی اور دو جہنم میں۔
جو جنت میں جائے گا وہ قاضی ہے جو حق کو پہچان کر اسکے مطابق فیصلہ کرے۔
دوسری قسم وہ ہے کہ جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود اسکے خلاف فیصلہ کیا۔
تیسری قسم وہ ہے جس نے سرے سے حق ہی کو نہیں پہچانا، یہ دونوں قسمیں جہنمی ہیں۔

(الدر المنضود: ۴۴۱/۵)

انصاف سے جنت ملے گی

{۳۵۶۷} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی یَنَالَهٗ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهٗ جَوْرَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهٗ عَدْلَهٗ فَلَهُ النَّارَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۵۰۳/۲، باب فی القاضی یخطی، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۷۵۔

حل لغات: **القضاة:** فیصلہ، جج منٹ، قاضی کا منصب وغیرہ، **نال الشیٔ:** پالینا، حاصل کرلینا،

طلبه: چاہنا، حاصل کرنے کی کوشش کرنا، تلاش کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے مسلمانوں کے قاضی کا عہدہ طلب کرنا چاہا یہاں تک کہ اس کو حاصل کرلیا، پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب رہا تو اس کیلئے جنت اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب رہا تو اسکے لئے جہنم ہے۔(ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر عہدہ طلب کرنے کی ضرورت پڑے تو طلب کیا جائے، لیکن طلب کرنا اپنے نفس کے لئے نہ ہو، بلکہ مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ خلوص دل سے ہو، پھر عہدہ ملنے کے بعد ہمیشہ انصاف سے فیصلہ کیا جائے، اگر انصاف کرے گا تو جنت ملے گی جب کہ ناانصافی اور ظلم وزیادتی کی بنا پر جنت سے محروم کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(فیض المشکوۃ:۷/۷۰)

من طلب قضاء المسلمین: منصب قضاء کے حصول کی کوشش کی اور اپنی کوشش میں کامیاب رہا چنانچہ اس کو عہدہ قضا مل گیا۔

ثم غلب عدله جوره: پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب آ گیا، یعنی ہر فیصلہ میں اس کا عدل اس کی ناانصافی پر غالب رہا، یہ مطلب نہیں ہے کہ قاضی کے زیادہ تر فیصلے انصاف پر مبنی ہوں اور بعض ناانصافی پر اصل مقصود یہ ہے کہ عدل کا وصف اسی طرح غالب ہو کہ ظلم کی خصلت سر نہ اٹھا سکے۔

فله الجنة: اس کے لئے جنت کی خوشخبری ہے، یعنی اس کو سابقین کے ساتھ بغیر سزا جھیلے جنت میں جانا نصیب ہوگا، اگر اس کے کچھ دیگر چھوٹے موٹے گناہ ہوں گے تو وہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

ومن غلب جوره عدله: اور جس کا ظلم عدل پر غالب ہوا اس کے لئے جہنم ہے، ظلم عدل سے زیادہ ہوگا تب بھی جہنم ہے اور اگر بالکل عدل نہ ہو تب تو بدرجہ اولیٰ جہنم ہے۔(فیض المشکوۃ:۷/۷۰)

سوال: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث گذری ہے کہ جو شخص عہدۂ قضا طلب کرے گا وہ نصرت الٰہی سے محروم ہوگا، اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جائے گا، سوال یہ ہے کہ جو شخص طلب عہدہ کیوجہ تائید رب سے محروم ہو وہ ہمیشہ عادلانہ فیصلے کیسے کر سکے گا، کیوں کہ ہمیشہ عدل وانصاف تو وہی کرے گا جس کو تائید رب حاصل ہو؟

جواب: عہدہ کے حصول کی کوشش دو مقاصد سے ہوتی ہے۔

(۱) عہدہ کا اہل ہو، عہدہ مل جائے تا کہ اسکا حق ادا کیا جائے، مخلوق خدا کو فیضیاب کیا جائے، اسی جذبہ سے بعض صحابہ وتابعین نے عہدہ طلب کیا، اس جذبہ سے جو طلب کرتا ہے اس کے ساتھ تائید الٰہی رہتی ہے، اور وہ عدل وانصاف کرتا ہے۔

(۲) خواہشات نفس کی تکمیل کیلئے عہدہ طلب کرتا ہے، ایسا شخص تائید رب سے محروم ہوتا ہے، اور یہ عہدہ ملنے پر ناانصافی کرتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۷۰، شرح الطیبی: ۷/۲۲۹)

اجتہاد کرنا لازمی ضرورت ہے

{۳۵۶۸} **وَعَنْ** مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَجْتَهِدُ رَأْيِيْ وَلَا اٰلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۴۷، باب ما جاء فی القاضی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۲۷، ابو داؤد شریف: ۲/۵۰۵، باب اجتهادا لراي في القاضي، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۹۲، دارمی: ۱/۷۲، المقدمہ، باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ، حدیث نمبر: ۱۶۸۔

حل لغات: اجتهد: پوری کوشش کرنا، وفق الله فلانا: خدا کا کسی کے دل میں بھلائی کا الہام کرنا، اپنی مدد دینا، توفیق دینا، بامراد وکامیاب بنانا۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان

کو یمن روانہ فرمایا تو ان سے دریافت فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ پیش ہوگا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ کے ذریعہ سے فیصلہ کروں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر وہ مسئلہ تم کو کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے فیصلہ کروں گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ تم سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جوابدیا کہ میں اپنی رائے کے ذریعہ سے کوشش کروں گا، اور میں کوتاہی نہیں کروں گا، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول خوش ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو مسئلہ درپیش ہو، اس کا حل قرآن کریم وحدیث میں تلاش کیا جائے، قرآن وحدیث میں حل مل جائے تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے، لیکن اگر مسئلہ ایسا ہے کہ جس کی صراحت نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ حدیث پاک میں ہے تو اس مسئلہ کو قیاس کے ذریعہ حل کیا جائے گا، اس کی صورت یہ ہوگی اس جیسے مسئلہ کا قرآن وحدیث میں جو حل مذکور ہے وہی اس کا بھی حل تسلیم کیا جائے گا۔

اس حدیث سے قیاس واجتہاد کی مشروعیت خوب اچھی طرح واضح ہورہی ہے، جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت ہٹ دھرمی سے لازمی ضرورت کا انکار کرتے ہیں۔

(فیض المشکوۃ: ۷/۱۷، بذل المجہود: ۱۱/۳۱۶)

اس حدیث کا مضمون تو ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یمن پہنچ کر تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق اور اگر اس میں نہ ملا تو سنت رسول اللہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اگر دونوں میں نہ پاؤ تو کیسے فیصلہ کرو گے، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، "لا آلو" یعنی اس اجتہاد کرنے میں کوئی کوتاہی اور کسر نہیں چھوڑوں گا، یعنی حسب وسعت وطاقت صحیح فیصلہ کی کوشش کروں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جواب سنکر خوشی میں ان کے سینہ پر دست مبارک مار کر فرمایا تمام تعریف

اس اللہ کیلئے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو توفیق دی اس چیز کی جس کو رسول اللہ پسند کرتا ہے۔

خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**اجتهد رائی**" سے اپنی ذاتی رائے مراد نہیں جو انکے ذہن میں آئے بغیر استناد الی الکتاب والسنۃ کے بلکہ رائے سے مراد رائے بطریق قیاس ہے، جسکا ماخذ کتاب وسنت ہو، اور پھر اس کے بعد فرماتے ہیں، "**وفی هذا اثبات القیاس وایجاب الحکم به**" چنانچہ تمام ہی فقہاء قاطبۃ نے اس حدیث سے حجیۃ قیاس پر استدلال کیا ہے۔ (الدر المنضود: ۴۴۰/۵)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس جیسی حدیثوں کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا دوہرا ہونا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست صحابہ کی طرف مبعوث تھے اور صحابہ کے واسطے سے پوری دنیا کی طرف مبعوث تھے اسی طرح صحابہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مبعوث تھے، یہ حدیث اس کی دلیل ہے، اس میں "**انما بعثتم**"، صریح ہے، نیز حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف روانہ کیا تو ان سے پوچھا: فیصلے کس طرح کروگے؟ ان کے جوابات سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے رسول کو صحیح راہ دکھائی!، یہ حدیث بھی صریح ہے کہ صحابہ بھی مبعوث تھے اور رسول کے لئے جس طرح عصمت ضروری ہے صحابہ کیلئے حفاظت ضروری ہے، البتہ فرق مراتب کرنے کیلئے انبیاء کیلئے لفظ عصمت اور صحابہ کیلئے لفظ حفاظت استعمال کیا جاتا ہے جیسے اولیاء سے کرامت کا ظہور ہوتا ہے، کرامت اور معجزہ اور ولی کے ہاتھ سے جو خرق عادت ظاہر ہوتا ہے اس کو کرامت کہتے ہیں، اسی طرح عصمت اور حفاظت کی حقیقت ایک ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۲۵۵/۴)

حدیث الباب کی سند پر کلام اور محدثین کی طرف سے اسکا جواب

اس کے بعد پھر جاننا چاہئے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اس کے اندر ایک راوی ہے حارث بن عمرو مجہول ہے بالاتفاق، نیز وہ روایت کر رہا ہے اس کو اصحاب معاذ من اہل حمص سے جو کہ مجہول ہیں، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے وہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں "**لانعرفه الا من هذا الوجه ولیس اسناده عندی بمتصل**" اور زرقانی نے تو اس حدیث کو موضوعات میں

شمار کیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ الصعود میں اس سب کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "**قلت لکن الحدیث له شواهد موقوفة عن عمر بن الخطاب وابن مسعود وزید بن ثابت وابن عباس، وقد اخرجها البیهقی فی سننه عقب تخریجه لهذا الحدیث تقویة له**" (**بذل**) حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف، "**اعلام الموقعین عن رب العالمین**" میں اس حدیث کو حجیت قیاس میں پیش کیا ہے اور اس سند میں جو خامیاں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ان کی طرف سے جواب دیا ہے، اور یہ کہ یہ حدیث حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہے، اور اصحاب معاذ کی شہرت علم و دین اور فضل وصدق میں اتنی ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں، اور نیز فرماتے ہیں کہ شعبہ جو اس حدیث کے حامل لواء ہیں ان کی شان یہ ہے کہ بعض ائمہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے "**اذا رأیت شعبة فی اسناد حدیث فاشدد یدیك به**" کہ جب کسی حدیث کی سند میں شعبہ راوی کو دیکھ لو کہ وہ اس میں موجود ہیں تو پھر اس حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی بیان کی ہے جس کی سند متصل اور رجال معروف بالثقاہۃ ہیں، اس سب کے علاوہ یہ بات ہے کہ اہل علم اس حدیث کو نقل کرتے چلے آئے ہیں اور حجیت قیاس پر اس سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ "**فوقفنا بذلك علی صحته عندهم**" یعنی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح وثابت ہے، اور پھر انہوں نے اسکے بعد بہت سی ایسی حدیثیں نظیر کے طور پر ذکر کیں جو "**من حیث الاسناد**" قوی نہیں لیکن علماء کا نقل در نقل کرنا ان کی صحت کے لئے کافی اور مستغنی عن طلب الاسناد ہو گیا۔ "**ملخصا من العون**" (الدر المنضود: ۵/۴۴۹)

تنبیه: حافظ ابن قیم تہذیب السنن میں فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی تخریج ایک دوسرے طریق سے کی ہے "**عن عبادة بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم حدثنا معاذ بن جبل قال لما بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الیمن قال لا تقضین ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشکل علیك امر فقف حتی تبینه او اکتب الی فیه**" ابن قیم فرماتے ہیں کہ "**وهذا اجود اسنادا من الاول ولا ذکر فیه للرائ**"

(الدر المنضود: ۵/۴۴۹)

سوال: اس حدیث میں اجماع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

جواب: اجماع آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مستقل حجت بنا ہے۔

سوال: حدیث کا درجہ قرآن کریم سے مؤخر ہونا ہمارے اعتبار سے درست ہے، کیوں کہ بیشتر احادیث ہم تک ظنی ذرائع سے پہنچی ہیں لیکن صحابہ کرام سے تو یہ احادیث حضور سے براہ راست حاصل کی تھیں، ان کے حق میں تو وہ ایسی ہی قطعی ہیں جیسے قرآن کریم قطعی ہے، پھر ان کے نزدیک احادیث کا درجہ قرآن کریم سے مؤخر کیسے ہوا؟

جواب: صحابہ کرام کو تمام احادیث بلاواسطہ حاصل نہیں ہوئی تھیں، بلکہ بعض احادیث انہوں نے ایک دوسرے سے سن کر حاصل کی تھیں، اس لئے حدیث کا درجہ قرآن کریم سے متاخر ہوا۔

تقلید شخصی کا ثبوت

یہ حدیث اجتہاد وقیاس کے ثبوت پر بھی صریح ہے، نیز اس سے تقلید شخصی کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو گویا اہل یمن کے ذمہ یہ لازم کر دیا کہ وہ ہر معاملہ میں ان سے رجوع کریں، اور تمام مسائل میں ان کی پیروی کریں، اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں تھا، جو ان کی طرح شرعی مسائل جانتا ہو، اسلئے اہل یمن ان کی تقلید شخصی کرتے تھے، اور چوں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے بھیجا تھا، اس لئے اہل یمن کا یہ عمل خود حضور اکرم ﷺ کی منشا کے مطابق تھا۔

اعتراض: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا، اور اسی حیثیت میں ان کی اطاعت ضروری قرار دی گئی تھی، نہ کی مفتی کی حیثیت سے؟

جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیک وقت حاکم بھی تھے، قاضی بھی، مفتی اور معلم بھی، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت کی ہے کہ "**اتانا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بالیمن معلما او امیرا فسألناہ عن رجل توفی وترك ابنته واخته فاعطی الابنة النصف والاخت۔**

(بخاری شریف: ۲/۹۹۷، کتاب الفرائض، باب میراث البنات، حدیث نمبر: ۶۴۷۷)

اس روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے مفتی ہونے کی حیثیت صاف واضح ہے، اور اسی حیثیت

سے انہوں نے میراث کا یہ فتویٰ دیا تھا اور اس کی دلیل بیان نہیں کی تھی، اور اہل یمن نے دلیل پوچھے بغیر ہی اس حکم پر عمل کیا اور اسی کا نام تقلید ہے۔

غیر مقلدین حضرات توجہ فرمائیں!

شارح حدیث شیخ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں مشابہت پاتا ہوں درمیان اس مسئلہ کے جو میرے سامنے درپیش ہے اور اس مسئلہ کے کہ جسکا حکم کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ میں آیا ہے تو میں دونوں مسئلوں کا وہی فیصلہ کر دیتا ہوں جو کتاب وسنت میں پاتا ہوں اسکی مثال یہ ہے کہ گیہوں میں ربوٰ کی حرمت کا حکم نص میں موجود ہے اور تربوز میں ربوٰ کی حرمت کا حکم نص میں موجود نہیں ہے، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے گیہوں پر تربوز کو قیاس کیا اس طور پر کہ دونوں کے اندر کھائے جانے کی علت مشترک ہے یعنی گیہوں بھی کھایا جاتا ہے اور تربوز بھی تو یہاں مطعومیت کی علت مشترک ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم ایک ہوگا یعنی تربوز میں بھی ربوٰ حرام ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چونے کو گیہوں پر قیاس کیا اسلئے کہ دونوں کے درمیان کیلیت یعنی ناپنے کی علت مشترک ہے، لہٰذا جص یعنی چونے میں بھی ربوٰ مثل گیہوں کے حرام ہوگا، تو گویا قیاس دونوں ائمہ نے کیا فرق صرف علت میں ہے یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مطعومیت کو علت قرار دیا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیلیت اور موزونیت کو علت قرار دیا، **"قال"** یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا راوی نے ان سے نقل کرتے ہوئے کہا، **"فضرب"** مارنے کے بجائے مقام کی مناسبت سے تھپتھپانے کا ترجمہ کیا ہے، **"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ"** یعنی پیار ومحبت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے سینہ پر آہستہ سے مارا، **"وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ"** یعنی اسکی توفیق عطا فرمائی جسکو رسول اللہ پسند کرتے ہیں یا جس درست راہ کی طلب کی تمنا کرتے ہیں، حدیث سے مجتہد کے مصیب ہونے کی سند مل رہی ہے خواہ وہ اجتہاد میں خطا ہی کر جائے یعنی جب مستحق اجتہاد کے لئے حق اجتہاد ثابت ہوگیا اور شارع علیہ السلام کی طرف سے اس پر اظہار پسندیدگی بھی ہوگئی تو اب مجتہد جب قواعد کے مطابق اجتہاد کرے گا صحیح نتیجہ پر پہنچے گا تو اسکو دو اجر ملیں گے، اور خطا کرے گا تو بھی ایک اجر ملے گا، اور

دوسرا یہ کہ اس خطاء پر اسکو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (انوار المصابیح: ۶۹۲/ ۶، مرقاۃ: ۱۴۷/ ۴)

فوائد

محدث عصر حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری زید مجدہم اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(۱)......اس حدیث میں خاص بات توجہ طلب یہ ہے کہ حدیث حجت نہیں، بلکہ سنت حجت ہے، چنانچہ تمام احادیث میں سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے، کسی ایک حدیث میں بھی حدیث کو مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں اور حدیث کے معنی ہیں:

"ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر"

یعنی نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال وتائیدات حدیث ہیں اور سنت کے معنی ہیں: **"الطریقة المسلوکة فی الدین"** یعنی دینی راہ اور دونوں میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے، جو احادیث منسوخ یا مخصوص یا ماؤل ہیں وہ صرف حدیث ہیں سنت نہیں اور ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی خلفائے راشدین کی باتیں سنت ہیں، حدیث نہیں اور معمول بہا اقوال وافعال نبوی حدیث بھی ہیں اور سنت بھی، پس فرقہ اہل حدیث گمراہ فرقہ ہے، کیونکہ حدیث حجت نہیں، اہل سنت والجماعت حق پر ہیں کہ حجت سنت ہے، تفصیل میری کتاب دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت میں ہے۔

(۲)......اس حدیث سے قیاس کی حجیت اعتباریت ثابت ہوتی ہے جب کسی معاملہ کا صریح حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو اجتہاد ناگزیر ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، مگر قیاس مثبت حکم نہیں بلکہ مظہر ہے، وہ ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ قرآن وسنت اور اجماع سے حکم نکالا جاتا ہے، پس اگر قیاس حجت نہیں تو یہ مصادر ثلاثہ بھی حجت نہیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۲۵/ ۴)

فیصلہ کرنے کا اصول

{۳۵۶۹} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِيْ وَأَنَا حَدِيْثُ

السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِیْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ اِنَّ اللهَ سَیَهْدِیْ قَلْبَكَ وَیُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضٰی اِلَیْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰی تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰی اَنْ یَّتَبَیَّنَ لَكَ الْقَضَاءَ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَعْدُ. (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ) وَسَنَذْكُرُ حَدِیْثَ اُمِّ سَلَمَةَ اِنَّمَا اَقْضِیْ بَیْنَكُمْ بِرَاْیِیْ فِیْ بَابِ الْاَقْضِیَةِ وَالشَّهَادَاتِ اِنْشَاءَ اللهُ تَعَالٰی۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۴۸/۱، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین، حتی الخ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۳۱، ابوداؤد شریف: ۵۰۴/۲، باب کیف القضاء، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۸۲، ابن ماجہ: ۱۶۷، باب ذکر القضاۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۰۔

حل لغات: **القضاء:** فیصلہ، قاضی کا منصب، عدالتی حکم، **ھدی فلانا:** کسی کو راہ بتانا، رہنمائی کرنا، **ثبت:** جمانا، پختہ کرنا، ثابت وواضح کرنا، دل مضبوط کرنا، ثابت قدم رکھنا، **تقاضاہ:** طلب کرنا، **حرا:** لائق ہونا، مناسب ہونا، **شك علیہ الامر:** مشتبہ اور مشکل ہونا، **شك فی الامر:** شک کرنا، شبہ کرنا، **الاقضیۃ:** یہ جمع ہے **القضاء:** کی۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو بھیج رہے ہیں، جب کہ میں ابھی نوعمر ہوں اور مجھے منصب قضاء کے بارے میں واقفیت بھی نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی راہنمائی فرمائے گا، اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا، جب تمہارے پاس دو آدمی مقدمہ لے کر آئیں تو پہلے کے حق میں فیصلہ نہ کرنا، یہاں تک کہ تم دوسرے کی بات سن نہ لینا، یہ چیز اس بات کے بہت لائق ہے کہ تمہارے لئے فیصلہ واضح ہو جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد مجھے کسی بھی مسئلہ میں شک وشبہ لاحق نہیں ہوا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ام سلمہ کی حدیث "**انما اقضی الخ**" کو ہم انشاء اللہ کتاب الاقضیہ میں ذکر کریں گے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کے پاس جب مقدمہ آئے تو دونوں فریقوں کی

بات توجہ سے سننے کے بعد فیصلہ کرنا چاہئے، کسی ایک فریق کی بات مان کر عاجلانہ فیصلہ نہ کرنا چاہئے، کیونکہ دونوں فریقوں کی بات سننے کے بعد حق تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے، ورنہ ممکن ہے کوئی ایک فریق مظلوم بن کر آئے اور قاضی کی حمایت حاصل کرلے اور قاضی دوسرے فریق کی بات سنے بغیر اس کے حق میں فیصلہ کردے، جب کہ فریق ثانی کے پاس اپنے موقف پر دلائل موجود ہوں، اور یوں یہ فیصلہ ناانصافی والا ہو جائے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۳۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن قاضی بنا کر بھیجا وہ کہتے ہیں کہ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اس کام کے لئے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں تو نوعمر ہوں اور مجھے قضا کا علم بھی نہیں، شراح نے لکھا ہے کہ اس سے مطلق علم کی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے عادت اور تجربہ کی نفی مراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بطور دعاء کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اور تمہاری زبان کو حق پر جما دیے گا، یعنی اسکے ذریعہ صحیح فیصلہ کرائے گا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فیصلہ کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ کی طرف رہنمائی فرمائی وہ یہ کہ جب مجلس قضاء میں تمہارے پاس خصمین مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہوں تو ایک شخص کا بیان سنکر ہرگز فیصلہ نہ کرنا جب تک اسکے خصم کی بات نہ سن لو، جس طرح تفصیل سے پہلے کی بات سنی ہے "**فانه احری ان یتبین لک القضاء**"، اسلئے کہ اس صورت میں یعنی فریقین کی بات سننے کے بعد صحیح فیصلہ کا تم پر ظاہر ہونا بہت قریب ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کی برکت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ قاعدہ کلیہ پر عمل کرنے کی بدولت، کبھی مجھے اپنے کسی فیصلہ میں شک اور تردد نہیں ہوا۔

(الدر المنضود: ۵/۴۴۳)

قضاء علی الغائب کے جواز میں اختلاف علماء

حتی تسمع من الآخر: پر شراح نے لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حاکم کے لئے قضاء علی الغائب جائز نہیں اس لئے کہ جب خصمین کے موجود ہونے کے باوجود دوسرے کی بات سننے سے پہلے فیصلہ کرنا جائز نہیں تو خصم کے غائب ہونے کی صورت میں عدم جواز بطریق اولیٰ ہوگا، خطابی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں "**ومن ذهب الى ذلك شريح وعمر بن عبد العزيز هو قول ابى حنيفه ابن ابى ليلى وقال مالك والشافعى القضاء على الغائب جائز وكان ابو عبيد يرى القضاء على الغائب اذا تيقن الحاكم ان فراره واستخفاءه انما هو فرار من الحق ومعاندة اللخصم**" یعنی ابوعبیدہ کے نزدیک قضاء علی الغائب اس صورت میں جائز ہے جبکہ حاکم کو اس بات کا یقین ہو کہ فریق آخر کا عدالت میں حاضر نہ ہونا اور روپوش ہو جانا وہ ادائے حق سے بچنے کے لئے اور اپنے مقابل کی دشمنی کیوجہ سے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے بڑے مشہور ہیں قضاء واحکام میں ان کی مہارت مشہور اور ضرب المثل ہے تم نے پڑھا ہوگا نحو کی کتاب میں "**قضية ولا اباحسن لها**" [اہم معاملہ ہے اور ابوالحسن نہیں ہیں] اور حدیث بھی مشہور ہے جو بہت سے خطبوں میں بھی پڑھی جاتی ہے "**واقضاهم علی**" [اور ان سب میں بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں] اس قسم کی روایات مناقب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

"**والحديث اخرجه الترمذی وقال حديث حسن قاله المنذری**"۔

(بذل المجهود: ۷/۳۰۷، ۱۱، الدر المنضود: ۵/۴۴۴)

سوال: ایک فریق موجود ہے اور دوسرا فریق موجود نہیں ہے تو کسی ایک فریق کی غیر موجودگی میں قاضی فیصلہ کر سکتا ہے؟

جواب: قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، اس لئے کہ فریقین کے موجود ہونے کے باوجود جب دوسرے کی بات سننے سے پہلے کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے تو کسی فریق کے غائب ہونے کی صورت میں تو بدرجہ اولی فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قاضی کو باوثوق ذرائع سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ غائب فریق اس لئے مجلس قضا میں نہیں آرہا ہے کہ حق پر نہیں ہے چنانچہ ایسی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۷۳، شرح الطیبی: ۷/۲۳۲)

{الفصل الثالث}

ظالم حاکم کو جہنم میں ڈالے جانے کا ذکر

{۳۵۷۰} **عَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَلَكٌ اٰخِذٌ بِقَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ اِلَی السَّمَاءِ فَاِنْ قَالَ اَلْقِهِ اَلْقَاهُ فِیْ مَهْوَاةٍ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفاً۔ (رواہ احمد وابن ماجه والبیهقی فی شعب الایمان)

حواله: احمد: ۱/۴۳۰، ابن ماجه: ۱۶۷، باب فی التغلیظ ا لخ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۱۱، بیهقی، باب فی الحکم بین الناس، حدیث نمبر: ۷۵۳۳۔

حل لغات: **حکم بالامر:** کسی بات کا فیصلہ، **القضاء:** گدی، گردن کا پچھلا حصہ۔

ترجمه: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو حاکم بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ ایک فرشتہ اس کو اسکی گدی سے پکڑے ہوگا، پھر وہ اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھائے گا، پھر اگر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ڈال دو، تو وہ اس کو ڈال دیے گا ایسے گڑھے میں جو چالیس برس کی مسافت کے بقدر گہرا ہوگا۔

(احمد، ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: اس حدیث میں ظالم حاکم کے انجام کا ذکر ہے، اس حاکم کی رسوائی کے لئے فرشتہ اس کو گدی سے پکڑ کر رب العالمین کے سامنے لائے گا، پھر ادب سے فیصلہ کا انتظار کرے گا، جوں ہی حکم پروردگار ہوگا وہ فرشتہ اس ظالم حاکم کو جہنم میں انتہائی گہرے گڑھے میں ڈال دے گا۔

(فیض المشکوۃ: ۷/۴۷)

یرفع راسه: سر اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی کا انتظار کرے گا کہ کیا حکم ہوتا ہے جیسے

تابعدار اشخاص مجرموں کو بادشاہ کے دربار میں کھڑا کر کے حکم کے منتظر ہوتے ہیں اور بادشاہ کے بلند مقام کی طرف دیکھتے ہیں۔

اربعین خریفاً: چالیس برس کے ذکر سے مبالغہ مراد ہے، کہ وہ گڑھا نہایت گہرا ہوگا تعیین وتحدید مراد نہیں، یہ ظالم حکام کا انجام ہے عادل حاکم کو جنت کی طرف بلند کیا جائے گا، جیسا کہ کتاب الامارۃ میں روایت ابوامامہ کے تحت مذکور رہے۔ (مظاہر حق مع تخریج: ۵۴۳/۴)

سوال: حدیث میں جو عبرت ناک انجام ہے اس سے کیا ہر حاکم دوچار ہوگا؟

جواب: نہیں، عادل حاکم کے لئے تو بہت سی بشارتیں ہیں، جن میں سے بعض ما قبل میں گذر چکی ہیں، یہ انجام تو ظالم حکمرانوں کیساتھ خاص ہے۔ **"ثم یرفع راسه"** پھر فرشتہ اپنے سر کو آسمان کی اٹھائے گا۔

سوال: فرشتہ اپنے سر کو آسمان کی طرف کیوں اٹھائے گا؟

جواب: اس میں فرشتہ کی اس حالت کا ذکر ہے جس حال میں وہ حکم پروردگار کا منتظر ہوگا کہ رب کا اس مجرم کے بارے کیا حکم ہے؟

القاه فی مهواة: اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دے گا۔

اربعین خریفاً خریف: موسم خزاں کو کہتے ہیں چالیس موسم خزاں سے چالیس سال مراد ہیں، یعنی جس گڑھے میں ڈالا جائے گا، وہ اتنا گہرا ہوگا کہ تہہ تک پہنچنے میں چالیس سال لگیں گے، یہاں چالیس کا عدد تحدید کے لئے نہیں بلکہ گہرائی کے بہت زیادہ ہونے کا بیان ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۴۷/۷، شرح الطیبی: ۲۳۳/۷)

قیامت کے دن قاضی کی آرزو

{۳۵۷۱} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِيْ الْعَدْلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَمَنّٰى اَنَّهٗ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِيْ تَمْرَةٍ قَطُّ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: احمد: ۶/۷۵۔

حل لغات: الساعة: وقت و زمانہ کا ایک حصہ، (خواہ قلیل ہی ہو) رات و دن کا چوبیسواں حصہ ایک گھنٹہ ۶۰ منٹ وغیرہ، **قط:** اس لفظ کے تین احوال ہیں، (۱) زمانہ ماضی کے استغراق کے لئے ظرف زمان اس صورت میں **قط**، کی قاف مفتوح اور طاء مشدد و مضموم ہوگی اور اس سے زمانہ ماضی کی نفی کی جائے گی جیسے: **"مافعلت هنا قط"** میں نے یہ کبھی نہیں کیا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انصاف کرنے والے قاضی پر قیامت کے دن ایک گھڑی ایسی آئے گی کہ وہ اس بات کی آرزو کرے گا کہ کاش اس نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے بارے میں بھی کبھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔

(احمد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ظلم اور ناانصافی کرنے والے حکام کا اللہ تعالیٰ سخت مواخذہ فرمانے کے بعد ان کو بدترین سزائیں سنائیں گے، اس انجام کو دیکھ کر وقتی طور پر عادل حکمراں بھی پریشان ہو کر یہ آرزو کرے گا کہ کاش میں نے کوئی چھوٹے سے چھوٹا فیصلہ بھی نہ کیا ہوتا، تاکہ اس انجام کے سلسلہ میں تشویش میں مبتلا نہ ہوتا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۴۷)

عادل حاکم کا اللہ حامی ہے

{۳۵۷۲} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ ابْنِ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ مَعَ الْقَاضِيْ مَالَمْ يَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة) وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاِذَا جَارَ وَكَلَهٗ اِلٰى نَفْسِهٖ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۴۸، باب ماجاء فی الامام العادل، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۳۰، ابن ماجہ: ۱۶۷، باب التغلیظ فی الحیف والرشوة، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۱۲۔

حل لغات: تخلی عنه: دست بردار ہونا، چھوڑنا، **وکل لزم الشیء:** برقرار رہنا، لازم ہونا، ضروری ہونا، **وکل الیه الامر:** کوئی معاملہ کسی کو سونپ کر بے فکر ہو جانا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس وقت تک قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہیں کرتا، جوں ہی وہ ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتے ہیں اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ایک اور روایت میں ہے کہ جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کو اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی تائید اور حمایت حاصل رہتی ہے جب تک وہ حق و انصاف کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے، اور جب وہ ناانصافی کرنے لگتا ہے تو تائید رب سے محروم ہو جاتا ہے، چنانچہ شیطان ایسے قاضی پر پورے طور سے حاوی ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے جال میں جکڑ کر گمراہی کے غار میں : ڈھکیل دیتا ہے لہٰذا جو شخص جس معاملہ کا حکم بنے اس معاملہ میں مکمل انصاف کرے۔ (فیض المشکوۃ: ۵/ ۷۷)

عن عبد اللہ ابن ابی اوفی: یہ عبد اللہ ابن انیس الجہنی انصاری صحابی ہیں غزوہ احد میں شریک ہوئے اور اسکے بعد کے تمام غزوات میں حاضری کا شرف حاصل رہا ان سے حدیث کی روایت ابوامامہ اور جابر رضی اللہ عنہما نے کی ہے مدینہ منورہ میں ۵۴ ھجری میں انتقال فرمایا رضی اللہ عنہ "**الله مع القاضی**" مشکوۃ کے ایک نسخہ میں ان اللہ ہے، "**مالم یجر**" جیم کو ضمہ ہے یعنی "**مالم یظلم فاذا جار تخلی عنه**" اور جب ظلم کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو چھوڑ دیتا ہے، اور اس سے دست بردار ہو جاتا ہے، اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یعنی اسکو ذلیل کر دیتا ہے، اور اسکی مدد کرنا بند کر دیتا ہے۔

(انوار المصابیح: ۶/ ۶۹۶، مرقاۃ: ۹/ ۱۴۹/ ۴)

ایک یہودی کے حق میں فیصلہ

{۳۵۷۳} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ مُسْلِمًا وَيَهُوْدِيًّا اِخْتَصَمَا اِلٰى عُمَرَ فَرَاَى الْحَقَّ لِلْيَهُوْدِيِّ فَقَضٰى لَهٗ عُمَرُ بِهٖ فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ

بِالْحَقِّ فَضَرَبَهُ عُمَرُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيكَ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَاللهِ إِنَّا نَجِدُ فِي التَّوْرٰةِ أَنَّهُ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِي بِالْحَقِّ إِلَّا كَانَ عَنْ يَمِيْنِهِ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهِ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهِ وَيُوَفِّقَانِهِ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ فَإِذَا تَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَا وَتَرَكَاهُ۔

(رواه مالك)

حوالہ: موطا مالک باب الترغیب فی القضاء بالحق، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۲۔

حل لغات: **اختصم القوم:** باہم جھگڑنا، **رأہ یراہ:** آنکھ سے دیکھنا، ادراک کرنا، رائے رکھنا، اعتقاد وگمان کرنا، مناسب سمجھنا، **الدرۃ:** کوڑا، **ادارہ:** باخبر کرنا، علم میں لانا، **سدد اللہ فلانا:** اللہ کا کسی کو راہ راست پر لگانا سیدھے راستہ پر چلانا، **سدد صاحبہ:** رہنمائی کرنا، **وفق اللہ فلانا:** خدا کی کسی کے دل میں بھلائی کا الہام کرنا، اپنی مدد دینا، توفیق دینا، بامراد وکامیاب بنانا، **عرج الشیٔ:** اونچا ہونا، بلند ہونا۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے، حضرت عمر نے محسوس کیا کہ یہودی حق پر ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا، یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ کی قسم آپ نے درست فیصلہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو درے سے مارا اور کہا کہ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ یہودی نے کہا بے شک ہم تورات میں پاتے ہیں کہ جو قاضی حق کیساتھ فیصلہ کرتا ہے، اس کے داہنی طرف ایک فرشتہ رہتا ہے، اور ایک فرشتہ اس کے بائیں طرف رہتا ہے، دونوں فرشتے اس کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں اور حق بات کی اس وقت تک توفیق کرتے ہیں جب تک وہ خود حق پر رہتا ہے، جب وہ حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور قاضی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (مالک)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فیصلے میں انصاف کرنا چاہئے فیصلہ گواہ اور ثبوت کی بنیاد پر کرنا چاہئے اپنے اور پرائے کی بنیاد پر نہیں، مسلمان اور غیر مسلمان میں اگر تنازع ہو اور محسوس ہو کہ غیر مسلم حق پر ہے، تو غیر مسلم کے حق میں فیصلہ صادر کرنا ہی انصاف ہے، جو لوگ انصاف سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوتے ہیں ان پر رحمت فرماتے ہیں اور ان کی تائید ونصرت کے لئے فرشتے بھیجتے ہیں، اور

جو لوگ ناانصافی کرتے ہیں وہ رحمت الٰہی سے محروم ہوتے ہیں، فرشتے بھی ان کا ساتھ نہیں دیتے ہیں۔
(فیض المشکوۃ: ۷۶/۷، مرقاۃ: ۱۵۰/۴)

عن سعید ابن المسیب: مشہور یہ ہے کہ یہ تمام تابعین میں سب سے افضل تابعی ہیں۔

اعتراض: یہودی نے کوئی خطا نہیں کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں مارا؟

جواب: (۱) مارا نہیں تھا، بلکہ درہ تانا تھا، (۲) مارنا غصہ کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ ہلکے سے محبت واپنائیت کے اظہار کے لئے مارا تھا۔

ومایدریک: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو یہودی نے حق فیصلہ ٹھہرایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کس بنیاد پر میرے فیصلہ کے حق کہہ رہے ہو؟ "انا نجد فی التوراۃ" اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں تورات کے حوالے سے ایک بات بیان کی۔

اعتراض: یہودی نے جو بات کہی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے مطابق نظر نہیں آتی؟

جواب: یہودی ایک فریق تھا، اسکو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درست فیصلہ کیا ہے، کیونکہ اس قضیہ میں اس سے زیادہ حق اور ناحق کا علم کس کو ہوگا، اس نے جو جواب دیا وہ اس طور پر مطابق ہے، کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان کے حق میں فیصلہ کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ ناحق ہیں، ان کو تائید حاصل نہیں ہے، اور جب انہوں نے مسلمان کے خلاف فیصلہ کیا تو اس بات کی دلیل ہوئی کہ وہ حق پر ہیں اور ان کو فرشتے کی تائید حاصل ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷۶/۷، شرح الطیبی: ۲۴۳/۷)

عہدہ قضاء کی قبولیت سے انکار

{۳۵۷۴} وَعَنِ ابْنِ مَوْهَبٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ اَوَ تُعَافِيْنِيْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ وَمَا تَكْرَهُ مِنْ ذَالِكَ وَقَدْ كَانَ اَبُوْكَ يَقْضِيْ قَالَ لِاَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضٰى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ اَنْ يَّنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًا فَمَا رَاجَعَهُ بَعْدَ ذَالِكَ۔ (رواہ الترمذی) وَفِيْ رِوَايَةِ رَزِيْنٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ

عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ لِعُثْمَانَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا اَقْضِیْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاکَ کَانَ یَقْضِیْ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ لَوْ اَشْکَلَ عَلَیْہِ شَیْءٌ سَأَلَ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اَشْکَلَ عَلیٰ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْءٌ سَأَلَ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاِنِّیْ لَا اَجِدُ مَنْ اَسْأَلُہٗ وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللہِ فَقَدْ عَاذَ بِعَظِیْمٍ وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللہِ فَاَعِیْذُوْہُ وَاِنِّیْ اَعُوْذُ بِاللہِ اَنْ تَجْعَلَنِیْ قَاضِیًا فَاَعْفَاہُ وَقَالَ لَا تُخْبِرْ اَحَدًا۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۴۷، باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ فی القاضی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۲۲۔

حل لغات: تعافینی: (مفاعلت) الدولۃ فلانا من الجندیۃ: حکومت کا کسی کو بھرتی سے مستثنیٰ رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن موہب رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ بلا شبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان فیصلے کیجئے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین آپ مجھے معاف کر دیں تو زیادہ بہتر ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس کو ناپسند کیوں کر رہے ہو، جب کہ تمہارے والد فیصلے فرماتے تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قاضی بنا اور اس نے انصاف کے ساتھ فیصلے کئے تو یہ بات مناسب ہوگی کہ وہ برابر سرابر لوٹ آئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں فرمایا۔ (ترمذی) حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے رزین کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین میں دو آدمیوں میں بھی فیصلہ نہیں کروں گا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے والد تو فیصلہ فرماتے تھے؟ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرے والد کو اگر کوئی اشکال ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرماتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کسی چیز میں اشکال ہوتا تو وہ جبرئیل سے دریافت کر لیتے اور میں ایسا شخص نہیں پاتا جس سے پوچھ سکوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کی پناہ میں آیا وہ بڑی پناہ میں آیا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اللہ کی پناہ لے اس کو پناہ دیدو، اور بے شک میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو قاضی مقرر فرمائیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بری الذمہ کر دیا، اور فرمایا کہ کسی کو بتانا نہیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عہدہ قضا بے حد نازک منصب ہے، اس منصب کے حاصل ہونے کے بعد بہت سی اہم ذمہ داریوں سے واسطہ پڑتا ہے، جن میں غفلت وکوتاہی سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے اس کو قبول کرنے سے گریز کرنا چاہئے، ہمارے بعض اکابر نے طلب تو کجا اس عہدے کو قبول نہ کرنے پر سزائیں جھیلی ہیں لیکن انہوں نے دنیوی مشقتیں تو برداشت کرلیں لیکن عہدہ قضا قبول نہیں کیا، اگر کوئی مناسب آدمی موجود نہیں ہے تو بدرجہ مجبوری قبول کرلینا چاہئے، لیکن اس صورت میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے انصاف کرنا چاہئے، اور عہدہ کی حرص پیدا نہ ہونے دینا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۷۷)

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے، جبکہ ماقبل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم اگر فیصلے میں غلطی بھی کرے تو اس کو محض اجتہاد کی بنا پر ایک نیکی ملتی ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دولوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے تو اسکا یہ فیصلہ ستر سال کی عبادت سے افضل ہے، دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟

جواب: (۱) جو کوئی منصب قضا کا اہل ہو، پھر لوگوں کے اصرار پر وہ عہدہ قبول کرے، اس کے بعد شریعت کے اصولوں کی روشنی میں حق وانصاف پر مبنی فیصلے کرے، تو ایسے حاکم کے لئے ثواب بھی ہے اور اس کے اجتہاد پر نیکی کا وعدہ بھی ہے، لیکن اگر کسی نے منصب قضا اپنی کوشش اور طلب سے حاصل کرلیا، پھر انصاف کیا تو برابر چھوٹے گا، یعنی نہ نفع ہوگا اور نہ ثواب اور اگر ناانصافی کی تو نقصان ہوگا نفع نہیں۔

(۲) شریعت اسلامی جسکو مخاطب کرتی ہے تو اس پر پوری ذمہ داری ڈالتی ہے، حاکموں کو خطاب

کیا تو فرمایا کہ عہدہ قضا بڑی نازک چیز ہے، اس سے برابر چھوٹ جاؤ تو بڑی بات ہے، مقصد یہ ہے کہ عہدہ کی حرص پیدا نہ ہو اور عوام سے خطاب کیا تو کہا کہ حاکم اگر فیصلے میں غلطی بھی کرے تو اسکو نیکی ملے گی تا کہ لوگ حاکم کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں اس انداز خطابت کا مقصد اعتدال اور توازن پیدا کرنا ہے۔

فمار جعه بعد ذالک: یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد عہدہ قبول کرنے کے لئے نہیں فرمایا۔

لا اقضی بین رجلین: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا اپنے لئے بہتر نہیں سمجھتا ہوں پوری قوم کے فیصلہ کی ذمہ داری کیسے قبول کرلوں گا۔ "**وانی الا جد من اسئله**" میرے سامنے جب کوئی پیچیدگی آئے گی تو میں کس سے معلوم کروں گا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرے گا، خواہ دوسرا شخص خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔

لا تخبر احدا: [کسی کو خبر نہ دینا] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول کرلی اور ان سے عہدہ قبول کرنے کیلئے اصرار نہیں کیا، لیکن ان سے کہا کہ یہ بات دوسروں کو مت بتانا ورنہ ہر شخص انکار کرے گا تو عہدہ قضا کا منصب خالی ہو جائے گا، جس کی وجہ سے دشواری پیش آئے گی۔

(فیض المشکوۃ: ۷/۲۰۸، شرح الطیبی: ۷/۲۳۶)

باب رزق الولاۃ وھدایاھم

حکام کو تنخواہ اور ہدایا وتحائف دینے کا بیان

اس باب کے تحت گیارہ (۱۱) روایتیں درج کی گئی ہیں، جو حکام وعمال کیلئے بیت المال سے تنخواہ واجرت مقرر کرنے کیلئے جواز، بلا استحقاق واجازت کچھ لینے پر ممانعت، خیانت ورشوت پر وعید، سفارش پر ہدیہ وتحفہ قبول کرنے پر نکیر وغیرہ پر مشتمل ہیں، خلیفہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب خود زکوۃ وعشر کی وصولی اور ملک کے مختلف حصوں میں پیش آنے والے نزاعات کے فیصلے نہیں کرسکتا ہے، اس لئے عمال وقضاۃ کا بھیجنا ضروری ہے، اور چونکہ یہ عملہ عام لوگوں کی مصلحتوں میں مشغول ہوگا اس لئے ان کی تنخواہ حکومت کے ذمہ ہوگی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت سے قبل کپڑے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ غلہ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھجوروں کی تجارت کیا کرتے تھے، لیکن جب یہ حضرات منصب خلافت پر فائز ہوئے اور اپنے کاروبار مشغولیت کی وجہ سے جاری نہ رکھ سکے تو بیت المال سے انکی تنخواہیں مقرر کی گئیں، تنخواہ میں رعایت اس بات کی ہونی چاہئے کہ اس کے اہل وعیال کی کفالت ہوجائے اور کچھ بچ بھی رہے، تاکہ اس سے وہ اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرسکے، حدیث شریف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے لئے عامل ہو، یعنی سرکاری ملازم ہو تو وہ بیوی حاصل کرلے، اور اس کے لئے نوکر نہ ہو تو نوکر حاصل کرلے، اور اگر اس کیلئے گھر نہ ہو گھر حاصل کرلے۔ (مشکوۃ شریف، فیض المشکوۃ:۷/۸۷، مرقاۃ:۴/۱۵۱)

اب یہاں دو بحث ہیں، اول "رزق الولاۃ" کی "بحث الرزق" سے مراد یہاں پر وہ مال ہے جو بیت المال سے ہر مہینہ فوجی سپاہی کو دیا جاتا ہے

العطاء: وہ مال ہوتا ہے جو سپاہی کو سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ بیت المال سے دیا جاتا ہے۔

الولاۃ: یہ الوالی کی جمع ہے جسکے معنی حاکم وفرمانبردار منتظم وسرپرست کسی صوبہ کا گورنر ہیں۔

اہدی الہدیۃ الی فلان اعزازا: کسی کو ہدیہ تحفہ دینا۔(انوار المصابیح:۷۰۰/۶،مرقاۃ:۱۵۱/۴)

چنانچہ رزق سے تنخواہ مراد ہے،لیکن وہ تنخواہ رزق کی طرح بقدر کفایت ہوتی ہے نہ کم اور نہ زیادہ اسلئے تنخواہ کو رزق سے تعبیر کرتے ہیں،چنانچہ ہدایہ:۴۶۰/۴ میں ہے کہ ''**لاباس برزق القاضی**'' یعنی جو آفیسر و قاضی وغیرہ سرکار کے ماتحت مسلمانوں کے امور کے انتظام وغیرہ میں مشغول و محبوس ہو تو ان کو مسلمانوں کے مال یعنی بیت المال سے رزق دینا جائز ہے۔''**الحدیث رواہ الحاکم فی المستدرک انہ استعمل عتاب بن اسید علی مکۃ وتوفی النبی وھو عامل علیھا وفرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہ اربعین اوقیۃ فی سنۃ والاوقیۃ اربعون درھما.وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا لما استخلف ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مؤنۃ اھلی**''۔ یعنی میں اپنی حرفت کے ذریعہ اپنے اہل وعیال کا خرچہ چلاتا تھا۔

وشغلت بامر المسلمین فیاکل آل ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ھذا المال ای مال بیت المسلمین، رواہ البخاری۔[اور میں مسلمانوں کے امور میں مشغول کر دیا گیا پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال بیت المال سے کھائیں گے]

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے بعد بیت المال سے ایک روایت کے مطابق طعام میں دو مد اور سالن کے لئے زیتون تیل اور گرمی کے موسم کے لئے ازار اور سردی کے موسم کے لئے فروہ یا جبہ اور اپنے سفر و حضر کی حاجت کے لئے ایک سواری لیتے تھے،اور شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حاکم کے لئے جائز ہے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کے بمقدار بیت المال سے تنخواہیں لیویں،اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قبل الخلافۃ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے، اور عمر رضی اللہ عنہ طعام کی تجارت کیا کرتے تھے''**وکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یاخذ بعد الخلافۃ کفایۃ**''۔[اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے بعد بقدر کفایت لیا کرتے تھے]اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قبل الخلافۃ کھجور اور کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے،''گفتہ اند کہ بہترین انواع تجارت جامہ است بعد ازاں عطر کہا گیا ہے کہ بہترین تجارت کپڑے کی تجارت ہے اس کے بعد عطر کی، دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر دن کے لئے ایک پورا درہم اور ایک درہم کا دو ثلث لیتے تھے،

"ولان القاضی محبوس لحق المسلمین ولمصالحھم فتکون نفقته فی مال المسلمین وھو مال بیت المال"۔ اور جو رزق کا حکم اس صورت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین ابتداءً اس کو قاضی بناتے وقت کسی رزق یعنی تنخواہ کی شرط نہ ہو، **"ثم رزق خلیفة المسلمین کفایة لاحتباسه عن الکسب بوجه القضاء اما اذا اخذ علی وجه الشرط بأن قال القاضی فی ابتداء القضاء انما اقبل القضاء وان رزقنی الوالی کذا فی کل شهر او فی کل سنة بمقابلة قضائی فلا یجوز رزق القاضی لانه استجار علی الطاعة اذ القضاء طاعة بل افضلها"۔** پھر قاضی اگر فقیر ہو تو تنخواہ لینا ہی افضل ہے بلکہ واجب ہے **"لانه لا یمکنه اقامة فرض القضا الا باخذ"۔** اور قاضی اگر غنی ہو تو بیت المال پر شفقت کرتے ہوئے نہ لینا ہی افضل ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ لینا ہی افضل ہے **"صیانة للقضاء عن الذلة، وهذا المجموع فی الهدایة: ۲۶۱/۳، والمرقاة: ۲۴۵/۷، والتعلیق: ۲۱۳/۴، والاشعة: ۳۴۷/۳)**

اور یہاں ثانی بحث قاضی کو ہدیہ دینے کے متعلق ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ قاضی کا اپنے رشتہ دار سے ہدیہ لینا تو جائز ہے کیونکہ صلہ رحمی کی قبیل سے ہے، ایسا ہی قاضی ہونے کے قبل جن لوگوں کے ساتھ ہدیہ کے لین دین کی عادت جاری تھی ان لوگوں سے ہدیہ لینا بھی قاضی کے لئے جائز ہے، **"لانه لیس بوجه القضا بل جری علی العادة"۔** مذکورہ دو صورت کے علاوہ اور کسی سے ہدیہ لینا جائز نہیں ہے، **"لحدیث ابی حمید الساعدی انه علیه السلام استعمل رجلاً من الازد علی الصدقة فلما جاء ذالك الرجل قال هذا لكم وهذا لی، فقال النبی صلی الله علیه وسلم هلا جلس فی بیت ابیه او فی بیت امه فینظر ایهدی له ام لا"۔** اور ہدیہ اور رشوت کے اندر فرق یہ ہے کہ رشوۃ بشرط الاعانت دی جاتی ہے، اور ہدیہ میں کسی قسم کی شرط نہیں ہوتی پھر دعوت دو قسم پر ہے، دعوت عامہ و دعوت خاصہ، دعوت عامہ یہ ہے کہ جس میں قاضی حاضر ہو یا نہ ہو، بہر حال دعوت دینے والا میزبان اس دعوت کا انتظام کرے گا، اور دعوت خاصہ یہ ہے کہ **"لو علم المضیف ان القاضی لا یحضرها لا یتخذها"۔** یعنی میزبان اگر جانیں کہ قاضی حاضر نہ ہوگا تو دعوت کا انتظام بھی نہ کرے، اس دعوت خاصہ میں حاضر ہونا قاضی کے لئے جائز نہیں ہے، **"لان الخاصة اجل القضاء فیتهم بالاجابة، بخلاف**

العامۃ فان القاضی یحضرھا"۔ ایسا ہی خصمین میں سے ایک کو چھوڑ کر قاضی کا دوسرے کی مہمانداری کرنا جائز نہیں۔ "لحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہانا ان نضیف الخصم الا ومعہ خصمہ ھکذا روی اسحاق بن راھویہ فی مسندہ"۔ ایسا ہی قاضی دو خصم میں سے کسی ایک کے ساتھ خفیۃً کوئی بات نہ کرے "ولا یشیر الیہ بالراس والعین ولا یلقنہ حجۃ للتھمۃ، والتفصیل فی الھدایۃ وحاشیتہ: ۱۱۹/۳، تنظیم الاشتات: ۶۱/۳)

{الفصل الاول}

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مال تقسیم فرمانا

{۳۵۷۵} عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِیْكُمْ وَلاَ اَمْنَعُكُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۴۳۹، باب قول اللہ تعالیٰ فان للہ خمسہ، کتاب فرض الخمس، حدیث نمبر: ۳۱۱۷۔

حل لغات: اعطی فلانا الشئی: دینا، منعه الشئ: کسی کو کسی چیز سے محروم رکھنا، وضع الشئ: رکھنا، ڈالنا، ہاتھ سے چھوڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کہ میں تم کو دیتا ہوں اور نہ میں محروم کرتا ہوں، میں تقسیم کرنیوالا ہوں، مجھے جہاں حکم ہوتا ہے میں وہاں رکھتا ہوں۔

(بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اموال کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کے مطابق فرماتے تھے کسی کی دل شکنی نہ ہو یا کوئی بدگمانی میں مبتلا نہ ہو، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے صراحت فرمادی کہ جس کو مل رہا ہے یا جو محروم ہو رہا ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں اپنے طور پر نواز رہا ہوں یا اپنے طور پر محروم کر رہا ہوں، مجھ کو میرے رب نے جس کو جتنا دینے کے لئے فرمایا ہے میں اسی کے مطابق تقسیم کرتا ہوں۔

ما اعطیکم ولا امنعکم: مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، تقسیم میں کسی کے حصہ میں زیادہ آتا کسی کے حصہ میں کم آتا، جن کو کم ملتا ان کے دل میں کوئی برا خیال آسکتا تھا اسلئے آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ جس کو مل رہا ہے تو اس کو ملنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میرا دل اس کی طرف زیادہ مائل ہے یا جس کو نہیں مل رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میری اس پر توجہ نہیں ہے، بلکہ دینا یا نہ دینا سب اللہ کے حکم سے ہے، اس میں میری خواہش کو کوئی دخل نہیں ہے، "**انا قاسم**" دینے والی ذات اللہ کی ہے، میں تو صرف اللہ کے حکم سے اس کی مرضی کے مطابق تقسیم کرتا ہوں، جس کو اللہ تعالیٰ دینے کے لئے کہتے ہیں، دیتا ہوں اور جس کو فرماتے ہیں کہ نہ دو تو میں نہیں دیتا ہوں۔ (مرقاۃ: ۴/۱۵۱)

بیت المال میں ناحق تصرف کرنے پر وعید

{۳۵۷۶} وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۳۹، باب قول اللہ تعالیٰ فان للہ خمسہ، کتاب فرض الخمس، حدیث نمبر: ۳۱۱۸۔

حل لغات: **یتخوضون:** (تفعل) کوشش کر کے گھسنا، **خاض الامر وفیہ:** کسی معاملہ میں گھس جانا، کود پڑنا، **الرجل:** مرد، مرد کامل، انسان وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں غلط طریقے پر تصرف کرتے ہیں، ان کیلئے قیامت کے دن جہنم ہے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو بیت المال اور اوقاف وغیرہ میں خیانت کرتے ہیں جن لوگوں کے ان اموال سے حقوق وابستہ ہیں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے ہیں، نیز اپنے حق اور محنت سے زیادہ وصول کرلیتے ہیں، ایسے لوگ جہنم میں جائیں گے۔

(فیض المشکوۃ:۸۷/۷،شرح الطیبی:۲۳۸/۷)

خولہ الانصاریۃ: یہ حضرت خولہ بنت قیس بن فہد بن قیس بن ثعلبہ النجاریہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں۔بعض حضرات نے ان کے والد کا نام ثامر بتلایا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ثامر ان کے والد کا لقب ہے، نام نہیں اس لئے کہیں ان کو بنت ثمر اور کہیں بنت قیس کہا گیا ہے، حقیقت میں یہ ایک ہی خاتون ہیں، ابن المنذرینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "**خولۃ بنت قیس ھی خولۃ بنت ثامر**" بعض نے ان کا نام خویلہ **بالتصغیر** بھی نقل کیا ہے۔

ان کی کنیت ام محمد تھی، یہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب **(عم الرسول)** رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کی شہادت کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری صحابی حنظلہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا، بعض نے ان کا نام نعمان بن عجلان بتلایا ہے، جن کا تعلق بنو زریق سے تھا۔

(تہذیب الکمال:۱۶۵/۳۵،عمدۃ القاری:۴۰/۱۵،والاستعاب:۵۱۵/۲)

یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ او ران سے روایت کرنے والوں میں ابوالولید عبید سنوطا، معاذ بن رفاعۃ زرقی اور نعمان بن ابی عیاش زرقی رحمہم اللہ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔

(تہذیب الکمال:۱۶۵/۳۵،وتہذیب التہذیب:۴۱۵/۱۲،حوالہ جات بالا)

ان سے صرف ایک ہی حدیث (حدیث باب) مروی ہے"**رضی اللہ عنہا وارضاھا**"۔

(معرفۃ الصحابۃ للأصبہانی:۲۲۰/۵، وقال الخزرجی: لھا احادیث روی عنھا فی (خ) حدیثا واحداً کذالك الترمذی خلاصۃ لتھذیب الکمال:۴۹۰، حرف الخاء من کتاب النساء)

قالت: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق، فلھم النار یوم القیامۃ۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کچھ لوگ بغیر کسی حق کے اللہ کے مال میں تصرف کریں گے، سو ایسے لوگوں کے

لئے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہے، "**یتخوضون**" خوض، سے مشتق ہے جو اصل میں پانی میں چلنے اور اسے ہلانے، حرکت دینے کے معنی میں ہے، لیکن بعد میں کسی چیز میں گھسنے اور اس میں تصرف کرنے میں مستعمل ہونے لگا۔ (عمدۃ القاری: ۴۰ / ۱۵، وارشاد الساری: ۲۰۵ / ۵)

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ یہی حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، اس میں حدیث کے الفاظ میں کچھ اضافہ بھی ہے ابو الولید سنو طا فرماتے ہیں: "**سمعت خولہ بنت قیس و کانت تحت حمزۃ بن عبد المطلب تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان ھذا المال خضرۃ حلوۃ، من اصابہ بحقہ بورك لہ فیہ ورب متخوض فیما شاءت نفسہ من مال اللہ ورسولہ لیس لہ یوم القیامۃ الا النار**"۔ (جامع الترمذی، کتاب الزہد، باب ما جاء فی اخذ المال بحقہ)

اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے اس میں حدیث کا پس منظر بھی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مبارک کلمات کب ارشاد فرمائے تھے، اس میں ہے: "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تذاکر ھو وحمزۃ بن عبد المطلب الدنیا، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم**"۔

(الاستیعاب فی اسماء الصحابۃ: ۵۱۵ / ۲)

دونوں روایات کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپس میں دنیا کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق! یہ دنیا راغب کرنے والی اور میٹھی ہے نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اس میں برکت اسی کو ہوگی، جو اپنے حصہ وحق کے بقدر اس میں سے لے گا کسی کا مال ناحق نہ کھائے گا، اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں اپنے نفس کی چاہت کے مطابق ناحق تصرف کرتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگوں کے لئے قیامت والے دن صرف اور صرف جہنم کی آگ ہوگی، یہ اسی کے مستحق ہوں گے۔ (کشف الباری: ۱۴۵ / ۷)

برحق طور پر حاصل کرنے سے مراد جائز ذرائع سے مال کمانا اور اشراف نفس کے بغیر ہدیہ لینا ہے، اور ناجائز ذرائع سے مال کمانا یا لوگوں سے سوال کرنا یا اشراف نفس کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا ناحق طریقہ پر مال حاصل کرنا ہے۔

پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے مال کی تحصیل کی دوصورتیں بیان فرمائیں ہیں۔

پہلی صورت: آدمی برحق طریقہ پر مال حاصل کرے،یعنی جائز ذرائع سے کمائے،اور کوئی ہدیہ ملے اوراس کی طرف اشراف نفس بھی ہوتو اسے لیلے،اس مال میں برکت ہوتی ہے۔

دوسری صورت: اللہ اوراس کے رسول کے مال میں یعنی قومی فنڈ میں من مانی کرنے والا قیامت کے دن جہنم میں جائے گا۔(تحفۃ الالمعی:۱۴۶/ ۶)

ان رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق: مال اللہ سے مراد وہ مال جو بیت المال میں مستحقین وغیرہ کے لئے جمع ہوتا ہے، یہاں مال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تعظیم کے لئے کی گئی ہے در حقیقت یہ مال حاکم وقت لیتا ہے،لیکن مالک کے طور پرنہیں بلکہ قاسم کی حیثیت سے اس میں غنیمت، جزیہ،خراج سارے مال شامل ہیں،اب اس مال میں حاکم وقت کی اجازت کے بغیرکوئی تصرف کرتا ہے تو وہ بہت بڑے جرم کاارتکاب کرتا ہے،اس لئے کہ وہ ایسا مال ناحق لیتا ہے،جس سے بے شمار لوگوں کے حقوق وابستہ ہیں ایسی صورت میں وہ تمام لوگوں کا حق مارنے والا ہوتا ہے،ایسا شخص بہت محروم ہے،ایک غزوہ میں ایک صاحب نے اون کا کچھ حصہ چھپا کر اپنے پاس رکھ لیا،مال غنیمت تقسیم ہونے کے بعد اس کو حضور ﷺ کی خدمت میں واپس کرنے حاضر ہوئے،آنحضرت ﷺ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب میں اس کو پورے لشکر پر کیسے تقسیم کروں اس کو لے جاؤ اور قیامت کے دن اس کو لے کر آنا، مال غنیمت میں اگر کسی نے چوری کی تو وہ مال میدان محشر میں چوری کرنے والے کی گردن میں لدا ہوگا، صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو،(اور یہ اعلان ہورہا ہوکہ اس نے مال غنیمت کا اونٹ چرایا تھا) وہ شخص آکر مجھ سے شفاعت کا طالب ہوگا تو میں اس کو صاف جواب دے دوں گا کہ میں نے حکم الٰہی پہنچا دیا تھا،اب میں کچھ نہیں کرسکتا یہی حکم مساجد، مدارس خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے،ان میں بھی ہزاروں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے۔

(فیض المشکوۃ:۸۰/ ۷،مرقاۃ:۱۵۲/ ۴)

فائدہ: اس حدیث سے ایک فائدہ تو یہ مستنبط ہوا کہ امام وقت کی تقسیم کے بغیر اگر کوئی غنیمت

میں سے کچھ لے گا تو وہ گناہ گار ہوگا۔ (فتح الباری: ۲۱۹/۶، قال ابن بطال رحمة الله من اخذ من المقاسم شياء بغير قسم الرسول او الامام بعده فقد تخوض فى مال الله بغير حق ويأتى بماغل يوم القيامة، انظر شرحه: ۲۷۵/۵)

دوسرا فائدہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں امرائے واعیان سلطنت کو اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ مال غنیمت یا بیت المال میں سے بغیر استحقاق کے کچھ نہ لیں نیز اگر کوئی حق دار آتا ہے تو اسے منع نہ کریں، بلکہ اس کے حق کو پورا پورا ادا کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کشف الباری: ۱۴۷/۷)

امیر کی بیت المال سے تنخواہ

{۳۵۷۷} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجَزُ عَنْ مُؤْنَةِ اَهْلِيْ وَشُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَسَاكُلُ اٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۷۸/۱، باب کسب الرجل، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۲۰۷۰۔

حل لغات: **الحرفة:** پیشہ، ہنر، عادت، **عجز عن الشیٔ:** بے بس ہونا، عاجز ہونا، تنگ ہونا، **المؤونة:** بوجھ، سامان رسد، **الاھل، اھل الرجل:** بیوی بچے، اہل وعیال، **آل الرجل:** کنبہ، افراد خانہ، متبعین، **احترف:** پیشہ اختیار کرنا، **احترف لاھله:** اہل وعیال کے لئے کمائی کرنا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے اخراجات پورے کرنے سے عاجز نہیں تھا، اب میں مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہو گیا ہوں، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر والے بیت المال سے کھائیں گے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کیلئے اس میں کام کریں گے۔

(بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم بقدر ضرورت بیت المال سے تنخواہ لے سکتا ہے، تاکہ وہ یکسوئی سے مسلمانوں کی خدمت کر سکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک کامیاب تاجر تھے، تجارت کے ذریعہ اچھی طرح اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری فرماتے تھے، بار خلافت سنبھالنے کے بعد تجارت جاری رکھنا دشوار تھا، لہٰذا بیت المال سے مختصر خرچہ لینے لگے، جس سے انکی اور ان کے اہل خانہ کی لازمی ضروریات پوری ہوتی تھیں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے عوض مسلمانوں کی خدمت میں یکسوئی سے لگ گئے تھے۔ (عمدۃ القاری: ۱۸۴/ ۶، فیض المشکوۃ: ۸۰/ ۷)

لما استخلف: یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی جب خلیفہ بنائے گئے یہ **"قال"** کا ظرف ہے یعنی بیت المال سے اہل وعیال کے لئے خرچہ لینے کا عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لقد علم قومی: بعض نے یہ کہا کہ قومی سے مراد قریش ہیں، لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے عام مسلمان مراد ہیں **"ان حرفتی"** یعنی خلافت سے پہلے انکا جو معاشی پیشہ تھا۔

لم تکن تعجز: جیم کے کسرہ کے ساتھ ضرب سے اور فتحہ کے ساتھ سمع دونوں بابوں سے آتا ہے۔

عن مؤونۃ اہلی: میم مفتوح ہمزہ مضموم واؤ ساکن ہے یعنی گھر کے افراد بیوی بچوں کے نفقہ سے بے بس وکمزور نہ تھا، مطلب یہ ہے کہ اپنے پیشہ تجارت کے ذریعہ قبل خلافت اپنے معاش سے بے فکر تھا۔

وشغلت: یہ مجہول ہے اور معنی ہیں "قد اشغلت بأمر المسلمین" اب میں مسلمانوں کے معاملات یعنی اس خلافت میں مشغول کر دیا گیا ہوں اور اب تجارت میں لگنے کے لئے وقت نہیں رہا۔

فیاکل ای ینتفع آل ابی بکر: یعنی ابوبکر کے تابع ہو کر یعنی ابوبکر کے ساتھ ان کے اہل وعیال بھی بیت المال سے منتفع ہوں گے۔ **"من ھذا المال"** سے مراد حاضر فی الذہن ہے یعنی مسلمانوں کے بیت المال سے۔

یحترف ای ابوبکر للمسلمین: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اور اسکے عوض میں بیت المال کے مال سے ابوبکر کے اہل وعیال منتفع ہوں گے ابوبکر مسلمانوں کے مصالح کے لئے سعی کریں گے

اور بیت المال میں اسکی مصالح کے مطابق مناسب تصرف کریں گے، علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ حاکم کیلئے اسکی اجازت واختیار ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق "**بقدر مایکفی**" بیت المال سے سرمایہ لے لے۔

تجارت خلفائے راشدین

سیدنا صدیق اکبر رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ غلہ کی تجارت کیا کرتے تھے، اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھجور اور گیہوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔

افضل ترین تجارت

افضل ترین تجارت کپڑے کی تجارت ہے، اسکے بعد عطر کی تجارت ہے، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عطر کی ہی تجارت کرتے تھے۔ سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت یہ ہے کہ: "**لو اتجر اهل الجنة لا تجروا فی البز ولو اتجر اهل النار اتجروا فی الصرف**" یعنی اگر جنت والے تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور اگر دوزخ والے تجارت کرتے تو سونے چاندی کی تجارت کرتے۔ اس مقام کی مزید تحقیق اور مفید ابحاث کے لئے مرقاۃ جلد ہفتم صفحہ: ۳۱۸/ر دیکھنا چاہیے۔ (انوار المصابیح: ۲۰۷/۶، عمدۃ القاری: ۱۸۴/۶)

اپنے عمل سے روزی کمانے کی فضیلت

واحترف للمسلمین فیه: اسکے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) جو کماؤں گا وہ بیت المال میں داخل کروں گا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

(۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ خود بیت المال سے لوں گا اور مسلمانوں کے لئے کام کروں گا، یہ راجح ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "**باب کسب الرجل وعمله بیده**" قائم فرمایا یعنی آدمی کا خود کمانا اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور حدیث میں بتلایا گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے تجارت کے ذریعہ کماتے تھے بعد میں

انہوں نے بیت المال کے ذریعہ کمائی حاصل کرنا شروع کی، اس لئے کہ وہ جو کام کر رہے تھے وہ بھی مسلمانوں کے لئے ہی تھا تو ایک طرح کی وہ حرفت بھی تھی۔ (انعام الباری: ۱۲۰/۶، عمدۃ القاری: ۱۸۴/۶)

فائدہ: مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امیر مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے نفقہ لے سکتا ہے۔ (انعام الباری: ۱۲۱/۶)

{الفصل الثانی}

اجرت سے زائد لینا خیانت ہے

{۳۵۷۸} عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلىٰ عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۰۷/۲، باب فی ارزاق العمال، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۴۳۔

حل لغات: استعمله: عامل (حاکم) بنانا، کسی سے کام لینا، **رزق رزقا:** روزی دینا، رزق بہم پہنچانا، روزی دینا، راشن دینا، جیسے: **رزق الامیر جنده:** قرآن کریم میں ہے، **رزقه الله ولدا،** اللہ نے اسے بچہ عطا فرمایا، **الرزق:** روزی، رزق، روزینا، راشن۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کو ہم نے کسی کام پر حاکم بنایا پھر ہم نے اس کو اس کے کام کا وظیفہ دیا، اس کے بعد اس نے اس کے علاوہ جو لیا وہ خیانت ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم بیت المال کی خدمت کے لئے یا صدقات وغیرہ کی وصولی کے لئے جن لوگوں کو مقرر کرے گا، ان کو ان کے کام اور ذمہ داری کے اعتبار سے تنخواہ دے گا یہ

مقررہ تنخواہ لینا ان کے لئے جائز ہے، لیکن اگر اپنی تنخواہ کے علاوہ کچھ اور مال پوشیدہ طور پر لے رہے ہیں تو یہ خیانت ہے اور بہت بڑا گناہ ہے اس کی وجہ سے آخرت میں سخت ترین سزا ملے گی، اور ایسے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہوں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۸۱/۷)

عن بریدہ: یہ حضرت بریدہ ابن الحصیب اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں غزوہ بدر سے پہلے مشرف باسلام ہوئے لیکن اس غزوہ میں شرکت نہ کر سکے، البتہ بیعت رضوان میں بیعت کرنے والوں میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا اعلان قرآن کریم میں کیا ہے فرمایا: "**لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونك تحت الشجرة**" یہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں بعد میں بصرہ چلے گئے تھے اس کے بعد غازی کی حیثیت سے خراسان کی طرف نکلے اور یزید بن معاویہ کے دور میں مرو میں انتقال فرمایا یہ ۶۲۱ عیسوی تھا ان سے حدیث کی روایت کرنے والی ایک جماعت ہے۔

من استعملناہ علی عمل: یعنی حکومت و امارت کے کسی کام کو انجام دینے کے لئے مقرر کیا "**فرزقناہ رزقا**" کام کی مقررہ اجرت دی، "**فما اخذ بعد ذالك فھو غلول**" مقررہ اجرت کے علاوہ مزید لے لیا تو یہ خیانت ہے، "**لفظ غلول**" مطلق خیانت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن خاص طور پر مال غنیمت میں خیانت کے لئے مستعمل ہے، مال غنیمت میں خیانت عام چوریوں سے بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ اس میں بہت سے لوگوں کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں بیت المال سے چوری کرنا بھی مال غنیمت میں چوری کرنے کے مانند ہے، اس کی سزا بھی عام چوریوں کے مقابلے میں سخت ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۸۱/۷، بذل المجہود: ۱۲۰/۱۰)

عامل کی تنخواہ

{۳۵۷۹} **وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِي۔** (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۴۰۸/۲، باب فی ارزاق العمال، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۴۴۔

حل لغات: العمالہ: عین کو تینوں حرکت آتی ہیں، مزدوری، اجرت، مزدوری، پیشہ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں عامل ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اجرت عطا فرمائی۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اگر کوئی کام کرنے کے لئے دیا جائے اور اس پر کوئی تنخواہ مقرر کی جائے تو کام کرنے والے لئے تنخواہ لینا جائز ہے، یہ رزق حلال ہے دور سالت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو حکومت کے کاموں کا ذمہ دار بناتے ان کے کام کے اعتبار سے ان کو وظیفہ عطا فرماتے تھے۔ (فیض المشکوۃ: ۸۱/ ۷)

عملت: یعنی امارت اور حکومت کے کسی کام پر میں عامل (حاکم) ہوا۔

علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔

عملنی، ای اعطانی العمالۃ: عین کو تینوں حرکتیں جائز ہیں لیکن ضمہ زیادہ مشہور ہے معنی اجرت عمل کے ہیں، تورپشتی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی معنی بتائے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کبھی "**عملنی**" معنی میں "**ولانی وامرنی**" کے بھی ہوتا ہے یعنی مجھ کو حاکم بنایا، اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عبارت کی تقدیر یہ ہے، "**عملت فی امر المسلمین ومصالحھم عملا فاعطانی عمالتی**" [میں نے مسلمانوں کے امر اور مصالح سے متعلق کام کیا تو مجھ کو میرے کام کی اجرت عطا فرمائی] عبارت کی تقدیر اور معنوں کے احتمال اور بھی بیان کئے گئے ہیں۔ (انوار المصابیح: ۷۰۳/ ۶، بذل المجہود: ۱۲۱/ ۱۰)

بیت المال میں خیانت پر وعید

{۳۵۸۰} **وَعَنْ** مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِيْ أَثَرِيْ فَرُدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيْبَنَّ شَيْئاً بِغَيْرِ إِذْنِيْ فَإِنَّهُ غُلُوْلٌ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۴۸/۱، باب ماجاء فی ھدایا الامراء، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۳۵۔

حل لغات: سار: چلنا، چالو ہونا، جانا، **فی اثرہ:** اسکے پیچھے، اسکے بعد، **اصاف الشیء:** پالینا، **اصاب غرضہ:** مقصد پالینا، **اصاب الراحۃ:** آرام پانا، **امضی الشیء والوقت:** گذرنا۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یمن روانہ کیا، جب میں چل دیا تو میرے پیچھے ایک آدمی روانہ فرمایا اور مجھ کو واپس بلوایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں کیوں واپس بلوایا ہے؟ میری اجازت کے بغیر کسی سے کوئی چیز مت لینا، اس لئے کہ وہ لیا ہوا مال خیانت میں شمار ہوگا اور جو شخص کسی چیز میں خیانت کرے گا اور وہ اس کو لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا، یہی بات کہنے کے لئے میں نے تم کو بلوایا تھا، اب تم اپنے کام کے لئے ورانہ ہو جاؤ۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امراء کو لوگوں سے ہدایا وصول کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ امراء کو لوگ جو ہدایا پیش کرتے ہیں اس کے ذریعہ اپنا کوئی مقصد نکالنا منظور ہوتا ہے، اس لئے وہ ہدایا رشوت کے حکم میں ہوتے ہیں، لہٰذا ہدیہ قبول نہ کیا جائے، البتہ فقہاء نے تمام روایات کی روشنی میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس کے قاضی وامیر بننے سے پہلے ہدیہ دیا کرتا تھا، وہی شخص اب بھی ہدیہ لارہا ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے سابقہ تعلق کی وجہ سے لارہا ہے، ایسی صورت میں ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، لیکن ایک شخص قاضی کے پاس اس کے قاضی بننے سے پہلے تو کبھی ہدیہ نہیں لاتا تھا، اب قاضی بننے کے بعد روزانہ صبح وشام قاضی کی خدمت میں ہدیہ لے جاتا ہے، تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ قاضی کی ذات کی وجہ سے ہدیہ نہیں دے رہا ہے، بلکہ اس کے منصب کی وجہ سے دے رہا ہے، اس لئے وہ رشوت کے حکم میں داخل ہے، جو کہ ناجائز ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۸۲/۷، شرح الطیبی: ۲۴۰/۷)

لا تصیبن شیئا بغیر اذنی: جس ملک میں تم قاضی بن کر جارہے ہو اگر وہاں لوگ تم کو ہدایا پیش کریں تو ان کو مت لینا، کیوں کہ یہ ہدایا رشوت ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ حاکم کو آج ہدیہ دیا ہے اور آج ہی اپنی غرض لے کر ہدیہ دینے والا پہنچے، کچھ مدت گذرنے کے بعد بھی سابقہ ہدیہ کے ذریعہ اپنی غرض

پوری کرنے جاسکتا ہے، جس طرح حکام اور قاضیوں کو ہدیہ لینے کی ممانعت ہے اسی طرح صدقات وصول کرنے پر مقرر عاملین کے لئے بھی ہدایا قبول کرنا جائز نہیں ہے، دور رسالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس ایک عامل صدقات لے کر آئے اور آنحضرت ﷺ سے بتایا کہ یہ مال صدقہ کا ہے، اور یہ مال مجھ کو ہدیہ میں ملا ہے، آنحضرت ﷺ یہ سن کر منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنا کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا بعض عامل ایسے ہیں کہ ہم ان کو بھیجتے ہیں تو وہ آ کر بتاتے ہیں کہ یہ مال صدقہ کا ہے، اور یہ مال مجھ کو بطور ہدیہ ملا ہے، پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ شخص گھر کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس قسم کا مال غلول ہے، یعنی خیانت اور ناجائز ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے اس کا انجام بیان فرمایا۔ (فیض المشکوۃ: ۸۲/۷، مرقاۃ: ۱۵۳/۴)

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وزراء اور سربراہوں کو دوسرے ملک جانے پر جو ہدایا ملتے ہیں وہ بھی سرکاری مال ہیں کیونکہ انکو وہ ہدیہ ملک کا صدر یا وزیر ہونے کی حیثیت سے ملا ہے، مگر آجکل کوئی خزانۂ سرکار میں داخل نہیں کرتا خود رکھ لیتا ہے یہ خیانت ہے، پھر جب دوسرے ملک کا کوئی وزیر یا صدر آتا ہے تو سرکاری خزانہ سے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۲۶۰/۴)

بیت المال سے عاملین کو ملنے والی مراعات

{٣٥٨١} وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذَالِكَ فَهُوَ غَالٌّ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۰۸/۲، باب فی ارزاق العمال، کتاب الخراج والامارۃ، حدیث نمبر: ۲۹۴۵۔

حل لغات: اکتسب: باب افتعال، حاصل کرنا۔

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو ہم عامل مقرر کریں تو اس کو چاہئے کہ وہ شادی کرلے، اور اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو ایک خادم حاصل کرلے، اور اگر اس کے پاس رہنے کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مکان لے لے اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے اس کے علاوہ لیا، اس نے خیانت کی۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیت المال کے عامل کو بیت المال کی جانب سے کچھ سہولتیں اس کی خدمت کے عوض میں ملیں گی۔

(۱) اگر وہ شادی کرنا چاہتا ہے تو شادی کرلے، بیوی کا مہر، اس کا نان ونفقہ اور دیگر لازمی اخراجات بیت المال کے ذمہ ہوں گے۔

(۲) اگر مکان نہیں ہے تو مکان حاصل کرلے، مکان کی مناسب قیمت بیت المال سے ادا کی جائیگی۔

(۳) کوئی خادم نہیں ہے تو خادم رکھ لے، اس پر جو خرچہ ہوگا وہ بھی بیت المال ادا کریگا۔

بیت المال سے ان ہی ضروریات سے متعلق خرچہ لینا چاہئے، مزید لینے کی صورت میں خیانت کرنے والا شمار ہوگا، جس کی قیامت کے دن سخت سزا ملے گی، بعض محدثین نقل کرتے ہیں کہ یہ مراعات ان عاملین کیلئے ہیں، جن کی کوئی تنخواہ مقرر نہ ہو، چنانچہ ایسی صورت میں بیت المال ان کی مذکورہ ضروریات پوری کرے گا۔ (الدرالمنضود: ۱۰۱/ ۵، بذل المجہود: ۱۲۱/ ۱۰)

عن المستورد: راء کو کسرہ ہے، "ابن شداد" پہلا دال مشدد ہے یہ حضرت مستورد قہری قریشی صحابی ہیں مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت یہ بچے تھے لیکن آنحضرت ﷺ سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے۔

خیانت پر وعید

{۳۵۸۲} **وَعَنْ** عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ مَخِيْطًا فَمَا فَوْقَهٗ فَهُوَ غَالٌّ يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ

الْاَنْصَارِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ اِقْبَلْ عَنِّیْ عَمَلَكَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ ذَالِكَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰی عَمَلٍ فَلْیَأْتِ بِقَلِیْلِهٖ وَكَثِیْرِهٖ فَمَا اُوْتِیَ مِنْهُ اَخَذَهٗ وَمَا نُهِیَ عَنْهُ انْتَهٰی۔ (رواه مسلم وابوداؤد واللفظ له)

حواله: مسلم شریف: ۱/ ۱۲۴، باب تحریم هدایا العمال، کتاب الامارة: حدیث نمبر: ۱۸۳۳، ابو داؤد شریف: ۲/ ۵۰۴، باب فی هدایا العمال، کتاب الاقضیة، حدیث نمبر: ۳۵۸۱۔

حل لغات: کتمنا: (ض) کتما: چھپانا، مخیطا: سلائی کا آلہ، جیسے سوئی، فوق: ضد، تحت: بلندی اور ارتفاع کے لئے، برائے زیادتی جیسے، لعشرة فوق التسعة، نهی عن الشیٔ: روکنا، جھڑکنا، انتهی عن الشیٔ: باز آنا۔

ترجمه: حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! تم میں جو کوئی بھی ہمارے کسی عمل پر عامل بنایا گیا، پھر اس نے اس میں سے ایک سوئی کے برابر یا اس سے کچھ زائد ہم سے چھپایا تو وہ خیانت کرنے والا ہے، وہ قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا، انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھ سے اپنا کام واپس لیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کیوں؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں یہ بات کہتا ہوں کہ جس شخص کو ہم نے کسی کام پر عامل مقرر کیا تو اسکو چاہئے کہ وہ اسکا کم اور زیادہ سب کچھ لے کر آئے، اس کے بعد اس میں سے جو اس کو دیا جائے وہ لے اور جس سے روک دیا جائے رک جائے۔ (مسلم، ابو داؤد) الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیت المال کے عامل کو جو کچھ بھی ملے، سب لا کر بیت المال میں جمع کرے، پھر حاکم اس کی مقررہ تنخواہ یا جو بھی مناسب معاوضہ دے وہ لے، از خود تصرف کرنا حرام ہے، اگر حاکم کی اجازت کے بغیر بیت المال میں سے ادنیٰ سی چیز بھی لی تو اس کی بنا پر قیامت کے دن سخت شرمندگی ہوگی، جو چیز بطور خیانت لی ہوگی وہ گردن میں لٹکی ہوگی اور اعلان ہوگا کہ یہ خائن کی

خیانت ہے۔(فیض المشکوۃ: ۸۴/ ۷،شرح الطیبی: ۱۴۱/ ۷)

عن عدی: عین مفتوح دال مکسور یاء مشدد ہے،"**ابن عمیرۃ**، عین مفتوح میم مکسور ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رجال میں کوئی ایک بھی ایسا جانا نہیں جاتا جوعمیرہ عین کے ضمہ کے ساتھ ہو بلکہ سب کے سب فتحہ کے ساتھ ہیں جبکہ نسائی میں دونوں امر واقع ہوئے ہیں، صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ یہ کندی خضرمی صحابی ہیں کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی پھر جزیرہ تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا ان سے قیس ابن حاتم وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو "**من استعملناہ الخ**" فرمایا یہ دوبارہ معنی کی مزید وضاحت کے لئے ہے نیز یہ کہ اس لئے بھی انصاری صحابی کی بات سنکر یہ فرمایا ہے کہ ہاں میں نے جو کہا ہے وہ اب بھی کہتا ہوں اور وہ کون ایسی بات نہیں ہے کہ جس سے رجوع کی گنجائش ہو پس جس کے بس میں ہو ایسی احتیاط تو وہ یہ کام کرے اور جو اس پر قادر نہ ہو اسکو چھوڑ ہی دینا چاہئے،"**واللفظ لہ**"یعنی روایت کا مفہوم مع راوی کے مسلم میں بھی موجود ہے البتہ اس کے الفاظ داؤد کے ہیں اور ابوداؤد والی روایت کے الفاظ کو اختیار کرنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ وہ مقصود کے لئے زیادہ مفید ہے۔ واللہ اعلم۔

(تکملہ فتح الملہم: ۲۵۹/ ۹،انوار المصابیح: ۱۰۵/ ۶)

رشوت لینے اور دینے پر لعنت

{۳۵۸۳} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ۔ (رواہ ابوداؤد) وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْهُ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشَ یَعْنِیْ یَمْشِیْ بَیْنَهُمَا۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۰۴/۲، باب فی کراھیۃ الرشوۃ، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۸۰، ابن ماجہ: ۱/ ۶۷، باب التغلیظ فی الحیف، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۱۳، ترمذی شریف: ۱/ ۲۴۸، باب ماجاء فی الراشی، کتاب الاحکام، حدیث

نمبر:۱۳۳۷، بیھقی فی شعب الایمان: ۳۹۰/۴، حدیث نمبر: ۵۵۰۳، مسند احمد: ۱۶۴/۲۔

حل لغات: رشی فلانا: رشوت دینا، **ارتشی منہ:** رشوت لینا، **المرتشی:** رشوت خور۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابو داؤد) اس روایت کو ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس کو احمد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور "**رائش**" کا اضافہ کیا ہے، یعنی وہ شخص جو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے درمیان چلتا ہے۔ (یعنی رابطہ کار)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رشوت یعنی وہ مال جو حق کو باطل کرنے اور باطل کو حق بنانے کے لئے خرچ کیا جائے ناجائز اور حرام ہے، جو شخص رشوت لے گا یا دے گا، یا جو شخص رشوت لینے اور دینے والوں کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بنے گا سب پر لعنت ہوگی، یعنی یہ سب کے سب اللہ کی رحمت سے دور ہو کر اللہ کے غضب کا شکار ہوں گے، اور دنیا و آخرت دونوں جہان میں ہلاک و برباد ہوں گے۔
(فیض المشکوۃ: ۸۴/۷، شرح الطیبی: ۱۴۲/۷)

ابن عمرو: یہ واؤ کے ساتھ ہے۔

الراشی والمرتشی: رشوت وہ مال یا وہ چیز ہے جو کسی حق کو باطل کرنے یا کسی باطل کو حق کرنے کے لئے دیا جائے۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بہر حال وہ مال جو کسی حق کو حاصل کرنے یا کسی ظلم کو دفع کرنے کے لئے دیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح اس مال کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں جو صاحب حق کو حق تک پہنچانے والا لے لیکن اس میں مناسب یہ ہے کہ قاضیوں اور والیوں کے علاوہ لوگوں کے ذریعہ ہو اسلئے کہ صاحب حق کو حق دلانا تو ان لوگوں کے فرائض میں داخل ہے، اس لئے یہ تو ان پر واجب ہی ہے، اسی لئے ابن ملک نے ان کے لئے اس کو جائز نہیں کہا، "**زاد الرائش**" رائش کا دونوں کے درمیان چلنے کا مطلب اور معنی یہ ہیں کہ وہ جو دونوں کے درمیان رشوت کے معاملہ میں کوشش

کرتا ہے، مثلا رشوت کی مقدار میں کمی کرواتا ہے، یا اس کی مقدار میں زیادتی کرواتا ہے۔
(مرقاۃ: ۱۵۳/ ۴، انوار المصابیح: ۲۰۷/ ۶)

رشوت کی تعریف

رشوت وہ مال ہے جو کسی کے حق کو باطل کرنے کیلئے دیا جائے اور باطل کی معاونت میں دیا جائے، اگر ظلم کو دفع کرنے اور حق کو ثابت کرنے کیلئے دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اگر چہ لینے والے کیلئے پھر بھی حلال نہیں ہے۔ (شرح الطیبی: ۲۴۲/ ۷، مظاہر حق: ۵۵۰/ ۴)

حلال مال نعمت ہے

{۳۵۸۴} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اجْمَعْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ وَثِيَابَكَ ثُمَّ ائْتِنِيْ قَالَ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ يَا عَمْرُو اِنِّيْ اَرْسَلْتُ اِلَيْكَ لِاَ بْعَثَكَ فِيْ وَجْهٍ يُسَلِّمُكَ اللهُ وَيُغَنِّمُكَ وَاَزْعَبُ لَكَ زُعْبَةً مِنَ الْمَالِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا كَانَتْ هِجْرَتِيْ لِلْمَالِ وَمَا كَانَتْ اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ قَالَ نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ. (رواه فی شرح السنة) فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى اَحْمَدُ نَحْوَهٗ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ.

حوالہ: احمد: ۱۹۷/۴، بغوی فی شرح السنة، باب الرشوة والهدية للقضاء، كتاب الامارة والقضاء، حديث نمبر: ۲۴۹۵۔

حل لغات: الوجه: کثیر معنی ہیں اس لفظ کے ان میں چند یہ ہیں، سمت، جانب، طرف، گوشہ، پہلو، اور راستہ، **زعب الشيئ:** الگ کرنا، **زعب من ماله زعبة:** اس نے اپنے مال میں سے ایک حصہ الگ کر دیا یا ایک مقدار نکال کر دیدیا، **الزعبة:** مال کا ایک حصہ، **نعم:** فعل مدح جس کے دیگر صیغے نہیں آتے اور اپنے مابعد اسم کی مدح کے لئے آتا ہے جیسے: **نعم الفتی ونعم الفتاة:** جوان بہت

اچھااورلڑکی بہت خوب ہے، قرآن کریم میں "نعم العبد انہ اواب" کیا ہی اچھے بندے تھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے،"نعم اجر العاملین: عمل کرنے والوں کا اجر کتنا اچھا ہے، اس کے ساتھ کبھی ما کا اضافہ کرکے "نعما: کہا جاتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے:"ان تبدوا الصدقات فنعما ھی" اگر تم اعلانیہ اور ظاہر کرکے صدقات دو تب بھی یہ بہتر ہے، اصل میں نعم ما: ہے میم کو میم میں مدغم کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس یہ حکم بھیجا کہ تم اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑے اکٹھا کرلو، پھر میرے پاس آؤ، راوی کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جس وقت حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرو! میں تمہارے پاس حکم بھیج کر تمہیں اس غرض سے بلایا ہے کہ تمہیں ایک طرف بھیجوں، اللہ تعالیٰ تم کو محفوظ رکھے اور تم کو غنیمت عطا کرے، میں بھی تمہارے لئے مال کا ایک حصہ الگ کئے دیتا ہوں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری ہجرت حصول مال کے لئے نہیں تھی، میں نے صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہے اچھا مال اچھے آدمی کیلئے۔ (شرح السنۃ) احمد نے بھی اسی کے مانند روایت نقل کی ہے، اور ان کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا مال ہے اچھے آدمی کیلئے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مال کی ہر ایک کو ضرورت پڑتی ہے ایسے میں اگر پاکیزہ مال حاصل ہو رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، پھر وہ مال جس کے پاس پہنچ رہا ہے وہ بذات خود نیک ہے، مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرے گا تو اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے، اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ کے بندوں کے حقوق ادا ہوں گے۔

(فیض المشکوۃ: ۸۵/۷، شرح الطیبی: ۲۴۲/۷)

ماکانت ہجرتی: یعنی میرا ایمان خالص رضاء الٰہی کے لئے تھا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حبشہ سے خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی (جبکہ بعض حضرات کے نزدیک انہوں نے ۸ رہجری میں اسلام قبول کیا تھا تفصیل کے لئے کتب سیرت کی طرف رجوع کریں)

اچھا مال وہ ہے جو حلال ذریعہ سے کمایا گیا ہو اور اچھے مقامات پر صرف ہو اور نیک آدمی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کی نگہبانی کرے۔ (شرح الطیبی: ۲۴۳/۷، مظاہر حق: ۵۵۱/۴)

فائدہ: (۱) مال اگر صحیح مصرف پر صرف کیا جائے تو مال حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔
(۲) وضو کے دوران ضروری بات کرنا جائز ہے۔

{الفصل الثالث}

سفارش کا تحفہ رشوت ہے

{۳۵۸۵} عَنْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَۃً فَاَھْدٰی لَہٗ ھَدِیَّۃً عَلَیْھَا فَقَبِلَھَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِّنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۴۹۹/۲، باب فی الهدیة لقضاء الحاجة، کتاب البیوع والاجارات، حدیث نمبر: ۳۵۴۱۔

حل لغات: شفع بفلان الی فلان: کسی سے کسی کی شفارش کرنا۔ اهدی الهدیة الی فلان وله اعزازاً: کسی کو ہدیہ یا تحفہ دینا۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی شخص کے لئے سفارش کی، پھر اس نے سفارش کرنے پر کوئی ہدیہ دیا اور سفارش کرنے والے نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے پر آگیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفارش کرنے والے کو احتیاطاً اس شخص سے ہدیہ بھی نہیں لینا چاہئے جس کی سفارش کی ہے، اس لئے کہ اس ہدیہ میں رشوت کی بو آتی ہے، اور چوں کہ ہدیہ بلا کسی عوض کے ملا ہے، اس لئے اس میں سود کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہے، بہر حال بہتر یہی ہے کہ ایسے ہدیہ سے

گریز کیا جائے۔ (فیض المشکوۃ:۸۶ / ۷، شرح الطیبی: ۲۴۴ / ۷)

من شفع لاحد شفاعۃ: جس نے کسی سے کسی کی سفارش کی، جس سفارش کا کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے، حدیث میں اس کو سخت گناہ وحرام فرمایا ہے، اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے خواہ وہ مالی ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے، تفصیل کشاف وغیرہ میں ہے، کہ شفاعت حسنہ وہ ہے جس کا منشا کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا ہو یا اس کو کوئی جائز نفع پہنچانا یا مضرت یا نقصان سے بچانا ہو یہ سفارش کا کام بھی کسی دنیوی جوڑ توڑ کے لئے نہ ہو، محض اللہ کے لئے کمزور بندہ کی رعایت مقصود ہو اور اس سفارش پر کوئی رشوت مالی یا جانی نہ لیجائے، اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں بھی نہ ہو، نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کے لئے نہ ہو جس کی سزا قرآن کریم میں معین ومقرر ہے، تفسیر بحر محیط اور مظہری وغیرہ میں ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعت حسنہ میں داخل ہے اور دعا کرنے والے کو بھی اجر ملتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے کوئی دعائے خیر کرتا تو فرشتہ کہتا ہے "**ولك بمثل**" یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی حاجت پوری فرمائیں۔

فاہدی لہ ہدیۃ: سفارش کرنے والے کو سفارش کے عوض میں ہدیہ پیش کیا۔

فقبلہا: سفارش کرنے والے نے یہ ہدیہ قبول کرلیا۔

فقد اتی بابا عظیما من ابواب الربا: سفارش کرنے کا معاوضہ لینا سود کے دروازے پر آنا ہے۔

یہاں اس ہدیہ کو سود سے اس لئے تعبیر کیا کہ سود ایسی زیادتی کو کہتے ہیں جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں ہوتا، یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ (مرقاۃ: ۱۵۴ / ۴، فیض المشکوۃ: ۸۶ / ۷)

{باب الاقضیۃ والشہادات}

فیصلوں اور شہادتوں سے متعلق احادیث مبارکہ

تشریح وتحقیق: الاقضیۃ: القاموس الوحید میں لکھا ہے کہ، **الاقضیۃ، القضاء:** کی جمع ہے، اور **القضاء:** کے معنی فیصلہ، جج منٹ، ادائیگی قاضی کا منصب عدالتی حکم، تقدیر وغیرہ، **القضیۃ:** کے معنی فیصلہ مقدمہ وہ مسئلہ جو فیصلہ کے لئے جج کے پاس لے جایا جائے مختلف فیہ یا نزاعی مسئلہ، اور اس کی جمع "**قضایا**" ہے نہ کہ "**اقضیۃ**" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "**الاقضیۃ ھی ماترفع الی الحاکم**" یعنی حاکم کے سامنے جو معاملے فیصلہ کے لئے پیش کیے جائیں وہ "**الاقضیۃ**" ہیں، صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے قضیہ اس واردات کو کہتے ہیں جس کو حاکم کے سامنے فیصلہ کے لئے پیش کیا جائے۔ (مرقاۃ: ۱۵۵/۴)

اس باب کے تحت اٹھائیس (۲۸) روایتیں درج کی گئی ہیں، جن میں مدعی سے گواہی کا مطالبہ، عدالت میں جھوٹی گواہی کا مطالبہ، عدالت میں جھوٹی گواہی اور ناحق جھگڑنے پر وعید، گواہ نہ ہونے پر مدعی علیہ سے قسم، بہترین گواہ کا بیان، قابض کے حق میں فیصلہ، غیر معتبر گواہوں کی نشاندہی، فریقین کے عدالت میں قاضی کے سامنے بیٹھنے کا طریقہ وغیرہ مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

شہادات شہادۃ کی جمع ہے، بمعنی مشاہدے سے کسی چیز کی صحت کی خبر دینا اصطلاح میں شہادت بلفظ گواہی مجلس حکم میں سچی خبر دینا، حقیقت حال جاننے کا بہترین ذریعہ گواہی اور قسم ہے، کیونکہ صورت حال کا پتہ یا تو اس شخص کی اطلاع سے ہو سکتا ہے جو واقعہ میں حاضر تھا، یا جو شخص واقعہ سے واقف ہے وہ قسم کھا کر اطلاع دے کیونکہ جب وہ قسم کھا کر بتلائے گا تو ظن غالب یہ قائم ہوگا وہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں فیصلہ کا مدار انہیں دو باتوں پر رکھا گیا ہے۔

{الفصل الاول}

گواہوں کے بغیر دعویٰ کا اعتبار نہیں

{۳۵۸۶} **عَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاھُمْ لَادَّعٰی نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالَھُمْ وَلٰکِنِ الْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ۔ (رواہ مسلم) وَفِیْ شَرْحِہٖ لِلنَّوَوِیِّ اَنَّہٗ قَالَ وَجَاءَ فِیْ رِوَایَۃِ الْبَیْھَقِیِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ اَوْ صَحِیْحٍ زِیَادَۃٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً لٰکِنِ الْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۷۴، باب الیمین علی المدعی علیہ، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ کی بنا پر دے دیا جائے، تو البتہ بعض لوگ کچھ لوگوں کے خون اور مالوں کا دعویٰ کر دیں گے، لیکن جس پر دعویٰ ہوا اس پر قسم کھانا ہے۔ (مسلم) اور مسلم شرح نووی میں ہے کہ انہوں نے کہا بیہقی کی روایات میں جو کہ حسن سندوں سے یا صحیح سندوں سے منقول ہیں ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پر مرفوعاً یہ اضافہ مذکور ہے، کہ لیکن گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم کھانا اس شخص کا حق ہے جو انکار کرے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی مقدمہ قاضی کے یہاں پیش ہوگا تو قاضی دعویٰ دار کے صرف دعویٰ کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کرے گا، بلکہ مدعی کو اس بات کا مکلف کرے گا کہ وہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے شرعی گواہ پیش کرے، اگر وہ شرعی گواہ پیش کرتا ہے تو گواہ وثبوت کی بنا پر اسکے حق میں فیصلہ ہوگا، اور اگر وہ شرعی شہادت پیش کرنے سے عاجز ہے تو قاضی مدعی علیہ کو اس

بات کا مکلف کرے گا کہ وہ قسم کھائے کہ اس پر جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ غلط ہے، اگر وہ قسم کھاتا ہے تو اسکے حق میں فیصلہ کیا جائے گا حاصل یہ ہے کہ دعویٰ پر گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے، جب کہ قسم کھا کر اپنی برأت کا اظہار کرنا مدعی علیہ کا حق ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۸۷/۷، شرح الطیبی: ۲۴۴/۷)

سوال: کیا مدعی علیہ ہر صورت میں قسم کھائے گا؟

جواب: حدیث مذکور کی بنا پر جمہور کہتے ہیں کہ ہر اس صورت میں جبکہ مدعی اپنے دعویٰ پر بینہ پیش نہیں کر سکے گا، مدعی علیہ قسم کھائے گا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان مخالطت ہے یعنی معاملات وغیرہ ہیں اور اس صورت میں مدعی اپنے دعوی پر بینہ پیش نہیں کر سکا تو مدعی علیہ قسم کھائے گا لیکن اگر کوئی مخالطت نہیں ہے تو قسم نہیں کھائے گا، اس لئے کہ بیوقوف لوگ دن بھر میں کئی بار اہل فضل کے خلاف دعویٰ کریں گے پھر بینہ پیش نہیں کر سکیں گے، تو اہل فضل کو قسم کھانا پڑے گی یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوگی۔ (فیض المشکوۃ: ۸۷/۷، شرح الطیبی: ۲۴۵/۷)

فائدہ: یہ حدیث ایک بڑا قاعدہ ہے جس سے ہزاروں جھگڑوں کا فیصلہ کرنا معلوم ہوگیا جب کوئی دعویٰ کرے اور مدعی علیہ منکر ہو تو مدعی سے گواہ مانگیں گے، اگر وہ گواہ نہ لا سکے تو مدعی علیہ سے قسم لیں گے پھر اگر وہ قسم کھائے تو دعوی سے پاک ہوا اور جو قسم نہ کھائے تو دعویٰ ثابت ہوگیا، اور اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ ہر مدعی علیہ سے قسم لی جائیگی خواہ مدعی سے اس کا تعلق اور اختلاط ہو یا نہ ہو اور امام مالک اور فقہائے سبعہ مدینہ کا یہ قول ہے کہ مدعی علیہ سے اس وقت قسم لیں گے جب اس سے اور مدعی سے کوئی معاملہ یا کاروبار یا تعلق ہو ورنہ ہر ایک کمینہ اور پاجی شریف اور بڑے آدمیوں سے بار بار قسم لے گا مگر اس قول کی کوئی دلیل کتاب یا سنت یا اجماع سے نہیں ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی: ۳۴۰/۴)

جھوٹی قسم کھانے کی سزا

{۳۵۸۷} **وَعَنْ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلىٰ يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ

بِهَا مَالَ اِمْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيْقَ ذَالِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِيْلاً اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۵۲، باب قولہ تعالیٰ ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۵۴۹، مسلم شریف: ۱/۸۰، باب وعید من اقتطع حق مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۳۸۔

حل لغات: الصبر: قوت، برداشت، تحمل، قید، کہتے ہیں، **قتلہ صبرا:** اسے قید کر کے مار دیا، قید میں اتنا بھوکا پیاسا رکھا کہ مر گیا، **حلف صبرا:** اس نے قید ہونے کی حالت میں حلف اٹھایا ورنہ اسے قتل کر دیا جاتا، **فجر فی یمینہ:** جھوٹی قسم کھانا، **الاقتطاع:** کٹوتی، **اقتطع مال فلان:** اپنے لئے لینا، **غضب علیہ:** کسی پر غصہ ہونا، **ھو غضبان:** تنوین کے ساتھ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے جھوٹی قسم اس غرض سے کھائی کہ اسکے ذریعہ سے کسی مسلم کا مال ہڑپ کر لے، چونکہ قسم کھانے والا اپنی قسم میں جھوٹا ہے، اسلئے وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں آیت نازل فرمائی، "**ان الذین یشترون الخ**"، بلاشبہ وہ لوگ خرید لیتے ہیں اللہ کے عہد اور قسموں کے بدلہ تھوڑی قیمت الخ۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا جرم ہے، پھر اس سے مقصود مسلمان کا مال ہڑپ کرنا ہو تو اور بڑا جرم ہے، اس کی وجہ سے جنت سے محرومی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ سے جب ملاقات ہوگی تو وہ سخت ناراض ہوں گے اگر کسی نے جھوٹی قسم کے ذریعہ سے کسی کا مال ہڑپ کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ توبہ کرے، اور جس کا مال لیا ہو اس کو واپس کر دے، اگر مالک نہیں ہے تو اس کے ورثاء کو دے دے یہ ممکن نہ ہو تو غرباء میں تقسیم کر دے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۸۸، شرح الطیبی: ۷/۱۴۵)

من حلف یمین صبر: حاکم کسی کو قید کر لے اور کہے کہ جب قسم کھاؤ گے تب آزادی ملے گی ایسی صورت میں جھوٹی قسم نہ کھانا چاہئے، لیکن کسی نے مال کے لالچ میں قسم کھالی، بعض لوگوں نے یہ تشریح کی

ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ "**یمین صبر**" سے مراد جھوٹی قسم ہے یعنی جس نے جھوٹی قسم کھائی اس نے جھوٹی قسم پر اپنے آپ کو قید کرلیا، حاکم کا قید کرنا مراد نہیں ہے یمین صبر اور یمین غموس ایک ہی قسم ہے یعنی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، اس قسم پر کفارہ نہیں ہے اسکی آخرت میں سخت سزا مقدر ہے۔ "**وھو فیھا فاجر**" اس جز سے جھوٹی قسم "**یمین صبر**" کی انتہائی قباحت بیان کرنا مقصود ہے جھوٹی قسم کھانے والے نے کئی غلط کام کئے۔

(۱) غیر کا مال ہڑپ کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا، کیوں کہ اس نے اللہ کے حق کی حرمت کا خیال نہیں رکھا۔

(۳) جھوٹی قسم کھائی، جھوٹی قسم کی سزا بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"**من اقتطع حق امرء مسلم بیمینہ فقد اوجب اللہ لہ النار وحرم علیہ الجنۃ فقال لہ رجل وان کان شیئا یسیرا یا رسول اللہ قال وان قضیب من اراك**" (**مسلم**)

جو شخص مسلمان کے حق کو اپنی قسم کے ذریعہ ہڑپ کرلے تو اس کے لئے اللہ نے جہنم واجب کردی اور اس پر جنت حرام کردی، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ چیز معمولی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہے وہ پیلو کے درخت کی شاخ کیوں نہ ہو۔

لقی اللہ وھو علیہ غضبان: وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس سے ناراض ہوگا۔ یہ اس وقت ہے جب توبہ کے بغیر اور صاحب حق کا حق ادا کئے بغیر مرگیا۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ اشعث بن قیس ایک دن ابووائل سے پوچھنے لگے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ سے کیا حدیث بیان کی ہے ابووائل نے بتایا کہ ایسی ایسی حدیث جو اوپر گذری ہے مراد ہے تو اشعث نے کہا کہ یہ آیت "**ان الذین یشترون بعھد اللہ الخ**"۔ [جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کرکے تھوڑی سی قیمت حاصل کرلیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور قیامت کے دن نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کریگا نہ انہیں (رعایت کی نظر سے) دیکھے گا

نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا انتہائی دردناک](سورۃ آل عمران) تو میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، میرا چچازاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا، میں نے اس کے متعلق دعویٰ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا گواہ لاؤ ورنہ اس سے قسم لے لو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ تو قسم کھالے گا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائے گا تو جب وہ اللہ سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوں گے۔

(فیض المشکوۃ: ۸۸/۷، کشف الباری: ۱۱۸/۹)

جھوٹی قسم کھانے والا جہنمی ہے

{۳۵۸۸} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِیَمِیْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ کَانَ شَیْئًا یَسِیْرًا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ کَانَ قَضِیْبًا مِنْ اَرَاكٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۸۰/۱، باب وعید من اقتطع حق مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۳۷۔

حل لغات: الیسیر: آسان تھوڑا، معمولی، القضیب: کٹی ہوئی شاخ، چھڑی، (ج) قضبان۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ذریعہ ہڑپ کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جہنم کو واجب کردیا، اور جنت کو حرام کردیا، تو ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ وہ معمولی چیز ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی شاخ کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کا مال ہڑپ کرنا بہت بڑا جرم ہے، جو شخص حق دار کو حق ادا کئے بغیر اور توبہ کئے بغیر مرگیا اس کے لئے جہنم کی بدترین سزائیں مقدر ہوں گی، اور وہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۸۹/۷، شرح الطیبی: ۲۴۶/۷)

اوجب اللہ لہ: اس کی تاویل دوطرح کی گئی ہے۔

(۱) اس کو حلال جان کر ایسا کیا اور اسی پر موت آگئی۔

(۲) مطلب ہے کہ وہ آگ کا حقدار ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف بھی کردیں یا اس پر شروع میں جنت کا داخلہ حرام کردیں کہ وہ ابتداءً نجات پانے والوں میں شامل نہ ہو۔ ذمی کے مال کا بھی یہی حکم ہے جو مسلمان کے مال کا ہے۔ (شرح الطیبی: ۲۴۶/ ۷، مظاہر حق: ۵۵۸/ ۴)

سوال: جب یہ بات فرمادی کہ اس کے لئے جہنم واجب ہے تو اس سے خود جنت کے حرام ہونے کا مفہوم نکلتا ہے پھر اس کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟

جواب: پہلے جملے سے جہنم میں ہمیشہ رہنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلقاً جہنم میں جانا معلوم ہوتا ہے، دوسرے جملہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ دائمی طور پر جہنم میں رہے گا۔

سوال: مسلمان ہے تو کبھی نہ کبھی تو جنت میں پہنچے گا، جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے، پھر ہمیشہ جہنم میں رہنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جو شخص مسلمان کا مال حلال سمجھ کر غصب کرے اس کے لئے وعید ہے۔ "**وان کان قضیباً من اراك**" مسواک بہت معمولی اور بے قیمت چیز ہے، اس کو مثال میں ذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ مال مسلم قلیل ہو یا کثیر اس کا غصب کرنا بہرحال بہت بڑا جرم ہے۔

(شرح الطیبی: ۲۴۶/ ۴، فیض المشکوۃ: ۸۹/ ۷)

فائدہ: مسلمانوں کی حق تلفی کتنا بڑا گناہ ہے، اور دوسرے جھوٹی قسم کھا کر معاذ اللہ اس کی سزا یہی ہے کہ جنت سے محروم ہو جائے اور جہنم میں جائے، اب چاہے یہ حق ذرا سا ہو یا بہت ہر حال میں یہی سزا ہے، کیونکہ اس نے اسلام کے حق کو نہیں پہنچانا اور خدا کے نام کی عظمت بھی نہ کی۔ باقی چونکہ وہ مسلمان بھی ہے جس کی وجہ سے کبھی نہ کبھی سزا پا کر جنت میں ضرور جائیگا۔

اسلئے حدیث کا مطلب یا تو یہ ہے کہ وہ اسکو حلال جان کر کرے اور حرام کو حلال جاننا کفر ہے جسکی سزا دخول فی النار ہے جبکہ اس نے اپنے اس عقیدہ سے مرنے سے پہلے توبہ بھی نہ کی ہو۔

یا مطلب یہ ہے کہ جنت میں دخول اولی مراد ہے، کہ اولین جنت میں داخل ہونے والوں

میں داخل نہیں ہوسکے گا بلکہ جہنم میں سزا بھگت کر پھر جنت میں جائے گا۔

چرب زبانی سے حاصل کیا ہوا ناحق مال حلال نہیں ہوتا

{۳۵۸۹} وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۳۰، کتاب الحیل، حدیث نمبر: ۶۹۶۷، مسلم شریف: ۲/۷۴، باب الحکم بالظاھر، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۳۔

حل لغات: **اختصم القوم:** باہم جھگڑنا، **لحن فلان لحناً:** اپنی دلیل کے ہر پہلو یا نشیب و فراز سے واقف ہونا، حدیث میں ہے، **لعل بعضکم الخ:** یعنی صاحب لغت نے اسی حدیث کو مثال میں پیش کیا ہے، **نحوت نحوہ:** اس کے نقش قدم پر چلا، **نحو فلان:** کسی کے نقش قدم پر چلنا، طریقہ طرز، مانند، مثل مقدار گوشہ وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں انسان ہوں، اور بلاشبہ تم لوگ میرے پاس جھگڑا لاتے ہو، ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے فریق کے مقابلہ میں اپنی دلیل پیش کرنے کے سلسلہ میں زیادہ فصیح و بلیغ ہو، پھر میں اس کے حق میں جو کچھ سنوں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں، تو میں جس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو لے نہیں کیونکہ اس طرح میں اس کو جہنم کا ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر ظاہری دلائل کی بنیاد پر قاضی نے کسی فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا، جب کہ حقیقت کے اعتبار سے اس کے حق میں فیصلہ نہ ہونا چاہئے تھا، ایسے میں قاضی کے فیصلہ سے جو چیز حاصل ہوئی ہے اس کے استعمال کا اس کو حق نہیں ہوگا، لہٰذا قاضی کے فیصلہ سے جو ناحق چیز مل گئی ہے اس کو حق دار کے سپرد کر دینا چاہئے، ورنہ شئ حرام کے استعمال کی بنا پر جہنم رسید ہونا پڑے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۹۰، شرح الطیبی: ۷/۲۴۷)

وانکم تختصمون الی: یعنی اپنا باہمی جھگڑا فیصلہ کے لئے میرے پاس لاتے ہو، علامہ پورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث کے شروع میں ہی "**انما انا بشر**" فرمایا مقصد تنبیہ ہے کہ سہو ونسیان انسان سے غیر مستبعد نہیں ہے (خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو) اور وضع بشری اس کی متقاضی ہے کہ اسکو امور ظاہری کا ہی ادارک ہو انسان کی خلقت اس طور پر ہے کہ اس سے حقائق اشیاء محجوب ہیں یہ جائز اور ممکن ہے کہ کوئی آدمی کوئی بات سنے اور اسکی سمجھ میں یہ آجائے کہ کہنے والے نے سچ کہا ہے جبکہ حقیقت برعکس ہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے افعال احوال میں منجانب اللہ محفوظ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام احوال میں معصوم تھے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاء ونسیان کیسے سرزد ہوسکتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہوگا عصمت کا تحقق ان امور سے متعلق ہے جن میں گناہ ہوتا ہے، اور ان میں قصد شامل ہوتا ہے، اور در پیش مسئلہ ایسا نہیں ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسکا مکلف نہیں بنایا تھا کہ جس چیز کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو یعنی اللہ کی طرف سے کوئی صراحتاً ہدایت نہ ہو کہ اس میں آپ حق کے مطابق فیصلہ کریں، واللہ اعلم بالصواب۔

ینفذ قضاء القاضی ظاہرا او باطنا: اس حدیث میں ایک مشہور اختلافی مسئلہ مذکور ہے وہ یہ کہ قضاء قاضی کا نفاذ ظاہراً اور باطناً ہر دو لحاظ سے ہوتا ہے یا صرف ظاہراً ہوتا ہے، دنیوی احکام کے اعتبار سے اس مسئلہ میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قضاء کا نفاذ ظاہراً و باطنا دونوں طرح ہوتا ہے اور جمہور کے نزدیک اس کا نفاذ صرف ظاہراً ہوتا ہے، یعنی دنیوی احکام کے اعتبار سے، باطناً وعند اللہ نہیں یعنی قاضی کے ہر فیصلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسا ہو، بلکہ اس میں غلطی کا امکان ہونے کی وجہ سے خلاف حق ہونے کا احتمال ہے، اس اختلاف کے جاننے کے بعد اب آپ یہ سمجھئے کہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے اس مسلک کے خلاف ہے کیونکہ حنفیہ کا جو یہ مسلک ہے جو اوپر مذکور ہوا اس کا تعلق عقود وفسوخ سے ہے خواہ اس عقد کا تعلق طلاق ونکاح سے ہو، یا اموال سے، املاک مرسلہ میں ہمارا مسلک یہ نہیں ہے۔

عقود وفسوخ کی مثال جیسے ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ اس نے میرے ہاتھ اپنی فلاں چیز کی بیع کی ہے، اور وہ دوسرا شخص بیع کا منکر ہے، مدعی نے دو شاہد زور اپنے دعوی پر قائم کر دیئے حاکم نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں قضائے قاضی کیوجہ سے اگرچہ بیع پہلے سے منعقد نہ

تھی اب یعنی فیصلہ کے بعد منعقد ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ ثمن کی ادائیگی اور پھر اس شیٔ میں تصرف کرنا جائز ہوگا ایسے ہی اگر کسی نے کسی عورت پر نکاح کا دعوی کیا کہ میں تجھ سے نکاح کر چکا تھا، عورت انکار کرتی تھی لیکن مرد نے قاضی کی مجلس میں دو شاہد زور پیش کر دیئے جس کی وجہ سے قاضی نے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ثبوت نکاح کا تو اس مثال میں باوجود پہلے سے نکاح نہ ہونے کے قضائے قاضی کیوجہ سے شرعاً وعند اللہ نکاح منعقد ہو جائے گا، جب حنفیہ کے مسلک کی تحقیق ہوگئی تو اس سمجھئے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث عقود وفسوخ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہم اس کا تعلق املاک مرسلہ سے مانتے ہیں یعنی جہاں پر دعویٰ اور خصمین میں اختلاف نفس ملک میں ہو مثلاً ایک شخص کہے کہ فلاں شخص کے پاس جو زمین ہے وہ اس کی ملک نہیں بلکہ میری ہے اس کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہے، اس مسئلہ کا تعلق نفس ملک سے ہے عقد بیع وشراء سے نہیں تو اس مسئلہ میں مدعی نے جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے اسکے حق میں فیصلہ کر دیا یا واقع میں وہ زمین مدعی ہی کی تھی لیکن اس کے پاس بینہ نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے مدعی علیہ سے یمین لیکر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اس مثال میں قاضی کے فیصلہ سے وہ چیز مقضی لہ کے لئے جائز وحلال نہ ہوگی، اور قاضی کا یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا نہ کہ باطناً، حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی وحاکم کو ولایت عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عقد وفسخ کا حق شرعاً حاصل ہے لہٰذا جب وہ دو شخصوں کے درمیان اصول اور قواعد کے مطابق عقد یا فسخ کا فیصلہ کرے گا تو اس کا یہ فیصلہ شرعاً معتبر ونافذ ہوگا، لیکن قاضی کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ کسی چیز میں غیر مالک کے لئے ملکیت کو اپنے فیصلہ سے ثابت کر دے لہٰذا حدیث الباب کا تعلق اسی دوسری صورت سے ہے، نیز حنفیہ کی تائید میں وہ واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے، جس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے، جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر "العرف الشذی" میں بھی مذکور ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ایک عورت سے نکاح کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو شاہد زور بھی پیش کر دیئے جس پر انہوں نے نکاح کا فیصلہ فرما دیا، اس پر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اے امیر المؤمنین! جب یہ بات ہے تو پھر میرا اس سے نکاح ہی کر دیجئے تاکہ دونوں گنہگار نہ ہوں، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "شاهداك زوجاك" یعنی ابھی اس مجلس میں دو گواہوں کی گواہی پر میں نے نکاح

کا فیصلہ کیا ہے اسی سے عقد نکاح کا تحقق ہو گیا، اس کے بعد عرف الشذی میں یہ ہے کہ "**ذکرہ محمد فی الاصل ولا یذکرون سند ھٰذہ الواقعۃ ولم اجد السند وظنی انہا لا تکون بلا اصل ومر الحافظ علی ھٰذا الاثر ولم یردہ زیادۃ الرد، ولم یقبلہ ایضاً، فدل علی انہ لیس بلا اصل**"۔ یعنی حافظ ابن حجر اس واقعہ کو نقل کر کے انہوں نے اس کو کچھ زیادہ رد نہیں کیا گو قبول بھی نہیں کیا، پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بے اصل نہیں ہے۔ (عرف الشذی: ۴۰۶، الدر المنضود: ۴۴۶/ ۵)

سوال: ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے یا نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ظاہراً نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ "**فیما بین الناس**" یعنی دینوی احکام میں قاضی کا فیصلہ معتبر مانا جائے گا، باطناً یعنی "**فیما بینہ وبین اللہ**"۔ باطناً نافذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی نے جو فیصلہ کیا اس پر عمل جائز نہیں، مثال کے طور پر قاضی نے جھوٹی گواہی کی بنا بر خالد کے لئے کسی چیز کا فیصلہ کر دیا تو دنیوی اعتبار سے وہ اس چیز کا مالک ہے، کوئی شخص اس سے چھین نہیں سکتا ہے، لیکن اخروی اعتبار سے یہ چیز اس کی ملک میں نہیں آئی، لہٰذا اس کا استعمال کرنا سخت گناہ کا باعث ہے۔

سوال: کن شرائط کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قاضی کے جھوٹی گواہی کی بنیاد پر کئے ہوئے فیصلہ کو ظاہراً اور باطناً نافذ مانتے ہیں؟

جواب: وہ شرائط دو ہیں، (۱) قاضی نے جس چیز کے متعلق فیصلہ کیا ہو اس کا تعلق املاک مقیدہ سے ہو، املاک مرسلہ سے نہ ہو، املاک مقیدہ کہتے ہیں ان املاک کو جن میں ملکیت کا سبب معلوم ہو، مثلاً کپڑا میرا ہے، اسلئے کہ میں نے اس کو فلاں دوکان سے خریدا ہے، جب کہ املاک مرسلہ میں سبب ملک معلوم نہیں ہوتا ہے مثلاً مدعی ایک قلم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن سبب ملکیت بیان نہیں کر رہا ہے، املاک مقیدہ میں تو امام صاحب کے نزدیک قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہو گا، لیکن املاک مرسلہ میں ان کے نزدیک بھی ائمہ ثلاثہ کی طرح صرف ظاہراً قاضی کا فیصلہ نافذ ہو گا باطناً نہیں اسی طرح عقود، مثلاً نکاح وبیع اور فسوخ، مثلاً طلاق وغیرہ میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہو گا۔

(۲) قاضی نے فیصلہ گواہی کی بنیاد پر کیا ہو، قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو گا تو ظاہراً نافذ ہو گا باطناً نافذ نہیں ہو گا۔

سوال: ائمہ ثلاثہ کس بنیاد پر کہتے ہیں کہ جھوٹی گواہی سے قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوتا؟

جواب: حدیث باب میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "**فانما اقطع لہ قطعۃ من النار**"۔ [پس میں اس کو جہنم کا ٹکڑا قطع کر کے دے رہا ہوں] یہ چیز قضاء حقیقۃً یعنی باطناً نافذ نہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

سوال: امام صاحب کس بنیاد پر قاضی کے فیصلہ کو باطناً نافذ مانتے ہیں؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربار میں مقدمہ آیا، مرد کا ایک عورت کے بارے میں دعویٰ تھا کہ یہ میری بیوی ہے، جبکہ عورت انکار کر رہی تھی، مرد نے گواہ طلب کرنے پر اپنے موقف میں دو گواہ پیش کر دیئے، جب دو گواہ پیش ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ یہ تیری بیوی ہے، جب مرد کے حق میں فیصلہ ہو گیا تو عورت نے کہا کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس سے میرا نکاح نہیں ہوا ہے، یہ گواہ جھوٹے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے گواہی کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے، تو اب اس سے میرا نکاح بھی کر دیجئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**شاھداك زوجاك**"۔ ان دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا ہے، مزید کی ضرورت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس عورت کے لئے مرد کے ساتھ بیوی بن کر رہنا حلال ہو گیا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوتا ہے۔

اعتراض: امام صاحب کے فیصلے کے مطابق تو کوئی شخص کسی عورت کے بارے میں دعویٰ کر دے کہ یہ میری بیوی ہے اور دو گواہ پیش کر دے، چنانچہ گواہی کی بنیاد پر اس کو بیوی بھی مل جائے گی اور اس سے وطی بھی حلال ہو گی، اس سے تو دھوکے بازوں کو بہت سہولت ہو گی۔

جواب: امام صاحب نے باطناً نکاح کو نافذ مان کر جھگڑے کے دروازے کو بند کیا ہے، اور یہ اسلئے بھی کیا تا کہ پیدا ہونے والے بچے ثابت النسب ہوں، اور جہاں تک اس عمل کی قباحت ہے وہ تو مسلم ہے، کیوں کہ اس میں جھوٹے گواہ پیش کرنے کا گناہ ہے، ایک عورت کو اس کی مرضی کے بغیر بیوی بنا کر رکھنے کا گناہ ہے، جھوٹا دعویٰ کرنے کا گناہ ہے،. بہت سے گناہ ہیں، اور یہ گناہ ایک دن کا نہیں بلکہ ساری عمر کا گناہ ہے، اور اس کا خبث اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ نکاح فسخ کر کے مشروع طریقے سے نکاح نہ کر لے، اس لئے امام صاحب اس عمل کو بڑھاوا دینے کے قائل نہیں ہیں، لیکن یہ عمل انجام

پا گیا تو دیگر بہت سی الجھنوں سے بچانے کے لئے باطناً نفاذ کے قائل ہیں، مثال کے طور پر اگر قاضی نے زوجین کے درمیان طلاق کرادی، اب اگر اس کو باطناً نافذ نہیں مانیں گے تو وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہیں کر سکے گی اور اگر کرے گی تو بچوں کا نسب صحیح نہیں ہوگا، اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ جھوٹے گواہوں کے ذریعہ کئے گئے قاضی کے فیصلہ کو ظاہراً و باطناً ہر طرح نافذ مانا جائے۔

سوال: حدیث باب جو کہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے اس سے باطناً فیصلے کا نفاذ ثابت نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: (۱) یہ فیصلہ املاک مرسلہ کے بارے میں ہے۔

(۲) اس میں اس کی صراحت ہے کہ دعویدار اپنے زور بیان سے کوئی چیز ثابت کرے تو گویا قاضی نے فیصلہ زور بیان کی بنیاد پر کیا نہ کہ بینہ کی بنیاد پر، اور ہم نے باطناً جن فیصلوں کے نفاذ کی بات کی ہے ان کا تعلق املاک غیر مرسلہ سے ہے اور وہ فیصلے ہیں جن کو قاضی نے بینہ کی بنیاد پر کیا، لہٰذا یہ حدیث ہمارے موقف کے حق میں ہے، خلاف نہیں ہے۔

سوال: آنحضرت ﷺ معصوموں کے امام ہیں، آنحضرت ﷺ نے ناحق کی نسبت اپنی طرف کیسے فرمائی ہے؟

جواب: ناحق فیصلہ کرنے کی نسبت اگر چہ آنحضرت ﷺ نے اپنی طرف کی ہے لیکن اس سے مقصود امت کو تعلیم دینا ہے، کیوں کہ یہ ضابطہ ہے کہ احکام شرعیہ میں جہاں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے وہاں اصلاً امت ہی مخاطب ہوتی ہے، "**فمن قضیت له بشیء**" میرے فیصلے کے باوجود جو ناحق چیز اس کو مل گئی اس کے بارے میں اگر وہ جانتا ہے کہ یہ میرے حق کی بنیاد پر مجھے حاصل نہیں ہوئی ہے تو وہ چیز اس کے حق میں جہنم کا ٹکڑا ہے۔

سوال: قاضی نے ناحق فیصلہ کر دیا تو اب اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: قاضی نے اگر جھوٹی گواہی پر فیصلہ کر دیا ہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے، باطناً نافذ نہیں ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ قاضی کا فیصلہ ظاہراً بھی نافذ ہوتا ہے اور باطناً بھی نافذ ہوتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۹۱، شرح الطیبی: ۷/۲۴۷)

اللہ تعالیٰ کا مبغوض بندہ

{۳۵۹۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۳۲، باب قول اللہ تعالیٰ و ھو الد الخصام، کتاب المظالم، حدیث نمبر: ۲۴۵۷، مسلم شریف: ۲/۳۳۹، باب فی الا لد الخصام، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲/۲۶۸۔

حل لغات: بغض: ناپسند کرنا، انتہائی برا سمجھنا۔ **الد:** اسم تفضیل ہے، **لد فلانا: (ن) لداً:** کسی سے بہت جھگڑا کرنا، سخت دشمنی رکھنا، **الخصم:** صفت کا صیغہ ہے اسکے معنی ہیں جھگڑے کا ماہر، چاہے جھگڑا نہ کرے۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں میں سب سے بدترین اور مبغوض ترین شخص وہ ہے جو بہت زیادہ ناحق جھگڑے والا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بات بات پر طویل بحث ومباحثہ کرنے والا اور بات بات پر جھگڑنے والا شخص اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے، اللہ تعالیٰ اس بندہ کو عزیز رکھتے ہیں جو نرم مزاج ہوتا ہے، لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتا ہے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۷/۹۲، مرقاۃ: ۴/۱۵۷)

الالد: وہ شخص جس کی عادت لڑنے جھگڑنے کی ہو، "**الخصام**" جھگڑے کا ماہر قرآن کریم میں مشرکین قریش کے بارے میں "**بل ھم قوم خصمون**" بلکہ وہ لوگ جھگڑے کے ماہر ہیں، قرآن کریم کی آیت، "**وھو الد الخصام**" یہ اخنس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ پکا منافق تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور باہر نکل کر دشمنی کا اظہار کرتا تھا۔

(مرقاۃ: ۴/۱۵۷، فیض المشکوۃ: ۷/۹۲)

فائدہ: جو شخص ناحق لوگوں سے لڑے اور فساد نکالے دین میں ہو یا دنیا میں وہ شخص انتہائی

مبغوض ترین شخص ہے لیکن حق بات دین کی ظاہر کرنا اور حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا جھگڑا نہیں ہے بلکہ ثواب ہے اور جو شخص حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والے سے جھگڑے وہ خود ملعون اور مردود ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۲۱۸/۶)

آنحضرت ﷺ نے ایک گواہ پر فیصلہ فرمایا

{۳۵۹۱} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِیَمِیْنٍ وَشَاهِدٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۷۴/۲، باب القضاء بالیمین والشاهد، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ فرمایا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ موجود نہ ہوں بلکہ اس کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو ایسی صورت میں دوسرے گواہ کی جگہ پر قاضی مدعی سے قسم لے لے گا، اور مدعی کے حق میں فیصلہ کردے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۹۳/۷، مرقاۃ: ۱۵۸/۷)

قضی بیمین و شاہد: اسکا ایک ترجمہ تو علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا یعنی "قضی بیمین للمدعی علیہ" یعنی قسم کی بنیاد پر مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ کیا، "وشاهد ای بینة للمدعی" یعنی مدعی کے حق میں ایک گواہ کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا، اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے بعد فرمایا کہ غالباً یہ مقدمہ اس سے متعلق تھا جس میں ایک گواہ کافی ہوتا ہے، اور علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ چونکہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ تھا تو اس کو آنحضرت ﷺ نے ایک شاہد کے بجائے قسم کھانے کا حکم فرمایا، اور جب اس نے قسم کھالی تو آنحضرت ﷺ نے اسی ایک شاہد اور قسم کی بنیاد پر اسکے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔ (مرقاۃ: ۱۵۸/۴، انوار المصابیح: ۷۱۵/۶)

اگر کسی قضیہ میں مدعی کے پاس صرف ایک شاہد ہو تو کیا ایسی صورت میں یمین مدعی شاہد آخر کے

قائم مقام ہوسکتی ہے؟ اور پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے، یا نہیں، ائمہ ثلثہ کے نزدیک جائز ہے، مگر صرف ان دعاوی میں جن کا تعلق حقوق اور مال سے ہو نہ کی حدود میں اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث الباب سے جمہور ہی کا مذہب ثابت ہوتا ہے حنفیہ کی دلیل وہ حدیث مشہور ہے جو کہ قریب بہ حد تواتر ہے "**البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر**" [مدعی کے ذمہ گواہ ہے اور منکر (مدعی علیہ) کے ذمہ قسم ہے] اور حدیث الباب اس مسئلہ میں محتمل ہے کیونکہ اس کے معنی میں دوسرا احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے باوجود ایک شاہد کی موجودگی کے یمین مدعی علیہ پر فیصلہ کیا، یعنی جس طرح مطلقاً شاہد نہ ہونے کی صورت میں یمین مدعی علیہ پر فیصلہ صادر ہوتا ہے اسی طرح شاہد واحد کے موجود ہونے کی صورت میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا، اس مسئلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں چنانچہ انہوں نے ترجمہ قائم کیا "**باب الیمین علی المدعی علیہ**" حضرت شیخ نے تراجم بخاری میں یہ مسئلہ قضاء بیمین وشاہد میں ائمہ کا اختلاف لکھنے کے بعد لکھا ہے "**قلت ومیل البخاری الی مسلک الحنفیۃ واستدل علیہ بالحصر۔ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم شاھداك او یمینہ۔ وبقصۃ ابن شبرمۃ وبحدیث ابن عباس**" میں کہتا ہوں کہ حدیث الباب میں "**قضی بیمین وشاھد**" جو جمہور کا مستدل ہے، اس مسئلہ میں یہ روایت افراد مسلم سے ہے اور حنفیہ کی دلیل متفق علیہ ہے، جیسا کہ ابھی تراجم سے گذرا، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد: "**شاھداك او یمینہ**" اسی طرح امام بخاری نے کتاب الرہن میں باب قائم کیا، "**اذا اختلف الراھن والمرتھن ونحوہ فالبینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ**" اور پھر اسکے تحت انہوں نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ذکر کی "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی ان الیمین علی المدعی علیہ**" [حضرت نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ یمین مدعی علیہ کے ذمہ ہے] اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو امام بخاری نے کتاب الشہادات میں "**باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود**" کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ "**والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری**"۔ (الدر المنضود: ۵/۴۵۸)

امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک فتویٰ یہی ہے کہ اگر دو شاہد موجود نہ ہوں بلکہ ایک ہی ہو تو اسکی شہادت اور قسم کے ذریعہ فیصلہ کردیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ

فرمایا کہ ایک شاہد اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دو شاہدین کا ہونا بہر حاصل ضروری ہے اور ائمہ کا یہ اختلاف مقدمہ مال کے اندر ہے اور مال کے علاوہ میں بالاتفاق دو شاہدین کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو حضرات ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ جائز قرار نہیں دیتے وہ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اسکا احتمال ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مدعی علیہ کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ اس وقت کر دیا ہو جب مدعی نے اپنے دعوی پر صرف ایک گواہ پیش کیا اور نصاب شہادت کو پورا کرنے سے عاجز رہا، مختصر یہ کہ اس مضمون میں کئی احتمالات ہیں تو ایسی حدیث کے ذریعہ قرآن کریم میں صراحت سے آئے ہوئے حکم کو یعنی: "**واستشهدوا شهيدين من رجالكم**" [اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو] کو چھوڑا نہیں جاسکتا، اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے مرقاۃ دیکھی جائے۔

(انوار المصابیح:۱۵۷/ ۶، مرقاۃ:۱۵۸/ ۴)

فائدہ: ائمہ ثلاثہ کے موقف کی دلیل تو حدیث باب ہے جبکہ حنفیہ قرآن کریم کی آیت "**واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين رجل وامرأتان**" [اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، اگر دو مرد موجود نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہو جائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو] (سورۃ البقرہ) اور "**واشهدوا ذوي عدل منكم**" [اور اپنے میں سے ایسے دو آدمیوں کو گواہ بنالو، جو عدل والے ہوں] (سورۃ الطلاق) وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں ان میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔

حدیث باب کا جواب: (۱) یہ حدیث آیات قرآنی کے مقابل میں ہے اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا۔

(۲)...... ممکن ہے یمین کا تعلق مدعی علیہ سے ہو یعنی جب مدعی دو گواہ پیش نہ کر سکا تو آنحضرت ﷺ نے مدعی علیہ سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۳)...... یہ فیصلہ نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے صلح تھی۔

(۴)...... یہ ایک استثنا کی صورت ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے ضرورت کی بنا پر اختیار فرمایا، اصل ضابطہ یہی ہے، کہ دو گواہ ہونا ضروری ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۹۳/ ۷، مرقاۃ:۱۵۸/ ۴)

گواہ نہ ہوں تو قسم پر فیصلہ ہوگا

{۳۵۹۲} **وَعَنْ** عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى اَرْضٍ لِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذَالِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِيَاْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۸۰، باب وعید من اقتطع حق مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۳۹۔

حل لغات: یتورع: (تفعل) رکنا، بچنا، احتراز کرنا، **انطلق:** چلا جانا، گذرنا، **ادبر:** (افعال) پشت پھیرنا، **غلب فلانا علی شیئ:** کوئی چیز کسی سے زبردستی لے لینا، **الید:** ہاتھ، قبضہ، ملکیت وغیرہ، **فجر:** بے پرواہی کے ساتھ گناہ میں مبتلا رہنا، بدکاری کرنا، بدکردار ہونا، **انطلق:** چلا جانا، گزرجانا وغیرہ، **ادبر الشی:** پشت پھیرنا، مڑ جانا، **اعرض عنہ:** منھ پھیرنا، روگردانی کرنا، بے رخی کرنا وغیرہ

ترجمہ: حضرت علقمہ ابن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرموت سے اور ایک آدمی کندہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے حضرمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص نے مجھ سے میری زمین لے لی ہے، تو کندی بولے وہ میری زمین ہے اور اس پر میرا قبضہ ہے اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ وہ صاحب بولے کہ نہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو تمہارے لئے اس کی قسم ہے، وہ صاحب بولے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو بدکار آدمی ہے، جس پر قسم

کھائے گا اس کے بارے میں پرواہ نہیں کریگا، اور یہ شخص کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہر حال تمہارے لئے اس شخص سے قسم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، وہ کندی شخص قسم کھانے کے لئے چلا تو رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ جب کہ اس نے پیٹھ پھیر لی، اگر اس نے اس کے مال پر اس لئے قسم کھائی ہے کہ بطور ظلم اس کے مال کو ہڑپ کرلے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرنے والے ہوں گے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کے پاس مقدمہ جائے گا تو قاضی "**البینۃ علی المدعی**"۔ [مدعی کے ذمہ گواہ ہے] کے ضابطہ سے مدعی کو اس بات کا پابند کرے گا کہ وہ گواہ پیش کرے، اگر وہ شرعی گواہ پیش کرے گا تو اسلامی ضابطہ کے مطابق قاضی اسکے حق میں فیصلہ کردے گا لیکن اگر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو قاضی "**والیمین علی من انکر**"۔ [ور منکر پر قسم ہے] کے ضابطہ سے مدعی علیہ سے قسم لیے گا، اگر مدعی علیہ قسم کھالیتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، مدعی علیہ فاسق و فاجر ہے تو بھی اس کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا۔ (فیض المشکوٰۃ: ۹۳/۷، شرح الطیبی: ۲۵۰/۷)

لیلقین اللہ ہو عنہ معرض: تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہوگا یا یہ کہ اس سے منہ پھیر لے گا یا اس سے بے رخی کرنے والا ہوگا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کو تذلیل اور اس پر غصہ اور اللہ کی رحمت سے اسکو دور کرنے کی بد دعا سے مجاز قرار دیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**لا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیامۃ**"۔ [اللہ تعالیٰ قیامت میں نہ ان سے بات کرے گا اور نہ (عنایت کی نظر سے) ان کو دیکھے گا] **(سورۃ آل عمران)**

اور "**غلبنی علی ارض لی**"۔ کے معنی یہ بتایا یعنی، "**غصبا منی وقہرا**"۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک روایت میں "**علی ارض لابی**"۔ ہے اور فرمایا کہ اس حدیث سے چند فوائد معلوم ہوتے ہیں، پہلا یہ کہ جسکا قبضہ ہے وہ اس اجنبی سے جو اس پر دعویٰ کر رہا ہے زیادہ اولیٰ ہے، دوسرا یہ کہ مدعی علیہ پر اگر وہ اقرار نہ کرے تو قسم لازم ہوتی ہے، تیسرا یہ کہ شہادت قبضہ پر مقدم ہے، اور شہادت والے کے لئے صرف شہادت پر بلا قسم کے فیصلہ کر دیا جائے گا، چوتھا یہ کہ فاجر مدعی علیہ کی قسم عادل ہی کی طرح قبول کی جائے گی، پانچواں یہ کہ خصمین میں سے کوئی اگر دوسرے فریق کو ظالم یا فاجر جیسے الفاظ کہے اسکا احتمال ہے، چھٹا یہ کہ

اگر کسی وارث نے اپنے مورث کے لئے کسی چیز کا دعویٰ کیا اور حاکم کو یہ معلوم ہوا کہ اسکا مورث مر چکا ہے، اور اسکے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے، تو اسکے حق میں فیصلہ کرنا صحیح اور جائز ہے وغیرہ۔

(انوار المصابیح: ۷۱۶/۶، مرقاۃ: ۱۵۸/۴)

فائدہ: مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ قاضی کس طرح فیصلہ کرے؟ احناف کے نزدیک فیصلہ کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے، اگر وہ گواہ پیش کردے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے، اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کردے، اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے یا ناتمام پیش کرے یا وہ قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کالعدم قرار دیئے جائیں گے۔ اور قاضی مدعی علیہ کو قسم کھلائے گا، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کرے اور اگر وہ قسم کھالے تو اسکے حق میں فیصلہ کرے، حنفیہ کے نزدیک فیصلہ کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک دوسرا طریقہ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو قاضی مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ پر قسم لے گا، پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے، اس کا نام: "**قضاء القاضی بشاھد واحد ویمین**" ہے ائمہ ثلاثہ کی دلیل دوسرے باب میں آرہی ہے اس باب میں حنفیہ کی دلیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے، یہ حدیث باب میں ہے، اس حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے، پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہوں گے، یہ تقسیم کے منافی ہے۔ حدیث: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ اور ایک یہودی کا ایک واقعہ ہے جو پہلے باب ۴۲ رمیں گذرا ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۲۶۵/۴)

جھوٹا دعویٰ کرنیوالے کا ٹھکانہ

{۳۵۹۳} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰی مَالَیْسَ لَہٗ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۵۷/۱، باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ۔

ترجمہ: حضرت ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو دوسرے کی چیز غصب کرنے کے لئے جھوٹے دعوے کرتا ہے، اور جھوٹے گواہوں کے ذریعہ سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ایسے شخص کا تعلق اہل ایمان سے نہیں ہے۔(فیض المشکوٰۃ: ۹۴/۷، مرقاۃ: ۱۵۹/۴)

من ادعی مالیس له: یعنی جان بوجھ کر اپنی بتائے، اس وعید میں وہ شخص بھی داخل ہے، جو اسلام لانے کے بعد جان بوجھ کر غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرے۔

فلیس منا: یعنی وہ شخص ہم اہل سنت کی جماعت میں سے نہیں ہے، یعنی اولاً جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ جنت میں جانا نصیب نہیں ہوگا، بلکہ اپنے اس جرم کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکے گا۔

ولیتبوأ مقعدہ فی النار: [اور چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے] یہ امر خبر کے معنی میں ہے یعنی ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے، اگر یہ عمل حلال سمجھ کر انجام دیا ہوگا تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔
(مستفاد صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۶۲/۱، فیض المشکوٰۃ: ۹۴/۷)

بہترین گواہ کا ذکر

{۳۵۹۴} **وَعَنْ** زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْ يَأْتِيْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّسْئَلَهَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۷۷، باب بیان خیر الشہود، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۹۔

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا

میں تم کو بہترین گواہ سے باخبر نہ کروں؟ وہ شخص جو گواہی طلب کرنے سے پہلے گواہی دیتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے وقت گواہ کو فوراً گواہی دینا چاہئے، شہادت کا چھپانا بہت بڑا جرم ہے، اور سچی گواہی دینا بہت بڑی نیکی ہے گواہ کو چاہئے کہ جلد از جلد اپنی گواہی دے کر ذمہ داری پوری کرے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۹۵)

عن زید بن خالد: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صاحب مشکوۃ نے انکا ذکر نہیں کیا اور انکو جہنی بتایا لیکن علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "**اسماء الصحابۃ الرواۃ**" میں انکا ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق یہ لکھا کہ یہ جہنی اور مدنی صحابی ہیں انہوں نے بعد میں کوفہ میں سکونت اختیار کی، صلح حدیبیہ کے شرکاء میں ہیں اور فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا جھنڈا انہیں کے پاس تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیاسی حدیثیں روایت کیں ۷۸ ہجری میں پچاسی سال کی عمر میں کوفہ میں انتقال فرمایا

الا اخبر کم بخیر الشهداء: [کیا میں تم کو بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں] اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین گواہوں کی نشاندہی فرمائی چونکہ گواہوں کی گواہی کے ذریعہ سے مدعی کا حق واجب ثابت ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب فرمائی ہے اور جلد از جلد گواہی دینے پر ابھارا ہے۔

الذی یاتی بشهادته قبل ان تسئلها: [جو طلب کرنے سے پہلے گواہی دیتا ہے] یہ مجہول کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ اس سے شہادت طلب کی جائے وہ شہادت دیدے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی تاویلات ہیں: ان میں زیادہ تاویل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب شافعی کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث محمول ہے اس پر جس کے پاس کسی انسان کے حق کی شہادت موجود ہو اور وہ انسان اسکو نہ جانتا ہو کہ یہ آدمی اسکا شاہد ہے پس اس کو چاہئے کہ وہ اس انسان کے پاس آئے اور اسکو باخبر کردے کہ میں اس کا شاہد ہوں، اور بعض نے یہ کہا کہ یہ محمول ہے جب شہادت طلب کی جائے تو ادائے شہادت کے حکم پر مبالغۃً ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ سخی وہ ہے جو سوال سے پہلے ہی دیدیتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سوال کے بعد بلا توقف فوراً دیتا ہے، اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دوسری حدیث میں یہ جو اسکی مذمت آئی ہے کہ "**یشهدون**

ولایستشهدون" کہ لوگ بلاطلب گواہی کے گواہی دیتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی گواہی جسکی کوئی اصل نہیں ہے اور وہ کذب محض ہے اور وہ اسکی گواہی دے رہا ہے اور یا یہ محمول ہے اس پر کہ کسی کے پاس ایسی شہادت موجود ہے کہ جس کو معلوم نہیں کیا جاتا اور وہ اپنی بڑائی یا ناموری یا کسی لالچ کے شوق میں گواہی دیدیتا ہے تو اسکی ہی مذمت بیان کی گئی ہے۔ (شرح الطیبی: ۲۵۱ / ۷، انوار المصابیح: ۱۷۷ / ۶)

دو تاویلیں

اس روایت کی دو تاویلیں کی گئی ہیں اس سے مراد وہ گواہی ہے جو کسی کے حق کے بارے میں جانتا ہو کہ یہ فلاں کا حق ہے مگر مدعی کو معلوم نہ ہو کہ یہ بھی گواہ ہے چنانچہ اس کو چاہئے کہ وہ بتلائے کہ اس معاملہ میں میں تیرا گواہ ہوں۔

(۲) اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، مثلاً زکوۃ، کفارات، چاند دیکھنا، وصایا اور اسی طرح دیگر چیزیں ان میں ضروری ہے کہ وہ حاکم کو اس بات کی اطلاع دے دے۔

ایک اور تاویل: اس کو مبالغہ پر محمول کیا گیا ہے اور طلب کرنے کے بعد جلدی سے گواہی دینا مراد لیا گیا ہے اور روایت میں جس گواہی کی مذمت ہے وہ مطالبہ سے پہلے کی ہے۔

(مرقاۃ: ۱۵۹ / ۴، مظاہر حق: ۵۵۷ / ۴)

تعارض: اس حدیث سے اس بات کی ترغیب ملتی ہے کہ شہادت طلب کئے جانے سے پہلے ہی گواہی دینا بہتر ہے، حالانکہ ترمذی کتاب الفتن میں روایت ہے جس میں طلب سے پہلے گواہی دینے کی مذمت ہے، "**ویشهد الشاهد ولا یستشهد**" [گواہ گواہی دے گا اور اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی] اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "**الذین یشهدون ولا یستشهدون**" وہ ایسے لوگ ہیں کہ بغیر طلب کے شہادت دیتے ہیں دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض: (۱) طلب سے پہلے شہادت کی مدح کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ مدعی کو شاہد کا علم نہ ہو، اور اس کا حق ضائع ہو رہا ہو، تو حق دار کے حق کو بچانے کے لئے بغیر طلب کے سچی گواہی

دینا بہت افضل ہے اور جہاں طلب سے پہلے شہادت کی مذمت ہے وہ اس صورت سے متعلق ہے جب کہ مدعی کو شاہد کا علم ہو، لہٰذا ضرورت پڑنے پر خود گواہی دینے کے لئے کہے گا، ایسے میں از خود گواہی دینا یہ قابل مذمت عمل ہے۔

(۲)...... جہاں پر مدح ہے اس سے سچی شہادت مراد ہے، اور جہاں مذمت ہے وہاں جھوٹی گواہی مراد ہے۔

(۳)...... یہاں طلب سے پہلے گواہی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد طلب پر جلدی کرنا ہے، یعنی جب گواہی کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ بلوایا جاتا ہے تو بلا تاخیر گواہی دینے کے لئے حاضر ہوتا ہے، اس عدم تاخیر کو مبالغۃً قبل الطلب سے تعبیر کیا ہے جیسے کہتے ہیں کہ سخی وہ ہے جو مانگنے سے پہلے دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جوں ہی کوئی مانگتا ہے فوراً دیتا ہے۔ (الدر المنضود:۴۵۱/۵)

فائدہ: یعنی جب کسی کا حق ڈوبتا ہو یا خون تلف ہوتا ہو اور حق والے کو اس کی گواہی معلوم نہ ہو تو بن بلائے گواہی دینا چاہئے۔

جھوٹی قسموں اور جھوٹی شہادتوں کا عروج

{۳۵۹۵} **وَعَنْ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَجِیْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَیَمِیْنُہٗ شَھَادَتَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۵۱۵/۲، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۳۶۵۱، مسلم شریف: ۳۰۹/۲، باب فضل الصحابۃ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۵۳۳۔

حل لغات: **سبقہ الی لشیئ:** کسی شئ سے آگے بڑھنا، **سبق الفرس الحلبۃ:** گھوڑ دوڑ کے میدان میں گھوڑے کا سب سے آگے نکل جانا، **سبق علیہ قومہ:** کرم وسخاوت میں سب سے آگے بڑھ جانا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں، پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے ہوگی، اور ان کی قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سب سے بابرکت اور معزز صحابہ کی جماعت ہے، کیونکہ ان کو نبی کی صحبت ملی ہے، پھر تابعین اس کے بعد تبع تابعین کی جماعت کا مقام ہے، یہ وہ تین زمانے ہیں جن میں خیر شر پر غالب رہے گا، اس کی آنحضرت ﷺ نے بشارت دی ہے بعد میں آنے والی جماعتیں تدریجاً خیر سے دور اور شر سے قریب ہوتی چلی جائیں گی اس حدیث میں ان لوگوں کی مذمت مذکور ہے، جو قسم کھانے اور گواہی دینے میں بہت بے باک ہوں گے، یہ اپنے جھوٹے دعوؤں کی خاطر جھوٹی گواہی دینے اور دلانے میں بہت پیش پیش ہوں گے اسی طرح جھوٹی قسمیں کھا کر دوسروں کے اموال غصب کرنے میں انہیں کوئی شرم لاحق نہیں ہوگی۔ (تکملہ فتح الملہم: ۲۳۴/۱۱، فیض المشکوۃ: ۴۵۱/۷)

خیر الناس قرنی: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "ای اصحابی" اور بعض نے کہا ہر وہ جو آپ کے زمانہ میں موجود تھا، "**القرن اهل کل زمان**" اور وہ ہر زمانہ کی عمروں کی متوسط مقدار ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ تین سال کی مدت ہے، بعض نے کہا کہ چالیس بعض نے کہا کہ ساٹھ سال، بعض نے کہا کہ ستر سال، بعض نے کہا کہ اسی سال، بعض نے کہا کہ سو سال کی مدت ہے، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "**عاش قرنا**" اور وہ لڑکا سو سال زندہ رہا، تو سو سال کے قائلین نے اس سے بھی استدلال کیا القاموس الوحید میں سو سال کا عرصہ لکھا یعنی ایک صدی۔

ثم الذین یلونهم: یعنی جو بھلائی میں ان سے قریب ہیں جیسے تابعین۔

ثم الذین یلونهم: جیسے تبع تابعین۔

ثم یجیئ قوم: ایک روایت میں "**اقوام**" ہے، "**تسبق شهادة احدهم یمینه**" [ان میں ایک کی گواہی اس کی قسم پر سابق ہوگی] یہ منصوب ہے، "**ویمینه**" یہ مرفوع ہے، یعنی "**تسبق یمینه**

شہادتہ" [اس کی یمین اس کی گواہی پر سابق ہوگی] یہ منصوب ہے، بعض شارحین نے فرمایا کہ عبارت جھوٹی گواہیوں اور جھوٹی قسموں کی کثرت کی تعبیر ہے، اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شہادت کے حریص اور اسکی ترویج سے شغف رکھنے والے لوگ ہیں اور جس کی شہادت دیتے ہیں اس پر قسمیں کھاتے ہیں تو کبھی ایسا کرتے ہیں کہ شہادت دینے سے پہلے قسم کھاتے ہیں اور کبھی شہادت دینے کے بعد قسم کھاتے ہیں مثلاً خدا کی قسم میں نے سچی گواہی دی ہے، اور علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ خوب شہادت دینے اور جلدی جلدی قسم کھانے کی مثال کے طور پر ہو یعنی ان دونوں میں اسکی حرص اور اس میں جلدی کرنے کا یہ حال ہو کہ یہی بھول جائے کہ میں کس سے شروع کروں پہلے قسم پھر گواہی دوں یا پہلے گواہی دوں اور پھر قسم کھاؤں اور یہ سب محض دین اور امور دینیہ سے حد درجہ بے پرواہی کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔

اختلاف ائمہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے احتجاج کر کے یہ فرمایا کہ جو آدمی شہادت کے ساتھ قسم کھائے اسکی شہادت رد کر دی جائے گی، اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اسکی شہادت محض اس وجہ سے رد نہیں کی جائے گی۔ (انوار المصابیح:۱۸/۷/٦، مرقاۃ:۱۵۹/۴)

صحابہ اور تابعین کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لاتمس النار مسلما رآنی، اورای من رآنی**" دزوخ کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی، جس نے مجھے دیکھا ہے، یا اس شخص کو دیکھا ہے جس نے مجھے دیکھا ہے، یہ فضیلت صحابہ و تابعین کے لئے ہے، تبع تابعین کے لئے نہیں۔

قولہ: "**خیر الناس قرنی**" یعنی صحابہ کا زمانہ، "**ثم الذین یلونھم**" یعنی تابعین کا زمانہ، "**ثم الذین یلونھم**" یعنی تبع تابعین کا زمانہ، اور قسموں کا گواہیوں سے آگے بڑھنا، گواہیوں کا قسموں سے آگے بڑھنا یہ ہے کہ لوگ ہر بات کے لئے تیار ہوں خواہ قسمیں کھلالو، خواہ گواہیاں لے لو، کسی چیز سے ان کو باک نہ ہو۔ (تحفۃ الالمعی:۴۵۲/۸، انوار المصابیح:۱۸/۷/٦)

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صحیح قول جس پر جمہور ہیں یہ ہے کہ جس مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اگر چہ ایک ساعت ہی ہو وہ صحابی ہے، اور حدیث میں تفضیل سے مجموع قرن کی تفضیل دوسرے مجموع قرن پر مراد ہے، نہ فرداً فرداً ہر ایک کی دوسرے پر اس صورت میں صحابی کی فضیلت انبیاء پر نہ نکلے گی نہ عورتوں کی فضیلت حضرت مریم اور آسیہ پر قاضی نے کہا قرن سے کیا مراد ہے، اس میں اختلاف ہے، مغیرہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے بعد کا قرن انکے بیٹے انکے بعد کا قرن انکے بیٹے، اور شہر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرن جب تک ہے جب تک کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنے والا باقی رہا، پھر دوسرا قرن جب تک کہ صحابی کا کوئی دیکھنے والا باقی رہا ہو اور قرن بعضوں کے نزدیک ساٹھ برس کا ہوتا ہے، اور بعضوں کے نزدیک سو برس کا غرض پہلا قرن یعنی صحابہ کا ایک سو بیس برس تک رہا سب سے اخیر صحابی ابوالطفیل ہیں جن کا ۱۲۰ھ ہجری میں انتقال ہوا اور تابعین کا زمانہ ایک سو بیس میں آخر ہوا اور تبع تابعین کا زمانہ دو سو بیس ہجری تک رہا۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۴۶/۶)

قسم کیلئے قرعہ ڈالنے کا ذکر

{۳۵۹۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِيْنِ اَيُّهُمْ يَحْلِفُ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۳۶۷/۱، باب اذا تسارع قوم فی الیمین، کتاب الشھادات، حدیث نمبر: ۲۶۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں پر قسم کو پیش کیا انہوں نے عجلت دکھائی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے درمیان قسم کے سلسلہ میں قرعہ ڈال دیا جائے کہ ان میں سے کون قسم کھائے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے پوری جماعت پر دعویٰ کیا لیکن اس کے پاس اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے بینہ نہیں ہے کہ ایسے میں اگر پوری جماعت قسم کھانے کیلئے تیار ہے

تو سب سے قسم نہ لی جائے، بلکہ قرعہ ڈال لیا جائے، جس کا نام قرعہ میں نکل آئے صرف وہ قسم کھالے، دعویٰ خارج ہو جائے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۹۶/۷)

صورت مسئلہ

علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے آدمی کے پاس ہے اور یا تو ان میں سے کسی کے پاس شہادت موجود نہ ہو اور یا دونوں کے پاس موجود ہو اور تیسرا جسکے قبضہ میں وہ شئ ہے اس نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ چیز ان دونوں میں سے کس کی ہے یا کس کی نہیں بلکہ کسی تیسرے کی ہے تو اس موقعہ کے لئے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی ہو جائے اور جسکے نام کا قرعہ نکلے اس سے قسم لیجائے اور پھر اس کے موافق فیصلہ کر کے وہ چیز اسکے حوالہ کر دیجائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ چیز اسی تیسرے کے پاس چھوڑ دی جائے گی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ چیز دونوں دعویداروں کو نصف نصف تقسیم کر دی جائیگی اور ابن ملک نے یہ بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال میں سے ایک میں قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول ثانی میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کہ دونوں دعویداروں کے درمیان ان میں سے ہر ایک سے قسم لینے کے بعد تقسیم کر دی جائے گی، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی ام سلمہ کی اس حدیث سے جو آگے آرہی ہے تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرقاۃ۱۶۰/۴، انوار المصابیح: ۱۹۷/۶)

یہ حدیث مشکل ترین حدیثوں میں سے ایک حدیث ہے یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک پوری قوم پر یمین پیش کی یعنی بہت سے آدمی تھے، "فاسرعوا" ان میں سے ہر ایک قسم کھانے کے سلسلہ میں جلدی کرنے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے درمیان قرعہ کیا جائے، جس کا نام قرعہ میں نکلے آئے وہ پہلے قسم کھائے۔

ایھم یحلف کی کیا صورت ہے؟

ایھم یحلف: اب ایسی صورت میں جس میں سب پر یمین واجب ہو اور قرعہ اندازی کی جائے کہ کون قسم کھائے؟ وہ کون سی صورت ہو سکتی ہے یہ بڑا مسئلہ بن گیا، اسکی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

بہت سے شراح نے بہت سی صورتیں تکلف کر کے نکالی ہیں، مثلاً یہ صورت بیان کی ہے کہ ایک ہی چیز دو آدمیوں کے مشترک قبضہ میں ہے، مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ میری ہے، دونوں مشترک طور پر مدعی علیہ بن گئے، دونوں پر یمین آ گئی اب کسی ایک کی یمین کے لئے قرعہ اندازی کی گئی۔

مگر یہ بات حنفیہ اور اکثر فقہاء کے یہاں جو اصول ہے اس کے اعتبار سے بھی درست نہیں بنتی اس واسطے کہ اگر دونوں کو قسمیں دی جائیں اور دونوں قسمیں کھالیں تو وہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہو گی ایک کو قسم کے لئے منتخب کرنے کی یہ صورت بھی نہیں بنتی۔

تو پھر وہ کیا صورت بن سکتی ہے جس میں قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کیا جائے؟

میری نظر میں واللہ اعلم یہ ہے کہ قسم تو دونوں پر واجب تھی اور دونوں سے لینی تھی لیکن قرعہ اندازی اس لئے کی گئی کہ قسم دونوں میں سے پہلے کس سے لی جائے یہ درست ہے۔ (انعام الباری: ۹۳۵/۷)

سوال: جس کے نام قرعہ نکلا وہ قسم کیوں کھائے؟

جواب: کیوں کہ اس چیز کا دعویدار ایک دوسرا بھی ہے، اسکے اعتبار سے یہ منکر ہے، لہذا قسم کھا کر اپنے حق میں فیصلہ کرائے، یہ تو حدیث کا ظاہر مطلب ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ جس کے قبضے میں ہے اسی کے پاس رہنے دی جائے، چونکہ مدعیوں کے درمیان اختلاف ہے، لہذا کسی کو نہ دی جائے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں مدعیوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے، ابو داؤد میں روایت ہے کہ ایک اونٹ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں دو دعویدار کھڑے ہو گئے اور دونوں نے دو دو گواہ پیش کر دیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا، اسکے علاوہ عالمی حدیث سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۹۶/۷، شرح الطیبی: ۲۵۲/۷)

{الفصل الثانی}

مدعی اور مدعی علیہ کی ذمہ داری

{۳۵۹۷} عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْيَمِيْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۴۱۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا مدعی علیہ پر ہے۔

(ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مدعی اور مدعی علیہ دونوں کی ذمہ داریاں تقسیم فرمادی ہیں اور چونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے، لہٰذا مدعی سے صرف گواہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اس سے قسم کا مطالبہ درست نہیں ہے، اور اس کے قسم کھانے پر اسکے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح مدعی علیہ سے صرف قسم کھانے کا مطالبہ کیا جائے گا، اس سے گواہ طلب کرنا درست نہیں ہے۔

(شرح الطیبی: ۲۵۳/۷، فیض المشکوۃ: ۹۷/۷)

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر: قاضی کے پاس دو فریق اپنا مقدمہ لے کر آئے اب قاضی کیسے فیصلہ کرے، اس کے لئے ضابطہ مقرر ہوا، پہلے قاضی مدعی سے گواہ پیش کرنے کے لئے کہے، اگر وہ شرعی گواہ پیش کرتا ہے تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کردے اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے تو قاضی مدعا علیہ سے قسم کھانے کے لئے کہے، اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی کے حق میں

فیصلہ کردے، اور اگر وہ قسم کھالے تو اسی کے حق میں فیصلہ کردے، حدیث میں بیان کردہ اس ضابطے کے مطابق حنفیہ فیصلہ کرنے کے قائل ہیں، ائمہ ثلاثہ اس کے علاوہ ایک اور طریقے سے فیصلہ کرنے کے بھی قائل ہیں اور وہ یہ ہے کہ مدعی کے پاس صرف ایک قابل اعتماد گواہ ہے، دوسرا گواہ میسر نہیں تو ایسی صورت میں مدعی قسم کھالے مدعی کی یہ قسم دوسرے گواہ کے قائم مقام ہوگی، اس کو قضاء القاضی بشاہد ویمین کہتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۱۶۰/۴، فیض المشکوۃ: ۹۷/۷)

ایک شیٔ اور چند دعویدار

{۳۵۹۸} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلَيْهِ فِيْ مَوَارِيْثِ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ اِلَّا دَعْوٰهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَا رَسُوْلَ اللهِ حَقِّيْ هٰذَا لِصَاحِبِيْ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِ اذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا ثُمَّ لِيُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِرَأْيِيْ فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيْهِ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۰۴/۲، باب فی قضاء القاضی، اذا اخطأ، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۸۴۔

حل لغات: توخیا الامر: چاہنا، خواہش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ان دو آدمیوں کے بارے میں جو میراث کے سلسلہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھگڑا لیکر آئے، ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کیلئے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دونگا تو بلاشبہ میں اس کو آگ کے ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں دوں گا، تو ان دونوں آدمیوں میں سے ہر ایک نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ حق

میرے ساتھی کے لئے ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ایسے نہیں، لیکن تم جاؤ اور اس چیز کو تقسیم کرلو، اور حق حاصل کرلو اور تم لوگ قرعہ کرلو، پھر چاہیئے کہ تم میں ہر ایک اپنے ساتھی کے لئے حلال کردے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: میں یہ فیصلہ اپنی رائے سے کررہا ہوں، اس سلسلہ میں میرے پاس وحی نہیں آئی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں ایک بات تو یہ ہے کہ جو شخص جھوٹے دعویٰ اور جھوٹے دلائل وگواہ پیش کرکے یا جھوٹی قسم کھا کر قاضی سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے گا، تو وہ چیز جو درحقیقت اس کی نہیں تھی اس کو حاصل ہو جائے گی، لیکن ایسے شخص کو جہنم کی بدترین سزا کے لئے تیار رہنا چاہیئے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شیٔ کی ملکیت کے دو دعویدار ہوں اور دونوں کا دعویٰ برابر ہو تو ایسی صورت میں قاضی دونوں سے گواہ طلب کرے، اگر دونوں گواہ پیش کردیں یا دونوں گواہ پیش نہ کرسکیں تو قاضی کے حکم سے وہ چیز آپس میں تقسیم کرلیں گے، اگر دو حصوں میں سے کسی ایک حصے کو دونوں لینا چاہیں تو قرعہ کرلیں، جس کے نام کا قرعہ نکلے وہ مطلوبہ حصہ لے لے اور دوسرا شخص دوسرا حصہ لے لے، پھر احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کو معاف کردے، یعنی جو حصہ اس کی سمجھ سے دوسرے کے پاس چلا گیا ہے اس کو معاف کردے تاکہ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ (بذل المجہود: ۲۱۱/۱۱، فیض المشکوۃ: ۹۸/۷)

یہ حدیث بھی وہی ہے جو آٹھ حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں مگر پہلی حدیث مختصر تھی اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ دو شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں میراث کے مسئلہ میں جھگڑتے ہوئے آئے اور بینہ کسی کے پاس نہیں تھا اس پر حضور اکرم ﷺ نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو پہلے گذر چکی اس کے بعد یہاں روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ وعید سنکر دونوں شخص رونے لگے اور ہر ایک ان میں سے اپنا حق دوسرے کو دینے لگا، اس پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: "**اما اذا فعلتما مافعلتما فاقتسما وتوخیا الحق ثم استھما ثم تحالا**"۔ [پس جب تم نے کر ہی لیا جو تم نے کیا پس دونوں قسم کھاؤ اور دونوں حق کا ارادہ کرو پھر دونوں قرعہ اندازی کرو، پھر دونوں ایک دوسرے کو معاف کرو] یہ اوپر آچکا ہے کہ ان دونوں کا اختلاف کسی میراث اور ترکہ کے بارے میں تھا، ترکہ میں تو متفرق چیزیں ہوا ہی کرتی ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان سب چیزوں کو برابر برابر دو جگہ کرلو، اور ہر

ایک اس تقسیم سے اپنے ہی حق کو لینے کا ارادہ کرے، یعنی اس سے زائد کا نہیں، پھر جب وہ کل مال دو جگہ رکھا جائے قرعہ اندازی کرو، تعین حصہ کے بارے میں پھر جس کے نام جونسا حصہ نکلے اس کو وہ لے لے اور اس کے باوجود بھی آپس میں ایک دوسرے کو اپنا حق معاف کردے، یعنی احتیاطاً۔

فقال انی انما اقضی بینکم برأیی فیما لم ینزل علی فیہ: یعنی آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس مسئلہ کے بارے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی اس میں میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ کے لئے اجتہاد کا جائز ہونا

یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ آنحضرت ﷺ کے لئے احکام میں اجتہاد جائز تھا مسئلہ اختلافی ہے جمہور علماء کی رائے یہی ہے یعنی جواز کی، اس مسئلہ میں چار قول ہیں: (۱) جواز مطلقاً (۲) عدم جواز مطلقاً (۳) "**جواز فی الحروب والآراء دون الاحکام**" یعنی غزوات اور جنگ کے امور میں اور دوسرے مشورے کی باتوں میں آنحضرت ﷺ کو حق اجتہاد تھا حلال وحرام کی عام مسائل میں اجتہاد کا حق نہ تھا۔ (۴) التوقف یعنی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اصح قول اول ہے یعنی مطلق جواز احکام اور غیر احکام سب میں۔ (الدر المنضود: ۱/۱۵۶)

جس کا قبضہ اس کی ملکیت کا فیصلہ

{۳۵۹۹} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَا دَابَّةً فَاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ اِنَّمَا دَابَّتُهُ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ۔ (رواه فی شرح السنة)

حواله: شرح السنة: ۱۰/۱۰۶، باب المتداعيين اذا اقام كل واحد بينة، كتاب الامارة والقضاء، حديث نمبر: ۲۵۰۴۔

حل لغات: **نتج الناقة:** بچہ جنوانا یعنی بچہ جننے کے وقت اس کی دیکھ بھال کرنا، **اقام الدلیل**

علی شیئ: دلیل پیش کرنا کسی چیز کا ثبوت دینا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک دو آدمیوں نے ایک جانور کے بارے میں دعویٰ کیا، اور ان میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ پیش کر دیئے کہ یہ جانور اس کا ہے، اسکو اس نے جنوایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کے سلسلہ میں اس شخص کے حق میں فیصلہ فرمایا جس کے قبضے میں جانور تھا۔ (شرح السنۃ)

تشریح: اس حدیث میں ایک جانور کے قضیہ کے فیصلہ کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کی ملکیت اور اس کے جنوانے سے متعلق اختلاف کی صورت میں اگر دونوں فریق اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دیں تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا، جس کے قبضے میں جانور ہے، اور اگر کسی کے قبضے میں نہیں تو تقسیم کیا جائے گا۔ (شرح الطیبی: ۲۵۴/۷، فیض المشکوۃ: ۹۸/۷)

اس پر بعض شارحین نے یہ کہا کہ قبضہ والے کی شہادت اس دوسرے پر جسکا قبضہ نہیں ہے مطلقاً مقدم ہے، لیکن علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ قبضہ کی بنیاد پر تقدیم بچہ جنوانے کی صورت میں ہے، شرح السنہ میں یہ ہے کہ علماء نے کہا کہ دو آدمی کسی جانور یا کسی اور چیز پر دعویٰ کریں کہ وہ میری ہے دراں حالیکہ وہ ان دو میں سے کسی ایک کے قبضہ میں ہے تو قبضہ والے کی مانی جائے گی، البتہ اس سے قسم لیجائے گی لیکن اگر دوسرے نے اس پر شہادت پیش کر دی تو پھر اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر دونوں نے شہادت پیش کی تو اس صورت میں قبضہ والے کی شہادت کو ترجیح حاصل ہوگی اور اصحاب حنفیہ اس طرف گئے ہیں کہ قبضہ والے کی شہادت غیر مسموع ہے اور جانور خارج کے لئے یعنی غیر قابض کے لئے ہوگا سوا اس حالت میں کہ دونوں یہ دعویٰ کریں کہ جانور اسکا ہے اور اسی نے اسکو جنوایا ہے اور اس پر شہادت بھی پیش کر دیں تو ایسی حالت میں قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اور اگر دونوں کے قبضہ میں ہو اور دونوں نے قسم کے ساتھ اسکا دعویٰ کیا تو قبضہ کی وجہ سے وہ دونوں پر تقسیم ہوگا اور یہی حکم اس وقت ہے جب دونوں شہادت پیش کر دیں۔ واللہ اعلم۔ (انوار المصابیح: ۲۲۷/۶، مرقاۃ: ۱۶۱/۴)

اگر دو آدمی ایک چیز کی ملک کا دعویٰ کریں اور دونوں اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کر دیں تو کس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)...... دونوں محض ملک مطلق کا دعویٰ کر رہے ہوں سبب ملک ان میں سے کوئی نہ بیان کر رہا ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صاحب ید کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، حنفیہ کے یہاں خارج (غیر صاحب ید) کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

(۲)...... ان دونوں نے ملک مطلق کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ دونوں ملک کا ایسا سبب بیان کرتے ہیں جو مکرر نہیں ہوتا ہے مثلاً یہ کہ یہ جانور یا غلام میرے یہاں پیدا ہوا ہے، نتاج اور ولادت ایسی چیز ہے، جس کا تکرار ممکن نہیں یا مثلاً کپڑے کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کو میں نے بنا ہے، کپڑے کا "نسج" بھی ایسا سبب ہے جو متکرر نہیں ہوتا اس صورت میں بالاتفاق صاحب ید کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب دو آدمی گواہ پیش کر دیں تو ان میں سے جس کے گواہ مثبت زیادہ ہوں اس کو ترجیح دی جاتی ہے، جب صاحب ید اور خارج دونوں نے گواہ پیش کر دیئے تو خارج کے گواہ نے اثبات زیادہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کے گواہ ملک مطلق ثابت کر رہے ہیں، جبکہ صاحب ید کے لئے ملک مطلق تو اس کے ید نے ہی ثابت کر دیا، لہٰذا گواہوں نے کوئی نئی بات ثابت نہیں کی، حاصل یہ کہ چونکہ خارج کے گواہوں میں اثبات کی شان زیادہ ہے، اس لئے اس کے گواہوں کو ترجیح دی گئی ہے، اس قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسری صورت میں بھی خارج کے بینہ کو ترجیح دی جاتی، مگر احناف نے زیر بحث حدیث کی وجہ سے اس صورت میں قیاس کو ترک کر کے استحساناً صاحب ید کے حق کے گواہوں کو ترجیح دی ہے۔

(اشرف التوضیح: ۵۶۳، مرقاۃ: ۱۶۱/ ۴)

دو دعویداروں میں تقسیم کا ذکر

{۳۶۰۰} **وَعَنْ** اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِدَّعَیَا بَعِیْراً عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَیْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهُمَا نِصْفَیْنِ۔ (رواه ابوداؤد) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُ وَلِلنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَةَ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِدَّعَیَا بَعِیْراً لَیْسَتْ

لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ فَجَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۵۰۹، باب الرجلین یدعیا شیئا، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۱۳، نسائی شریف: ۲/، باب القضاء فیمن لم تکن لہ بینۃ، کتاب آداب القضاء حدیث نمبر، ۵۴۲۴، ابن ماجۃ: ۱۶۹، باب الرجلین یدعیان السلعۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۲۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان اس کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا، (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں اور نسائی و ابن ماجہ میں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ پر دعویٰ کیا اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ ایک چیز کے دو دعویدار ہیں اور دونوں کے پاس گواہ موجود ہیں یا دونوں کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں، تو دونوں ہی صورتوں میں دعویداری برابر کی ہے، لہٰذا پورے طور پر کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ ہوگا، بلکہ دونوں کے حق میں وہ چیز برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ (فیض المشکوۃ: ۷/ ۹۹)

اگر دو آدمی کسی چیز کا دعویٰ کریں اور ان میں سے کسی کو ید حاصل نہ ہو اور دونوں اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کر دیں تو احناف کے یہاں وہ چیز دونوں کو نصف نصف دینے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ قرعہ اندازی کر کے جس کا قرعہ نکلے گا اس سے یمین لیجائے گی اور وہ ساری چیز اسی کو دیدی جائے گی، امام احمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت احناف کی طرح بھی ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ قرعہ اندازی سے جس کا نام نکلے اس کے بینہ کو ترجیح دی جائے گی۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث احناف کی دلیل ہے اس سے اگلی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استہام (قرعہ اندازی) کا حکم دیا ہے، فصل اول کی آخری حدیث کا مفہوم تقریباً یہی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں صرف اتنی بات مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

استہام کا حکم دیا لیکن یہ تفصیل مذکور نہیں کہ استہام کس مقصد کے لئے ہوا، ہوسکتا ہے کہ چونکہ دونوں کے پاس بینہ نہیں تھے، اس لئے اب دونوں سے حلف لینا تھا، پہلے کس سے حلف لیا جائے اس کے لئے قرعہ اندازی کی گئی ہو، اور احناف کے مسلک کے خلاف نہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ استہام یہاں اقتراع کے معنی میں نہیں بلکہ اقتسام کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں قسم اٹھا کر اس کو آپس میں تقسیم کرلو کیونکہ بینہ تم سے کسی کے پاس نہیں ہیں۔

(بذل المجہود: ۱۱/۳۵۱، اشرف التوضیح: ۵۶۳)

اعتراض: یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ دونوں نے گواہ پیش کر دیئے اور آگے آرہا ہے کہ دونوں نے پیش نہیں کئے، یہ تضاد کیوں ہے؟

جواب: (۱) تضاد نہیں ہے بلکہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں جن میں ایک ہی فیصلہ ہوا۔

(۲) دونوں نے گواہ پیش کئے حقیقت کے اعتبار سے اس کو بیان کیا ہے یہاں، اور چونکہ دونوں نے گواہ پیش کر دیئے تو باہم تعارض ہونے کی وجہ سے گواہی کا اعتبار کر کے کسی ایک جانب فیصلہ نہیں کیا گیا لہٰذا گواہوں کی گواہی ساقط ہوگئی، اس اعتبار سے کیا گیا ہے کہ دونوں نے گواہ نہیں پیش کئے۔

قسمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نصفین: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تقسیم فرمادی، یہی حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے، امام احمد کے نزدیک ایسی صورت میں قرعہ کیا جائے، جس کے نام قرعہ نکلے اس کو دیا جائے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں میں سے جو زیادہ عادل ہو اس کو دیا جائے۔ (بذل المجہود: ۱۱/۳۵۱، فیض المشکوۃ: ۷/۸۸)

قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کا ثبوت

{۳۶۰۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا فِیْ دَابَّةٍ وَلَیْسَ لَهُمَا بَیِّنَةٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَی الْیَمِیْنِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۰۹/۲، باب الرجلین یدعیان شیأ، کتاب الاقضیۃ،

حدیث نمبر:۳۶۱۸، ابن ماجہ، ۱۶۹، باب القضاء بالقرعۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر:۲۳۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک جانور کے بارے میں جھگڑا کیا، اور ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب دونوں فریقین کے پاس دعویٰ پر گواہ نہیں ہیں، تو دونوں لوگ قرعہ اندازی کرلیں، جس کے نام کا قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر اس چیز کو لے لے جس کے بارے میں اختلاف ہے اور جس پر دونوں اپنی ملکیت کے دعویدار ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں متنازع شئ کو دونوں فریق میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

(فیض المشکوۃ:۱۰۰/ ۷، بذل المجہود:۳۵۱/ ۱۱)

استھما علی الیمین: مطلب یہ ہے کہ جب شہادت کسی کے پاس موجود نہیں ہے تو اب قسم کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں قسم کے لئے بھی تیار ہو جائیں گے اس لئے اب حکم یہ ہوا کہ اس پر قرعہ ڈالو کہ کون قسم کھائے جس کا نام قرعہ میں نکل آیا اسی کو قسم کھانے کا حق ہوگا پس اگر وہ قسم کھا جائے تو مدعی علیہ اسی کے حوالہ کی جائے گی، اسی جیسی صورت حال پر مشتمل فصل اول کی آخری حدیث گذر چکی ہے۔

(مرقاۃ:۱۶۱/ ۴، انوار المصابیح:۲۳۷/ ۶)

مدعی علیہ کو قسم کھانے کی تاکید کی جائے

{۳۶۰۲} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَّفَهُ اِحْلِفْ بِاللهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَالَهٗ عِنْدَكَ شَيْءٌ يَعْنِيْ لِلْمُدَّعِيْ۔ (ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۲/ ۵۱۰، باب کیف الیمین، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر:۳۶۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے جس کو قسم دلانا تھا، فرمایا کہ: تم اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس بات پر قسم کھاؤ کہ تمہارے پاس اس شخص یعنی مدعی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کے یہاں مدعی جب اپنے دعویٰ پر گواہ پیش نہیں کر سکے گا تو قاضی مدعی علیہ سے قسم کھانے کے لئے کہے گا چنانچہ مدعی علیہ خدا کی قسم کھا کر اس بات کو کہے گا، کہ مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے، اور میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ درست ہے، اگر مدعی نے مدعی علیہ پر کسی حق کا دعویٰ کیا تو وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا یہ حق میرے ذمہ نہیں ہے قاضی کے یہاں مدعی علیہ کی گواہی پر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا چاہے جھوٹا کیوں نہ ہو قاضی اس کی قسم کا اعتبار کرے گا، البتہ اگر قاضی کو شرعی گواہی سے معلوم ہو جائے کہ اس کی یہ قسم جھوٹی ہے تو وہ قسم غیر معتبر ہوگی۔

(فیض المشکوۃ: ۱۰۰/۷، بذل المجہود: ۳۵۴/۱۱)

یعنی آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ جس سے آنحضرت ﷺ کو قسم لینی تھی یعنی مدعی علیہ کہ ان لفظوں کے ساتھ قسم کھائے جو حدیث میں مذکور ہیں۔

بظاہر مصنف کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ قاضی اگر الفاظ قسم میں تغلیظ کی ضرورت سمجھے تو جس قسم کے الفاظ سے وہ چاہے قسم لے سکتا ہے "**والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری**"۔

(الدر المنضود: ۴۶۲/۵)

مدعیٰ علیہ کو قسم دلانے کا ذکر

{۳۶۰۳} **وَعَنِ** الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِيْ فَقَدَّمْتُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُوْدِيِّ اِحْلِفْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِذَنْ يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِيْ فَاَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الْاٰيَةَ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حوالہ: ابو داؤد شرف: ۲/ ۵۱۰، باب اذا کان المدعی علیہ ذمیا أیحلف، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۲۱، ابن ماجہ: ۱۶۸، باب البینۃ علی المدعی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۲۲۔

حل لغات: قدمه: آگے کرنا، **اذا:** تب، تب تو ایسا ہے، تو کلام سابق کا جواب اور جزا۔

ترجمہ: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور یہودی کے درمیان ایک زمین تھی، لیکن یہودی نے میرے حصہ کا انکار کیا، میں اس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کہ تمہارے پاس گواہی ہے، میں نے عرض کیا کہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے کہا کہ قسم کھاؤ، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب تو یہ قسم کھالے گا اور میرا مال لے کر چلا جائیگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا الخ۔

وہ لوگ جو اللہ کے عہدوں اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں قضاء کے معروف ضابطے "**البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر**" مدعی کے ذمہ بینہ ہے اور انکار کرنے والے پر یمین کی عملی مثال ہے۔

مقدمہ آپ کی خدمت میں آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی ضابطے کے مطابق مدعی سے بینہ پیش کرنے کے لئے کہا، مدعی بینہ پیش نہ کرسکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی علیہ سے قسم کھانے کے لئے کہا چوں کہ مدعی علیہ یہودی تھا، اور یہودیوں میں عموماً امانت و دیانت مفقود تھی اور جھوٹی قسم کھانے میں انہیں کوئی تامل نہیں تھا، اس لئے مدعی مسلمان نے اپنی تشویش کا اظہار کیا، کہ یہ تو جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کرلے گا، اور سکون سے رہے گا، اس پر آیت نازل ہوئی جس کا مقصود یہ ہے کہ جھوٹی قسموں سے دنیا میں تو مالک بن بیٹھے گا لیکن ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوں گے۔ (بذل المجہود: ۳۵۵/ ۱۱، فیض المشکوۃ: ۱۰۱/ ۷)

وعن الاشعث بن قیس: رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ابن معدیکرب انکی کنیت ابومحمد کندی ہے اور وفد کندہ کے ساتھ اس کے سردار کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ۱۰ ہجری

کا واقعہ ہے یہ اپنی قوم کے نہایت باعزت، اسکے سردار اور قائد تھے اور اسلام میں بھی وجاہت اور نمایاں شخصیت کے مالک تھے البتہ نہ معلوم کن حالات میں یہ ایک مرتبہ مرتد ہو گئے تھے لیکن ان پر اللہ کا کرم ہوا اور خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دوبارہ اسلام لائے اور کوفہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۴۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا، ان کی نماز جنازہ حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھائی، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحابی ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ارتداد کی وجہ سے انکی صحابیت باطل ہوگئی تھی اور اب یہ تابعی ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر تم یہ کہو کہ اس آیت کا نزول "**اذا یحلف ویذھب بمالی**" کے مطابق کیوں کر ہے! تو میں کہوں گا کہ اسکی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ گویا کہ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تمہارے لئے اس پر سوا حلف کے اور کچھ نہیں اور اگر اس نے جھوٹ بولا تو اس پر اسکا وبال ہوگا، اور دوسری شکل یہ ہے کہ گویا اسکے ذریعہ یہودی کو یاد دلایا گیا کہ اس جیسی وعید تورات میں بھی موجود ہے جس پر تمہارا ایمان ہے، (رواہ الخ) سید جمال الدین نے فرمایا کہ اصل حدیث "**یذھب بمالی**" تک ہی ہے محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک۔ (مرقاۃ: ۱۶۱/ ۴، انوار المصابیح: ۲۴۷/ ۶)

جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے، دنیا کی تمام عدالتوں میں بھی جہاں وضعی قوانین ہیں، یہی ضابطہ ہے۔

حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا جو حضر موت کے باشندے تھے ایک یہودی سے زمین کا جھگڑا تھا، وہ زمین اشعث رضی اللہ عنہ کے دادا سے اس یہودی کے دادا نے غصب کی تھی، اشعث رضی اللہ عنہ اس کا مقدمہ لیکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعث رضی اللہ عنہ سے گواہ طلب کئے کیونکہ وہ مدعی تھے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے، کیونکہ اس معاملہ کا دیکھنے والا کوئی شخص زندہ نہیں تھا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو قسم کھلانی چاہی تو حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ یہودی ہے، جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کر جائے گا! اس سلسلہ میں آل عمران کی یہ آیت نمبر ۷۷ نازل ہوئی: "**ان الذین یشترون بعھد اللہ ایمانھم**

ثمنا قلیلاً، یعنی جو لوگ حقیر بدلہ لے لیتے ہیں اس عہد کے عوض میں جو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے کیا ہے، اور اپنی قسمیں کے عوض میں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے (پرلطف) کلام نہیں کریں گے اور ان کی طرف قیامت کے دن (محبت سے) نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی، اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس یہودی کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا: اگر وہ جھوٹی قسم کھائے گا تو جب اس کی اللہ سے ملاقات ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوں گے، پھر کیا ہوا؟ اس یہودی نے قسم کھائی یا نہیں؟ اس سے حدیث ساکت ہے۔ (بذل المجہود: ۳۵۵/۱۱، تحفۃ الالمعی: ۱۹۶/۴)

جھوٹی قسم کھا کر مال ہڑپ کرنیوالے کا انجام

{۳۶۰۴} **وَعَنْهُ** اَنَّ رَجُلًا مِنْ كِنْدَةَ وَرَجُلًا مِنْ حَضْرَ مَوْتَ اخْتَصَمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَرْضٍ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اَرْضِيْ اغْتَصَبَنِيْهَا اَبُوْ هٰذَا وَهِيَ فِيْ يَدِهٖ قَالَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا وَلٰكِنْ اُحَلِّفُهٗ وَاللهِ مَا يَعْلَمُ اَنَّهَا اَرْضِيْ اغْتَصَبَنِيْهَا اَبُوْهُ فَتَهَيَّأَ الْكِنْدِيُّ لِلْيَمِيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ اَحَدٌ مَالًا بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ اَجْذَمُ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضُهٗ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۱۰۵، باب الرجل یحلف علی علمہ، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۲۲۔

حل لغات: **اختصم: القوم**، باہم جھگڑنا، **غصب: اغتصب**، جبراً وقہراً کوئی چیز کسی سے لے لینا، **الید**، ہاتھ قبضہ وغیرہ، **البینۃ**: شہادت وغیرہ، **حلفہ**: قسم کھلوانا، حلف اٹھوانا، **تھیأ للامر**: کسی کام کے لئے آمادہ ہوجانا، تیار رہنا، **قطع فلانا عن حق فلان**: کسی کو کسی کے حق سے روکنا، **قطع فلانا عن کذا**: محروم کرنا۔

ترجمہ: حضرت اشعث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کندہ کا اور ایک آدمی حضرموت کا

یمن کی ایک زمین سے متعلق جھگڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے حضرمی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میری زمین ہے جس کو اس کے باپ نے مجھ سے غصب کرلیا اور وہ اس کے قبضہ میں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: کہ کیا تمہارے پاس گواہی ہے، اس نے عرض کیا کہ نہیں ہے، لیکن میں اسکو قسم کھلاؤں گا، اللہ کی قسم اسکو نہیں معلوم ہے کہ میری زمین اس کے باپ نے مجھ سے چھین لی ہے، کندی قسم کھانے کیلئے تیار ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا، کہ وہ کوڑھی ہوگا، تو کندی بولا یہ اسی کی زمین ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مدعی کے پاس اگر بینہ ہے تو قاضی اس کے حق میں فیصلہ کرے گا لیکن اگر اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو قاضی مدعی علیہ سے قسم کھلوائے گا اور اس کے حق میں فیصلہ کرے گا لیکن اگر مدعی علیہ جھوٹی قسم کھائے گا تو اس کا انجام بڑا خراب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض بھی ہوں گے، اور اس کی رسوائی اس طور پر ظاہر کردیں گے کہ قیامت کے دن وہ کوڑھی ہوگا۔

(بذل المجہود: ۳۵۶ / ۱۱، فیض المشکوۃ: ۱۰۱ / ۷)

یعنی جس معاملہ کا تعلق براہ راست اپنے سے نہ ہو وہاں پر مدعی علیہ سے حلف اس کے علم پر لینا چاہئے، یعنی نفس الامر پر حلف نہ لیا جائے، احتیاط کا تقاضہ یہی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، یہ حدیث بھی کتاب الایمان والنذور میں گذر چکی ہے، اس حدیث میں یہ ہے کہ مدعی نے یہ کہا کہ مدعی علیہ کے پاس جو زمین ہے وہ میری ہے، مدعی علیہ کے باپ نے مجھ سے غصب کی تھی، دیکھئے، یہاں غصب کا تعلق چونکہ براہ راست مدعی علیہ سے نہ تھا بلکہ اس کے باپ سے تھا اس لئے یہاں پر قسم علم پر لی گئی، چنانچہ مدعی علیہ نے قسم میں کہا کہ واللہ میرے علم میں نہیں یہ بات کہ میرے باپ نے مدعی کی یہ زمین غصب کی تھی۔

(الدر المنضود: ۴۶۳ / ۵)

جھوٹی قسم کبیرہ گناہ ہے

{۳۶۰۵} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقَ

الْوَالِدَیْنِ وَالْیَمِیْنَ الْغُمُوْسَ وَمَا حَلَفَ بِاللّٰہِ یَمِیْنَ صَبْرٍ فَأَدْخَلَ فِیْهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ إِلَّا جُعِلَتْ نُكْتَةٌ فِيْ قَلْبِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۱۳۱، باب ومن صورۃ النساء کتاب التفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۰۲۰۔

حل لغات: عق اباہ: نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت انجام نہ دینا، **النجم:** ستارہ کا غروب ہونا، **غمس الشیئ فی الماء:** ڈبونا، **النکتۃ:** دھبہ، زمین کریدنے کا نشان۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ انیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ بڑے گناہوں میں سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے، اور جھوٹی قسم کھانا ہے، اور نہیں قسم کھائی کسی قسم کھانے والے نے اللہ کی روکنے کے طور پر پھر اس نے داخل کیا اس قسم میں مچھر کے پر کے برابر (جھوٹ کو) مگر وہ قسم اس کے دل میں قیامت تک ایک دھبہ بنا دی جائے گی۔ (ترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین بڑے گناہوں کا تذکرہ ہے، (۱) شرک (۲) والدین کی نافرمانی ان دونوں کی قباحت سے ہر کوئی واقف ہے اور یہ دونوں گناہ ان میں سے ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اجتنبوا السبع الموبقات**" سات تباہ کرنے والے گناہوں سے بچو یہ حدیث کتاب الایمان میں گذر چکی ہے۔

(۳) تیسرا بڑا گناہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ جھوٹی قسم کھانا ہے، خاص طور پر قاضی کے دربار میں کسی کا حق غصب کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھانے پر بڑی وعیدیں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، "**من حلف علی یمین مصبورۃ کاذبا فلیتبوأ بوجھہ مقعدہ من النار**" جو شخص قاضی کی مجلس میں جھوٹی قسم کھائے اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۱۰۲)

ومن عبد اللہ ابن انیس: یہ مصغر ہے، حضرت عبد اللہ بن انیس جہنی انصاری غزوہ احد میں شریک ہوئے اور پھر اس کے بعد تمام غزوات میں داد شجاعت دیتے رہے ان سے حدیث کی روایت

حضرت ابوامامہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما وغیر ہما نے کی ہے مدینہ منورہ میں ۵۴ رہجری میں انتقال فرمایا۔

تین بڑے گناہ کیا ہیں؟

سورہ نساء میں آیت ۳۱ ر میں ہے: "اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا" یعنی جن کاموں (گناہوں) سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری گناہ ہیں اگر تم ان سے بچتے رہے تو ہم تمہاری ہلکی برائیاں تم سے دور کر دیں گے، اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کریں گے۔

تفسیر: کبیرہ گناہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں جامع ترین قول یہ ہے کہ (۱) جس گناہ پر کوئی وعید آئی ہو (۲) یا حد مقرر کی گئی ہو، (۳) یا اس گناہ پر لعنت آئی ہو، (۴) یا اس میں خرابی ایسے گناہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو، (۵) یا وہ کام آدمی نے دین میں سستی کی راہ سے کیا ہو تو کبیرہ گناہ ہے، اور اس کا مقابل صغیرہ ہے اور باب کی حدیثوں میں جو کبائر بیان ہوئے ہیں، وہ اکبر الکبائر بڑے کبیرہ گناہ ہیں، تمام کبیرہ گناہوں کا باب کی حدیثوں میں احاطہ نہیں کیا گیا۔

متفق علیہ حدیث میں ہے: "**اجتنبوا السبع الموبقات**" سات تباہ کرنے والے گناہوں سے بچو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت کیا! وہ کیا ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، (۲) جادو کرنا، کرانا، (۳) اس شخص کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، مگر کسی حق شرعی کی وجہ سے، (۴) سود کھانا، (۵) یتیم کا مال کھانا، (۶) مڈبھیڑ کے دن پیٹھ پھیرنا، (۷) اور ایمان دار، گناہ سے بے خبر، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (تحفۃ الالمعی: ۵/۱۷۵/۷)

فائدہ: یمین غموس: گذشتہ کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانے کو یمین غموس کہا جاتا ہے، احناف کے یہاں اس پر توبہ و استغفار ہے، کفارہ نہیں آتا، البتہ اس کے بارے میں سخت وعید وارد ہے، اسی وجہ سے اس کو غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ قسم کھانے والے کو آگ میں غوطہ دیتی ہے، غمس غوطہ دینے کو کہا جاتا ہے، اس قسم کے ذریعہ سے ناجائز طور پر معاملات میں لوگوں کا مال لیا جاتا ہے۔

قسم صبر کی تفصیل فصل اول حدیث نمبر: ۲ رگذر چکی ہے، اس کا حکم بھی غموس کی طرح ہے یعنی اس

پر توبہ واستغفار لازم ہے اور قیامت تک زنگ جیسے نکتہ کا اثر اس کے دل پر باقی رہے گا پھر اس پر جہنم کا وبال اور عذاب مرتب ہوگا، پس جھوٹ کی آمیزش پر اتنا سخت عذاب ہے تو اس شخص کو کتنا سخت عذاب ہوگا جس کی ساری بات ہی جھوٹی ہو اور اس جھوٹی بات پر قسم کھائے۔

(۲) آنحضرت ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا اور آخری کے ساتھ وعید کو مختص کر دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بھی انہی جیسا گناہ ہے اور "اکبر الکبائر" میں داخل ہے اور یہ اس طرح خطرے کے پیش نظر فرمایا کہ تاکہ لوگ اس کو معمولی خیال کریں اور یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ کبائر سے نہیں ہے، اس کی دوسری نظیر خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ والی روایت ہے، "**عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله**" کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔ (شرح الطیبی: ۲۵۶/۷، مظاہر حق: ۵۵۹/۴)

جھوٹی قسم کھانے والا جہنم میں ٹھکانا بنالے

{۳۶۰۶} **وَعَنْ** جابر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِيْ هٰذَا عَلىٰ يَمِيْنٍ اٰثِمَةٍ وَلَوْ عَلىٰ سِوَاكٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔

(رواه مالك وابوداؤد وابن ماجة)

حوالہ: مؤطا امام مالک: باب ماجاء في الحلف على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم، کتاب الاقضية، حديث نمبر: ۱۰، ابوداؤد: ۲/۲۶۳، باب ماجاء في تعظيم اليمين عند منبر نبی صلى الله عليه وسلم، كتاب الايمان والنذور، حديث نمبر: ۳۲۴۶، ابن ماجة: ۱۶۸، باب اليمين عند مقاطع الحقوق، كتاب الاحكام، حديث نمبر: ۲۳۲۵۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم کھاتا ہے، اگرچہ وہ ایک سبز مسواک کیلئے ہی کیوں نہ ہو، تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ یا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کیلئے جہنم واجب ہوگئی۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کی چیز غصب کرنا بہت

بڑا جرم ہے، وہ چیز کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، لیکن وہ غصب کرنے والے کے لئے جہنم کا ذریعہ بن جائے گی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم کھانا حرام ہے لیکن اگر کسی مقدس جگہ پر کھائی جائے تو اس کی قباحت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۰۳/۷)

ابو داؤد شریف میں ایک باب قائم کیا گیا ہے **"باب ما جاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم"** کے نام سے، تعظیم الیمین کی دو قسمیں ہیں (۱) **تعظیم الیمین بالزمان (۲) تعظیم الیمین بالمکان، تعظیم بمعنی تغلیظ** یعنی قسم کو معظم اور تغلیظ کرنا مکان مقدس کے ذریعہ سے مسجد یا منبر شریف کے قریب قسم کھلوانا، اور ایسے ہی تغلیظ بالزمان جیسے بروز جمعہ یا بعد العصر وغیرہ، تغلیظ الیمین بالزمان ہو یا بالمکان حنفیہ اس کے قائل نہیں شافعیہ و مالکیہ قائل ہیں۔

ومن حنابلہ روایتان: ویسے ہمارے فقہاء کی عبارتیں قدرے مختلف ہیں **"ففی الدر المختار لا یستحب تغلیظ الیمین بزمان ولا مکان، قلت وحاصلہ الاباحۃ وفی البحر لا یجوز، لا یحلف احد عند منبر ھذا علی یمین آثمۃ الخ"**۔ اس حدیث سے بظاہر تغلیظ الیمین بالمکان سمجھ میں آرہا ہے اس کا جواب میرے ذہن میں یہ ہے کہ **"عند منبری"** کی قید بیان واقع کے طور پر ہے برائے تغلیظ نہیں اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے عموماً فیصلے مسجد میں منبر شریف کے قریب ہی ہوا کرتے تھے۔ **"فقد ترجم البخاری فی کتاب العلم باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد وترجم ایضاً فی کتاب الاحکام باب من قضی ولاعن فی المسجد قال ابن بطال استحب القضاء فی المسجد طائفۃ وقال مالک ھو الامر القدیم الخ، وفی الھدایۃ یجلس للحکم جلوساً ظاھراً فی المسجد الخ"**۔ (تراجم بخاری: ۳۰۱/۶)

والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔ (الدر المنضود: ۲۹۱/۵)

فائدہ: منبر کے پاس قید لگانے کی وجہ یہ ہے، وہ عظمت والا مقام ہے، جب جھوٹی قسم مطلق طور پر غضب الٰہی کا باعث ہے تو وہاں جھوٹی قسم گناہ میں اور بڑھ جائے گی۔

سواک اخضر: سبز مسواک اس لئے کہا کہ وہ ایک نہایت معمولی چیز ہے، خشک ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا معمولی سی چیز پر جھوٹی گواہی دوزخ کو واجب کرتی

ہے، تو جو لوگ بے دھڑک بڑی بڑی چیزوں کے بارے میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟
(مظاہر حق: ۵۶۱/۴)

جھوٹی گواہی شرک کے مانند جرم ہے

{۳۶۰۷} **وَعَنْ** خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ. (رواه ابوداؤد وابن ماجة) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ اَيْمَنَ ابْنِ خُرَيْمٍ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَاءَةَ.

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۰۶/۲/۷، باب فی الشهادة الزور، کتاب الاقضیة، حدیث نمبر: ۳۵۹۹، ابن ماجه: ۱۷۱، باب شهادة الزور، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۷۲، مسند احمد: ۳۲۱/۴، ترمذی: ۵۶/۲، باب ماجاء فی شهادة الزور کتاب الشهادات، حدیث نمبر: ۲۳۰۰۔

حل لغات: انصرف: ہٹنا، الگ ہونا، چھوڑنا، **عدل الشیئ عدلا:** برابر کرنا، سیدھا کرنا، **عدل الشیء بالشیء:** ایک چیز کو دوسری چیز کے برابر کرنا، ہٹنا، ایک طرف کو جھکنا، **الحنیف:** برائی چھوڑ کر اچھائی کی طرف آنے والا۔

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے کھڑے ہو گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا جھوٹی گواہی دینا اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دی گئی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی "**فاجتنبوا الرجس الخ**" تم لوگ بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچو، اللہ کے آگے جھکے رہو اس کیساتھ شرک نہ کرتے ہوئے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

احمد اور ترمذی نے یہ روایت "**ایمن ابن خریم**" سے نقل کی ہے اور ابن ماجہ نے اس روایت میں قرات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا جرم ہے، یوں تو جھوٹ کی ہر شکل ممنوع ہے، لیکن کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعہ سے بندوں کو نقصان پہنچایا جائے، یہ بہت بڑا گناہ ہے، چونکہ یہ چیز بہت سے فتنوں کی جڑ ہے، اس لئے یہ اپنے عواقب اور نتائج کے اعتبار سے شرک کے مانند گناہ کبیرہ ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۰۴/۷، شرح الطیبی: ۲۵۷/۷)

آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے یہ بات آنحضرت ﷺ نے تین بار فرمائی، اور اس کی تائید میں آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، تائید یا تو اس طور پر ہے کہ اس آیت کریمہ میں "**اجتناب من الزور**" اور "**اجتناب من عبادۃ الاوثان**" دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اگر چہ "**اقتران فی الذکر اقتران فی الحکم**" کو مستلزم نہیں لیکن کم از کم مناسبت اور قربت کو تو مستلزم ہے اور یا پھر استدلال آیت کے مابعد کے حصہ سے ہے، "**حنفاء للہ غیر مشرکین بہ**" حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر میں ہے کہ "**قول زور**" کے بہت سے مراتب ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ "**اشراك باللہ**" بھی اسی کی ایک نوع ہے اس لئے کہ اس پر بھی "**قول زور**" ہونا صادق آتا ہے جس کی تائید **حنفاء للہ غیر مشرکین بہ** سے ہو رہی ہے۔ **والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ قالہ المنذری۔** (الدر المنضود: ۴۵۳/۵)

فائدہ: حضرت نبی کریم ﷺ نے تقریر فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: لوگو! جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک ٹھہرانے کے برابر گردانی گئی ہے، پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے سورۃ الحج کی آیت ۳۰/ پڑھی: "**فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور**" یعنی تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو، اور جھوٹی بات سے بھی کنارہ کش رہو، یہ دو باتیں واؤ عاطفہ کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جو مطلق جمع کے لئے ہے، پس دونوں گناہ تقریباً یکساں ہوئے کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں اشتراک ہوتا ہے اور اشراک باللہ کے گناہ کی سنگینی ہر شخص جانتا ہے، پس جان لینا چاہئے کہ جھوٹی گواہی بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۸۵/۶)

کن لوگوں کی گواہی نامقبول ہے

{۳۶۰۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلاَ خَائِنَةٍ وَلاَ مَجْلُوْدٍ حَداًّ وَلاَ ذِيْ غِمْرٍ عَلَى أَخِيْهِ وَلاَ ظَنِيْنٍ فِيْ وَلاَءٍ وَلاَ قَرَابَةٍ وَلاَ الْقَانِعِ مَعَ أَهْلِ الْبَيْتِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَيَزِيْدُ بْنُ زِيَادِ الدِّمَشْقِيُّ الرَّاوِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: ترمذی: ۵۶/۲، باب ما جاء فی من لاتجوز لشھادۃ، کتاب الشھادات: حدیث نمبر: ۲۲۹۸۔

حل لغات: **الولا:** ملکیت، **قرب:** تعلق، رشتہ داری، مدد، محبت، دوستی وناداری، جان نثاری وغیرہ، **قنع:** تھوڑی چیز پر اکتفاء کرنا، **المجلود:** وہ شخص جس پر شرعی سزا جاری ہوتی ہو، **جلد:** (ض) **جلدا:** کھال پر مارنا، **غمر:** کینہ، دل کا کھوٹ (ج) **غمور، الظنین:** ناقابل اعتبار غیر معتبر، متہم، مشرک، بےنفع۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے اور جس پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو، اور وہ شخص جو اپنے بھائی کے خلاف دشمنی رکھنے والا ہو، اور وہ شخص جو ولاء کے بارے میں متہم ہے اور وہ شخص جو قرابت کے بارے میں متہم ہو، اور نہ اس شخص کی جو کسی ایک گھرانے کے ساتھ قناعت کرنے والا ہو، (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب اور یزید ابن زیاد دمشقی راوی منکر الحدیث ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں ان جھوٹوں کا ذکر ہے، جن کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

(۱)...... جو لوگ امانتوں میں خیانت کرنے والے مشہور ہوں۔

(۲)...... وہ شخص جس نے کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہو، اور اس پر حد قذف جاری کی گئی ہو،

تواس شخص کی گواہی توبہ کرنے کے بعد بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔

(۳)...... جولوگ آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی وعداوت رکھتے ہوں ان کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی معتبر نہیں۔

(۴)...... وہ شخص جو اپنے آزاد کرنے والے کے علاوہ دوسرے شخص کی طرف اپنی آزادی کی نسبت کرنے والا ہو، اور اس کا یہ جھوٹ لوگوں میں مشہور بھی ہو۔

(۵)...... وہ شخص جو اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف نسبت کرے اور اپنے کو دوسرے کا بیٹا بتائے، اس کی بھی گواہی غیر معتبر ہے۔

(۶)...... وہ شخص جو کسی کے زیر نفقہ ہو ایسا شخص اگر اپنے نفقہ دینے والے کے حق میں گواہی دے گا، تو اس کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ (فیض المشکوۃ: ۱۰۵/۷)

سورۃ البقرہ آیت: ۲۸۲ رمیں گواہوں کے تعلق سے ارشاد پاک ہے: **ممن ترضون من الشهداء**۔ یعنی گواہ ایسے ہونے چاہئیں جن کو تم پسند کرتے ہو، اور گواہوں کی پسندیدگی ان کی چند خوبیوں کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً عقلمند ہونا، پوری عمر کا ہونا، معاملہ فہم ہونا، قوت گویائی کا مالک ہونا، مسلمان ہونا، جبکہ مدعی علیہ مسلمان ہو، دیندار ہونا، بامروت ہونا اور متہم نہ ہونا وغیرہ۔

اور گواہوں کے معتبر ہونے کے لئے یہ اوصاف اس لئے ضروری ہیں کہ ہر خبر فی نفسہ صدق و کذب کا احتمال رکھتی ہے، یعنی ان کی بتلائی ہوئی بات سچی بھی ہوسکتی ہے اور جھوٹی بھی، پس کسی قرینہ ہی سے کسی ایک احتمال کو ترجیح حاصل ہوگی، اور قرینہ یا تو خبر دینے والے میں ہوگا یا بیان کی ہوئی بات میں یا ان کے علاوہ میں مگر مخبر کی صفات کے علاوہ دوسری کوئی ایسی چیز متعین نہیں کہ جس پر فیصلہ شرعی کا مدار رکھا جائے اس لئے گواہی کے مقبول ہونے کے لئے مذکورہ صفات کو شرط قرار دیا گیا ہے، پس جو گواہ فاسق وفاجر ہو یعنی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہو یا وہاں مظنہ تہمت ہو وہ جنبہ داری میں یا عداوت میں جھوٹی گواہی دے رہا ہے تو ایسے گواہ کی گواہی شرعاً معتبر نہیں۔

مسالک ائمہ

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ہمارے امام صاحب نے فرمایا کہ حد قذف کے سزا یاب کی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ توبہ کرلے، اور قاضی نے فرمایا کہ حد قذف کے اس حکم میں زانی غیر شادی شدہ اور شارب خمر بھی شامل ہیں، مظہر نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ جب قاذف کو سزا کے طور پر کوڑے لگا دیئے گئے تو اب کبھی اسکی شہادت قبول نہ کی جائے گی اگر چہ وہ توبہ کرلے لیکن کوڑے لگنے سے پہلے اس کی شہادت مقبول ہے، امام صاحب کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: "ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً" اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے توبہ کرلی ہے تو اب اس کی شہادت قبول کی جائے گی برابر ہے کہ حد کے کوڑے اس پر لگے ہوں یا نہ لگے ہوں اور اگر توبہ نہ کرے تو اسکی شہادت قبول نہ کی جائے گی کوڑے لگ چکے ہوں یا نہ لگ چکے ہوں۔

زانی اور زانیہ کی گواہی معتبر نہیں

{۳۶۰۹} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى أَخِيْهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ. (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۰۷، باب من ترد شہادتہ، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۰۱۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے، اور نہ زنا کرنے والے مرد اور نہ زنا کرنے والی عورت کی گواہی معتبر ہے، اور نہ اپنے بھائی کے خلاف کینہ رکھنے والے کی گواہی معتبر ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے کسی گھرانے پر قناعت کرنے والے کی گواہی کو رد فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے چار قسم کے لوگوں کی گواہی کو غیر معتبر قرار دیا ہے، ان کی گواہی ان کے فسق کی وجہ سے یا عداوت کی وجہ سے، یا طرفداری کی وجہ سے معتبر نہیں ہے تین طرح کے لوگ وہ ہیں جن کا گذشتہ حدیث میں ذکر ہوا اس حدیث میں زانی اور زانیہ کی گواہی کے معتبر نہ ہونے کی مزید وضاحت ہے، چونکہ زنا بہت بڑا گناہ ہے، اور اس گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کی گواہی کا معتبر نہ ہونا متفق علیہ بات ہے۔ باقی تفصیل وتشریح گذشتہ حدیث کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

جنگل میں رہنے والے کی گواہی

{۳۶۱۰} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶/۵۰۷، باب شهادة البدوی، کتاب الاقضية، حدیث نمبر: ۳۶۰۲، ابن ماجه شریف، باب من لا تجوز شهادته، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۲۳۶۶۔

حل لغات: **البدوی:** **بادیه:** کی طرف منسوب ہے، (خلاف قیاس معنی) جنگلی، **القرية:** بستی، ایسی جامع آبادی جس میں ضروریات زندگی فراہم ہوں جو شہروں کے قریب ہوتے ہیں، شہر، قصبہ، گاؤں، جمع، **قری:** (خلاف قیاس)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی جنگل میں رہنے والے آدمی کی گواہی کسی شہر والے کے خلاف معتبر نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنگل کا رہنے والا چوں کہ شریعت کے علم سے ناواقف ہوتا ہے، اور شرعی شہادت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ ان اوصاف سے عاری ہوتا ہے، لہٰذا اس کی گواہی شہریوں کے حق میں یا ان کے خلاف معتبر نہیں ہوگی۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۱۰۶)

لاتجوز شهادة بدوی: جنگلی شہادت اس لئے جائز نہیں کہ وہ بالعموم جاہل اور کم فہم ہوتے

ہیں "**علی صاحب قریۃ**" شہر یا ایسی ہی ترقی یافتہ بستی کے رہنے والے پر یعنی اس کے خلاف جنگلی کی شہادت جائز نہیں، البتہ اگر شہادت موافقت میں ہو تو جائز ہے، خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انکی شہادت اسلئے قبول نہیں کی جائے گی کہ یہ احکام شرعیہ سے ناواقف ہیں اور اداء شہادت کی کیفیت سے نابلد ہوتے ہیں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ جاہل محض نہیں ہے، بلکہ کیفیت اداء شہادت سے واقف ہے اور عادل بھی ہے تو اسکی شہادت جائز ہوگی، البتہ اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، وہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس حالت میں بھی اسکی شہادت جائز قرار نہیں دیتے، اور تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جسکو علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پسند کیا کہ عدم قبول شہادت کی وجہ دونوں کے درمیان بعد کی وجہ سے تہمت کا احتمال ہے۔ (مرقاۃ: ۱۶۴/۴، انوار المصابیح: ۱۷۳۱/۶)

شھادة البدوی علی صاحب القریة

بدوی سے مراد ایسے لوگ ہیں جو کسی خاص جگہ مقیم نہیں ہوتے، بلکہ خیموں وغیرہ میں رہ کر زندگی گذارتے ہیں صاحب القریۃ ایسے آدمی جو کسی خاص جگہ گھر میں مقیم ہوتے ہیں۔

حنفیہ، شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ بدوی میں اگر شرائط شہادت موجود ہوں تو اس کی گواہی صاحب قریہ کے خلاف مقبول ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ "جراح" کے علاوہ دوسرے معاملات میں بدوی کی شہادت صاحب قریہ کے خلاف معتبر نہیں۔

(المغنی: ۱۶۷/۹، اشرف التوضیح: ۵۶۴/۲)

زیر بحث حدیث کا مطلب

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ شہادۃ البدوی علی صاحب القریۃ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جمہور کی طرف سے اس کی کئی توجیہات کی گئی ہیں، ان میں سے سب سے اچھی توجیہ وہ ہے جو "اعلاء السنن" میں امام ابو بکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں شہادت کے سلسلہ میں حکم مطلق ہے، بدوی اور قروی کا کوئی فرق نہیں ہے، مثلاً "**واستشھدوا شھیدین من رجالکم**" اور "من

ترضون من الشهداء" اور "**واشهدوا ذوی عدل منکم**" یہ آیات قروی اور بدوی دونوں کو شامل ہیں لہٰذا بدوی میں جب شرائط شہادت مکمل ہوں تو اس کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور حدیث میں یہ توجیہ ممکن ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے کسی خاص اعرابی کی شہادت کو شرائط شہادت نہ ہونے کی وجہ سے رد فرمایا ہو، راوی نے اس کو بطور ضابطہ کے نقل فرمادیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت کی بات ہو جبکہ اعراب میں کفر وشرک اور نفاق غالب تھا، جب کسی اعرابی کے ایمان کا یقین ہوگا تو اس کی شہادت رد کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص: ۵۰۰/ا تحت الآیۃ "**اذا تداینتم بدین**"۔

(اشرف التوضیح: ۲/۵۷۷)

مقدمہ میں ہوشیاری اختیار کرنے کی تلقین

{۳۶۱۱} **وَعَنْ** عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النبی صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَمَّا أَدْبَرَ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۰، باب فی الحبس، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۳۰۔

حل لغات: ادبر الرجل: پیٹھ پھیرنا، **قضی اللّٰہ،** اللہ کا حکم دینا، **لامہ علی کذا:** کسی کو ملامت کرنا، **اعجز:** بے بس، **عجز علی الشیئ:** بے بس ہونا، کسی کام کو نہ کرسکنا، کسی چیز میں کمزور ہونا، **الکیس:** عقل و دانش، سمجھ بوجھ، ذہانت، سخاوت، **حسب الشیئ فلانا:** کافی ہونا، **حسبی:** میرے لے کافی ہے۔

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ فرمایا، تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے اس وقت کہا کہ جب کہ اس

نے پیٹھ پھیری، اللہ میرے لئے کافی اور کارساز ہے، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نادانی پر مذمت فرماتے ہیں لیکن تمہارے لئے دانائی اختیار کرنا ضروری ہے، اس کے بعد اگر کوئی چیز تمہارے اوپر غالب آجائے تو تم کہو میرے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حق پر ہونے کے باوجود دینی غفلت و نادانی اور بینہ نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ ہار گیا، اور جو شخص ناحق تھا اس نے قسم کھا کر اپنے حق میں فیصلہ کرالیا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے غمزدہ ہو کر "**حسبی اللہ ونعم الوکیل الخ**" پڑھا، آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو نادانی پر تنبیہ فرمائی اور اس بات کی تلقین کی کہ معاملات میں ہوشیاری سے کام لینا چاہئے، غفلت سے کام نہ لینا چاہئے، اپنے تئیں کوتاہی نہ کرنے کے باوجود اگر کوئی نقصان پیش آئے تو کہا جائے "**حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر**"۔ (فیض المشکوٰۃ: ۷/۱۰۶)

حدیث کا پس منظر کیا ہے؟

اس سلسلہ میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں:

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا غالباً مقضی علیہ پر قرض کا معاملہ تھا اور انہوں نے مدعی سے شہادت طلب کئے بغیر اسکو ادا کر دیا تھا، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پس واجب ہے کہ "**العجز**" کو محمول کیا جائے اس معنی پر جو "**الکیس**" کے مخالف ہیں اور جو کوتاہی اور غفلت کے سبب سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم پر واجب تھا کہ اپنے معاملہ میں بیدار مغزی سے کام لیتے اور اسمیں کوتاہی نہ کرتے۔

تہمت کی بنا پر قید کرنا

{۳۶۱۲} وَعَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِيْ تُهْمَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد) وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ ثُمَّ خَلّٰى عَنْهُ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۱۱ ۵، باب فی الحبس، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۳۰، ترمذی شریف: ۱/، باب ماجاء فی الحبس، کتاب الدیار، حدیث نمبر: ۱۴۱۷، نسائی: ۲، باب امتحان السارق بالضرب والحبس، کتاب قطع السارق، حدیث نمبر: ۴۸۷۶۔

حل لغات: حبسه: حبساً: قید کرنا، قبضہ میں رکھنا، خلی عنه: رہا کرنا، آزاد کرنا، چھوڑ دینا۔

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ بیشک حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کیا۔ (ابو داؤد) ترمذی اور نسائی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے چھوڑ دیا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کے لئے تحقیق حال اور تفتیش کے لئے کسی متہم شخص کو قید کرنا جائز ہے، مثلاً کسی محلہ میں چوری ہوئی تو جب تک اصل چور پکڑا نہیں جا رہا ہے اس شخص کو جو مشتبہ ہے قاضی نظر بند کر سکتا ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۷/۱۰۷)

عن بھز: باء کو فتحہ ھاء ساکن اسکے بعد زاء ہے یہ تابعی ہیں پورا نام اس طرح ہے، بہز بن حکیم ابن معاویہ ابن حیدۃ قشیری بصری رحمۃ اللہ۔ اگرچہ ان سے حدیث کی روایت کرنے والی پوری ایک جماعت ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کوئی بھی حدیث روایت نہیں کی اور ابن عدی نے یہ کہا کہ مجھے ان کی کوئی منکر حدیث معلوم نہیں ہے۔ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ معاملہ اداء شہادۃ کا تھا کہ اس میں انہوں نے جھوٹ بولا تھا اور یا کسی دوسرے نے ان پر کسی گناہ یا قرض کا دعویٰ کیا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے ان کو قید کر دیا تا کہ دعویٰ کی صداقت شہادت کے ذریعہ معلوم کی جا سکے لیکن جب ان کے خلاف کوئی شہادت قائم نہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو رہا کر دیا، **"ثم خلی عنه"** یعنی قید سے انکو چھوڑ دیا یعنی قید سے باہر کر دیا۔

حاصل: حدیث سے ثابت ہوا کہ قید کرنا احکام شرع میں سے ہے، یعنی اگر قاضی کسی کو قید کرنے میں مصلحت سمجھے تو اسکو شرعاً اس کا حق حاصل ہے۔ (مرقاۃ: ۴/۱۶۵، انوار المصابیح: ۶/۷۳۴)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو محض شبہ کی وجہ سے اور اس کے متہم ہونے کی وجہ سے

اس کو قید کیا چند روز کے لئے اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ قاضی کے لئے شخص متہم کو قید کرنا تحقیق حال اور تفتیش حال کے طور پر جائز ہے، اس حبس کا نام حبس استظہار ہے نہ کہ حبس عقوبت، مثلاً کسی محلہ میں چوری ہوگئی اس محلہ میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں چوری کا شبہ ان کے ظاہری حال کے پیش نظر ہے تو یہاں پر قاضی اگر مناسب اور ضرورت سمجھے اتنے اصل چوری کرنے والوں کی تحقیق اور تفتیش ہو ان لوگوں کو چند روز کے لئے نظر بند کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین مصلحت ہے۔ (الدر المنضود: ۴۶۴/ ۵)

{فصل الثالث}

مدعی اور مدعی علیہ میں برابری

{۳۶۱۳} عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يُقْعَدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ۔

(رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۴، ابو داؤد شریف: ۱/ ۵۰۵، باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۵۸۸۔

حل لغات: **الخصم:** فریق، مقابل، مخالف، حریف، جھگڑالو۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں فریق یعنی مدعی اور مدعی علیہ حاکم کے سامنے بٹھالئے جائیں۔ (احمد، ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان زیر بحث مقدمہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے کوئی تفریق نہ کرے بلکہ دونوں کے درمیان مساوات برقرار رکھے اور دونوں کو اپنے سامنے بٹھائے۔ (شرح الطیبی: ۲۶۱/ ۷، فیض المشکوۃ: ۱۰۷/ ۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قاضی کو چاہئے کہ خصمین میں سے کسی ایک کے ساتھ

امتیازی برتاؤ نہ کرے بلکہ دونوں کو اپنے سامنے بٹھائے۔

بذل میں ایک اشکال لکھا ہے کہ اس حدیث میں کیفیت جلوس مذکور نہیں لہٰذا ترجمۃ الباب میں لفظ "کیف" نہیں ہونا چاہئے تھا، لیکن اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ خصمین میں سے ہر ایک کا حاکم کے سامنے بیٹھنا یہی کیفیت جلوس ہے۔ (مرقاۃ: ۱۶۵/ ۴، الدر المنضود: ۸۴۴/ ۵)

طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: قاضی کے لئے سب سے مشکل معاملہ یہی ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ میں برابری کرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرقاۃ: ۱۶۵/ ۴)

تم الجزء التاسع عشر من الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح بحمد اللہ
واحسانہ تعالی ویلیہ الجزء العشرین ان شاء اللہ تعالی
اولہ کتاب الجہاد
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا
انک انت التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک
سید المرسلین صلی اللہ علیہ
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین
الی یوم الدین
آمین

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)

۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ